

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح افادہ  
اور اضافات کے ساتھ

# اللَّهُ الْمُنِضُّ

على

# سُئِنَا لِيْكَ اَوَّلُ

الجزء الخامس

افادات ورسچ

مولانا محمد عاقل صاحب صدق المدرسین مظاہر علوم

تلمیذ رشید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

ناشر

مکتبہ الشیخ

۴۴۵/۲ - بہادر آباد - کراچی ۵



مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے صحیح افلاطون  
اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

# الدلائل المنضوية على سنة نبينا صلى الله عليه وسلم

افادات ودرسیہ مع اضافات و نظر ثانی  
مولانا محمد عاقل صاحب صدر الدرسین مظاہر علوم  
== تلیذ رشید ==  
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

الجزء الخامس

ناشر  
مکتبۃ الشیخ  
۳/۲۳۵ - بہادر آباد - کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح اغلاط اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

نام کتاب: ..... الدر المنصود علی متن ابی داؤد (مترجم)

افادات درسیہ: ..... حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ مدرسہ المدینہ درہم مظاہر العلوم

ناشر: ..... مکتبہ الشیخ ۳۳۵/۳ بہادر آباد کراچی ۵

اشاعت طبع جدید: ..... 2008/۱۱۴۲۹



## مکتبہ خلیہ

دکان اسلام کتب مارکیٹ بخاری ٹاؤن کراچی

### دیگر ملنے کے پتے:

کتاب خانہ شریفہ	اردو بازار کراچی	مکتبہ انعامیہ	اردو بازار کراچی
زم زم پبلشرز	اردو بازار کراچی	مکتبہ حقانیہ	ملتان
کتاب خانہ مظہری	گلشن اقبال کراچی	کتاب خانہ مجیدیہ	ملتان
اقبال بک سینٹر	صدر کراچی	ادارہ اسلامیات	لاہور
دارالاشاعت	اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید	لاہور
اسلامی کتب خانہ	بخاری ٹاؤن کراچی	مکتبہ رحمانیہ	لاہور

## فہرست مضامین الدر المنصور علی مسنن ابی داؤد، جلد خامس

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸	ان لہذہ البہائم ادا بد کا و ادا بد الوحش	۱۷	ولا نضی بعبورہ ولا مقابله	۱۷	کتاب الضحایا
"	باب ماجاء فی ذبیحۃ المتروکۃ	"	ولا مدایرة الحدیث	"	مباحث ست مفیدہ
"	اما تكون الزکاة الا من اللبۃ او الحلق	۲۰	ہنی ان یضی بعضہا الاذن والقرن	۲۰	وجوب الضحیہ کی دلیل
۳۸	قال ابو داؤد: لا یصلح هذا الا	۲۱	باب البقر والجوز وعن کم تجوز	۲۱	باب الاضحیۃ عن المیت
۳۹	فی المترکۃ او اس پر حضرت	۲۲	باب فی الشاة یضی بہا عن جماع	۲۲	مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ
"	کا اشکال اور جواب	"	باب الامام یدبح بالمصلی	"	باب الرجل یاخذ من
۴۰	باب فی المیالغ فی الذبح	"	باب حبس لحوم الاضاحی	"	شعورۃ فی العشائر
"	حقیقۃ الذبح	"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	"	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ
"	ہنی عن شریطۃ الشیطان الحدیث	۳۴	باب فی الرفق بالذبیحۃ	۲۳	باب ما یستحب من الضحایا
۴۱	باب ماجاء فی ذکاة الجنین	"	ہنی ان تصبر البہائم الحدیث	"	اللہم تقبل من محمد وال محمد
"	مسئلۃ الباب میں اختلاف ائمہ	"	باب فی المسافر یضی	"	ومن امة محمد ﷺ
۴۲	باب للحم لا یدری اذکر اسم اللہ	۲۵	باب فی ذبائح اهل الکتاب	"	قربانی کے جانور میں شرکت
"	علیہ ام لا	"	باب ماجاء فی اکل معاقرة	"	اور اسمیں مذاہب ائمہ کی تحقیق
"	شرح السند	"	الاعراب	"	تخریج بدعات بیدہ
"	باب فی العتیرۃ	۲۵	لا عقر فی الاسلام الحدیث	"	و یکبشین اقرنین النجین
"	فرع وغیرہ کی بحث مع مذاہب ائمہ	"	باب الذبیحۃ بالمروۃ	"	المجین موجوبین
۴۳	فرع کی تفسیر میں اقوال	۲۶	انا تلقی العذو غدا وليس	"	باب المجوز فی الضحایا من السن
۴۴	باب فی العقیقۃ	۲۷	معنادی الحدیث	"	ان الجذع یونی مملو فی منہ الشئی
"	عقیقۃ سے متعلق بعض ضروری مباحث	۲۸	آلہ ذبح کیسا ہونا چاہئے	"	یا رسول اللہ عن ذی عنان
۴۵	عن الغلام شاتان مکافستان	"	اسمیں مذاہب ائمہ	"	لبن می خیر من شاتی لحم
"	اقرار الطیر علی مکناہما	۲۹	وتقدم سرعان من الناس فتعجلوا	"	قربانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے
۴۶	کل غلام رھینۃ بعقیقۃ الحدیث	"	قسم بینہم فعدل بعبیر ابعشر شیاہ	"	باب ما یکرہ من الضحایا



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲	باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا	۴۹	ما لم یصل أو تجدد فیہ اثر غیر سہک	۴۹	شرح الحدیث
۶۳	باب ماجاء فی نسخ الوصیۃ	۵۵	اور لحم منتقن کا حکم	۴۷	عقیقہ میں یوم الرابع کی قید
"	للولدین والاقربین	"	افتنی فی آئینہ لم یجوز ادائی مشرکین	"	وید شئی کان قنارۃ اذا سئل
"	باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث	"	کا استعمال کب جائز ہے	"	عن الدم الخ
"	باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام	۵۶	باب اذا قطع من الصيد قطعۃ	۴۸	لا یحب الشرا یعقوب
۶۴	باب ماجاء فی مال الیتیم	"	باب فی اتباع الصيد	"	البواب الصيد
"	ان ینال من مال الیتیم	۵۷	کتاب الوصایا	۴۹	باب اتخاذ الکلب للصيد
"	باب ماجاء متى ینقطع الیتیم	"	باب ماجاء فی ما یؤمر بہ	"	اشقص من اجرہ کل یوم قیراط
"	باب ماجاء فی التشدید فی	"	من الوصیۃ	"	لولا ان الکلاب امۃ من الامم الحدیث
"	اکل مال الیتیم	"	ما حق امری مسلم شئی یوصی فیہ الخ	۵۰	باب فی الصيد
۶۵	اجتنبوا السبع الموبقات الحدیث	"	حکم الوصیۃ	"	ذکاة کی دو قسمیں اختیار و اضطراری
"	گناہوں میں صغائر و کبائر کی بحث	۵۸	ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	"	تسمیۃ عند الذبح وعند الارسال
"	باب ماجاء فی الدلیل علی	"	دینار و درہم الحدیث	"	میں اختلاف ائمہ
"	ان الکفن من جمیع المال	۵۹	باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ	۵۱	فکل مما اسکن علیک
۶۶	باب ماجاء فی الرجل یهب الہبۃ	"	مرض مرضا اشفی فیہ الخ شرح الحدیث	"	تعلیم کلب کے بارے میں جہو
"	ثم یوصی لہ بہا او یرثہا	"	یا رسول اللہ اتخلف عن حجرتی قال	"	اور امام مالک کی دلیل
"	باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف	"	انک ان تخلف بعدی الخ	"	قلت ارسی بالمعراض الحدیث
۶۷	وقف کی حقیقت میں امام صاحب	۶۰	تنبیہ	۵۲	بندوق کا شکار اور اس میں اختلاف
"	اور جمہور کا اختلاف	"	لکن البائس سعد بن خولہ الحدیث	"	وکان لنا جارا و دخیلا
"	اصاب عمر ارضا بخیر الخ	"	وصیت سے متعلق بعض ضروری	"	وربیطا بالنہرین
"	حضرت عمر کے وقف والی حدیث	۶۱	مسائل مع اختلاف ائمہ	۵۳	ولم تجدد فی ما روا فیہ اثر غیر سہک
"	کی شرح	"	باب ماجاء فی کراہیۃ	"	شکار تیر لگنے کے بعد اگر غائب
۶۸	کتاب الوقف کی نقل	"	الاضرار فی الوصیۃ	"	ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے
۶۹	باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت	۶۲	ای الصدقۃ افضل الحدیث	"	مع اختلاف ائمہ بالتفصیل

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۲	باب فی المولود یتہل ثم یتوت	۷۹	باب فی میراث العصبۃ	۶۹	اذا مات الانسان انقطع عنه
۹۰	باب نسخ میراث العقد	۸۰	باب فی میراث ذوی الارحام		عملہ الا من ثلاثۃ الحدیث
۹۳	بمیراث الرحمہ		اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ملل		باب ماجاء فی وصیۃ الحری
۹۰	باب فی الحلف		والخال وارث من لا وارث له		یسلم ولیہ الخ
۹۰	لا حلف فی الاسلام		یعقل عنه ویرثہ		باب ماجاء فی الرجل یموت
۹۵	باب فی المرأة توت من دیتہ زوجہا	۸۱	انا اولی بكل مؤمن من نفسه	۷۱	وعلیہ دین ولیہ وفاء الخ
۹۷	آیۃ المیراث کی تفسیر و ملامہ		انا مولی من لا مولی له ارث ماله الخ		حدیث دین جابر کی شرح
۹۷	دیت کے بار میں ابتدا و حتم و غیر	۸۲	کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے	۷۲	کتاب الفرائض
	کی رائے اور پھر اس سے رجوع		ان عندی میراث رجل من الازد		العالم ثلاثۃ وما سوی ذلک فہوم
۱۰۰	کتاب الخراج والفی والامارۃ		ولست اجد ازیذیانہ شرح الحدیث		فضل الحدیث اور اسکی شرح
۸۴	کتاب الخراج کا موضوع اور حاصل	۷۳	باب میراث ابن الملاعنہ		باب فی الکلالۃ
۱۰۱	کلمہ راع و کلمہ رسول عن رعیتہ		باب ہل یتوت المسلم الکافر		یا رسول اللہ شریف اصنع فی مالی
۸۵	باب ماجاء فی طلب الامارۃ		هل ترک لنا عقیل منزلا الخ		ولی اخوات الخ
۸۶	باب فی الضریر یؤتی	۷۴	لا یتوارث اهل ملتین شتی		آیت میراث کا نزول کس بار میں ہوا
۱۰۲	باب فی اتخاذ الوزییر		باب فیمن اسلم علی میراث		باب من کان لیس له ولد
۸۷	باب فی العرافۃ		باب فی الولاء		ولما خوات
۱۰۳	باب فی اتخاذ الکاتب		ولار کی قسمیں مع اختلاف علماء		تنبیہ
۱۰۴	آپ کے کاتبین کے اسماء گرامی		ارادت عائشہ ان تشری جاریہ تعقیبہا		الاوصی لا خواتی بالثلثین قال الحسن
	باب فی السعایۃ علی الصدقۃ	۷۵	شرار بریرہ والی حدیث پر کلام		شرح الحدیث
	لا یدخل النجۃ صاحب کس	۷۶	ان رباب بن حذیفہ تزوج		آخر آیت نزلت فی الکلالۃ الخ
۱۰۵	باب فی الخلیفۃ یتخلف		امراۃ الحدیث وهل یجری التوارث		باب ماجاء فی میراث الصلب
۱۰۶	باب ماجاء فی البیعۃ		فی الولار		لقد ضللت اذا وانا من المتبتین
	باب فی ارزاق العمال	۷۷	باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل		باب فی الجدة
۱۰۷	باب فی ہدایا العمال	۷۸	باب فی بیع الولاء		باب ماجاء فی میراث الجد



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۰۸	باب فی غلول الصدقة	۱۲۲	طلب میراث کے سلسلہ میں بعض اشکال و جواب	۱۳۹	ان ام حکم اوضباعہ ابنتی الزیر بن عبد المطلب حدیثہ عن احدہما اس سند کی تحقیق
۱۰۹	باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ	۱۲۳	ارض بنو نضیر کے مال فی ہونے میں اختلاف	۱۴۱	کتنا نقول انہ من الابدال قبل ان ینصح ان الابدال من الموالی
۱۱۰	قول عمر ما انا باحق بہذا الفی منکم مال فی کئی بار میں حضرت عمر کی رائے	۱۲۵	کانت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا	۱۴۲	ابدال داوود کا ثبوت احادیث سے
۱۱۱	ارض مفتوحہ کے بار میں حضرت عمر کی رائے	۱۲۶	حضرت علی وعباس کے درمیان تولیت میں اختلاف کا منشاء	۱۴۳	باب ماجاء فی سہم الصفی حضرت صفیہ آپ کے حصہ میں کیسے آئیں اسکے بارے میں روایات
۱۱۲	مال فی اور غنیمت میں فرق اور ہر ایک کا حکم اور مصرف	۱۲۷	سورہ حشر کی آیت کا نزول	۱۴۴	باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ اور اسکی مختصر تاریخ
۱۱۳	باب فی قسم الفی	۱۲۹	فدک کے بار میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف	۱۴۶	کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ
۱۱۴	باب فی ارزاق الذمائیۃ	۱۳۱	حضرت فاطمہ کی صدیق اکبر سے ناراضگی ترک کلام اور اسکی توجیہ	۱۴۸	یا معشر الیہود اسلموا اسلموا
۱۱۵	باب متی یفرض للرجل فی المقاتلۃ	۱۳۲	ازواج مطہرات کا صدیق اکبر سے طلب میراث کا ارادہ	۱۴۹	باب فی خیر النضیر بنو نضیر کے نقص عہد اور غدار کی واقعہ
۱۱۶	باب فی کراہیۃ الافتراض فی آخر الزمان	۱۳۵	باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی	۱۵۱	باب ماجاء فی حکم ارض خیبر باب سے متعلق مباحث اربعہ مفیدہ
۱۱۷	باب فی تدوین العطاء	۱۳۶	تقسیم غنیمت کے بار میں آیت کریمہ ترجمۃ الباب الی سلسلہ میں مذاہب ائمہ	۱۵۲	ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث
۱۱۸	باب فی صفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاموال	۱۳۸	خمس غنیمت میں بنو نفل و بنو عبد شمس کو شامل نہ کرنا	۱۵۳	بحث رابع عشری اور خراجی زمین کی تفصیل
۱۱۹	ترجمۃ الباب کی تشریح اور غرض مصنف آپ کیلئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے آپ کے صفیاء کا مصداق و تعیین آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا	۱۳۹	حضرت علی کی تولیت خمس الخمس میں حدیث میں شاید یوں کچھ مسائل سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ	۱۵۵	ارض بنو نضیر میں یا خراجی غزوہ خیبر کا بیان
	حضرت عمر کی طویل حدیث اختتام علی وعباس کے بار میں اور اسکی مفصل شرح	۱۳۸	حضرت علی کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ	۱۵۶	خیبر کی فتح عنوة ہے یا صلحی
	مصنف کی ایک عادت شریفہ اور کمال ادب				

صفہ	مضامین	صفہ	مضامین	صفہ	مضامین
۱۵۸	قال ابو داؤد: وقرئ علی الحارث بن مسکین	۱۵۸	لئن بقیت لنصاری بنی تغلب	۱۵۸	قال ابو داؤد: وقرئ علی الحارث بن مسکین
۱۵۹	مصنف کا حارث بن مسکین سے روایت کرنے کا طرز	۱۵۹	لا قتلن المقاتلۃ، اس حدیث کی شرح اور اس پر کلام	۱۵۹	مصنف کا حارث بن مسکین سے روایت کرنے کا طرز
۱۶۰	قول عمر: لولا آخر المسلمین ما فتحت قرۃ الا قسمتها	۱۶۰	آپ کی نصاریٰ نجران کیساتھ معیت	۱۶۰	قول عمر: لولا آخر المسلمین ما فتحت قرۃ الا قسمتها
۱۶۱	باب ما جاء فی خبر مکه فتح مکه سے متعلق حدیث	۱۶۱	باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس	۱۶۱	باب ما جاء فی خبر مکه فتح مکه سے متعلق حدیث
۱۶۲	باب ما جاء فی خبر الطائف غزۃ طائف	۱۶۲	بجوس سے جزیرہ لینے میں عمر فاروق کا تردد	۱۶۲	باب ما جاء فی خبر الطائف غزۃ طائف
۱۶۳	اسلام میں نماز کی غایت درجہ اہمیت	۱۶۳	ایک اصولی مسئلہ صیغہ تحدیث سے متعلق	۱۶۳	باب ما جاء فی خبر الطائف غزۃ طائف
۱۶۴	باب ما جاء فی حکم ارض الیمن	۱۶۴	باب التشدید فی جلیۃ الجزیۃ	۱۶۴	باب ما جاء فی حکم ارض الیمن
۱۶۵	باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب	۱۶۵	باب فی تعشیر اهل الذمۃ	۱۶۵	باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب
۱۶۶	جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصداق	۱۶۶	اذا اختلفوا فی التجارۃ	۱۶۶	جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصداق
۱۶۷	لا تكون قبلتان فی بلد واحد الحدیث	۱۶۷	مسئلہ مذکورہ فی الباب کی تفسیر و تشریح	۱۶۷	لا تكون قبلتان فی بلد واحد الحدیث
۱۶۸	باب فی یقاف ارض السواد عشر اور خراج میں فرق	۱۶۸	اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ بالتفصیل	۱۶۸	باب فی یقاف ارض السواد عشر اور خراج میں فرق
۱۶۹	منعت العراق فیزہا و درہما	۱۶۹	ابن العسور علی الیہود و النصاری الحدیث	۱۶۹	منعت العراق فیزہا و درہما
۱۷۰	ومنعت الشام مدینہا و دینارہا الحدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایت	۱۷۰	ذمیوں کیساتھ معاملات میں	۱۷۰	ومنعت الشام مدینہا و دینارہا الحدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایت
۱۷۱	اور اس صحیفہ کا تعارف	۱۷۱	احتیاط اور زیادتی پر وعید	۱۷۱	اور اس صحیفہ کا تعارف
۱۷۲	باب فی اخذ الجزیۃ شرائط و جوب جزیرہ	۱۷۲	عن ابائہم دینہ اس لفظ کی شرح	۱۷۲	باب فی اخذ الجزیۃ شرائط و جوب جزیرہ
۱۷۳		۱۷۳	باب فی الذمی یسلم فی بعض السنۃ هل علیہ جزیۃ	۱۷۳	
۱۷۴		۱۷۴	شرح الحدیث و مذاہب الائمۃ	۱۷۴	
۱۷۵		۱۷۵	باب فی الامام یقبل	۱۷۵	
۱۷۶		۱۷۶	ہدایا المشرکین	۱۷۶	
۱۷۷		۱۷۷	آپ کی معیشت اور گذران کے بارے میں ایک طویل حدیث	۱۷۷	
۱۷۸		۱۷۸		۱۷۸	
۱۷۹		۱۷۹		۱۷۹	
۱۸۰		۱۸۰		۱۸۰	
۱۸۱		۱۸۱		۱۸۱	
۱۸۲		۱۸۲		۱۸۲	
۱۸۳		۱۸۳		۱۸۳	
۱۸۴		۱۸۴		۱۸۴	
۱۸۵		۱۸۵		۱۸۵	
۱۸۶		۱۸۶		۱۸۶	
۱۸۷		۱۸۷		۱۸۷	
۱۸۸		۱۸۸		۱۸۸	
۱۸۹		۱۸۹		۱۸۹	
۱۹۰		۱۹۰		۱۹۰	
۱۹۱		۱۹۱		۱۹۱	
۱۹۲		۱۹۲		۱۹۲	
۱۹۳		۱۹۳		۱۹۳	
۱۹۴		۱۹۴		۱۹۴	
۱۹۵		۱۹۵		۱۹۵	
۱۹۶		۱۹۶		۱۹۶	
۱۹۷		۱۹۷		۱۹۷	
۱۹۸		۱۹۸		۱۹۸	
۱۹۹		۱۹۹		۱۹۹	
۲۰۰		۲۰۰		۲۰۰	



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۲	باب فضل من مات بالطاعون	۲۰۱	خذ قبر ابی رغال وکان بہذا الحرم	۱۹۱	حدیثی جدای صفیہ وحبیبہ الحدیث
"	شہادت کے اسباب سبعہ کی تشریح	"	یدفع عنہ ابورغال کا تعارف	"	اور اس کی شرح
۲۱۳	اسباب الشہادۃ کی تعداد	۲۰۲	کتاب الجنائز	۱۹۳	من سبق الی مارلم بسبقہ الیہ
"	اور ان کے مصادیق	۲۰۳	قائدہ تاریخیہ بذل المجہور سے متعلق	"	المسلمون فہولہ الحدیث
۲۱۵	باب المریض یوخذ من	"	باب الامراض المکفرۃ للذنوب	"	قطع الزبیر حضرت فرسہ فاجری فرسہ الحدیث
"	اظفارہ وعانتہ	۲۰۵	باب عیادۃ النساء	"	باب احياء الموات
"	حضرت حبیب بن عدی کی	"	قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انی	"	فاصدی ملک الیہ الی رسول اللہ
"	شہادت	"	لا علم اشداۃ فی کتاب اللہ الحدیث	۱۹۵	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغلہ بیضار
"	باب ما یستحب من حسن	۲۰۶	باب فی العیادۃ	"	وکتب بجمہ الحدیث اور اس کی شرح
"	الظن باللہ عند الموت	"	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا	"	امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان
۲۱۶	باب ما یستحب من تطہیر	"	عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے	"	تورث دور المہاجرین النساء الحدیث
"	تثاب المیت عند الموت	"	تشریف لیجانا اور اپنا قیام کو پہنانا	"	باب ملجاء فی الدخول فی
"	دو متعارض حدیثوں درمیان تطبیق	۲۰۷	باب فی عیادۃ الذمی	۱۹۷	ارض الخراج
"	باب ما یقال عند المیت	"	باب المشی فی العیادۃ	۱۹۸	من اخذ ارضا بجزیرتہا فقد استقال ہجرۃ
۲۱۷	من الکلام	۲۰۸	باب فی فضل العیادۃ	"	باب فی الارض یحمیہا الامام
۲۱۸	باب فی التلقین	"	باب فی العیادۃ مرارا	۱۹۹	او الرجل
"	باب تغیض المیت	۲۰۹	باب العیادۃ من الرمد	"	حمی اور احیاء میں فرق
۲۱۹	باب فی الاسترجاع	"	ثلاثۃ لیس لہم عیادۃ الحدیث	"	باب ما جاء فی الرکاز وما فیہ
۲۲۰	باب فی المیت یسجی	"	باب الخروج من الطاعون	"	فی الرکاز الخمس الحدیث اور اس میں
"	باب القراءة عند المیت	"	باب الدعاء للمریض	"	اختلاف ائمہ
۲۲۱	باب المجلس عند المصیبة	۲۱۰	بالشفاء عند العیادۃ	"	ذهب المقداد الحاجۃ بنقیع النجیۃ
۲۲۲	باب التعزیه	۲۱۱	باب الدعاء للمریض عند العیادۃ	"	الحدیث اور اس کی شرح
"	لو بلغت معہم الکدی فذکرہم	"	باب کراہیۃ تمعی الموت	"	باب نبش القبور
"	تشدید فی ذلک	۲۱۲	باب فی موت الفجاءۃ	۲۰۱	العادیۃ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۶	ایک ذکر جہری کرنا والے کی خوش نصیبی { اور آپ کا اسکی قبر میں نزول	۲۲۷	آپ کے کفن کی تحقیق میں { حضرت عائشہ کی رائے	۲۲۲	آپ کے والدین کا حکم اخروی
"	باب فی المیت یحمل من ارض { الی ارض	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامہ	۲۲۳	باب الصبر عند المصیبة
"	نقل میت کے بارے میں مذاہب ائمہ	۲۲۸	کفن الرجل کے مصداق میں { ائمہ اربعہ کے مسالک	"	باب فی البکاء علی المیت
۲۲۸	باب فی الصف علی الجنائزۃ	"	لیس فیہا قمیص ولا عمامہ الحدیث { کس کی دلیل ہے	۲۲۴	باب فی النوح
"	باب اتباع النساء الجنائزۃ	۲۲۹	کفن کے تین درجات	"	المیت یعذب بیکار اھلہ علیہ { اس حدیث کی تحقیق اور توجیہ
۲۲۹	باب فضل الصلوۃ علی الجنائزۃ	"	باب کراہیۃ المخالاة فی الکفن	۲۲۸	باب صنعة الطعام لاهل المیت
۲۵۰	باب فی اتباع المیت بالنساء	"	مصعب بن عمیر قتل یوم احد { ولم یکن لہ الا نمرۃ	"	باب فی الشہید یغسل { صلوۃ علی الشہید کی بحث
"	باب القیام للجنائزۃ	"	باب فی کفن المرأة	"	ثوب واحد میں ایک سے زائد
۲۵۱	یہاں پر دو مسئلے ہیں اور { ان کی وضاحت	۲۳۰	عورت کے کفن کی تفصیل { عند الائمة الاربعة	"	میت کی تکفین
۲۵۳	باب الركوب فی الجنائزۃ	"	باب فی المسک للمیت	۲۳۲	باب فی سترۃ المیت عند غسلہ
۲۵۴	باب المشی امام الجنائزۃ	۲۳۱	باب فی تعجیل الجنائزۃ	"	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے { متعلق حدیث
"	مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ	۲۳۲	اس تعجیل کی مصلحت	"	احد الزوجین کا آخر کو غسل دینا و مذاہب الائمة فیہ { فقال اغسلہا ثلاثا او خمساً الحدیث
۲۵۵	صلوۃ علی الطفل میں مذاہب ائمہ	"	باب فی الغسل من غسل المیت	"	استبراک بآثار الصالحین اور اس بارے میں بخاری کی ایک حدیث
"	باب الاسراع بالجنائزۃ	۲۳۳	اس مسئلہ میں اختلاف علماء	"	باب کیف غسل المیت
۲۵۶	باب الامام یصلی علی { من قتل نفسه	"	قال ابو داؤد الخ کی شرح	۲۳۶	قالت وضرنا راہبہا ثلثة قرون { ثم القینا صا ظہنہا الحدیث
۲۵۷	باب الصلوۃ علی من { قتلہ الحدود	۲۳۴	باب فی تقبیل المیت	"	باب فی الکفن
"	صلوۃ علی ماعز بن مالک کے { بارے میں اختلاف روایات	۲۵۱	غسل میت کی علت میں علماء { کے اقوال	"	دفن باللیل سے منع کی حدیث
"	بخطاف امرأة قائمہ کے {	"	باب فی الدفن باللیل	"	





صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸۸	باب فی الحلف کاذباً متعمداً	۲۸۸	یمین غموس کا حکم	۲۸۸	باب فی من حلف لیقطع بہامالا
۲۸۹	باب کم الصاع فی الکفارة	۲۸۹	کفارة یمین کی تفصیل مع مذاہب ائمہ	۲۸۹	احادیث الباب کا تجزیہ اور تخریج
۲۹۰	باب کراهیۃ النذر	۲۹۰	باب فی الرقبة المؤمنة	۲۹۰	باب ما جاء فی تعظیم الیمین
۲۹۱	باب کراهیۃ النذر	۲۹۱	باب کراهیۃ النذر	۲۹۱	عند منبر النبی ﷺ
۲۹۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۱	باب الیمین بغير الله
۲۹۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۱	قول عمر فوالله ما حلفت
۲۹۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۲	بهاذا کرا ولا اشراً
۲۹۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۲	باب کراهیۃ الحلف بالامانة
۲۹۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	باب المعارض فی الایمان
۲۹۷	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۷	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	باب ما جاء فی الحلف بالبراءة
۲۹۸	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۸	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	من ملۃ غیر الاسلام
۲۹۹	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۹	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	ترجمة الباب من اختلاف نسخ
۳۰۰	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۰	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	اور اس کی تحقیق
۳۰۱	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۱	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۳	باب الرجل یحلف ان لا یتادم
۳۰۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۵	باب الاستثناء فی الیمین
۳۰۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۵	باب ما جاء فی یمین النبی ﷺ
۳۰۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۵	صلی اللہ علیہ وسلم ما کان
۳۰۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۵	تحقیق سند
۳۰۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	باب العنت اذا کان خیراً
۳۰۷	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۷	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	تقدیم الکفارة علی العنت میں
۳۰۸	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۸	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	اختلاف علماء
۳۰۹	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۰۹	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	باب فی القسم هل یمیننا
۳۱۰	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۰	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۱	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۱	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۲	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۳	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۴	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۵	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	
۳۱۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۳۱۶	باب من رأى علیہ کفارة الخ	۲۹۶	



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۵۶	باب فی بیع الغرر	۲۲۰	بیع الصرف کی تعریف اور حکم	۲۲۴	باب فی التجارة یخالطها {
۲۵۷	بیع الملامسة والمناذرة	"	ربا الفضل کے عدم جواز میں {		الحلف واللغو
۲۵۸	ہنئی عن بیع خبل الحبلۃ	"	بعض صحابہ کا اختلاف	۲۲۸	باب فی استخراج المعادن
"	باب فی بیع المضطر	"	ربا کی تعریف	۲۲۹	باب فی اجتناب الشبهات
۲۵۹	باب فی الشریکۃ	"	الذهب بالذهب ربا الاھار {	"	الحلال بین و الحرام بین الحدیث
۲۶۰	باب فی المضارب یخالف	۲۲۱	وھار الحدیث، اور اس کی {	۲۲۰	اشیاء میں اصل اباحت ہے یا توقف
۲۶۱	بیع فضولی میں مذاہب ائمہ	"	شرح بالتفصیل	"	اہل بیت بیت کی طرف سے {
۲۶۲	باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل	"	باب فی حلیۃ السیف {	۲۲۱	ضیافت، اشکال و جواب
۲۶۳	حدیث الغار کا ایک قطعہ	۲۲۴	تباع بالدرھم {	۲۲۲	باب فی وضع الربا
"	باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال	۲۲۵	مسئلہ مدعوہ اور اس کی شرح	"	باب فی کراہیۃ الیمین {
۲۶۴	باب فی المزارعۃ	"	باب فی اقتضاء الذهب {		فی البیع
۲۶۵	مزارعۃ کے اقسام و مذاہب ائمہ	۲۲۶	من الورق {	"	باب الرجحان فی الوزن {
"	مساقاۃ اور اسمیں اختلاف ائمہ	۲۲۷	باب فی بیع الحيوان بالحيوان {		والوزن بالاجر
۲۶۷	رافع بن خدیج کی حدیث میں اضطراب	"	باب فی الرخصة	۲۲۳	شرح السند
"	باب فی زرع الارض بغیر {	۲۲۸	باب فی التمر بالتمر	"	باب فی قول النبی صلی اللہ
"	اذن صاحبھا	۲۵۰	باب فی المزبنة	"	تعالی علیہ وسلم المکیال {
۲۷۰	باب فی المضاربة	۲۵۱	باب فی بیع العرایا	"	مکیال اهل المدينة {
۲۷۱	باب فی المساقاۃ	"	عرایا کی حقیقت اور اسمیں اختلاف ائمہ	۲۲۶	باب فی التشدید فی الدین
"	آپ کا معاملہ یہود خیر کے ساتھ {	۲۵۲	باب فی مقدار العربیہ	۲۲۷	انا اولیٰ بكل مؤمن من نفسه
"	مزارعۃ کا تھا یا خراج کا {	"	باب تفسیر العرایا	"	صحۃ الکفالة عن المیت میں {
۲۷۲	باب فی الخرص	۲۲۸	باب فی بیع الثمار قبل {		اختلاف علماء
۲۷۳	کتاب الاجارة	"	ان ید و صلاحھا {	"	باب فی المطل
۲۷۴	باب فی کسب المعلم	۲۵۶	باب فی بیع السنین	۲۲۹	باب فی حسن القضاء
۲۷۵	باب فی کسب الاطباء	"	وضع الجوارح کا حکم	۲۳۰	باب فی الصرف

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۱۳	لا یحل سلف و بیع ولا شرطان {	۳۹۶	ترک جہاد پر وعید شدید	۳۷۷	باب فی کسب الحجام
"	باب فی بیع الحدیث اور اسکی شرح {	۳۹۷	باب فی السلف	۳۷۸	باب فی کسب الاماء
"	باب فی شرط فی بیع	"	صحہ سلم کے شرائط	۳۷۹	باب فی عسب الفحل
"	حضرت جابر کی شرائط جملہ الی حدیث	۳۹۹	سلم فی المنقطع کی تفصیل	"	باب فی الصائغ
۳۱۴	باب فی عہدۃ الرقیق	"	باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا	۳۸۰	باب فی العبد یباع ولہ مال
۳۱۶	باب فیمن اشترى عبداً {	"	باب السلف لا یحول	۳۸۱	باب فی المتلقی
"	فاستعملہ الخ	۴۰۰	باب فی وضع الجائحہ	۳۸۲	بیع علی بیع اخیه کی شرح
۳۱۷	الخارج بالظمان الحدیث	۴۰۱	باب فی تفسیر الجائحہ	"	باب فی النهی عن النجش
"	باب اذا اختلف البیعان {	"	باب فی منع الماء	۳۸۳	باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد
۳۱۸	والمبیع قاض	۴۰۲	باب فی بیع فضل الماء	"	باب من اشترى مصراة {
۳۱۹	باب فی الشفعہ	۴۰۳	باب فی ثمن السنور	۳۸۴	فکرہا
"	شفعہ کے لغوی واصطلاحی {	"	باب فی اثمان الکلاب	۳۸۷	باب فی النهی عن الحکرۃ
"	معنی کی تحقیق و تنقیح {	۴۰۴	باب فی ثمن الخمر والمیتۃ	"	احتکار کی حقیقت و تعریف
۳۲۲	باب فی الرجل یفلس	"	شرح الحدیث بالتفصیل	"	احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے
"	فیجد الرجل متاعہ بعینہ {	۴۰۷	باب فی بیع الطعام قبل {	۳۸۸	باب فی کسر الدراہم
۳۲۳	باب فی من احیی حسیرا	"	ان یستوفی	۳۸۹	باب فی التسغیر
۳۲۵	باب فی الرهن	"	بیع قبل القبض سے نہی کن کن {	"	باب فی النهی عن الغش
"	باب فی الرجل یأکل من {	۴۰۸	اشیاء میں ہے	۳۹۰	باب فی خيار المتبايعین
۳۲۶	مال ولده	"	باب فی الرجل یقول عند {	"	خيار مجلس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف
"	باب فی الرجل یجد عین {	۴۱۰	البيع لاخلابة	۳۹۳	باب فی فضل الا قتالہ
"	مالہ عند رجل	"	مذاہب الائمہ فی خيار المغبون	"	باب فی من باع بیعتین {
"	باب فی الرجل یأخذ {	۴۱۱	باب فی العربان	۳۹۴	فی بیعۃ
"	حقہ من تحت یدہ {	"	باب فی الرجل یبیع {	۳۹۶	باب فی النهی عن العینۃ
۳۲۸	مسئلۃ النظر فی تشریح اور مذاہب	۴۱۲	مالیس عندہ	"	بیع عینہ کی تعریف اور حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۵۰	باب فی قبول الہدایا	۲۲۹	باب فی ہدایا العمال	۲۲۹	باب فی قبول الہدایا
"	باب الرجوع فی الہبہ	۲۳۰	قاضی و عامل کے لئے قبول ہدیہ	۲۳۰	باب الرجوع فی الہبہ
"	باب فی الہدیۃ فی قضاء الحاجۃ	۲۳۱	کب جائز ہے	۲۳۱	باب فی الہدیۃ فی قضاء الحاجۃ
۲۵۱	باب فی الرجل یفضل	"	باب کیف القضاء	"	باب فی الرجل یفضل
"	بعض ولیدۃ فی النحل	۲۳۲	قضاء علی الغائب میں اختلاف علماء	"	بعض ولیدۃ فی النحل
"	باب فی عطیۃ المرأة	۲۳۳	باب فی قضاء القاضی	۲۳۳	باب فی عطیۃ المرأة
۲۵۲	بغیر اذن زوجها	"	اذا اخطأ	"	بغیر اذن زوجها
"	باب فی العمری	۲۳۵	قضاء القاضی کا نفاذ صرف ظاہر ہو جائے یا ظاہر و باطناً	"	باب فی العمری
"	باب فی الرقبی	۲۳۶	آپ کے لئے جواز اجتہاد	"	باب فی الرقبی
۲۵۳	باب فی تضمین العاریۃ	۲۳۸	باب کیف یجلس الخصمان	"	باب فی تضمین العاریۃ
"	باب فیمن افسد شیئاً	"	بین یدی القاضی	"	باب فیمن افسد شیئاً
۲۵۴	یغرم مشلہ	"	باب القاضی یقضى	"	یغرم مشلہ
"	وجوب ضمان کا ضابطہ	۲۳۸	وہو غضبان	"	وجوب ضمان کا ضابطہ
"	آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت	"	باب الحکم بین اہل الذمۃ	"	آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت
۲۵۵	باب المواشی تفسد	۲۳۹	باب اجتہاد الراى فی القضاء	"	باب المواشی تفسد
"	نزع قنوم	"	قول معاذ اقضى بکتاب اللہ قال	"	نزع قنوم
"	کتاب القضاء	۲۴۰	فان لم تجد فی کتاب اللہ الحدیث	"	کتاب القضاء
۲۵۶	باب فی طلب القضاء	"	حجۃ قیاس کا ثبوت	"	باب فی طلب القضاء
"	باب فی القاضی یخطئ	۲۴۱	حدیث الباب سے	"	باب فی القاضی یخطئ
"	باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ	۲۴۲	محدثین کا اس حدیث پر نقد	"	باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ
"	باب فی کراہیۃ الرشوة	"	باب فی الصلح	"	باب فی کراہیۃ الرشوة



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۹۵	باب فی الاوعیۃ	۴۷۴	کتابۃ العلم	۴۷۴	آپ ﷺ کے شہداء فرس کا ایک عبرت ناک واقعہ
۴۹۶	نہی عن الدباء والحتم والمزفت الخ	۴۷۵	باب التشدد بد فی الکذب علی	۴۷۵	باب القضاء باليمين والشاهد
۴۹۷	مشکیزہ میں نبیذ بنانے کی مصححت	۴۷۶	رسول اللہ ﷺ	۴۷۶	فکان سهیل بعد یحدثه عن
۴۹۸	اوعیہ اربعہ کی تشریح	۴۷۷	باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم	۴۷۷	وبعۃ عنه الخ
۴۹۹	وفد عبدالقیس والی حدیث کی شرح	۴۷۸	حدیث الباب کی شرح اور تفسیر بالرائے	۴۷۸	من حدث ونسی
۵۰۰	باب فی الخلیطین	۴۷۹	باب تکریر الحدیث	۴۷۹	بعث رسول اللہ ﷺ حیثما الی بنی
۵۰۱	کجور کی مختلف انواع اور ان کے اسام	۴۸۰	کان اذا حدث حدیثا اعاده	۴۸۰	العبر الحدیث، اور اس کی
۵۰۲	باب فی نبیذ البسر	۴۸۱	ثلاث مرات	۴۸۱	مفصل شرح
۵۰۳	باب فی صفۃ النبیذ	۴۸۲	باب فی سرود الحدیث	۴۸۲	باب الرجلان بدعیان شینا ولبس
۵۰۴	باب فی شراب العسل	۴۸۳	باب التوقی فی الفتن	۴۸۳	بینهما بینه
۵۰۵	تحريم غسل والی حدیث	۴۸۴	نہی عن الفلوطات	۴۸۴	باب اليمين علی المدعی علیه
۵۰۶	تحريم غسل اور تحريم مارید کا بیان	۴۸۵	باب کراهیۃ منع العلم	۴۸۵	باب کیف اليمين
۵۰۷	باب فی النبیذ اذا غلا	۴۸۶	باب فضل نشر العلم	۴۸۶	باب الرجل یحلف علی علمه
۵۰۸	باب الشرب قائما	۴۸۷	باب الحدیث عن بنی اسرائیل	۴۸۷	فیما غاب عنه
۵۰۹	باب الشراب من فی السقاء	۴۸۸	باب فی طلب العلم لغير الله تعالى	۴۸۸	باب اللحمی کیف یستحلف
۵۱۰	باب فی اختناث الاسقیۃ	۴۸۹	باب فی القصص	۴۸۹	باب الرجل یحلف علی حقه
۵۱۱	باب فی الشرب من للمة القدح	۴۹۰	لابقص الامیرا ومامور او مختار	۴۹۰	باب فی الدین هل یحس به
۵۱۲	باب فی الشرب فی انیۃ	۴۹۱	کتاب الاشربۃ	۴۹۱	باب فی الوکالۃ
۵۱۳	الذهب والفضۃ	۴۹۲	باب تحريم الخمر	۴۹۲	باب فی القضاء
۵۱۴	باب فی الکرع	۴۹۳	اشرب کے بارے میں حنفیہ اور جمہور علماء کا اختلاف مفصل	۴۹۳	ان رجلا خاصم الزبیر فی شراج
۵۱۵	باب فی الساقی منی بشراب	۴۹۴	ما اسکر کثره فقليله منه حرام	۴۹۴	الحرة الحدیث
۵۱۶	باب فی النفع فی الشراب	۴۹۵	باب العصب للخمر	۴۹۵	اختصم الی رسول اللہ ﷺ
۵۱۷	کیا آپ ﷺ کا معمول کھانے کے	۴۹۶	لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة	۴۹۶	رجلان فی حریم نخلة الذهب
۵۱۸	ساتھ ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟	۴۹۷	باب ما جاء فی الخمر تخلل	۴۹۷	کتاب العلم
۵۱۹	باب ما یقول اذا شرب اللبن	۴۹۸	باب الخمر مماهی	۴۹۸	باب فی فضل العلم
۵۲۰	باب فی ایکاء الانیۃ	۴۹۹	حنفیہ کے مسلک کی تائید و ترجیح	۴۹۹	ان الملائکۃ لتضع احنتها لحدیث
۵۲۱	وینلوه الجزء السادس اوله	۵۰۰	باب ما جاء فی السكر	۵۰۰	باب رواۃ حدیث اهل الکتاب
۵۲۲	کتاب الأطعمۃ	۵۰۱	نہی عن کل مسکر و مقفر	۵۰۱	ایک نوع کے دو باب اور ان میں بچہ فرق
۵۲۳	وهو الجزء الاخير انشاء الله تعالى	۵۰۲	باب فی الدادی	۵۰۲	اسرائیلیات کا حکم
۵۲۴		۵۰۳	طلہ کی تفسیر و تحقیق	۵۰۳	تورات اور انجیل کی زبان کوئی ہے؟
۵۲۵		۵۰۴		۵۰۴	کاتبین وحی صحابہ بدر کی تعیین

# مکتوب گرامی

مکرم و محترم مولانا برہان الدین صاحب منجھلی زید مجاہد  
صدر شعبہ تفسیر و استاذ حدیث، و ناظم تحقیقات شرعیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

..... مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتکم و مدت فیوضکم۔  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؛ خدا کرے بہم وجوہ مع الخیر ہوں۔

کوئی ایک ہفتہ ہوا جناب کا گرانقدر علمی تحفہ۔ الدر المنفود جلد چہارم، موصول ہوا۔ آپ نے جس درجہ اس میں محنت اور عرق نشانی کی ہے اس کا اندازہ دراصل وہی لگا سکتا ہے جس نے اس کو چہ کی سیر کی ہے، راقم بھی چونکہ اس کو چہ کا بھٹکتا راہی ہے (یار ہا ہے) اسلئے اسے قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ بعض جگہیں تو بے ساختہ سبحان اللہ۔ الحمد للہ، للہ دُرّہ جیسے دعائیہ اور تعریفی کلمات کا صحیح محل معلوم ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ فیض برابر جاری رہے۔

قال ابو داؤد، کی گتھی سلجھانے میں جو آپ نے ژرف نگاہی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے وہ درحقیقت کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے میں معین ہوتا ہے اور قاری کو سکون ذہنی عطا کرتا ہے، ورنہ دوسرے پہلوؤں پر تو اور لوگوں نے بھی قابل تعریف کام کیا ہے۔ جلد اول مستحاضہ کی بحث میں (اسکے اقسام و احکام) میں جو وضاحت فرمائی ہے وہ بہت ہی نافع ہے۔ اسی بحث میں انواع مستحاضہ کا بیان نمبر دار بہت آسان ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ یہ کام مکمل کرائے تاکہ اہل علم (خاص طور سے مدرسین) کو زیادہ سے زیادہ آسانی میسر آجائے۔ اس وقت تو جلد رابع کی وصولیابی کی اطلاع اور اس پر شکر گزاری کا اظہار مقصود ہے، کتاب پر اظہار رائے نہیں۔ دعاتے خیر میں یاد رکھنے کی خصوصی درخواست ہے۔ والسلام

احقر  
محمد برہان الدین

۱۴/۶/۵۲۳

# اول کتاب الاضاحیاء

یہاں نسخے مختلف ہیں، ایک نسخہ میں "اضحیاء" کے بجائے "الاضاحی" ہے، امام بخاری نے بھی "الاضاحی" کا لفظ اختیار کیا ہے، ہمارے نسخہ میں اسی سرخی کے بعد حدیث شروع ہو رہی ہے، وہی بعض نسخے "کافی حاشیۃ البذل" باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی کی زیادتی ہے۔

**مباحث سترہ مفیدہ** | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) اضحیۃ لغۃ وشرعاً (۳) اختلاف فہم فی حکما (۴) عدد ایام اضحیۃ میں اختلاف (۵) وقت ذبح کی ابتداء۔ (۶) مشروعیۃ اضحیۃ کی ابتداء۔

**بحث اول**۔ اس کتاب کی مناسبت کتاب الجہاد سے ظاہر ہے کہ جہاد میں اپنی جان و مال دونوں کا انفاق اور قربانی ہوتی ہے، اور اضحیۃ میں مال خرچ کر کے حیوان کی قربانی ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اس کے بعد کتاب الصيد آرہی ہے، بخاری میں اس کے برعکس "کتاب الصيد والذبايح" کتاب الاضاحی سے پہلے ہے۔

**بحث ثانی**۔ بذل الجہود میں اس میں چار لغات لکھے ہیں: اُضحیۃ (بضم الهمزة) اضحیۃ (بکسر الهمزة) اس کی جمع "اضاحی" ہے جیسے اُمنیۃ کی جمع امانی، اُضحیۃ اس کی جمع "اضحیاء" ہے، اس کی جمع "اضحی" جیسے ارطاة کی جمع ارطی، اھ۔

وفی الدر المختار: الاضحیۃ لغۃ اسم لما یذبح ایام الاضحی، من شمیۃ الشیء باسم وقتہ اھ وقال الکرمانی، وہی ما یذبح یوم العید تقرباً الی اللہ تعالیٰ، وسمیت بذلک لانہا تفعل بالضحی اھ (الحل المفہم ص ۳۰) اضحیۃ کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع تینوں سے ہے، اما الکتاب فقوله تعالیٰ "فصل لربک وانحر" قال بعض اهل التفسیر: المراد به الاضحیۃ بعد صلاة العید، واما السنۃ فماروی عن النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم** ضحی بکبش من المہین، الحدیث متفق علیہ، وجميع المسلمون علی مشروعیتہا (ادجز عن المغنی) **کتاب ثالث**۔ اضحیۃ کے حکم میں وجوب اور سنیت کے اعتبار سے اختلاف ہے، اکثر علماء کے نزدیک

لہ فی الادجز ص ۲۱۳ عن ابن عابدین: فیہ ثمان لغات: الاضحیۃ بضم الهمزة وکسرہا مع تشدید الیاء وتخفیفہا، وضحیۃ بلا همز بفتح الصاد وکسرہا، واضحاة بفتح الهمزة وکسرہا، اھ۔



جس میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں یہ سنت مؤکدہ ہے، امام مالک کا قول مشہور یہی ہے، اور حنفیہ اور امام مالک۔ فی روایت۔ کے نزدیک قربانی واجب ہے، وحلی العینی عن الہدایۃ۔ الاضحیۃ واجبة علی کل مسلم حر مقیم موسر اما الوجوب فقول ابی حنیفہ ومحمد واحدی الروایتین عن ابی یوسف، وعنه ابنہ اسنہ، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے اس کا وجوب امام ابو حنیفہ کا قول قرار دیا ہے، اور صاحبین کا قول یہ کہ وہ سنت مؤکدہ ہے، دلیل وجوب ابن ماجہ کی روایت ہے من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فروعا من کانت لہ سعة ولم یضغ فلا یقرض مصلانا،

قال العینی واخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد اھ وبسط الشیخ فی البذل — فی مستدلات الحنفیۃ فارجع الیہ من الاجزاء

**انواع اضحیہ** | بذل میں لکھا ہے اضحیہ کی دو قسمیں ہیں، واجب اور تطوع، اور پھر واجب کی چند قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا وجوب غنی اور فقیر دونوں پر ہو جیسے نذر کی قربانی اس کا وجوب مطلق ہے اس لئے کہ وجوب نذر کی وجہ سے ہے جس میں فقیر اور غنی دونوں برابر ہیں، اور ایک قسم وہ ہے جو واجب ہو فقیر پر نہ کہ غنی پر جیسے وہ جانور جس کو فقیر آدمی قربانی کی نیت سے خریدے اس لئے کہ وہ جانور شرار کی وجہ سے متعین ہو گیا بخلاف غنی کے کہ اگر وہ کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدے تو اس پر شرار کی وجہ سے اس کی قربانی واجب نہ ہوگی اس کو چھوڑ کر دوسری کر سکتا ہے، تیسری قسم وہ ہے ما یجب علی الغنی دون الفقیر، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ نہ نذر پائی جائے نہ شرار اھ۔

**اضحیہ کیلئے رغنی شرط ہے یا نہیں؟** | اس کے بعد سمجھئے کہ حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ اوپر ہدایہ سے گذر چکا اضحیہ کے وجوب کے لئے غنی شرط ہے اور جمہور کے نزدیک اگرچہ قربانی تو سنت

مؤکدہ ہے واجب نہیں اب یہ کہ تا کہ سنیت کے لئے غنی شرط ہے یا نہیں؟ تو کتب مالکیہ میں تو غنی کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک جو شخص توکب عام کا مالک نہ ہو اس کے حق میں سنت نہیں، اور کتب شافعیہ میں تصریح ہے کہ اس کے لئے غنی شرط نہیں مستطیع ہونا کافی ہے۔ مسافر پر اضحیہ ہے یا نہیں؟ اس پر مستقل کلام باب فی المسافر یعنی کے ذیل میں آ رہا ہے۔

**فائدہ ۱:-** باب کی آخری حدیث: ولکن تاخذ من شعک واطفارک الخ کے ذیل میں بذل المجہود میں لکھا ہے

اھ اب یہ کہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا علی العین سو مالکیہ کے یہاں تو تصریح ہے سنت مؤکدہ لعینہ کی نفی حاشیۃ الشرح الصغیر للدرر ج ۱۲۹ قولہ سن و تا کہ عینا علی المشہور، وقیل ابنہ واجبة، وقولہ عینا ای علی کل واحد بعینہ ممن استوفی الشروط الآتیۃ اھ اور کتب شافعیہ میں اس کو سنت علی الکفایہ لکھا ہے نفی شرح الاقناع ص والتغنیۃ سنۃ مؤکدہ فی حقنا علی الکفایۃ ان تعدد اہل البیت فلا نفع لہا واحد من اہل البیت کفی عن الجمع والافسنۃ عین اھ وقال کاظمی فی الفتح ج ۵ وہی عند الشافعیۃ وجمہور سنۃ مؤکدہ علی الکفایۃ اھ

ثم ظاهر الحديث وجوب الاضحية الاعلى العاجز ولذا قال جمع من السلف تجب على المعسر ويؤيده حديث يارسول الله استدين واصحى قال نعم فانه دين مقضى الى آخره في البذل، يعني بعض علماء کے نزدیک فقیر پر بھی قربانی واجب ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے ایک سائل کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ ہاں قرض لے کر بھی قربانی کرو اس لئے کہ یہ دین ادا ہو جائے گا، یا مطلب یہ کہ یہ قربانی آدمی پر ایک قسم کا دین اور واجب ہے۔

بحث رابع :- ایام اضحیہ کی تعیین و تعداد میں کافی اختلاف ہے جس کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے او جز مشہد میں تحریر فرمایا ہے، اس کے آخر میں حضرت شیخ لکھتے ہیں: والحكمة ان في تعيين ايام الاضحية سبعة مذاهب الاول يوم النحر فقط وهو مذهب داود وابن سيرين. الثاني ثلاثة ايام وهو مذهب الائمة الثلاثة وغيرهم. الثالث اربعة ايام وهو مذهب الشافعي وغيره. الرابع يوم النحر وستة ايام بعده وهو قول قتادة. الخامس عشرة ايام حكاه ابن التين السادس الى آخره في الحج وهو مذهب ابن حزم والرواية ابى سلمة بن عبد الرحمن وسليمان بن يسار قالوا بلغنا ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال الاضحية الى هلال المحرم لمن استأن بذلك (كزالي المحلى) السابع يوم في الامصار وثلاثة في منى وهو قول سعيد بن جبيرة وجابر بن زيد الى آخره في الاوجز اذ من ابى شجاع ملك ۲۳۳ میں ہے وقت الذبح من وقت صلاة العيد الى غروب الشمس من آخر ايام التشريق اه اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی گیارہ ذی الحجہ اور بارہ اور تیرہ روى ابن حبان عن جبيرة بن مطعم رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وكل ايام التشريق ذبح، اى وقت للذبح اه اس تفصیل سے معلوم ہوا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایام اضحیہ تین ہیں اور شافعیہ کے نزدیک چار دن ہیں دس ذی الحجہ سے لے کر تیرہ کی شام تک۔

بحث خامس :- وقت ذبح کی ابتداء کب سے ہے سو اس پر تو علماء کا اتفاق ہے ان الذبح قبل صلاة العيد لا يجوز، اور اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ امام کی قربانی سے قبل دوسرے لوگوں کے لئے قربانی جائز ہے یا نہیں، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک کے نزدیک ذبح امام سے قبل کسی کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں، وسبب اختلافهم الآثار في هذا الباب، وذلك انه جاز في بعضها انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر لمن ذبح قبل الصلاة ان يعيد الذبح وفي بعضها انه امر لمن ذبح قبل ذبحه ان يعيد خروجه سلم، الى آخره في الاوجز، اس میں مزید تفصیل باب ما يجوز في الضحيا من السن کے آخر میں آرہی ہے۔

بحث سادس :- قربانی کی مشروعیت کی ابتداء قرآن کریم میں مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہے: فلما بلغ معه السعي قال يا بني اني اري في المنام اني اذبحك فانظر ماذا ترى الآية، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے جب تک اولاد نہ ہوئی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے دعا کی، رب صہ لی من الصالحین فبشرناہ بغلام حلیم، اس کے بعد وہ اوپر والی آیت مذکور ہے کہ جب وہ فرزند (اسمعیل علیہ السلام) ایسی عمر کو پہنچا کہ

اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی ہو چکی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس اکلوتے بیٹے سے فرمایا بر خور دار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے، اس پر انہوں نے عرض کیا یا ابث افعل ما تؤمر، ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو کر گزریئے الی آخر القصة جس میں یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود کلا کشتا نہیں تھا و نادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا الآیہ روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک مینڈھالے کھڑے تھے، یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔ (معارف القرآن ملخصاً)

یہ مضمون سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں اس طرح مذکور ہے عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما هذه الاضاحی یا رسول اللہ؟ قال سنتہ ابراہیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیہا یا رسول اللہ؟ قال بكل شعرة حسنة الحدیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ اضحیہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اس کی ابتداء وہاں سے ہوئی ہے۔

انباء مخفف بن مسلم قال: ونحن وقوف مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعرفات قال یا یہا الناس ان علی اهل كل بيت في كل عام اضحية وعتيقة اخ

مخفف بن مسلم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عرفات میں وقوف کرنے والے تھے تو آپ نے فرمایا اسے لوگو! ہر گھر والے کے اوپر اور ان کے ذمہ ہر سال میں اضحیہ اور عتیرہ ہے، اور پھر فرمایا آپ نے جانتے ہو عتیرہ کیا چیز ہے؟ عتیرہ وہی ہے جس کو لوگ رجبیتہ کہتے ہیں۔

وجوب اضحیہ کی دلیل احنفیہ نے اس حدیث سے وجوب اضحیہ پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ لفظ "علی" الزام اور وجوب کے لئے آتا ہے، اور دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے،

یعنی عتیرہ، وہ عند الجمہور دوسری احادیث کی بنا پر منسوخ ہے لہذا قربانی کا وجوب باقی رہا، عتیرہ کی تفسیر جیسا کہ خود اس حدیث میں مذکور ہے اس ذبیحہ اور قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے عشرہ اولیٰ میں کی جاتی تھی، اسی لئے اس کو رجبیتہ بھی کہتے ہیں۔

یہاں ایک تیسری چیز اور ہے جو احادیث میں وارد ہے یعنی فروع، ان دونوں کا ذکر کتاب الاضحیہ کے اخیر میں آخری باب "باب فی العتیرہ" میں آ رہا ہے لہذا ان دونوں پر کلام انشاء اللہ تعالیٰ اسی جگہ آئے گا۔

والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔



عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

قال: امرت بيوم الاضحى عيداً اجعله الله لهذه الامة

**شرح الحديث** | آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ میں یوم الاضحیٰ کو عید کا دن منادوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے (اور چونکہ اس دن کے احکام میں سے ایک حکم شرعی قربانی کا بھی ہے اسلئے سائل نے آپ سے وہ سوال کیا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے وہ یہ کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس مینحہ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو تو کیا میں اسی کی قربانی کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تو ایسا کر کہ اس دن میں اپنے بال اور ناخن تراش، اور اپنی لبیں لے اور زیر ناف بالوں کا حلق کر، تیری پوری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی ہے۔

آپ نے ان مذکورہ امور کو گویا اس کے حق میں قربانی کا بدل قرار دیا۔

مینحہ کا اطلاق اس دودھ دینے والی ادنٹنی یا بکری پر ہوتا ہے جس کو اس کا مالک کسی دوسرے ضرورت مند شخص کو کچھ مدت کے لئے دیدے تاکہ وہ اس کے دودھ سے اس مدت میں منتفع ہوتا رہے اور پھر اس جانور کو اس کے مالک کی طرف لوٹا دے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس مینحہ کی قربانی سے منع فرمادیا، یا تو اس لئے کہ وہ اس کی ضرورت کی چیز تھی اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور دودھ کا جانور نہیں تھا (کذا فی البذل) اور یا اس لئے منع فرمایا کہ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا مینحہ کا تو آدمی خود مالک نہیں ہوتا، وہ دوسرے کی چیز ہوتی ہے جس کو بعد میں واپس کیا جاتا ہے۔ والحدیث اخرجه النسائي، قاله المنذرى۔

## باب الاضحية عن الميت

عن حنّس قال رأيت علياً يضحى بكبشين فقلت له ما هذا

حنّس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے تو میں نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ آپ دو جانور کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہذا ایک کی قربانی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں اور دوسرے کی آپ کی طرف سے۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اور اس کے اخیر میں یہ زیادتی ہے۔ فلا أدعہ ابداً کہ میں اس کو چھوڑوں گا، نہیں بلکہ ہمیشہ اسی طرح کرتا رہوں گا۔

**مسئله الباب میں مذاہب ائمہ** | امام ترمذی فرماتے ہیں: بعض اہل علم کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور بعض اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور پھر عبد اللہ بن المبارک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے نہ کہ قربانی، اور اگر کوئی شخص میت کی جانب سے قربانی کرے تو اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ سبھی کو صدقہ کر دے اھ جمہور یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پوری امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے جس میں احواء اور اموات بھی داخل ہیں، نیز یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ جو قربانی امت کی طرف سے کرتے تھے اس میں سے خود کچھ نوش نہیں فرماتے تھے بلکہ سب صدقہ کر دیتے تھے، اور حنفیہ کا مسلک اس میں وہ ہے جو الکوکب الدری میں مذکور ہے، نفیہ: قوله ولم یربعہنہم ان یضحی عنہ، وھولاء حملوا هذا الحدیث علی خصوصیتہ، وعندنا لہ ان یضحی عن المیت غیر انہ ان کان بوصیۃ منہ لیس لہ ان یا کل منہ، وان لم یکن وصیۃ منہ حل لہ اکلہا کما فی اضحیۃ نفسہ من غیر فصل اھ والحدیث اخر جالب ترمذی، قالہ المنذری۔

## باب الرجل یاخذ من شعرة فی العشر ھو یرید ان یضحی

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من کذب لہ ذبح یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجة فلا یاخذ من شعرة الا ذبح۔  
لفظ ذبح، کسر ذال کے ساتھ ہے یعنی ذبحہ، وہ جانور جس کو ذبح کرنے کا ارادہ ہے کما فی قوله تعالیٰ وفدیناہ بذبح عظیم، اور جو ذبح بالفتح ہے وہ مصدر ہے۔  
یعنی جس شخص کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس شخص کو یکم ذی الحجہ سے لیکر قربانی کرنے تک حلقِ شعریا تعلیم اظفار نہ کرنا چاہیئے۔

**مسئله الباب میں مذاہب ائمہ** | یہ بھی ظاہر یہ اور حنا بلہ کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور امام شافعی و مالک کے نزدیک کراہت کے لئے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے کما فی البذل۔ امام ترمذی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: والی هذا الحدیث ذهب احمد واسحاق وخص بعض اہل العلم فی ذلک فقالوا لا بأس ان یاخذ من شعرة واظفاره وھو قول الشافعی واجتہ بحیث عابثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یبعث بالہدی من المذینۃ فلما یجتنب شیئاً مما یجتنب منہ المحرم اھ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کا مسلک اس میں کراہت تنزیہی لکھا ہے، غالباً امام ترمذی کی مراد لا بأس سے یہی ہے یعنی جائز مع الکراہۃ، اس کے بعد امام ترمذی نے امام شافعی کی دلیل میں حدیث عائشہ کو پیش فرمایا ہے، اس کا جواب عرف الشذی میں

شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بعث ہدیٰ غیر ذی الحجہ میں ہوتا تھا اسی لئے آپ اس سے اجتناب نہیں فرماتے تھے، نیز شاہ صاحب فرماتے ہیں والغرض التشاؤل بالحج یعنی حدیث الباب میں اخذ شعر اور تعلیم الاظفار کی جو مانعت ہے اس سے مقصود قربانی کرنے والے کو مشابہت اختیار کرنا ہے حج محرم کے ساتھ۔  
والحدیث اخرہ سلم والترندی والنسائی، وابن ماجہ بمعناہ قالہ المنذری۔

## باب ما يستحب من الضحايا

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امر بكبش

اقرون يطأني سواد وينظرني سواد احو۔

**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے ایسے خوبصورت مینڈھے کی قربانی کا حکم فرمایا جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں کہ سینگوں والا ہو، چلتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی ٹانگیں سیاہ ہوں، اور دیکھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کی آنکھیں خوبصورت سرگیں ہوں، بیٹھتا ہو سیاہی میں یعنی اس کا پیٹ اور پہلو سیاہ ہو، پھر آپ نے فرمایا اسے عائشہ چھری پکڑ آؤ اور اس کی دھار پتھر پر رگڑ کر تیز کر دو، پھر آپ نے اس کو لٹایا اور ذبح کیا اور ذبح کے وقت یہ پڑھا، بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے جس سے اس کا سر ذابح کی بائیں طرف ہو جائے اور وہ اس کے سر کو بائیں ہاتھ سے دبا کر دائیں ہاتھ سے سہولت ذبح کر سکے، قالہ النووی وذكر اتفاق العلماء علیہ نیز اس کی شکل یہ ہوگی کہ اضمحیہ کا سر بجانب جنوب اور ٹانگیں شمال کی جانب میں رکھی جائیں اور بائیں کروٹ پر لٹایا جائے تاکہ جانور کا استقبال قبلہ ہو جائے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مینڈھے کی قربانی اپنی اور اپنے اہل بیت بلکہ اپنی تمام امت کی طرف سے کی، کیا ایک بکری کی قربانی چند لوگوں کی طرف سے ہو سکتی ہے، اس مسئلہ کے لئے آگے کتاب میں مستقل ایک باب آرہا ہے۔  
باب فی الشاة یضی بھا عن جماعہ۔

**قربانی کے جانور میں شرکت** | اس میں بعض علماء جیسے امام مالک و احمد و اوزاعی کا مسلک یہی ہے کہ ایک بکری پندرہ سے ایک گھروالوں کی طرف سے کرنا جائز ہے اگرچہ وہ سات سے بھی زائد ہوں، اور دو گھروالوں کی طرف سے جائز نہیں اور اسمیں مذاہب ائمہ کی تفصیل و تحقیق

اگرچہ ان کی تعداد سات سے کم ہو، کذا فی البدائع وغیرہ و سبھی تفصیل المذاہب، حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث کی بنا پر جو آئندہ باب البقر عن کم تجزئ کے تحت آرہی ہے



اور یہ کہا جائے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، اور تیسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مقصود مشارکتہ فی الثواب ہے نہ کہ تضحیٰ عن الجميع، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ آخری توجیہ زیادہ عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

موطا مالک میں الشریکۃ فی الضحیاء عنوان کے تحت اور جرح ۴۴ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذاہب ائمہ اس طرح لکھے ہیں امام مالک کا مسلک علامہ باجی مالکی سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی واجب میں اور اضحیہ میں یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک جماعت قربانی کے جانور کی قیمت میں شریک ہو کر خریدیں اور اس کی قربانی کریں خواہ وہ بقرہ ہو یا بدنہ، اور ہدی تطوع میں ان کے دو قول ہیں، قول مشہور یہی ہے کہ اس میں بھی اشتراک جائز نہیں، اور دوسری روایت اس میں ان سے جواز کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص کے لئے قربانی کا جانور ہو اور وہ اس کی قربانی کرے اپنی طرف سے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے اگرچہ وہ سات سے زائد ہوں اھ گویا اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام مالک کے نزدیک قربانی کا جانور بقرہ ہو یا بدنہ یا شاة اس کی قربانی ایک ہی شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے، ہاں خاص اپنے اہل بیت کی اس میں اگر نیت کرے تو وہ درست ہے چاہے وہ اہل بیت سات سے زیادہ ہی کیوں ہوں، اور حنفیہ کا مسلک باجی نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک ہدی اور اضحیہ ہر دو میں سات شخصوں کی شرکت ہو سکتی ہے (ای فی البدنہ والبقرة) بشرطیکہ تمام شرکاء کا مقصود اس ذبح سے قربت ہو گو وجوہ قربت مختلف ہوں، جیسے جزا، صید اور فدیہ اذی وغیرہ، اور اگر ان شرکاء میں سے کسی شریک کا مقصود قربت نہ ہو بلکہ لحم مقصود ہو تو وہ قربانی درست نہ ہوگی وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک ہر صورت میں جائز ہے (سب کا مقصد قربت ہو یا نہ ہو) اور ان دونوں (حنفیہ شافعیہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ سات سے زائد کی شرکت جائز نہیں، فالخلاف بیننا وبينهم فی فصلین احدهما انه لا يجوز الا شراک فی الرقبۃ عندنا وبجوز عندہم والثانی انه يجوز عندنا ان تتخر البقرة الواحدة عن اکثر من سبعة وعندہم لا يجوز ذلک اھ علامہ باجی نے حنابلہ کا مسلک نقل نہیں کیا، ابن قدامہ نے ان کا مسلک اس میں حنفیہ اور شافعیہ ہی کے موافق لکھا ہے، یعنی یہ کہ بدنہ و بقرہ میں سات نفر کی شرکت ہو سکتی ہے، نیت قربت کا ہونا شافعیہ کی طرح ان کے یہاں بھی ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک تو چونکہ نفس شرکت ہی جائز نہیں اس لئے وہاں اتحاد نیت یا اختلاف نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ بدنہ و بقرہ میں سات کی شرکت مطلقاً جائز ہے سواء کان المشترون من اہل بیت اولم یکنوا، پھر آگے ابن قدامہ نے کفایۃ عن اہل بیت واحد والے مسئلہ میں لکھا ہے ولا بأس ان یذبح الرجل عن اہل بیۃ شاة واحدة او بقرۃ او بدنۃ نص علیہ احمد وہ قال مالک واللیث والاذاعی اھ

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ شاة کے بارے میں شافعیہ و حنابلہ مالکیہ تینوں کی کتب فروع میں یہ ملتا ہے انھا تجزئ عن الرجل وعن اہل بیۃ وان کانوا سبعة او اکثر، لیکن جائز ہونے کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اضحیہ تو ذابح ہی کی

طرف سے سمجھی جائے گی اور ثواب کا استحقاق بھی خاص اسی کیلئے ہوگا لیکن چونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی سنت علی الکفایہ ہے اس لئے یہ ایک شخص کا قربانی کرنا اس کے تمام اہل بیت کی طرف سے کفایت کر جائیگا جس کو ان کی کتابوں میں سقوط الطلب سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس قربانی کے بعد باقی گھر والوں سے اضحیہ کا شرعاً مطالبہ نہیں رہا اور حدیث الباب جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبش واحد کی قربانی اپنی اور پوری امت کی جانب سے فرمائی اس کو انہوں نے خصوصیت پر محمول کیا ہے حصول ثواب للامة کے حق میں۔

والحدیث اخرجه مسلم قال المنذری۔

نحو سبع بدنات بیدہ قیاماً وضی بالمدينة بکبشین اقرتین املحین۔

**شرح الحدیث** | یہ حدیث بخاری کی کتاب الحج میں "باب من نحر ہدیہ بیدہ" اسی طریق سے اسی طرح مروی ہے بظاہر نحر بدن کا واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، اور کبشین املحین کی قربانی کا واقعہ۔ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے۔ مدینہ منورہ کا ہے، اب یہ سوال ہوگا کہ حج میں تو آپ نے جیسا کہ روایات میں تصریح ہے ایک سو ہدایا کا نحر فرمایا تھا اس کا جواب کتاب الحج کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں روایات مختلف ہیں سبع بدنات کی بھی ایک روایت ہے، اور سبع کی تخصیص کی ایک وجہ کتاب الحج میں یہ گذر چکی کہ یعنی ان میں سے ہر ایک بکے قریب ہو رہی تھی کہ دیکھیں ہم میں سے کس سے ابتدا فرماتے ہیں۔ کلھن ینزلھن الیہ بایتمہن یبدأ ۛ

املح وہ جانور جس کے بالوں کی سفیدی اس کی سیاہی پر غالب ہو (بذل) و فی المرقات: الالط افعل من الملیحہ وہی بیاض یخالط السواد و علیہ اکثر اہل اللغۃ وقیل بیاضہ اکثر من سوادہ، وقیل ھو لقی البیاض اھ (عون) تنبیہ:۔ یہ حدیث تمامہ صحیح بخاری میں موجود ہے کما تقدم فالعجب من الحافظ المنذری حیث قال اخرج البخاری قصۃ الکبشین فقط بنحو۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ نفی شرح الاقناع من فروع الشافعیہ ص ۲۴ و تجزی البدن عن سبعۃ و کذا البقرة، و تجزی الشاة عن واحد فقط، فان ذبحا عنہ وعن اہل اہل و عنہ و اشترک غیرہ فی ثوابہما جازاھ و فی ہامشہ: والشاة عن واحد فقط فان قلت ہذا مناب لما بعدہ حیث قال فان ذبحا عنہ وعن اہل الخ اجیب بانہ لا منافاة، لان قوله عن واحد ای من حیث حصول النضیۃ حقیقۃ، وما بعدہ الحاصل للغير انما ھو سقوط الطلب عنہ، واما الثواب والنضیۃ حقیقۃ فی احسان الفاعل علی کل حال اھ و فی الروض المربع وقیل المآرب من فروع الخنا بلہ: تجزی الشاة عن واحد و اہل بیتہ و عیالہ و البدنۃ و البقرة عن سبعۃ۔ ۛ لیکن البوداؤد میں یہ حدیث عبد اللہ بن قرق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے و لفظہ: و قرب لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدنات خمس ادست فطفق ینزلھن الیہ بایتمہن یبدأ الحدیث۔

یوم الذبیح کبشین اقربین املحیدین موحشین، وفي بعض النسخ موحشین، وفي بعضها موحشین یعنی خصی، خطاباً کہتے ہیں اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ خصی کی قربانی مکروہ نہیں اور بعض اہل علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے لنقص العضو، لیکن یہ نقص عیب نہیں ہے اس لئے کہ خضار کی وجہ سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے اور اس کی رائحہ کریمہ دور ہو جاتی ہے۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جس کے راوی ابو سعید خدری ہیں اس میں ہے بکبش اقرب فحیل یعنی ایسا کبش جو جفتی میں بہت عمدہ ہو، اور فحل کا اطلاق مطلقاً نہ ہوتا ہے، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے جیسا کہ ابن العربی نے ہی سمجھا دیا ہے فرماتے ہیں اس حدیث ابو سعید سے اس روایت کی تردید ہو رہی ہے جس میں موحشین وارد ہوا ہے، حافظ فرماتے ہیں یہ بات نہیں بلکہ اس میں احتمال تعدد واقعہ کا ہے ایک مرتبہ آپ نے قربانی خصی کی کی اور ایک مرتبہ غیر خصی کی۔ (تحفۃ الاحوذی)

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اخرجہ ابن ماجہ و حدیث ابی سعید اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ما يجوز في الضحايا من السن

یعنی کس عمر کے جانور کی قربانی جائز ہے۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا تذبحوا

الأمسية الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن۔

مسئہ کا مصداق مع اختلاف ائمہ آپ فرما رہے ہیں کہ قربانی ضررِ مسئہ ہی کی کی جائے اور اس کم کی نہ کی جائے، مسئہ بمعنی عمر والا جس کو شنی بھی کہتے ہیں، پھر جانتا چلے کہ مسئہ ہر جانور کا الگ الگ ہوتا ہے، پس مسئہ الابل وہ ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو جائے اور مسئہ البقر وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو کر تیسرے میں داخل ہو جائے اور غنم میں خواہ وہ بھیڑ ہو یا بکری وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو کر دوسرے میں داخل ہو جائے۔

جانتا چلے کہ غنم جنس ہے جس کی دو صنف ہیں معز (بکری) اور ضأن (بھیڑ) اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسئہ نہ حاصل ہو تو وہ جذع من الضأن کر سکتا ہے، جذع لغتاً تو اس کو کہتے ہیں جو پورے ایک سال کا ہو اور شرعاً جو کم از کم چھ ماہ کا ہو تا تمت لہ مسئہ اشھر کذا فی الہدایۃ، اور بعض علماء نے اس کی تفسیر یہ کی ہے ماتی علیہ اکثر الحول یعنی جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہو، اس حدیث میں جذع کے ساتھ ضأن کی قید ہے اسی لئے جذع من المعز (بکری کا ششما بہ بچہ) ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں، امام نووی فرماتے ہیں جذع

من الضان مطلقاً سب علماء کے نزدیک جائز ہے سوا وجہ غیرہ ام لا، بذل المجہود میں لکھا ہے کہ فقہاء نے جذع کے اندر یہ شرط لگائی ہے کہ وہ ایسا تندرست اور فربہ ہو کہ اگر اس کو پورے سال والوں میں خلط کر دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو۔ یہ جو کچھ ہم نے مسنہ کے مصداق کے بارے میں لکھا اس میں حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک تو بعینہ ہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کا ان میں سے بعض میں اختلاف ہے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک مسنہ الغنم خواہ وہ معز ہو یا ضان وہ ہے جو پورے دو سال کا ہو، اور جذع من المعز والضان وہ ہے جو ایک سال کا ہو، اور مالکیہ کے نزدیک مسنہ البقر میں اختلاف ہے ان کے نزدیک مسنہ البقر وہ ہے جو تین سال کا ہو، پس شافعیہ کا اختلاف غنم میں اور مالکیہ کا بقر میں ہوا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جذع من الضان جس کی حدیث میں اجازت دی گئی ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو وہ ہے جو چھ ماہ کا ہو یا یہ کہئے ایک سال سے کم کا ہو، اور شافعیہ کے نزدیک وہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو، یہ بھی جانتا چاہئے کہ جذع من الضان جو عند المجہور والائمه الاربعہ جائز ہے اس میں ابن عمر اور زہری کا اختلاف ہے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے کما فی الشروح (من الاوجز والبدل)

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن زید بن خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم فی اصحابہ ضحایا فاعطانی عتوداً جذاً۔

**شرح الحدیث** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں قربانی کے جانور تقسیم فرمائے، آپ نے مجھے بھی ایک بکری کا بچہ (پٹھیا) عطا فرمایا۔ وہ کہتے ہیں میں اس کو لیکر آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو جذع یعنی ناقص العمر ہے، آپ نے فرمایا تو اس کی قربانی کر لے۔

یہ جذع اگر من المعز تھا تب تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی کسی اور کے لئے جائز نہ ہوگا، اور اگر جذع من الضان تھا تب خصوصیت پر حمل کی ضرورت نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم من رواہ عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال المنذری۔

عن عاصم بن کلیب عن ابيه قال كنا مع رجل ..... فعزت الغنم فاصرونا ديا فنادى ان

رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يقول ان الجذع يوفي مما يوفي منه الشئ۔

کلیب کہتے ہیں کہ ہم ایک صحابی کے ساتھ تھے جن کا نام مجاشع ہے، ایک سال ایسا ہوا کہ کبریوں کی قلت ہو گئی یعنی پوری عمر والیوں کی، تو ان صحابی نے ایک شخص سے یہ اعلان کرایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بھیڑ کا ششماہہ بچہ وہی کام دیتا ہے جو پوری عمر والا دیتا ہے۔

والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔



عن البراء رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يوم النحر بعد الصلاة فقال من صلى صلاتنا ونسك نسكنا

### شرح الحديث

یعنی ایک مرتبہ آپ نے دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح اولا عید کی نماز ادا کرے اور اس کے بعد ہماری طرح قربانی کرے تو اس کی قربانی تو درست ہے اور جو شخص عید کی نماز سے قبل قربانی کرے تو یہ اس کا ذبح کرنا گوشت کے لئے ہوگا نہ کہ قربانی کے طور پر اس پر ایک صحابی ابو بردہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ شاة تمہاری شاة لحم ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جذع جو دوشاة لحم سے بھی بہتر ہے، شرح نے لکھا ہے کہ مراد یہ ہے کہ کھانے والوں کے حق میں اس کا گوشت بہت عمدہ ہے یا یہ کہیے کہ چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کی سابق قربانی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ قربانی نہیں بلکہ شاة لحم ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو گو چھوٹی ہے لیکن میری پہلی قربانی کی بکری سے گوشت اور فرہی میں تقریباً دو گنی ہے۔ تو کیا اس کی قربانی میرے لئے کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا تیرے لئے کافی ہو جائے گی اور تیرے علاوہ کسی اور کے لئے کافی نہ ہوگی، بظاہر یہ جذع من المعز ہوگا اسی لئے آپ نے جواز کو ان کے ساتھ مقید فرمادیا، لہذا یہ جواز ان ہی صحابی کے ساتھ خاص رہے گا، یہ روایت سنن ترمذی شریف میں بھی ہے ولفظہ: قال (ای البراء) فقام خالی فقال یا رسول اللہ ہذا یوم اللحم فیہ مکروہ والی عجلت نسکی۔ فی آخرہ۔ یا رسول اللہ عندی عناق لبن ہی خیر من شاتی لحمر۔ عناق لبن کے معنی شرح نے یہ لکھے ہیں: بکری کا وہ دودھ پیتا بچہ جس کا ابھی تک فطام نہیں ہوا، اور کوکب البدی میں یہ ہے کہا گیا ہے عناق لبن سے مراد یہ ہے کہ وہ بڑی عمدہ نسل کی بکری کا بچہ ہے جو بہت دودھ دینے والا ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اتنا مثر باء بلبین کثیر کہ اس کو خوب دودھ پلا پلا کر پرورش کیا گیا ہے تاکہ خوب اچھا اور فرہ ہو جائے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ترمذی کی اس روایت میں یہ ہے کہ ہذا یوم اللحم فیہ مکروہ۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ آج کے دن یعنی قربانی کے دن صبح صبح کے وقت تو گوشت پسند کیا جاتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور دیر ہونے کے بعد نا پسندیدہ اور غیر مرغوب ہو جاتا ہے اسی لئے میں نے ایسا کیا کہ صبح سویرے قربانی کر لی تاکہ لوگ اس کو بشوق و رغبت کھائیں، ویسے فی نفسہ اس میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں تو اسی طرح ہے، اور دوسری روایت میں ہے ہذا یوم اللحم فیہ مقدّم جس کے معنی ہیں پسندیدہ کے۔ یہاں قرمت الی اللحم، وقرمتہ اذا اشتہیتہ، اس صورت میں معنی حدیث کے ظاہر ہیں کہ چونکہ آج کے دن لوگوں کی رغبت اور اشتہار گوشت کی طرف بہت ہوتی ہے

اس لئے میں نے اپنی قربانی جلدی کر لی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قربانی کا وقت کب شروع ہوتا ہے** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے قبل قربانی درست نہیں اسی لئے اس حدیث پر امام ترمذی نے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء

فی الذبح بعد الصلوۃ امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں والعمل علی ہذا عند اہل العلم ان لا یضی بالمصر حتی یصلی الامام وقد خص قوم من اهل العلم لاهل القری فی الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن المبارک اھ حنفیہ کا مسلک قربانی کے وقت میں یہ ہے کہ قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کو صبح صادق ہونے پر شروع ہو جاتا ہے خواہ اہل مصر ہوں یا اہل قریہ لیکن اہل مصر کے حق میں جواز کے لئے ایک شرط زائد ہے وہ یہ کہ عید کی نماز کے بعد کی جائے اس پر تقدیم جائز نہیں ہے کذا فی البذل عن البدائع اور شافعیہ وحنابلہ کا مسلک اس میں (اہل قریہ و مصر دونوں کے حق میں) یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں عید کی نماز اور خطبہ ادا ہو سکتا ہو، خواہ ابھی نماز ادا کی گئی ہو یا نہیں، بس اتنے وقت کا گزرنا کافی ہے۔ کذا فی الادب جز عن کتب الفروع، یہ مسئلہ ابتدائی مباحث میں مختصراً گذر چکا ہے اس جگہ یہاں کا حوالہ دیا گیا ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب ما یکرہ من الضحایا

سالت البراء بن عازب ما لا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
**شرح الحدیث** | عبید بن فیروز نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کون سے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہم لوگوں کو خطاب فرمایا (اور چونکہ آپ نے آنے والے مضمون کو اپنے دست مبارک کی انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور پھر آپ کے اتباع میں حضرت براء نے بھی اسی طرح اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اس لئے وہ آگے فرما رہے ہیں) کہ میری انگلیاں تو بہت کوتاہ ہیں آپ کی انگلیوں سے اور میرے پورے بہت کوتاہ اور گھٹیا ہیں آپ کے پوروں سے، پس آپ نے فرمایا کہ چار قسم کے جانور ایسے ہیں جن کی قربانی جائز نہیں (۱) ایک عوراء جس کا عور بالکل ظاہر ہو یعنی جس کی ایک آنکھ خراب ہو اس سے نظر نہ آتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اور اگر وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہو تو اس کی قربانی بطریق اولیٰ ناجائز ہوگی (۲) وہ مریض جانور جس کا مرض صاف ظاہر ہو، اس سے مراد وہ مریض ہے الی لا تعاف جس نے مرض کی وجہ سے گھاس کھانا چھوڑ دیا ہو (۳) عرجاء جس کا لنگڑاپن ظاہر ہو، ظلع بمعنی عرج ای بین عرجھا اس سے مراد وہ جانور ہے الی لا تمشی الی المنسک کہ جو نذح تک چل کر نہ جاسکے۔ (۴) الکبیر یعنی بوڑھی اور دراز عمر

التي لا تنقضي یعنی الٹی لائنٹی لھا لٹتی بروزن سڈر ہڈی کے اندر کا گودا یعنی ایسی بوڑھی جس کی ہڈیوں میں گودا تک نہ رہا ہو، اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ میں نے برابر سے عرض کیا کہ میں قربانی کے جائز میں یہ اچھا نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ کم عمر ہو، انہوں نے فرمایا کہ جو تجھ کو پسند نہ ہو تو خود اس کو چھوڑ دے لیکن دوسرے کے لئے ناجائز قرار نہ دے نقص فی السن سے مراد نقص شرعی نہیں ہے کیونکہ وہ تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں بلکہ اس سے وہ نقص مراد ہے جو ظاہر میں دیکھنے کے لحاظ سے اور عرف کے لحاظ سے ہو، مثلاً ایک سال کی بکری یہ گو عرفاً کسن ہے لیکن شرعاً قربانی کے لائق ہے۔

اس کے بعد جانئے کہ جو چار قسمیں اس حدیث میں مذکور ہیں ان کی قربانی چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے وفي الاوجز ملہ علی الاجماع علی ذلک ابن رشد المالکی فی البدایہ والموفقی فی المغنی والشوکانی فی النیل وغیرہم، وكذلك اجماع علی ان الیسیر من ہذہ العیوب الاربعۃ لا یضر والکثیر یمنع، ثم اختلفوا فی الحد الفاصل بین الیسیر والکثیر الی آخر ما فی الاوجز من التفصیل فی ذلک۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

اخبرنی یزید ذومضوق قال اتیت عتبہ بن عبد السلامی

**شرح الحدیث** یزید جن کا لقب ذومصر ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عتبہ بن عبد السلامی کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں قربانی کے جائز تلاش کرنے کے لئے نکلا تھا تو مجھے ان جائزوں میں جو میں

نے دیکھے اول تو کوئی پسند ہی نہیں آیا اور جو پسند آیا وہ شراب سے ساقطہ الامنان، اس لئے میں نے اس کو بھی ناپسند کر دیا، اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم اس کو میرے پاس کیوں نہ لے آئے (میں اس کی قربانی کر لیتا) میں نے کہا سبحان اللہ! یہ عجیب بات ہے کہ تمہارے لئے تو جائز ہو جائے اور میرے لئے جائز نہ ہو، انہوں نے فرمایا یہ اس لئے کہ تم شک کر رہے ہو اس کے جواز میں اور میں شک نہیں کر رہا ہوں، اسکے بعد انہوں نے فرمایا

انما نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والشیعة والکسواء۔ اس کے بعد پھر آگے روایت میں ان پانچوں صفات کی تفسیر و تشریح مذکور ہے وہ یہ کہ مصفرة سے مراد وہ جانور ہے کہ جس کا کان بالکل جڑ سے جدا کر دیا گیا ہو، یہاں تک کہ کان کا سوراخ نظر آنے لگے اور مستأصلة وہ جانور ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اور بخقاء وہ جانور ہے جس کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہو (اور آنکھ اپنی جگہ صحیح و سالم ہو) اور مشیعة وہ بکری ہے جو دوسری بکریوں کے ساتھ بوڑھی میں نہ چل سکتی ہو ضعف کی وجہ سے اور کسواء وہ جانور ہے جو مکسورة الرجل ہو۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان نستشرق العین

والاذن ولا تضحي بعوراء ولا مقابلة ولا مذبذبة ولا شرقاء ولا خرقاء.

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا ہے کہ ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو بغور دیکھا کریں (کہ وہ صحیح سالم بھی ہیں) اور پھر آگے حدیث میں اور چار جانوروں کا ذکر ہے جن کی قربانی کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔ ان چاروں کا تعلق عیب فی الاذن سے ہے چنانچہ مقابلہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ مقدم اذن یعنی آگے کی جانب سے کاٹ کر اس کو وہیں چھوڑ دیا گیا ہو (الگ نہ کیا گیا ہو) اور مدبرہ وہ جانور ہے جس کے کان کا کچھ حصہ پیچھے کی طرف سے کاٹ کر اس کو ویسا ہی چھوڑ دیا گیا ہو اور شرقاء وہ جانور ہے جس کا کان طولا چیر دیا گیا ہو (ماخوذ من الشرق ای الشق) اور خرقاء وہ جانور ہے جس کے کان میں گول سوراخ کر دیا گیا ہو، للیسمة یعنی علامت کے طور پر۔

**حدیث الباب میں مذاہب ائمہ** | ان چاروں قسموں کی قربانی شافعیہ کے یہاں ناجائز ہے لہذا یہ منیٰ ان کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور عند الحنفیہ للتمیز، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ نصف یا اکثر مقطوع ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے اور اگر مادون النصف مقطوع ہو تو وہ جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ثلث اگر مقطوع ہے تو جائز ہے اور مافوق الثلث جائز نہیں کیا یظہر من کلام الدرریر اور شافعیہ کے نزدیک اس میں مطلقاً گنجائش نہیں، نفی شرح الاقناع: ولا یجری مقطوع بعض الاذن وان کان لیسیراً. وقال ابو حنیفہ ان کان المقطوع دون الثلث اجزاً اھ مذہب حنفی کے نقل میں اس میں تسامح ہے بلکہ ہمارے یہاں مادون النصف معفو عنہ ہے کما تقدم اور حنابلہ کے نزدیک اذن میں دو روایتیں ہیں ایک مثل حنفیہ کے مادون النصف معاف ہے، اور دوسری روایت نصف کی ہے، نفی الروض المربع مثلا دیکھو مع الکراہۃ ما یاذنہ اور قرنہ خرق او شق او قطع اقل من النصف او النصف فقط علی مانص علیہ فی روایۃ منیل وغیرہ اھ

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی ان یضحي بعضہاء الاذن والقرن. یعنی مقطوع الاذن اور مکسور القرن، آگے روایت میں ہے قلت لسعید بن المسیب ما الا. عضب قال النصف فما فوقہ بظاہر سعید بن المسیب کے کلام کا تعلق اعضب القرن سے ہے نہ کہ اعضب الاذن سے اس لئے کہ اذن میں تو تفصیل ہے اور مذاہب مختلف ہیں کما تقدم قریناً، اور اعضب القرن یعنی مکسور القرن مطلقاً جائز ہے لہذا النصف فما فوقہ اسی میں جاری ہوگا۔

حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔



## باب البقر والجزور عن کم تجزی؟

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال كنا نمتنع في عهد رسول الله صلى الله تعالى

عليه واله وسلم تذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة الخ.

جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ بقرہ ہو یا اونٹ دونوں میں سات نفر کی شرکت ہو سکتی ہے، امام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ہذا عند اہل العلم، ثم قال وقال اسحاق یجزي ايضا البعیر عن عشرة واجتج بحديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اه، ابن عباس رضي الله تعالى عنهما کی حدیث ترمذی میں اس سے پہلے گزر چکی، ولفظ: کنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فی سفر فحضر الاضحية فاشترکنا فی البقرة سبعة وفي البعیر عشرة، قال ابو عیسی حدیث ابن عباس حدیث حسن غریب لا نعرفه الا من حدیث فضل بن یونس اه یہ حدیث ابن عباس ابوداؤد میں نہیں ہے باقی سنن ثلاثہ میں ہے اور حدیث جابر بخاری کے علاوہ باقی سب کتب صحاح میں موجود ہے جمہور کے نزدیک یہی راجح ہے، اور علامہ شوکانی نے حدیث ابن عباس کو اضحیہ پر محمول کیا ہے اور حدیث جابر کو ہدی پر یعنی بدنہ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے اور اگر وہ ہدی ہے تو صرف سات کی شرکت ہو سکتی ہے والحدیث اخرجه مسلم والنسائی قاله المنذی۔

## باب فی الشاة یضحي بها عن جماعة

مسئلة الباب اور حدیث الباب پر کلام قریب میں نی باب ما یستحب من الضحایا کے تحت گزر چکا۔

## باب الامام یذبح بالمصلی

وفی الاوجز ص۔ عن المسوی الذبح فی المصلی حسن اظهارا لشعار الدین اه جمہور کے نزدیک تو یہ عام ہے اسی لئے امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا۔ باب الاضحية والنحر بالمصلی لیکن امام ابوداؤد نے اس ترجمہ میں امام کے ساتھ اس کو مقید کیا جو کہ امام مالک کا مسلک ہے، نفی الابواب والترجم۔ ج ۶ ص ۳۳۱ قال ابن بطال: هو سنة للامام خاصة عند مالک، قال مالک انما یذبح الذبائح قبله ولیمذبحا بعده علی یقین ولیتعلموا منه صفۃ الذبح اه میں کہتا ہوں، اور ہمارے یہاں ابتدائی مباحث میں بھی یہ گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ لوگوں کے لئے قربانی کرنا اس وقت تک جائز نہیں

لہ اور مالکیہ کے مسلک کی تحقیق پہلے گزر چکی کہ ان کے نزدیک شرکۃ فی الاضحية جائز نہیں۔

جب تک امام قربانی نہ کر چکے۔

وحدیث الباب أخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ بخوہ قالہ المنذری۔

## باب حبس لحوم الاضاحی

سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: دف ناس من اهل البادية خضیة الاضاحی

فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**مضمون حدیث** مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کے موقع پر کچھ دیہات سے لوگ مدینہ آگئے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قربانی کا گوشت تین دن کے بقدر روک کر باقی کو صدقہ کر دیں پھر جب اُسندہ سال قربانی کا زمانہ آیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ اپنی قربانی کے گوشت سے مستفیع ہوتے تھے اور اس کی چربی کو پگھلا کر رکھ لیتے تھے اور قربانی کے چمڑوں سے مشکیزے بناتے تھے، اس پر آپ نے پوچھا، وما ذاک؟ کہ پھر کیا بات ہے (یعنی اب تم کو اس میں کیا اشکال ہو رہا ہے؟) لوگوں نے عرض کیا اس لئے کہ آپ نے لحوم اضاحی کے امساک سے منع فرمادیا تھا کہ تین دن سے زائد نہ روکا جائے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: انما نہیتکم من اجل الداقة التي دفت علیکم، کہ میں نے تو گزشتہ سال دیہات سے آنے والوں کی وجہ سے روکا تھا (یعنی وقتی طور پر، نہ ہمیشہ کے لئے) لہذا قربانی کا گوشت کھاؤ بھی، صدقہ بھی کرو اور ذخیرہ بنا کر بھی رکھو۔

بخاری میں ہے "باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی وما یتر ود منها۔ قال الحافظ ای من غیر تقیید بثلاث ولا نصف ثم قال والتقید بثلاثة ایام اما منسوخ واما خاص بسبب اھ۔"

**مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ** ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایک تہائی گوشت کا صدقہ کیا جائے، اور ایک تہائی اقرباء و احباب کی ضیافت کے لئے رکھا جائے اور ایک ثلث کو اپنے لئے ذخیرہ بنائے، اور ایسا کرنا صرف مستحب ہے، اگر سارا ہی اپنی ضرورت کے لئے رکھ لے تو بھی جائز ہے، وفی "الدر المختار" وندب ترک التصدق لذی عیال غیر موسع الحال تو سعة علیہم، اور کتب شافعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ لحم اضحیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ ایک دو لقمہ چھوڑ کر باقی سبھی کا صدقہ کیا جائے

(من الابواب والترجم ص ۶۶)

والحدیث أخرجه مسلم والنسائی قالہ المنذری۔

باب کی حدیث ثانی میں ہے "فكلوا وادخروا وابتغوا" یہ لفظ اجر سے ماخوذ ہے جس کو باب افتعال میں لے گئے یعنی الاستیجار یعنی اجر و ثواب حاصل کرنا کوئی اس کو تشدید تار کے ساتھ نہ پڑھے وابتغوا کیونکہ یہ تجارت سے نہیں ہے۔  
والحدیث اخرجه النسائی بتمامه، وابن ماجه مختصراً على الاذن في الادخار فوق ثلاث، واخرج مسلم الفصل الثاني في ذكر الاكل والشرب والذكر، قاله المنذرى۔

## باب فی الرفق بالذبیحة

عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خصلتان سمعتهما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ یتقن الاحسان علی کل شیء الخ۔  
صحابی فرما رہے ہیں کہ دو باتیں میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں جو اس ضابطہ کے تحت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر یہ بات واجب کی ہے کہ وہ ہر چیز میں احسان کا لحاظ رکھے کہ اس کو حسن و خوبی اور نرمی کی ساتھ کرے۔ آگے ان دو خصلتوں کا بیان ہے کہ اگر تم کسی کافر کو قتل بھی کرو تو اس کو اچھے طریقہ سے کرو یعنی مثلہ نہ کرو، اور ایسے ہی جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کو ذبح بھی اچھی طرح کرو، یعنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ کہ ذبح کے بعد فوراً اس کی کھال نہ کھینچو بلکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو۔  
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تصبر البہائم  
شرح الحدیث صبر کے معنی روکنے اور قید کرنے کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جانور کو قاعدہ کے اندر ذبح کیا جائے جو ذبح کا طریقہ ہے، اور صبر بہائم یہ ہے کہ کسی جانور مثلاً کسی مرغی کو باندھ جوڑ کر اس کو سامنے بٹھا کر اس کو تیر کا نشانہ بنایا جائے، اور جس جانور کے ساتھ ایسا کیا جائے اس کو مصبورہ اور مجثمہ بھی کہا جاتا ہے، چونکہ یہ ذبح ذبح شرعی نہیں ہے اس طرح وہ جانور حلال بھی نہیں ہوتا حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ کتاب الاطعمہ میں آئے گا۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

## باب فی المسافر یضحی

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اضحیہ کی سنیت سب لوگوں کے حق میں ہے مقیم ہو یا مسافر، امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے کہ مقیم و مسافر سب کے حق میں سنت مؤکدہ ہے الا الحاج یعنی فائز لا ضحیہ علیہم وسننہم الہدی (الکافی لابن عبد البر)

لہ وفیہ وقال مالک: الصدقة بثلث الضحیة یعنی احب الی اہ

اور حنفیہ کے نزدیک مسافر کے حق میں قربانی واجب نہیں ہے صرف مقیم کے حق میں واجب ہے۔  
 حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جس قربانی کا ذکر ہے بظاہر یہ سفر حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔  
 بذل میں ہے۔ فاضیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمولۃ عندنا علی التطوع اھ  
 والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی قال المنذری

### باب فی ذبائح اهل الكتاب

اہل کتاب کے ذبیحہ کی اباحت پر ابن قدامہ نے مغنی میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے، البتہ اہل کتاب کے صید میں  
 اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے تو اس میں بھی اباحت ہی کی ہے البتہ امام مالک کا اس میں ابن قدامہ نے اختلاف لکھا ہے  
 ولفظہ: الا ان مالک اباح ذبايحهم وحرم صيدهم، ولا يصح لان صيدهم من طعامهم فيدخل في عموم الآية اھ (تراجم صفحہ ۲۵)  
 قلت: قال الدردير، لا كافر ولو كتبنا فلا ياكل صيده ولو سعى الله عليه لان الصيد رخصة والكافر ليس من اهلها اھ لیکن  
 کتاب الکافی لابن عبد البر میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک صید اہل کتاب مکروہ ہے حرام نہیں، لقول الشرع وجل  
 "تتأله ايديكم ورماحكم" یعنی اہل الایمان، وهو عند جمهور اهل العلم مثل ذبايحهم اھ۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى: "وان الشياطين ليوحون الي اوليا ثم هتافوا"  
 یعنی شیاطین کفار کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم اللہ کے ذبیحہ کو تو کھاتے نہیں۔ اللہ کے ذبیحہ سے مراد  
 وہ جانور جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دیدی ہو یعنی میت۔ اور اپنے ذبیحہ کو تم حلال سمجھتے ہو اور کھاتے ہو یعنی یہ کیسی  
 بے انصافی ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "ولاتاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه" یعنی اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان  
 کا ذبیحہ محض اس وجہ سے حلال نہیں ہے کہ وہ انسان کا ذبیحہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا  
 گیا ہے، بخلاف ماذبح اللہ کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔  
 والحدیث اخرجه ابن ماجه قال المنذری۔

### باب ما جاء في اكل معاقرۃ الاعراب

معاقرۃ بمعنی ذبح، لیکن یہاں پر یہ مصدر بمعنی مفعول ہے ای ما عاقره الاعراب۔  
 نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معاقرۃ الاعراب۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گاؤں اور جاہلوں کے ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے  
 اس سے مراد وہ قربانی ہے جو بطور فخر و ریاء اور دوسروں کے مقابلہ کے لئے کی جائے، فقہار نے لکھا،

شرح الحدیث



وذلك كل طعام صنع ريار ومفاخرة، یعنی جو قربانی یا کھانا صرف نام و نمود کے لئے کیا جائے اس کا کھانا ممنوع ہے۔  
 فائدہ: اسی قسم کی ایک اور حدیث کتاب الجنازہ باب کراہیۃ الذبح عند القبر میں آرہی ہے قال رسول اللہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا عقر فی الاسلام۔ اس حدیث کے معنی دوسرے ہیں جیسا کہ ترجمۃ الباب سے معلوم  
 ہو رہا ہے چنانچہ وہاں متن میں آرہا ہے کالوا یعقرون عند القبر بمقرۃ او بشئ، یعنی زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنے  
 کسی سخی کی قبر پر اونٹ وغیرہ کوئی جانور ذبح کیا کرتے تھے، بعض تو اس خیال سے کہ یہ شخص اپنی زندگی میں مہمان نوازی  
 کیا کرتا تھا ہم اس کے بدلہ میں اس کی قبر پر اس کی طرف سے یہ ذبح کر رہے ہیں تاکہ اس کو درندہ اور پرندہ سے کھائیں  
 اور بعض اس خیال سے ایسا کرتے تھے تاکہ جو جانور اس کی قبر پر ذبح کیا جا رہا ہے وہ قبر سے اٹھنے کے وقت اس کی  
 سواری بنے، کیونکہ بعض کفار بعث کے قائل تھے۔

### باب الذبیحة بالمروۃ

مروہ سے مراد الحجر المجدد یعنی دھاردار پتھر جو چھری کی طرح کام کرتا ہو، اور غرض مصنف کی یہ ہے کہ ہر دھاردار  
 چیز سے ذبح کرنا جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے جائز ہے، خاص چھری ہی کا ہونا اس کے لئے ضروری نہیں جیسا  
 کہ حدیث میں آرہا ہے۔

فقلت یا رسول اللہ! انا تلقی العدو غداً وليس معنای مدی، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 والہ وسلم ارن اذ اعجل۔

**شرح الحدیث** | ارن کے ضبط میں شدید اختلاف ہے اور مختلف اقوال ہیں (۱) ارن بکسر الراء علی وزن اطع ای  
 اھلکھا ذبحاً، یعنی ذبح کر اور مار ڈال اس کو (یعنی ہر دھاردار چیز سے) (۲) کہا گیا ہے کہ  
 مجمع یہ ہے کہ یہ افطار ارن ہے من ارن یا ارن من باب سمع جس کے معنی ہیں اعجل اور مطلب یہ ہے کہ کسی بھی دھاردار  
 چیز سے اس کو ذبح کر دے اور ذبح کرنے میں جلدی کر اس لئے کہ لوہے کے علاوہ کسی دوسری دھاردار چیز سے  
 یہ خطرہ رہتا ہے کہ تمام رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی کہیں وہ مرنہ جائے، اس لئے فرمایا کہ ذبح کرنے میں جلدی کر، اسکے  
 علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مضمون حدیث یہ ہے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آئندہ  
 کل سفر جہادیں جارہے ہیں (اور ہمارے ساتھ گو تلواریں ہیں لیکن ان کو تو ذبح میں استعمال کرنا مناسب نہیں)  
 اور ہمارے پاس چھریاں ہیں نہیں تو اگر ذبح کی ذہبت آئے تو کس چیز سے ذبح کریں، تو آپ نے فرمایا کہ جو آلہ بھی  
 جانور کا خون بہا دے اس حال میں کہ خون بہاتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو تم اس کو کھاؤ، پھر آگے  
 آپ نے ایک استثناء فرمایا کہ وہ خون بہانے والی چیز دانت اور ناخن کے علاوہ ہونی چاہیے اور آگے آپ نے اس کی

وجہ بیان فرمائی کہ دانت سے تو اس لئے نہیں کہ وہ ہڈی ہے، اور ناخون کے بارے میں فرمایا کہ وہ حبشیوں کی چھری ہے، سن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ ہڈی ہے اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں عظم سے ذبح نہ کرو اس لئے کہ وہ خون سے نجس ہو جائے گی اور حال یہ کہ تم کو تجنیس عظم سے منع کیا گیا ہے لہذا زاد الخوازمی، ابن، اور ظفر سے منع کرنے کی وجہ آپ نے بیان فرمائی کہ وہ اہل حبشہ کی چھری ہے لہذا اس سے ذبح کرنے میں تشبہ بفکار الحبشہ ہے۔

**آلہ ذبح کیسا ہونا چاہیے**  
**اس میں مذاہب ائمہ**

کی تفصیل اس طرح لکھی ہے: ابن رشد مالکی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو چیز حیوان کا خون بہادے اور اوداج (گلے کی رگیں) قطع کر دے

خواہ وہ حدید ہو یا پتھر یا کچھ اور اس کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے، لیکن تین چیزوں میں علماء کا اختلاف ہے، سن اور ظفر اور عظم (یعنی سن کے علاوہ دوسری ہڈی) پھر آگے لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے مذہب میں اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ذبح بالعظم جائز ہے اذا انبر الدم، البتہ سن اور ظفر ان دو میں مالکیہ کا اختلاف ہے جس میں تین قول ہیں۔ المنع مطلقاً الفرق بین الانفصال والاتصال اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف کراہیت ہے نہ کہ منع، اور ابن قدامہ نے حنابلہ کا مذہب سن اور ظفر کے بارے میں صرف عدم جواز لکھا ہے مطلقاً منزوع ہوں یا غیر منزوع، اور مطلق عظم (غیر السن) کے بارے میں امام احمد کے دو قول لکھے ہیں، اباحت اور عدم اباحت، اور انہوں نے اباحت کو ترجیح دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں والاول اصح ان شاء اللہ تعالیٰ لان العظم دخل فی عموم اللفظ المبیح ثم استثنی السن والظفر خاصۃ فیبقی سائر العظام داخلاً فیما یباح الذبح بہ اھم اور شافعیہ کا مسلک شرح اقناع وغیرہ میں ان تین (السن والظفر ومطلق العظم) کے بارے میں مطلقاً عدم جواز لکھا ہے اتصال وانفصال کے فرق کے بغیر پھر آگے لکھا ہے کہ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذبح بالعظام سے ہنی تعبدی ہے جیسا کہ ابن الصلاح وغیرہ کی رائے ہے یا غیر تعبدی یعنی معلل والیہ مال نووی یعنی تجنیس عظم جو کہ ممنوع ہے، اور حنفیہ کا مذہب جیسا کہ مشہور ہے الفرق بین الاتصال والانفصال یعنی ظفر اور سن اگر بدن سے متصل ہے تب ذبح ناجائز ہے اور اگر منفصل ہو تو جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں، وفی البدایہ ومارواہ (الشافعی) محمول علی غیر المنزوع فان الحبشہ کا لایفعلون ذلک، ولانہ آلہ جارحہ فیحصل بہ ما هو المقصود و هو اخراج الدم، بخلاف غیر المنزوع لانه یقتل بالشغل فیکون فی معنی المخنقة (مخصوصاً من الاوجز ضابطہ)

آگے حدیث میں ہے وتقدم سرعان من الناس فتعجلوا فاصابوا من الغنائم الخ

**شرح الحدیث** یعنی بعض جلد باز قسم کے لوگوں نے مال غنیمت میں سے قبل التقسیم بعض بکریاں وغیرہ ذبح کر کے کھانے کے لئے ہانڈیاں چڑھا دیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیچھے کی طرف تھے جب آپ کا گذران ہانڈیوں پر ہوا تو آپ نے ان کو اوندھا کر دینے کا حکم دیدیا تاکہ کوئی کھانہ سکے۔

مال غنیمت سے انتفاع قبل التقسیم طعام کے اندر جائز ہے جس کی تفصیل کتاب الجہاد کے ابواب میں گذر گئی اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

پھر آگے حدیث میں ہے وقسم بینہم فعدل بغير ابعش شیاء۔ یعنی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا، اس سے بعض علماء جیسے اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ایک اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، لیکن یہ استدلال بس ایسا ہی ہے، حافظ فرماتے ہیں ولعلہ کانت قیمة الغنم اذ ذاک کذلک، یعنی ہو سکتا ہے اس زمانہ میں بازار میں دس بکریاں ایک اونٹ کی قیمت کے برابر ہوتی ہوں آگے حدیث میں ہے وبتد بعیر من ابل القوم ولم یکن معہم خیل فرماہ رجل بسہم الخ۔ یعنی اس سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اونٹوں میں سے ایک اونٹ بگڑ گیا اور متوحش ہو کر بھاگنے لگا اور قابو سے باہر ہو گیا تو ایک شخص نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو شکار کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کے اس کے تیر مارا جس سے وہ بھڑ گیا اور قبضہ میں آگیا، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ان لہذہ البہائم اوابدا کما وابد الوحش کہ بیشک ہمارے ان مانوس جانوروں میں بعض وحشی جانوروں کی طرح متوحش ہو جاتے ہیں پس اگر کوئی جانور اس طرح ہو جائے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جائز ہے، یعنی اس قسم کا جانور شکار کے حکم میں ہو جاتا ہے اور جس طرح شکار کرنے کا شریعت میں طریقہ ہے اس کو ایسے جانور میں اختیار کرنا جائز ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن رجل من بنی حارثۃ انه کان یزعی لقطعة بشعب من شعاب احد فاخذھا الموت الخ۔  
یعنی ایک شخص اپنی اونٹنی کو جبل احد کی کسی گھاٹی میں چرارہا تھا اسی اثنائے میں وہ اونٹنی قریب المرگ ہو گئی اس شخص نے اس کا بچر کرنا چاہا مگر کوئی چیز نہ ملی سوائے لوبے کی ایک میخ کے جس کو اس نے اس کے سینہ میں گھسا دیا جس سے اس کا خون بہہ گیا اور پھر آکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی ایدبح بالمرۃ وشقۃ العصا مڑوہ دھاردار پتھر اور شقۃ العصا کسی لکڑی کا دھاردار ٹکڑا اور حصہ۔  
وحديث عدی بن حاتم ہذا اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی ذبیحة المتردیة

عن ابی العشرۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یا رسول اللہ اما تكون الذکاة الامن

اللہ او الحلق الخ

شرح الحدیث | ابوالعشر اور ان کے باپ کے نام میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بذل المجہود میں ہے، نیز ابوالعشر

کے اپنے باپ سے سماع میں بھی اختلاف ہے، امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **هذا حديث غريب لا نعرفه الا من**  
**حديث حماد بن سلمة ولا نعرف لابي العشر عن ابيه غير هذا الحديث واختلفوا في اسم ابي العشر فقال بعضهم اسمه اسامة بن قيس**  
**ويقال يسار بن بزري يقال ابن بلز، ويقال اسمه عطار، ونسب الى جده اده،** اور مسند احمد میں ہے **الا في الحلق او اللبنة**  
 ان صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا زکوٰۃ شرعی حلق اولیہ ہی کے ساتھ خاص ہے؟ (حلق کا تعلق تو ذبح سے ہے  
 اور لبہ کا نحر سے جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الحج میں گذر چکا، لبہ سینہ کا بالائی حصہ) موضع القلادة من الصدر اور  
 حلق تو معروف ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا، نہیں، بلکہ اگر جانور کی ران میں بھی جرح کر دیا جائے تو کافی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذکاۃ شرعی کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری دوسری اضطراری، اختیاری تو وہ ہے جو مانوس اور  
 مقبوض جانوروں میں ہوتی ہے، یہ تو حلق اور لبہ ہی کے ساتھ خاص ہے، اور دوسری قسم یعنی ذکاۃ اضطراری متوحش  
 اور غیر مانوس جانوروں میں ہوتی ہے، یعنی شکار میں یہ حلق اور لبہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بدن کے کسی بھی حصہ  
 میں جرح کر دینا، یہاں حدیث میں سائل کا سوال ذکاۃ اختیاری سے متعلق تھا جو لبہ اور حلق ہی کے ساتھ خاص ہے  
 اسی لئے امام ابو داؤد اس حدیث کی تشریح اور تاویل میں فرما رہے ہیں: **قال ابو داؤد ! لا يصلح هذا الا في المتروية**  
**والمتوحش، متوحش سے مراد تو وہی جانور ہے جس کا ذکر وندب بعد من ابل القوم میں گذر چکا، اور متردب سے مراد وہ**  
**مانوس اور مقبوض جانور ہے جو اوپر سے کسی نیچے جگہ میں گر جائے مثلاً کنویں میں، اور اس قسم کے جانور کا حکم جو کنویں میں**  
**گر جائے ظاہر ہے کہ اس میں ذکاۃ اختیاری کا جو طریق ہے وہ نہیں ہو سکتا، تو مصنف فرما رہے ہیں کہ**  
**حدیث الباب کا محمل یہی مجبوری والی شکل ہے، اس لئے کہ اگر وہاں بھی ذکاۃ اختیاری کو ضروری قرار دیا جائے تو ہو سکتا ہے**  
**وہ جانور اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی مر جاتے، ہمارے فقہار نے بھی ایسی مجبوری کی صورت میں اس کا حل یہی لکھا**  
**ہے امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہی تاویل ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں قال يزيد بن هارون هذا**  
**في الضرورة اده۔**

فائدہ: حضرت سہارنپوری نے بذیل المجهود میں مصنف کی اس تاویل پر ایک نقد فرمایا ہے جو بظاہر اصول اور قواعد  
 کے مطابق ہے لیکن مصنف جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کی تصریح ہدایہ میں موجود ہے، لہذا مصنف کی تاویل اپنی جگہ  
 درست ہے یہ حدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

علمہ اس کی پوری تفصیل کتاب الصيد میں آرہی ہے ۱۲ عہ میری ایک یادداشت میں اس طرح بکلام مصنف کی توجیہ کا حاصل ہے کہ  
 یہ حدیث ذکاۃ اضطراریہ پر محمول ہے نہ اختیاریہ پر، اور مصنف نے اس کے دو فرمایاں کئے ایک متوحش کا تقدم ان لهذه البہائم اوابد  
 کا وابد الوحش الخ، اور ایک متردب، اول میں تو کوئی اشکال نہیں خود حدیث میں اس کی تصریح ہے، لیکن متردب پر محمول کرنا۔



## باب فی المبالغة فی الذبح

یعنی جانور کو اچھی طرح ذبح کرنا ضروری ہے ویسے ہی معمولی سا شتر مار دیا جس سے وہ جانور آہستہ آہستہ خون بہہ کر ختم ہو جائے یہ معتبر نہیں۔

### حقیقۃ الذبح

بذل میں ترجمۃ الباب کے ذیل میں لکھا ہے حتی یقطع الحلقوم والمرئی والودجان یعنی کامل ذبح یہ ہے کہ ان تینوں رگوں کا قطع ہو جائے، حلقوم کہتے ہیں مجری النفس کو (سانس کی نالی) اور مرئی کہتے ہیں طعام و شراب کی نالی کو، اور وُدجان خون کی دو رگیں فی الہدایۃ ج ۴ ص ۵۵: والعروق التي تقطع فی الذکاة اربعة الحلقوم والمرئی والودجان لقولہ علیہ السلام افری الوداج بما شئت وہی اسم جمع وادله الثلاث فیتناول المرئی والودجین، پھر آگے ہدایہ میں اس مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے ان چاروں کا قطع ضروری ہے یا اکثر کا قطع کرنا کافی ہے؟ اس پر انہوں نے مدلل بالتفصیل کلام فرمایا ہے اور دوسرے ائمہ کا بھی اختلاف لکھا ہے فارجع الیہ لوشئت۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن شریطۃ الشیطان۔

### شرح الحدیث

یعنی آپ نے اس ذبیحہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے جس کو ناقص طور پر ذبح کیا گیا ہو۔ یہ لفظ ماخوذ ہے شرط الحجام سے حجام یعنی پچھنے لگانے والا جس جگہ پچھنے لگاتا ہے اس جگہ کو پہلے بشرط الشتر لا کر زخمی کرتا ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ معمولی سا قطع کرنا جائز نہیں، اس سے وہ جانور حلال نہیں ہوتا زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا ہی کرتے تھے کہ حلق کے بعض حصہ کو قطع کر کے اس جانور کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جاتا تھا، حدیث میں اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب اسلئے کیا ہے کہ ایسی حرکت پر انسان کو وہی ابھارتا ہے، اس حدیث کی شرح خود متن میں بھی موجود ہے وہی الیٰ تذبح فیہ قطع الجملۃ الخ۔

→ مفید نہیں اس لئے کہ متردیہ کو قرآن کریم میں میت کی جگہ میں دکھا ہے اگرچہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ تردی کے بعد مطلق جرح کافی ہے یعنی ذکاة اضطرابی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر حدیث کو ذکاة اضطرابیہ پر محمول کر لیں، تب بھی درست نہیں اسلئے کہ اس صورت میں اس متردیہ کی موت کے دو سبب جمع ہو جائیں گے ایک تردی اور ایک جرح، جرح تو ذکاة اضطرابی میں صحیح ہے لیکن تردی بھی چونکہ سبب موت ہے اور یہاں وہ موجود ہے اور ذکاة اضطرابیہ میں اگر دو سبب جمع ہو جائیں جن میں ایک سبب ایسا ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا تو پھر ایسا کیا ہوا شکار جائز نہیں ہوتا، یہی اشکال حضرت تے بذل میں فرمایا ہے حضرت کا یہ اشکال اور تحقیق اصول و قواعد کے تو مطابق معلوم ہوتی ہے لیکن متردیہ کی جو شکل مصنف نے لکھی ہے اس کے بارے میں جزیئہ ہدایہ راجع میں مصرح ہے اور اس کو جائز لکھا ہے فلا اشکال فی توجیہ المصنف فتدبر و تشکر، بیہنی علی ملک البحرئیۃ بعض الطلبة فی اشارۃ اندرس جزاء اللہ تعالیٰ فیہ الخ۔

## باب ماجاء في ذكاة الجنين

عن ابی سعید قال سالت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن الجنين ..... فان ذكاته ذكاة امه۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہم بعض مرتبہ جس جانور کو ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے اس کا ہم کیا کریں اس کو کھائیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا کہ کھا سکتے ہو اس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح خود اس کا ذبح ہے، یعنی وہ بچہ ذبح میں ماں کے ذبح کے تابع ہے لہذا اس کے مستقل ذبح کی حاجت نہیں اور یہ جو حکم حدیث میں مذکور ہے اس صورت میں ہے جبکہ وہ جنین مردہ ہو، اور اگر وہ زندہ نکلے اس صورت میں یہ حکم نہیں، اس صورت میں اس کے حلال ہونے کے لئے بالاتفاق ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

**مسئلہ الباب میں اختلاف ائمہ** | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور صاحبین کا عمل ہے امام ابو حنیفہ کی رائے یہ نہیں ہے نفی الہدایۃ: ومن نحر تاقہ اود ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعر اولم یشر، وهذا عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وهو قول زفر والحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اذا تم خلقة اکل وهو قول الشافعی لقوله عليه السلام ذكاة الجنين ذكاة امه الى آخره وفي هامشه، وقال الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطاه: قال ابو حنیفہ فكان یکره اكله حتى یخرج حیاً فیذک وکان یروی عن حماد عن ابراہیم انه قال لا یكون ذكاة نفس ذكاة نفسین۔

**الجواب عن الامام ابو حنیفہ** | حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مقصود تشبیہ ہے ای ذكاة الجنين كذكاة امه، اور تشبیہ کبھی حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ بھی ہوتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ: وجنتہ عرضہا السموات والارض، ای عرضہا كعرض السموات والارض، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو کہا گیا ہے کہ ایک روایت اس حدیث میں ذكاة کے نصب کیساتھ بھی ہے ذكاة الجنين ذكاة أمه، اور یہ منصوب بنزع الخافض ہے کما فی قولہ تعالیٰ: وهي تمر بالسحاب۔

نیز امام صاحب کی طرف سے کہا گیا ہے کہ جنین میتہ جس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پہلے ہی سے اپنی ماں کے پیٹ میں میتہ ہوگا تب تو اس کی حرمت ظاہر ہی ہے، اور یا ماں کے ذبح کے بعد اس پر موت واقع ہوئی ہوگی اختناق یعنی سانس رکھنے کی وجہ سے، لہذا اس صورت میں وہ منخفہ ہوا، یعنی ایک صورت میں میتہ اور ایک صورت میں منخفہ وکلاہما حرامان بنص القرآن، نیز کہا گیا ہے کہ اگر حدیث سے مقصود تشبیہ نہوتی بلکہ بیان حکم اور نہایت ہوتا تو پھر اس کے لئے تعبیر اس طرح ہونی چاہیے تھی ذكاة ام الجنين ذکاته۔ والحدیث اخرجه ترمذی وابن ماجہ قالہ اللہ تعالیٰ

## باب اللحم لا یدری اذ کراسم اللہ علیہ ام لا

ولم یذکر عن حماد ومالك عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

**شرح السند** لفظ عن عائشة ترکیب میں لم یذکر کا مفعول بہ ہے مصنف کے اس حدیث میں تین استاد ہیں، موسیٰ اور القعنی تیسرے یوسف، لہذا مطلب یہ ہوا مصنف فرما رہے ہیں میرے استاد موسیٰ نے حماد سے اور قعنی نے اپنے استاد مالک سے اس سند میں لفظ عن عائشة ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف تیسرے استاد یعنی یوسف بن موسیٰ نے اس کو ذکر کیا ہے، لہذا پہلے دو کی روایت مرسل ہوئی اور یہ دوسری موصول۔

مضمون حدیث یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بعض صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض نو مسلم لوگ ہمارے پاس ذبیحہ کا گوشت لاتے ہیں جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں تو کیا ہم اس کو کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ یعنی جو کھانے کا مسنون طریقہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے وہ کرو، یعنی ان نو مسلموں کے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کرتے ہوئے اس کو کھالینا چاہیے، اور یہ مطلب نہیں کہ تسمیہ عند الاکل - تسمیہ عند الذبح کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ قالہ للندری۔

## باب فی العتیرۃ

**فرع وعتیرہ کی بحث مع مذاہب ائمہ** | عتیرہ کا ذکر کتاب الضحیٰ کی سب سے پہلی حدیث میں بھی گزر چکا، اور اس آنے والے باب کا حوالہ بھی، عتیرہ اس قربانی کا نام ہے جو ابتداء اسلام میں رجب کے پہلے عشرہ میں کی جاتی تھی کا تقدم فی اول الكتاب، امام ابو داؤد نے تو یہاں صرف ایک ہی باب (عتیرہ) قائم کیا ہے اور امام بخاری نے عتیرہ اور فرع دونوں پر الگ الگ باب قائم کئے، میں اور دونوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوعہ لا فرع ولا عتیرہ ذکر فرمائی ہے، روایات میں دونوں ہی کے بارے میں اختلاف ہے نفیاً واثباتاً، چنانچہ کتاب کے شروع میں جو حدیث گزاری ہے اس میں عتیرہ کا جواز مذکور ہے اور یہاں حدیث الباب میں اس کی نفی مذکور ہے، صحیحین میں تو دونوں کی نفی اور عدم جواز مذکور ہے، البتہ سنن کی روایات اس میں مختلف ہیں، چنانچہ عتیرہ کے بارے میں تو بھی اختلاف گزر چکا اور فرع کے بارے میں اس باب کی پہلی حدیث میں تو اس کا اثبات مذکور ہے فی کل مسائلة فرع۔ اور باب کی دوسری حدیث میں اس کی نفی ہے لا فرع ولا عتیرہ اسی طرح آگے باب العقیقہ میں ایک حدیث میں آ رہا ہے والفرع حق جمہور علماء وائتہ ثلاث کے نزدیک تو یہ دونوں ہی منسوخ ہیں البتہ حضرت امام شافعی اور بعض

دوسرے علماء کے نزدیک یہ دونوں اب بھی مستحب ہیں جیسا کہ امام نووی نے امام شافعی سے انکے استحباب کی تصریح نقل کی ہے۔  
یہ پہلے گزر چکا کہ جمہور کا عمل تو حدیث صحیحین لافرع ولا غیرہ پر ہے اور وہ ان دونوں کو منسوخ مانتے ہیں اور حضرت  
امام شافعی نے اثبات اور نفی کی روایات میں دفع تعارض ایسے فرمایا ہے کہ نفی کو محمول کیا ہے نفی وجوب پر اور اثبات کی  
روایت کو استحباب پر۔

**فرع کی تفسیر میں اقوال** | اس کے بعد آپ سمجھے کہ عتیرہ کی تفسیر تو اوپر گزر چکی اور فرع کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں۔  
(۱) کسی دابہ کا پہلا بچہ (جیٹھا) جس کو مشرکین اصنام کے نام پر ذبح کرتے تھے خیر و برکت  
کے لئے اور ابتداء اسلام میں اس کو اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کیا جاتا تھا، دوسرا فرق یہ تھا کہ مشرکین تو اس کو پیدا نش کے بعد  
شروع ہی میں ذبح کرتے تھے اور ابتداء اسلام میں بڑا ہونے کے بعد جیسا کہ آگے ابوداؤد کی ایک روایت مرفوعہ میں اس  
کا ذکر آ رہا ہے (۲) پورے گلے میں سے جو نسا جانور پہلے بیانے اس کا بچہ، خواہ فی نفسہ وہ اس کا پہلا نہ ہو، (۳) آدمی کی  
ملک میں بکری ہو یا اونٹ، سو کا عدد پورا ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو (۴) ہر پچاس بکریوں میں سے ایک بکری کمافی الحدیث  
الآتی من کل خمسين شاة شاة۔

فی کل سائمة فرع تغذوة ماشيتك حتى اذا استحل للحبيج ذبحة فتصدق بلاحمه۔

فرع کے بارے میں جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ زمانہ جاہلیت میں اس بچہ کو پہلے ہی دن ذبح کر دیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں فرما رہے ہیں کہ فرع تو برحق ہے لیکن پہلے ہی دن ذبح کرنے کی بات غلط ہے بلکہ تم  
کو چاہیئے کہ جب وہ تمہارا اپنا جانور ہے تو اس کو پالو پرورش کرو، جب وہ بڑا ہو جائے سواری کے قابل ہو جائے  
تب اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو صدقہ کرو، اور اسی طرح کی ہدایت آپ کی جانب سے آگے ایک روایت میں آرہی  
ہے (جس کا حوالہ اوپر گزر چکا) والفرع حتى وان تنكره حتى يكون بكرة شغل بآبن مخاض او ابن لبون  
اس کا ترجمہ یہ ہے: اور یہ بات کہ تم اس بچہ کو چھوڑے رکھو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے، اور پھر اس کو تم کسی مسکین  
عورت کو عطا کر دو یا جہاد میں اس کو استعمال کرو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تو پیدا ہونے کے بعد فوراً اس کو ذبح کرے  
اور اس کا گوشت اس کی کھال اور اون ہی کو لگا رہ جائے اور تو اپنے دودھ کے برتن کو اوندھا کرے، اور تو اس بچہ کی

لہ فی ہامش البذل: وعندنا بحالة لایسن ولا یکرہ والمراد بالنفی عندہم نفی السنۃ کما جزم فی المروض المربع۔

یہ جیسا کہ آگے راوی کے کلام میں آ رہا ہے دکم السائمة؟ قال: منہ، اور اسی طرح کتاب الطہارۃ میں باب فی الاستنثار میں جو حدیث طویل  
گذری ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے وفیر قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تحسبن انامن اجلک ذبحناہا، لنا غم منہ لانزید  
ان تزید فاذا ولد الراعی بہمتہ ذبحنا مکا نہا شاة الحدیث۔

ماں کو دکھ پہنچائے دودھ کے برتن کو اوندھا کرنے کا مطلب ظاہر ہے کہ جب اونٹنی کے بچہ کو بچپن ہی میں ذبح کر دیا جائے گا تو پھر وہ اونٹنی بغیر اپنے بچہ کے دودھ کیسے دے سکتی ہے۔

حدیث نبیشتہ اخراجہ النسائی وابن ماجہ، وحديث ابی ہریرۃ اخراجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی العقیقۃ

صحیح بخاری کا عنوان "کتاب العقیقۃ" ہے جس کو انہوں نے کتاب الاطعمۃ کے بعد متصلاً ذکر کیا ہے، باب الفرع والعیرۃ سے پہلے، اور اس میں امام بخاری نے صرف دو باب قائم کئے ہیں۔ "باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ" اور دوسرا باب اطعمۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ جس میں یہ حدیث ذکر کی ہے، "مع الغلام عقیقۃ فاهریقوا عنہ دماً وامیطوا عنہ الاذی"۔

عقیقۃ سے متعلق بعض ضروری مباحث | عقیقۃ غنّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شق اور قطع کے آتے ہیں، عقیقۃ کا اطلاق مولود کے سر کے بالوں پر بھی ہوتا ہے جن کو قطع کیا جاتا ہے، اور اس ذبیحہ پر بھی۔

عقیقۃ ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھے لیکن وہ لوگ یہ کرتے تھے کہ ذبیحہ کے خون کو مولود کے سر پر ملتے تھے، اسلام میں اصل عقیقۃ کو تو باقی رکھا گیا لیکن دوسری خصلت یعنی اللطخ بالدم سے منع کر دیا گیا اور اس کے بجائے زعفران استعمال کیا گیا، یہ مضمون باب کی آخری حدیث میں آرہا ہے۔

آج نیز میں کتاب العقیقۃ کے شروع میں دس بحثیں ذکر کی ہیں جن کا ذکر مجلہ حاشیہ لامع اور الابواب والتراجم میں آیا ہے۔ بحث اول تو لغوی تحقیق میں ہے اور دوسری بحث اس کے حکم میں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیقۃ ظاہر یہ کے نزدیک واجب ہے وھو روایۃ عن احمد والحسن، اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور امام مالک کے نزدیک مستحب ہے کافی الموطا وکلام الدرریدر، اور حنفیہ کی اس بارے میں تین روایات ہیں، اول یہ کہ مستحب ہے وھو المعروف فی فروغہم، دوسری یہ کہ مباح ہے، اور تیسری روایت یہ ہے کہ انھا بدعتہ ونسب الی الامام، وانکر الانساب العلامة العینی، صحیح عند حنفیہ یہی ہے کہ عقیقۃ مستحب ہے البتہ صاحب بدائع کی رائے اس کے خلاف ہے انہوں نے اس کو منسوخ اور مکروہ قرار دیا ہے، موطا میں امام محمدؒ نے بھی نسخ ہی لکھا ہے لیکن اس کے محشی نے اس پر تعقب کرتے ہوئے تفصیلی کلام کیا ہے، اور کتب شافعیہ میں یہ بھی ہے کہ عقیقۃ امت کے حق میں تو مستحب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں واجب۔

ایک بحث ان مباحث میں سے یہ ہے کہ عقیقۃ میں غلام اور جاریہ دونوں کا حکم یکساں ہے یا اس میں فرق ہے؟



جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے یہ ہے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں تصریح ہے کہ غلام کی طرف سے شاتین اور لڑکی کی طرف سے شاة واحدہ، اور امام مالک کی رائے اس میں یہ ہے کہ دونوں کے لئے ایک ایک بکری ہے چنانچہ انہوں نے موطا میں حضرت ابن عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے انہ کان یعق عن ولده بشاة بشاة للذکور والاناث اور التینیق المجذہ میں یہ ہے کہ جمہور کا مسلک یعنی عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد طرق سے ثابت ہے، البتہ آپ کے فعل میں روایات مختلف ہیں یعنی حضرات حسین کے بارے میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں بعض روایات میں "کبشا کبشا" ہے اور بعض میں "کبشین کبشین"۔ چنانچہ ترمذی میں ہے عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بشاة الحمدیث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن غریب، وفي البذل عن الحافظ، واحتج مالک بما جاز ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الحسن والحسین کبشا کبشا ولا حجة فیہ فقد اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلفظ کبشین کبشین اھ میں کہتا ہوں اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کبشین کبشین والی نسائی میں بھی ہے اور بعض کتب مالکیہ میں جیسے ارشاد السالک اس طرح ہے العقیقۃ ذبح شاة اور پھر آگے ہے والا فضل عن الذکر بشاتین یعنی اولی ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ لڑکے کی طرف سے شاتین کی جائیں اور ابن رشد مالکی کا میلان بھی اسی طرف ہے کافی الاوجز۔

عن ام کریم الکعبیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاة۔

الم ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علیہ..... وروی عن السبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایضا انہ عن الحسن بن علی بشاة اھ

**شرح الحدیث** یعنی لڑکے کی طرف سے عقیقہ دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری مکافئتان کی شرح میں مختلف قول ہیں، تقریباً تین قول ہیں (۱) ایسی دو بکریاں جو آپس میں عمر میں برابر ہوں (چھوٹی بڑی نہ ہوں) حکاہ المصنف عن الامام احمد (۲) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں ان بکریوں کے جو اضمیہ میں کیجائی ہیں یعنی عمر کے اعتبار سے اس سے کم نہ ہوں، قالہ الزمخشری (۳) ایسی دو بکریاں جو برابر ہوں یا اعتبار ذبح کے یعنی دونوں کو ایک ساتھ ذبح کیا جائے، یہ نہ ہو کہ ایک کو مثلاً صبح کے وقت ذبح کیا اور دوسری کو شام کے وقت روی ذلک عن زیار بن اسلم ہذا باہمت من الشروح۔ والحدیث اخرجہ النسائی قالہ الشیخ محمد عوامہ۔

عن ام کریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اقرؤا الطیر علی مکنا تہا مکنا ت۔ کوئی طرح ضبط کیا گیا ہے فتح میم اور کسر کاف، اور دونوں کا فتح، اس صورت میں اس کے معنی لکھے ہیں۔ بیضہ، فتح میم اور ضم کاف اس کی تفسیر کی گئی ہے اماکن کے ساتھ، لہذا پہلی صورت میں حدیث کے

معنی ہوں گے کہ پرندوں کو ان کے بیضوں پر بیٹھا رہنے دو اور برقرار رکھو اور دوسری صورت میں پرندوں کو بیٹھا رہنے دو ان کے آشیانوں میں، اب یہ کہ آپ کی غرض اس سے کیا ہے فقیر الغرض المنع عن زجر الطیر و تنقیہ ہا من اماکنہا اذ فیہ ایزار الحیوان، یعنی خواہ مخواہ بلا وجہ پرندوں کو پریشان مت کرو ان کو چھیڑ کر، وقیل الغرض المنع عن الصيد لیلان اللیل وقت راحتہا، یعنی رات میں پرندوں کا شکار نہ کیا جائے، رات ان کی راحت کا وقت ہے اگر شکار کرنا ہے تو دن میں کرو، وقیل الغرض المنع عن الطیرۃ یعنی اچھی بری فال نکالنے کے لئے ان کو ان کی جگہ سے مت اڑاؤ، اذلا طیرۃ فی الاسلام لایضی کما ذکرنا کن ام اناثا، یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں نہ ہوں یا مادہ، والحديث عزاه المزی فی التحفہ الی النسائی وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد غولمہ۔

قال ابو داؤد: هذا هو الحديث وحديث سفيان وهر، سفيان کے طریق میں عبید اللہ کے بعد عن ابیہ کی زیادتی ہے جو کہ حماد کی روایت میں نہیں ہے، مصنف اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ زیادتی وہم ہے۔ والحديث اخرجه الترمذی مختصراً وخرجه النسائی بتمامه ومختصراً، وخرجه ابن ماجہ مختصراً، قال المنذری، کل غلام رھینہ بعقيقته تذبیح عنہ یوم السباع ویخلق رأسہ ویذقی۔

**شرح الحدیث** اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے، الغلام مرتین بعقيقته، مرتین ام مفول کا صیغہ ہے بمعنی مرہون اس حدیث کی شرح میں چند قول ہیں (۱) عقیقہ ہر نو مولود کے لئے لازم اور ضروری ہے جس طرح شئی مرہون کامرتین کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، تشبیہ باعتبار لزوم کے ہے گویا مقصود تاکید عقیقہ ہے اور بظاہر اس سے تائید ہوتی ہے قول وجوب کی کما ذهب الیہ بعضہم (۲) نو مولود اپنے بالوں کی اذیت میں مرہون یعنی مقید اور جکڑا رہتا ہے جب تک ان کو زائل نہ کیا جائے (لہذا یہ گندے بال اس سے جلدی ہی زائل کرنے چاہئیں بعض لوگ اس میں بہت تاخیر اور سستی کرتے ہیں، ہم نے اپنے بعض اساتذہ سے اس حدیث کی شرح میں سنا کہ کچھ کا عقیقہ کر کے بلا تاخیر اس کی آلا بلا کو دور کرنا چاہیے) (۳) حضرت امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث شفاعت کے بارے میں ہے یعنی یہ کہ اگر نو مولود کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور پھر وہ صغریٰ میں مر جائے تو اپنے والدین کے بارے میں شفاعت نہیں کرتا۔ یہ پہلے گذر چکا کہ عقیقہ کا اطلاق نو مولود کے سر کے بال اور ذبیحہ دونوں پر ہوتا ہے، ان معانی میں سے بھی بعض کا تعلق بالوں سے ہے اور بعض کا ذبیحہ سے

عہ میری ایک یادداشت میں اس حدیث کے معانی اس طرح ملے۔ کل غلام مرتین بعقيقته، (۱) عقیقہ سے مراد ذبیحہ بکری وغیرہ جو ذبح کی جاتی ہے، یہ کنایہ لزوم اور وجوب ہے ہر نو مولود کیلئے عقیقہ لازم ہے جس طرح شئی مرہون کامرتین کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے جب تک قرض ادا نہ ہو (۲) ہر نو مولود شیطان کے تصرفات کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک اس کا عقیقہ نہ کیا جائے، تو گویا عقیقہ بمنزلہ فدیہ کے ہے اس کی وجہ سے وہ نو مولود شیطان کے تصرفات سے نجات پاتا ہے۔ (۳) ہر نو مولود اپنے والدین کیلئے سفارش ہے رکارتا ہے جب تک والدین اس کی طرف سے عقیقہ کر کے اس کا حق ادا نہ کریں، یہ تفسیر امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے۔ (۴) عقیقہ سے مراد نو مولود کے سر کے بال ہیں، یعنی ہر نو مولود اپنے سر کے (گندے) بالوں کیساتھ مقید اور جکڑا ہوا رہتا ہے جب تک ان بالوں کو اس سے زائل نہ کیا جائے (لہذا عقیقہ

**عقیقہ میں یوم السابع کی قید** | آگے حدیث میں ہے کہ عقیقہ ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسی طرح سر کا حلق۔ اس پر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے۔

اور اگر ساتویں دن میسر نہ ہو تو پھر چودھویں دن کیا جائے۔ اور اگر اس میں بھی میسر نہ ہو تو پھر اکیسویں دن کیا جائے، اس تعیین وقت میں فقہار کا اختلاف ہے یوم السابع کی قید مالکیہ کے نزدیک تو معتبر اور ضروری ہے، ان کے نزدیک عقیقہ یوم السابع سے پہلے معتبر نہیں اور نہ اسکے بعد معتبر ہے نیز ان سے منقول ہے کہ جو بچہ یوم السابع سے پہلے مر جائے اس کا عقیقہ ساقط ہے اور ابن وہب کی روایت امام مالک سے یہ ہے کہ اگر سابع اول میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو پھر سابع ثانی میں کیا جائے اور تیسرے میں بھی کچھ حرج نہیں، کذا فی الفتح و کذا فی الدسوقي، حنا بلکہ کے نزدیک یہ قید ضروری نہیں، ان کے نزدیک قبل السابع بھی جائز ہے کافی، نیل المآرب، و فی الروض المطرب۔ ولایعتبر الا سبوع بعد ذلک فیعن فی ای یوم اراد، اور شافعیہ کا مذہب شرح اقتناع میں یہ لکھا ہے ویدخل وقته من الولادة ویسین یوم السابع، ویسقط بعد اکثر مدة النفاس و فیما بینہما تردد، اور حنفیہ کا مسلک کافی، بہشتی زیورہ کہ ساتویں روز کی رعایت مستحب ہے اگرچہ کتنے ہی دن گزر جائیں، اور اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ بچہ کا عقیقہ جب بھی کیا جائے ولادۃ والے روز سے ایک دن پہلے کیا جائے، مثلاً اگر پیدائش بچہ کی جمعہ کے دن ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعہ سے ایک روز قبل یعنی جمعرات کو کیا جائے (من ہامش البذل)

ویدعی فكان قتادة اذا سئل عن الدم كيف يصنع به قال اذا ذبحت العقیقة اذ۔

**حدیث العقیقہ میں لفظ یدعی کی تحقیق** | اس روایت میں لفظ یدعی وارد ہے تدمیسے، جو ماخوذ ہے "دم" سے یعنی خون ملا جائے، قتادہ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا صورت ہونی چاہیے تو انہوں نے کہا کہ جو بکری تو ذبح کرے تو اس کا تھوڑا سا صوف لے اور اس صوف کو عقیقہ کے گلے کی رگوں پر لگائے اور پھر اس بچائے کو بچہ کے تالو پر مل دے یہاں تک کہ اس کے سر پر سے خون کی دھاری بہنے لگے اور پھر بعد میں سر کو دھو کر اس کا حلق کر دیا جائے۔

آگے کتاب میں ہے مصنف فرما رہے ہیں۔ یدعی۔ کا لفظ اس روایت میں ہمام راوی کا وہم ہے، چنانچہ اس کے بعد والی روایت میں جس کو قتادہ سے روایت کرنے والے سعید ہیں۔ بجائے ہمام کے اس میں یدعی کے بجائے یدعی ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ۔ یدعی۔ ہی اصح ہے۔

یدعی کو وہم ہمام قرار دینے پر حافظ نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس کو وہم قرار دینا کیونکر صحیح ہے اس لئے کہ آگے روایت میں تو یہ موجود ہے، ہمام کہتے ہیں کہ جب ہمارے استاد قتادہ سے دم کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے، تو اس پر وہ اس کا طریقہ بتاتے، یہ سب تو ضبط ہمام پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اسکے وہم پر، الا یہ کہ یوں کہا

جائے کہ اصل حدیث میں تو ایسی تھی لیکن اس کے بعد قتادہ نے اہل جاہلیت کے دم کا ذکر کیا تو پھر ہمام کے سوال پر انہوں نے اس کا طریقہ بتلایا، لیکن ہمام کو وہم ہوا کہ وہ ایسی کسے بجائے یدی نقل کرنے لگے، اور بعض نے یہ توجیہ کی کہ یہ منسوخ ہے، اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی کہ اس سے مراد ٹخنہ ہے کہ بچہ کی خستہ کی جائے، لیکن اس سب کے باوجود شرح نے لکھا ہے کہ بعض علماء جیسے ابن عمر اور عطاء وقتادہ استحباب تدمیہ کے قائل تھے، والحدیث رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عتق عن الحسن والحسين كبشا كبشا، اس حديث کے بعض طرق میں كبشين كبشين ہے کما تقدم قريبا۔  
والحديث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال سئل النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن  
الحيقة فقال لا يحب الله العقور.

**شرح الحدیث** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتے، عقیقہ اور عقوق دونوں ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں یعنی، عقوق جس کے معنی قطع اور شق کے ہیں اور اسی سے ماخوذ ہے عقوق الوالدین، آگے روایت میں ہے راوی کا کلام کہ شاید آپ کو یہ نام پسند نہیں، راوی کا یہ خیال صحیح ہے اس لئے کہ اسی حدیث میں اس کے بعد آپ عقیقہ کا حکم فرما رہے ہیں مگر عقیقہ کے لفظ کے ساتھ نہیں بلکہ لفظ نُسک کے ساتھ، لہذا اس میں اشارہ ہوا اس طرف کہ عقیقہ کے بجائے اس کو نسک یا کسی دوسرے لفظ سے تعبیر کیا جائے، جو حضرات استحباب عقیقہ کے قائل نہیں بلکہ اس کو مکروہ کہتے ہیں انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے پھر آگے حدیث میں فرع کے بارے میں سوال وجواب ہے جس کی شرح ہمارے یہاں باب العیرہ میں گذر چکی، اس میں ایک لفظ شَعْرُ بَا ہے اس کے بارے میں شرح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ مصحف ہے اور یَعْرُ زُخْرُ بَا ہے ای غلیظاً تو یا، ایسے ہی اس میں ایک لفظ یہ ہے "وَلَوْلَا نَأْتُكَ" یہ لَوْلَا سے ماخوذ ہے دھو ذہاب المحتل لاجل فقدان الولد، یعنی بچے کے مرنے کی وجہ سے اس کی ماں کا پاگل ہو جانا۔

والحمد للہ الخیرہ النسائی قالہ المنذری۔

سمعت ابی ہریرۃ یقول کنا فی الجاہلیۃ اذا ولد لاحدنا غلام الخ۔  
بریدہ ترکیب میں بدل واقع ہو رہا ہے۔ ابی سے یعنی عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدہ سے سنا۔  
اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں ابتداء میں گزر چکا۔

## ابواب الصيد

کذا فی بعض النسخ، اور ہمارے پاس جو نسخہ ہندیہ ہے اس میں ہے۔ آخر الاضاحی، اول الصيد۔

## باب اتخاذ الکلب للصيد وغيره

من اتخذ كلبا الاكلب ماشية اوصيد او نزع انتقص من اجره كل يوم قيراط.

حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کے لئے کتا پالنا اور پھر اس کے ذریعہ شکار کرنا جائز ہے، ترجمۃ الباب سے مصنف کی غرض بھی یہی ہے مسئلہ جماعی ہے خود قرآن کریم میں موجود ہے، یسئلونک ماذا احل لہم قتل اکل الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین الآية، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص امور ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے کیتے کو پالے تو ہر روز اس کے ثواب میں سے ایک قیراط گھٹا دیا جاتا ہے۔

**قیراط اور قیراطان کے اختلاف کی توجیہ** | اس روایت میں قیراط بصیغہ مفرد ہے، اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں یعنی من طریق الزہری عن سعید بن المسیب جو مسلم کی

روایت میں ہے اس میں بجائے قیراط کے قیراطان ہے، اس کے بارے میں بذل میں اس طرح ہے واختلاف فی اختلاف الروایتین فی القیراطین والقیراط فقیل الحکم للزائد لکونه حفظا لم یحفظ الاخر، یعنی زیادتی والی روایت راجح ہے، یا یہ کہا جائے کہ شروع میں آپ نے ایک قیراط کے بارے میں فرمایا و عید کو ذرا ہلکا کرتے ہوئے پھر اس کے بعد تاکید تنفیہ کے لئے دو قیراط فرمایا لیکن ایک راوی نے صرف ایک قیراط والی روایت کو سنا اور دوسرے راوی نے قیراطین کا لفظ سنا، نکل روی بما سمع (۳) کلاب مختلف ہوتے ہیں قلیل الضرر اور کثیر الضرر، اول میں ایک قیراط کا نقصان اور ثانی میں دو قیراط کا (۴) قیراطان والی روایت مدینہ منورہ پر محمول ہے اور قیراط والی غیر مدینہ پر وغیرہ ذلک من التوجیہات۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی قالہ المنذری۔

عن عبد الله بن مغفل رضى الله تعالى عنه ..... لو ان الكلاب امة من الامة لاصرت بقتلها

**شرح الحدیث** | شروع میں آپ نے کلاب کے بارے میں شدت اختیار فرمائی اور سب کے قتل کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حتیٰ کہ دیہات سے

آنے والی عورت کے ساتھ بھی اگر کتا ہوتا تھا تو ہم اس کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے، پھر بعد میں آپ کی رائے میں تبدیلی آئی اور حکم سابق سے روک دیا اور یہ فرمایا کہ کلاب بھی مخلوقات کی ایک نوع ہے تو اول تو مخلوق کی ایک پوری نوع کو قتل کرنا انسان کے بس میں نہیں، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نوع مخلوق کی تخلیق میں یقیناً مصلحت ہوتی ہے اسلئے بھی سب کو قتل کرنا مناسب نہیں تاہم ان میں جو زیادہ شریر اور خبیث ہوتا ہے یعنی کلب اسود اس کو تو قتل کر ہی دیا کرو، امام نووی فرماتے ہیں کلب عقور کے قتل پر تمام علماء کا اتفاق ہے البتہ جو کلب بے ضرر ہو اس کے قتل میں اختلاف ہے

لہٰذا لیکن یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا ہے جب تک کہ ایک ہی ہے پھر یہ جواب صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی ہے کہ کتب کے سلسلہ میں پہلے پہل تو تشدید زیادہ



امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ شریعت کا استقرار نسخ قتل پر ہی ہو چکا اب کسی کلب کا قتل جائز نہیں حتیٰ کہ اسود بہیم کا قتل بھی جائز نہیں لیکن اس رائے پر ملا علی قاری کو انشراح نہیں وہ فرماتے ہیں یہ محتاج دلیل ہے (بذل)  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب فی الصيد

صيد کبھی مصید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی معنی مصدری میں یہاں یہی مراد ہے یعنی کلب معلم اور تیرکمان وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنے کے بیان میں۔

**ذکاة کی دو قسمیں اختیاری اور اضطراری** | جانتا چاہیے کہ ذکاة شرعی کی دو قسمیں ہیں اختیاری و اضطراری، اختیاری حیوان مقبوض و مانوس — میں ہوتی ہے اور اضطراری غیر مقبوض اور غیر مانوس جانور میں جیسے شکار، اور جیسا کہ اس سے پہلے بھی گذر چکا کہ ذکاة اختیاری تو خاص ہے لبہ اور حلق کے ساتھ، اور ذکاة اضطراری نام ہے مطلق جرح کا، فی آئی موضع کان من البدن اور جرح سے مراد امر الدم ہے، اس تمہید کے بعد اب آپ سمجھئے کہ ذکاة اضطراری جن آلات سے ہوتی ہے وہ تین ہیں، الجحوان الجرح، التمدد یعنی ہر دھار دار چیز جیسے سہم، المشعل کا لجر و الخشب، ان میں جو پہلی دو چیزیں ہیں ان سے شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور تیسری چیز — یعنی مشعل، اس کے ذریعہ شکار کرنا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، البتہ بعض علماء شام مثل مکحول و اوزاعی ان کے نزدیک جائز ہے، اسی لئے ان کے نزدیک صید مغراض اور ایسے ہی صید بندوقہ جائز ہے (سبالت سلام) پھر اسکے بعد جانتا چاہیے کہ اگر ذکاة اضطراری حیوان جارج کے ذریعہ سے ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ وہ جارج معلم ہو، اور یہ امر متفق علیہ ہے قال تعالیٰ۔ وما علمتم من الجوارح مکلبین، اور علامت تعلیم کلب میں دو چیزوں کا پایا جانا ہے اول امساک علی صاحبہ — یعنی عدم الاکل، کہ وہ کتا شکار میں سے کچھ کھائے نہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ جب شکار کی طرف اس کو چھوڑا جائے تو فوراً اس کی طرف جائے، اور جب بلایا جائے اور روکا جائے تو رک جائے یہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور امام مالک کے نزدیک تعلیم کلب کے لئے امساک علی صاحبہ ضروری نہیں، صرف امر ثانی کا پایا جانا کافی ہے، اور علامت تعلیم طیر جیسے بازی وغیرہ میں یہ ہے کہ جب اس کو پکارا جائے تو فوراً آئے، اور یہاں امساک بالانقیاف ضروری نہیں ہے۔ (بذل)

ذکاة اضطراری کے شرائط بالتفصیل۔ بذل المجہود میں مذکور ہیں وہاں دیکھا جائے۔

**تسمیہ عند الذبح وعند الارسال میں اختلاف ائمہ** | نیز جانتا چاہیے کہ یہ ارسال کلب شکار کے وقت ایسے ہی تیر کا چلانا بمنزلہ چھری چلانے کے ہے عند الذبح اس لئے اس

ارسال اور زکی سہم کے وقت تسمیہ ضروری ہے جیسا کہ احادیث الباب میں مصرح ہے، وفی البدایہ ج ۴ ص ۱۶۸ واذا ارسل

کلبہ المعلم او بازیرہ و ذکر اسم اللہ تعالیٰ عند ارسالہ فاخذ الصيد وجره فمات حل اكله لما روينا من حديث عدي رضي الله تعالى عنه  
ولان الكلب او البازي آله والذبح لا يحصل بمجرد الآله الا بالاستعمال، وذلك فيها بالارسال فنزل (الارسال) منزلة الرمي  
وامر السكين فلا بد من التسمية عنده ولو تركه ناسيا حل ايضا اهـ ویسے دوسرے ائمہ کا اس میں اختلاف بھی ہے اور وہ  
یہ ہے کہ کافی ہاشم البذل و اختلاف ثقلة المذاہب فیہ، وایصح من مذاہبہم ان ترک التسمیۃ عمدا لا یجوز عندنا وعند مالک و یجوز  
ان کان ترک سہواً فال تسمیۃ شرط عند الذکر وعند الشافعی یجوز مطلقا فی السہو والعمد فی ستمۃ عنده واما احمد فانه فرق  
بین الصيد والذبیحۃ ففی الذبیحۃ هو معنای الصيد لا یجوز مطلقا (من الاوجز)

عن عدي بن حاتم رضي الله تعالى عنه قال: سألت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم .....

فكل مما مسكن عليك -

تعلیم کلب کے بارے میں جمہور اور امام مالک کی دلیل  
یہ حدیث ائمہ ثلاث کی دلیل ہے کہ کلب معلم کے ذریعہ شکار میں عدم اکل ضروری  
ہے، اور یہ روایت مالکیہ کے خلاف ہے امام مالک کا استدلال اُنہ آئے والی  
ابو ثعلبہ انخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں اس طرح ہے اذا رسلت  
کلبک و ذکر ت اسم اللہ تعالیٰ فکل وان اکل منه، امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ جمہور علماء نے عدي بن حاتم رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کی حدیث کو مقدم رکھا ہے ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر کیونکہ حدیث عدي اس سے صحیح ہے (متفق  
علیہ ہے) اور بعض علماء نے حدیث ابو ثعلبہ کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں کھانے سے عین شکار کے وقت اس کے کھانا  
مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابتداء میں وہ کتا اس شکار کو مار کر فارغ ہو کر چلا گیا اور پھر بعد میں جب اس شکار کو وہاں  
پڑا دیکھا اس وقت اس میں سے کھانے لگا، پس اس کا یہ کھانا مضر نہیں ہے۔

قلت ارعى بالمعروض فاصيب اذا كمل الو معروض کی تفسیر میں اختلاف سبب ہے، ابن التین فرماتے ہیں یعنی  
وہ عصا جس کے سرے میں دھار دار چیز لگی ہوئی ہو لوہا وغیرہ، اور امام نووی فرماتے ہیں وہ ایک بھاری سی لکڑی ہوتی  
ہے، یا عصا جس کے سرے پر دھار دار چیز لگی ہوئی ہوتی ہے، اور کبھی سادہ ہوتا ہے بغیر دھار دار چیز کے، میں کہتا ہوں کہ  
اس کی مثال بلم سے بھی دی جاسکتی ہے وہ بھی ایک عصا ہوتا ہے جس کے سرے پر دھار دار لوہا لگا ہوتا ہے، بہر حال  
حدیث میں یہ ہے کہ اگر معروض سے شکار کیا جائے تو اگر شکار کے اس کا دھار دار حصہ لگ کر اس کو زخمی کر دیتا اور  
اس کے اندر نفوذ کر جاتا ہے تب تو وہ شکار حلال ہے اس کو کھا سکتے ہیں، اور اگر وہ معروض اپنی چوڑائی میں سے شکار پر  
جا کر لگا ہے تو وہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ وقید ہوگا، قال تعالیٰ: والمنخفضة والموقودة  
والمرتدیۃ، اور موقودہ اسی شکار کو کہتے ہیں جو مشعل اور غیر دھار دار چیز سے مارا جائے۔

**بندوق کا شکار اور اسمیں اختلاف** | جمہور نے صید بالبندقہ کی حرمت پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس میں اوزاعی اور مکحول وغیرہ کا اختلاف ہے کما تقدم قریباً، لہذا یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

فائدہ:- یہ عدی بن حاتم راوی حدیث حاتم طائی مشہور سنی ہی کے بیٹے ہیں، یہ مؤخرین میں سے ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو اسی سال کی عمر پائی، یہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا ہوں اس وقت سے اب تک کسی نماز کی اقامت نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں اس وقت با وضو تھا (تہذیب التہذیب) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

عن عامر عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحیح مسلم کی حدیث کے ایک جملہ کی تشریح کرنے والے عامر شعبی ہیں متعدد طرق سے صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے

ان روایات میں سے صحیح مسلم اور نسائی میں ایک روایت میں اس طرح ہے۔ حدثنا الشعبی قال سمعت عدی بن حاتم۔ وكان لنا جارا ودخیلا وربيطا بالنهرین۔ انه سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الحدیث، اس میں جارا اور دخیل کے معنی تو ظاہر ہیں جارا پڑوسی اور دخیل وہ شخص جو کسی سے خصوصی تعلق رکھتا ہو اور اس کے امور میں اس کا معاون اور مشیر ہو، لیکن ربط کے بارے میں امام نووی نے تو یہ لکھا ہے: والربیط ہمنام بمعنی المرابط وهو الملازم والرباط الملازمة، قالوا والمراد هنا ربط نفسه علی العبادۃ وعن الدنیا اھ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح میں ربط کے صرف پہلے معنی لکھے کہ اسی پر اکتفا کیا ہے۔ چنانچہ اس میں ہے: والربیط هنا المرابط الملازم من الرباط اھ بظاہر امام نووی نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلے اس معنی کو لکھ کر دوسرے معنی جو لکھے ہیں وہ "قالوا" کے ساتھ لکھے ہیں یعنی بعض شراح کی رائے یہ ہے، مرابط کہتے ہیں سرحد پر پہرہ دینے والے کو جیسا کہ کتب احادیث میں آتا ہے اور مشہور ہے، اور دوسرے معنی جو نووی نے لکھے ہیں اس کا حاصل، یعنی وہ شخص جو زاہد اور منقطع عن الدنیا ہو، اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہو، لیکن اس معنی کا دخیل کے ساتھ جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اور اس ربط بالنہرین کا تعلق۔ واللہ اعلم۔ بظاہر سمعت سے ہے یعنی شعبی کہہ رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عدی بن حاتم سے جو ہمارے پڑوسی اور دخیل تھے اس وقت میں سنی جبکہ وہ مقام نہرین میں مرابط تھے یعنی پہرہ دے رہے تھے اور جو مسکتا ہے مطلق ان کی صفت بیان کرنا مقصود ہو جا رہا

اھ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے عن ابی سالم الجیشانی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ینذکر ذلک وهو مرابط بحصن بآل یون۔ یہاں پر بھی یہی ہے کہ ابوسلم الجیشانی نے یہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہیں کہیں بیان کی جبکہ وہ ان کیساتھ حصن بآل یون میں پہرہ دیرے تھے۔ کتاب الطہارۃ باب ما ینبئ عنہ ان ینبئ بہا

اور ذخیل کی طرح، اور نہرین ظاہر یہی ہے کہ یہ کسی جگہ کا نام ہے جس کی تصریح تو کہیں اب تک ملی نہیں، البتہ مجمع البلدان میں نہران کا نام ملا ہے جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: من قرى الیمن من ناحیة ذماراه ہو سکتا ہے روایت میں نہرین سے یہی مراد ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذا رمیت سهمك وذکرت اسم الله فوجدته من الغد ولم تجد في ماء ولا فيه اثر غير سهمك فكل شکار تیر لگنے کے بعد اگر غائب ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یعنی اگر کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ اس کے لگ بھی جائے، لیکن اس وقت وہ شکار نظروں سے غائب ہو جائے، پھر لگے روز وہ کسی جگہ پڑا ہوا ملے بشرطیکہ پانی میں نہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس میں تیر سے تیر کے علاوہ کسی دوسرے کے تیر کا اثر نہ ہو تو تو اس کو کھا سکتا ہے۔

اس حدیث میں دو شرطیں مذکور ہیں ایک یہ کہ وہ شکار پانی میں نہ گرے۔ یہ وقوع فی الماء کب مضر ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک بہر صورت مضر ہے خواہ جراحت جو شکار کو پہنچی ہے موجب ہلاکت ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ پانی اتنی مقدار میں ہو جو شکار کے لئے قاتل ہو، امام احمد کی مشہور روایت یہی ہے، اور دوسری روایت امام احمد سے یہ ہے کہ اگر جراحت موجب ہلاکت ہو تو پھر وقوع فی الماء مضر نہیں، یہی قول ہے امام شافعی اور امام مالک کا (ادجز) اور دوسری شرط جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس میں تمہارے تیر کے علاوہ دوسرے کے تیر کا اثر نہ ہو یہ شرط متفق علیہ بین الائمۃ الاربعہ ہے مگر یاظہر من کلام الشراح و کتب الفروع، شکار کی غیبت والے مسئلہ میں ایک یہ بھی اختلاف ہو رہا ہے کہ کتنی غیبت مغفر ہے چنانچہ امام بخاری نے باب باندھا ہے "باب الصيد اذا غاب عنه یومین او ثلاثہ" اس میں امام مالک کا مسلک جیسا کہ موطا اور مدونہ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب شکاری سے اس کا شکار غائب ہو جائے مجروح ہونے کے بعد، اس کے بعد پھر وہ ملے اور اس میں اس شکاری کے کتے یا تیر کا اثر موجود ہو تو اس کو کھا سکتا ہے مالم یثبت یعنی جب تک رات نہ گزرے، اور اگر رات گزر گئی تو اب اس کو کھانا جائز نہیں اور دوسری روایت ان سے یہ ہے کہ اگر وہ شکار تیر کلب سے تو کھایا جاسکتا ہے اور اگر کلب کا کیا ہوا شکار ہے تو کھانا جائز نہیں اھ اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب شکار زخمی ہونے کے بعد غائب ہو جائے پھر اس کے بعد وہ ملے ہوا بشرطیکہ اس میں اس کے تیر کے علاوہ کوئی اور اثر نہ ہو تو وہ حلال ہے امام شافعی کے ایک قول میں، اور امام مالک کے نزدیک بھی، اور امام شافعی کا قول ثانی یہ ہے کہ حرام ہے وھوالاصح عند اصحابنا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ کلب کے شکار میں ناجائز ہے اور تیر کے شکار میں جائز ہے، پھر وہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول یعنی مطلقاً اصل اقویٰ اور اقرب الی الاحادیث الصحیحہ ہے، اور امام احمد کا قول مشہور شکار کے غائب ہونے کی صورت میں حلت ہی ہے اور دوسری روایت ان سے یہ ہے ان غاب نہرا فلایأس به وان غاب لیلا لم یاکلہ، اور تیسری

روایت ان سے یہ ہے ان غلاب مدۃ طویلة لم یج وان کانت یسیرۃ ایج، قیل لہ ان غلاب یوما؛ قال یوم کثیر، نیز موفی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت صید کے مسئلہ میں امام احمد کے یہاں اقتفار اور طلب شرط نہیں، اور مالکیہ کے یہاں اس میں دونوں روایتیں معلوم ہوتی ہیں نفی الادجزہ ۱۸۷ نقلاً عن الباجی: قال القاضی ابوالحسن اذا کان مجدانی یطلب حتی وجده علی ہذہ الحالۃ فانه یجوز اکلہ وان تشاغل عنہ ثم وجده میتاً فانه لایجوز اکلہ، وفيہ بعد اسطر: وحکی القاضی ابو محمد عن مالک فی الصید بالکلب انه یؤکل وان بات عنہ سوار کان صاحبہ یطلبہ او لایطلبہ اھ (ادجزہ و تراجم البخاری) اور حنفیہ و شافعیہ کے یہاں بھی اقتفار شرط ہے کما قال الحافظ فی الفتح و کذا فی فروع الحنفیۃ، یہ اقتفار اور طلب گویا تیسری شرط ہوئی جس کا ذکر آئندہ حدیث میں آرہا ہے احدنا یرمی الصید فیقتنی اثرہ الیومین والثلاثۃ الخ یعنی شکار کے غائب ہونے کے بعد اس کے حلال ہونے کیلئے اس کا اقتفار بھی ضروری ہے، یعنی شکاری اس شکار کی تلاش اور طلب میں لگا رہے، اس سے فارغ ہو کر نہ بیٹھے، اور یہ اقتفار اور طلب کی شرط حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک ہے، حنابلہ کے نزدیک نہیں، وعن المالکیۃ روایتان کما تقدم قریباً۔

عن ابی ثعلبۃ الغشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔  
اب تک سلسلہ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا چل رہا تھا اور یہ روایت ابو ثعلبۃ الغشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو مالکیہ کی دلیل ہے تعلیم کلب کے مسئلہ میں کما تقدم فی اول الکتاب، اور جمہور کا استدلال عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہے جو اس سے زیادہ صحیح ہے لانہ فی الصحیحین۔  
وکل ما ردت الید یدک، اور کھائے تو جو لوٹائے تجھ پر تیرا ہاتھ، اس سے مراد تیرا شکار ہے جس کو آدمی اپنے ہاتھ سے چلاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یارسول اللہ احدنا یرمی الصید فیقتنی اثرہ الیومین والثلاثۃ الخ اقتفار کے مسئلہ میں اختلاف اور پر گزر چکا، والحديث اخرجه البخاری معلقاً۔

سمعت ابا ثعلبۃ الغشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول..... وما اصدت بکلبک الذی لیس بمعلم فادرکت ذکاتہ فکل۔

یعنی کلب معلم کا شکار تو جائز ہے، اور جو شکار کلب غیر معلم کے ذریعہ کیا جائے تو اس میں دو صورتیں ہیں اگر اسکو اس کتے نے مار ڈالا تب تو وہ حرام ہے اور اگر مارا نہیں حتی کہ شکاری نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا، ہو تب وہ جائز ہے۔  
والحدیث ابی البخاری ومسلم والنسائی قالہ المنذری، وقال الشیخ محمد عوامہ: عزاه المزنی الی الجماعۃ، وهو عند ابن ماجہ بزیادۃ، واما الترمذی فرواہ بمثل اسناد المصنف اھ

اس کے بعد والی روایت میں آرہا ہے، فکل ذکیتاً وغیر ذکی یعنی مذبوح اور غیر مذبوح، دونوں صورتوں میں



جائز ہے، جو شکار تیر یا کلب معلم کے ذریعہ سے مر جائے اور اس کو ذبح کی نوبت نہ آئے وہ تو ہوا غیر ذکی، اور جو تیر وغیرہ کے ذریعہ سے مرانہ ہو بلکہ وہ زندہ ہی ہے یہاں تک کہ شکاری اس کے پاس پہنچ گیا تو پھر اس کو ذبح کرنا ضروری ہے یہی مراد ہے ذکی سے۔

وان تعیب عنک ما لم یصل او تجد فیہ اشغیر سہمک۔

**شرح الحدیث اور لحم منتن کا حکم** | یعنی شکار کے غائب ہو جانے کی صورت میں اس کو اس وقت کھانا جائز ہے جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں، ایک یہ کہ وہ جانور سڑا نہ ہو اور دوسری یہ کہ اس میں تیرے تیر کے علاوہ دوسرے تیر کا اثر نہ ہو، "ما لم یصل" فتح یار اور کسر صا د کے ساتھ ہے اور تشدید لام، کہا جاتا ہے صلّ اللحم صلوا اذا انتن، یعنی جب اس گوشت میں سے بدبو آنے لگے، اور مسلم کی حدیث میں "ما لم یمتن" ہے حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک یہ قید برائے استحباب ہے، ان کے نزدیک لحم منتن کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک حرام ہے، شافعیہ کا استدلال حدیث العبر سے ہے جس کو صحابہ کرام نے نصف ماہ سے زائد تک کھایا تھا، اور اتنی مدت تک گوشت میں رائحہ کریمہ پیدا نہ ہو یہ بہت مشکل ہے، لیکن حافظ فرماتے ہیں یہ محتمل انہم لمحوہ وقد دودہ، کہ ممکن ہے صحابہ نے اس کے ٹکڑے کر کے ان کو نمک مل دیا ہو (ہامش البذل) و فی الشامل للترمذی فی باب تواضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدعی الی خبز الشعیر والاهالة السخنة، وکذا اخرجه البخاری فی البیوع والربہن، ولفظہ فی البیوع فی باب شرار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالنسیئة عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه مشی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بخبز شعیر واهالة سخة الحدیث، اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پرانی بودار چکنائی کھانے کا ذکر ہے، حدیث الباب ابو ثعلبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث آئندہ بھی آرہی ہے وہاں بذل میں لکھا ہے: قال القاری قال علماؤنا: وهذا علی طریق الاستحباب والا فالمتن لا اثر له فی الحرمة: قال ابن الملک وقد روی انه علیہ السلام اکل متغیر الریح الی آخرہ۔

قال: افتنی فی آتیة المجوس اذا اضطروا الیہا، قال اغسلہا وکل فیہا۔

**اوانی مشرکین کا استعمال کب جائز ہے؟** | آپ مجوس کے ظروف کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا مجبوری کے وقت ان کو استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بعد الغسل ان کو استعمال کر سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل عند الاضطرار جائز ہے، اور یہ بھی کہ بغیر مجبوری کے بعد الغسل بھی ان کا استعمال مکروہ ہے حالانکہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اوانی مشرکین کا استعمال بعد الغسل مطلقاً بلا کراہتہ جائز ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اوانی مجوس

سے وہ ادائی مراد ہیں جس میں وہ لحم خنزیر کا طبخ کرتے ہوں یا جن کو شرب خمر میں استعمال کرتے ہوں جیسا کہ اس کی تصریح ابو داؤد کی بعض روایات میں ہے، اور فقہاء کا کلام مطلق ادائی سے متعلق ہے یعنی ان ادائی سے جن کو وہ نجاست میں استعمال نہیں کرتے (بذل) اس سلسلہ میں روایات ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ میں دونوں طرح کی ہیں بعض مطلق ہیں جیسا کہ حدیث الباب، اور بعض مقید ہیں جیسا کہ حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا، حضرت کی مراد یہ ہے کہ روایات مطلقہ میں اختصار ہے وہ بھی مقیدہ پر ہی محمول ہیں۔

### باب اذا قطع من الصيد قطعة

ما قطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة۔

یعنی زندہ ماکول جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے حکم میں میتہ کے ہے، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے ابو داؤد کی روایت سے اطول، اس میں یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ اونٹ کا کوہان، اسی طرح میٹھھے کی چکیتیاں (أَلْيَاتُ الْغَنَمِ) کاٹ لیتے ہیں تو اس پر آپ نے وہ فرمایا جو یہاں حدیث میں مذکور ہے۔

فائدہ: فقہاء نے نافحہ المسک کے بارے میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی طاہر ہے مشک کی طرح اور ماکول ہے اس کا کھانا حلال ہے، لہذا مسئلہ الباب سے اس کا استثناء کیا جائے گا یہ والحدیث اخرجه الترمذی اتم منه، واخرجه ابن ماجہ من حدیث عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالہ المنذری۔

### باب فی اتباع الصيد

من سكن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل۔

یعنی جنگل میں رہنے والا سخت مزاج ہو جاتا ہے، لوگوں کے ساتھ رہن سہن کی کمی کی وجہ سے، اس لئے کہ جو لوگوں سے خلا مار کھتا ہے تو وہ دوسروں کی اذیتیں اور مشاق برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ ایسے لوگ حکومت اور اس کی دار و گیر سے دور رہتے ہیں۔

اور جو شکار کے درپے ہوتا ہے، مراد تو غل ہے کہ اسی کو اپنا مشغلہ بنا لے تو اس کی زندگی غفلت میں گذرتی ہے نماز اذان کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

لہ نفعی نور الايضاح فی بیان الدیافعة، ونافحة المسک طاہرۃ کالمسک واکلہ حلال اھ۔

اور جو امرار و سلاطین کے پاس جاتا ہے وہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ (بذل)  
والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی مر فوغا قالہ المنذری۔

عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا رمیت  
الصید فادرکتہ بعد ثلاث لیل و سہمک فیہ فکل ما لم ینتن۔  
یہ حدیث مصری نسخوں میں نہیں ہے اور ہونی بھی نہ چاہیے، مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث مکرر ہے، پہلی جگہ  
اس میں "ما لم ینتن" کے بجائے "ما لم یصل" کا لفظ آیا تھا۔

## اول کتاب الوصایا

وصایا جمع ہے وصیۃ کی جیسے ہدایا و ہدیہ، وصیۃ کا استعمال معنی مصدری یعنی ایصار اور مایہ وصی بہ، یعنی  
جس چیز کی وصیت کی جائے دونوں میں ہوتا ہے، وصیۃ کی تعریف شرعیہ کی گئی ہے ہو عہد خاص مضاف الی ما  
بعد الموت، یعنی وہ معاملہ جس کا تعلق مابعد الموت سے ہو، اور وصیت کا استعمال بمعنی نصیحت یعنی امر بالمعروف اور  
نہی عن المنکر پر بھی ہوتا ہے۔ (من البذل)

## باب ماجاء فی مایہ و مریہ من الوصیۃ

ہمارے اس نسخہ میں "یأمر" بصیغہ معروف ہے، اور بعض میں "یؤمر" ہے وھو الادخ، اس لئے کہ معروف کی صورت  
میں اس کے لئے فاعل مقدر ماننا پڑے گا مثلاً الشرع یا الاسلام۔

عن عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما حق  
امرئ مسلم لہ شیء یؤصی فیہ بییت لیلیتن الا وصیۃ مکتوبہ عندہ۔

شرح الحدیث وحکم الوصیۃ | یؤصی فیہ ترکیب میں "شیء" کی صفت ہے، اور "بییت لیلیتن" حق کی  
خبر ہے، یعنی جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی شیء ہو جو قابل وصیت ہو تو اس کے  
لئے لائق نہیں یہ بات کہ دو راتیں گزارے مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو، اور ایک  
روایت میں لیلۃ او لیلیتن ہے، اور مسلم اور نسائی کی روایت میں بییت ثلاث لیل ہے، و بذیل علی انہ للتقریب  
لالتحذیر ای ولو زمانا قلیلا (بذل)

وصیت ظاہر یہ اور بعض علماء زہری و عطاء و ابن جریر اور امام شافعی کے قول قدیم میں مطلقاً ای فی کل حال  
واجب ہے اور عند الجہور جس شخص کے ذمہ دیون یا حقوق العباد ہوں اس پر وصیت واجب ہے لیکن اس کا مکتوب

ہونا اور اس میں تعجیل کرنا یہ مستحب ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں، واجب کا الوصیۃ برد الودائع والدیون المجهولہ، و مستحبہ کا الوصیۃ للکفارات و فدیۃ الصلوات و نحوھا، و متباحہ کا الوصیۃ للاغنیاء من الاغنیاء و الاقارب، و مکروہہ کا الوصیۃ لاهل الفسوق و المعاصی، و فی الہدیۃ، القیاس یا بی جواز الوصیۃ لانه تملیک مضاف الی حال زوال مالکیتہ الا انا استحسنہ لحاجۃ الناس الیہا، الی آخرہ اھ من التراجم۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دینا سارا

ولا درہما ولا بعیرا ولا شاة، ولا اوصی بشئ۔

**شرح الحدیث** | اور آپ نے کسی چیز کی وصیت نہیں کی، یعنی مال یا خلافت کے بارے میں، لیکن کتاب اللہ کے بارے میں اور اپنے اہل بیت کے بارے میں اور اخراج الیہود من جزیرۃ العرب وغیرہ ان امور کی

آپ نے وصیت یقیناً فرمائی ہے کما فی الاحادیث الصحیحہ۔

دراہم و دنانیر کے بارے میں بذل میں سیرت حلبیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے پاس وفات سے پہلے چھ یا سات دینار تھے آپ نے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر حضرت عائشہ کو دیئے کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے، اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ ان کو علیؑ کے پاس بھیج دو تاکہ وہ صدقہ کر دیں، اس حدیث میں بعیر اور شاة کی بھی نفی ہے، اس کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض اہل بیت نے لکھا ہے کہ آپ کی ملک میں بہت سے اونٹ تھے، اور بیس اونٹنیاں تھیں دودھ دینے والی نواحی مدینہ میں، اور سات بکریاں تھیں وغیرہ وغیرہ، اہل بیت کی یہ روایت اس حدیث صحیح کے معارض نہیں ہو سکتی فلا تعتبر، اور آگے فرماتے ہیں کہ اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اونٹ صدقہ کے تھے جن کو آپ نے اہل صفہ اور فقراء صحابہ کے لئے چھوڑا تھا، اور اس کے علاوہ جو آپ کی بعض زمینیں تھیں خیر اور فذک میں سوان کو تو آپ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں مسلمانوں کی ضروریات کے لئے صدقہ اور وقف فرما دیا تھا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقسم و شیء دیناراً ما ترک بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاتلی فہو صدقہ، و فی روایت: لا نورث ما ترکنا صدقۃ اھ من البذل، یعنی ان

لہ یعنی چونکہ وصیت کا تعلق ما بعد الموت سے ہے اور موت کے بعد انسان میں کسی بھی فعل کی خواہ وہ تملیک ہو یا کچھ اور صلاحیت باقی نہیں رہتی لہذا وصیت کا جواز خلاف قیاس ہے مگر استحساناً اور ضرورۃ اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور وہ ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی پر مغرور ہوتا ہے اور کاموں کو ٹٹاتا رہتا ہے زندگی کے غرور میں جس سے بہت سی واجب الادا چیزیں ذمہ میں رہ جاتی ہیں اچانک موت پیش آنے کی وجہ سے تو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے یہ صورت نکالی ہے۔

زمینوں کے بارے میں تو چونکہ آپ نے اپنی حیات ہی میں فیصلہ فرمادیا تھا، لہذا اس کو وصیت نہیں کہا جائے گا۔  
والحدیث أخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ

یعنی مرنے والا اپنے مال میں کتنی وصیت کر سکتا ہے،

عن عامر بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرض مرضاً اشفی فیہ الخ۔

**شرح الحدیث** عامر اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ شدید بیمار ہوئے ایسے کہ قریب المرگ ہو گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس عیادت کے لئے تشریف لاتے تو میرے والد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے اور میرے اس مال کا وارث کوئی نہیں سوائے میری بیٹی کے، تو کیا میں اس صورت میں اپنے مال کا دثلث صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا انہیں پھر انہوں نے نصف کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، اور پھر ایک ثلث کی آپ نے اجازت دی، اور فرمایا کہ تو اپنے ورثہ کو اغنیاء چھوڑ کر مرے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو فقیر چھوڑ کر جائے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں، اس حدیث میں یہ ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں سوائے ایک بیٹی کے، شرح فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ بیٹی کے علاوہ ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہیں، اور مطلق نفی مراد نہیں اس لئے کہ ذوی الفروض کے علاوہ دوسرے ورثاء عصبہ ان کے تھے جیسا کہ خود اس حدیث میں ہے ان ترک ورثک اغنیاء

قلت یا رسول اللہ! اُتخلف عن ہجرتی، قال انک ان تَخَلَّفَ بعدی فتعمل عملاً یرید بہ وجہ اللہ تعالیٰ مسئلہ وصیت کے بعد انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ میں اپنی ہجرت سے پیچھے ہٹا جا رہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ مہاجرین میں سے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ میں آکر شدید بیمار ہو گئے تھے حجۃ الوداع کے موقع پر تو ان کو اپنی موت کا خطرہ ہوا مکہ مکرمہ میں یعنی غیر مہاجر میں، اور اپنی ہجرت کے باطل ہونے کا اندیشہ ہوا اس پر آپ نے ان کو تسلی

لہ لہذا اب یہ اشکال واقع نہوگا کہ آپ نے زمینوں کے بارے میں تو وصیت فرمائی ہے، پھر اس حدیث میں وصیت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟  
۱۲ اور ترمذی کی روایت میں عام الفتح ہے جو ابن عیینہ راوی کا وہم ہے قال الحافظ والفقہاء علی انہ وہم فیہ ابن عیینہ من اصحاب الزہری، ثم قال: ویکن الجمع بین الروایتین بان یكون ذلک وقع لمرتين مرة عام الفتح ومرة عام حجۃ الوداع، ففی الاولی لم یکن وارث من الاولاد اصلاً، و فی الثانیۃ کانت ابنۃ فقط اس کے بارے میں مزید آگے شرح میں آ رہا ہے ۱۳

۱۴ مہاجر وہ جگہ اور مقام جہاں آدمی ہجرت کر کے جائے، جیسے مہاجرین مکہ کا مہاجر مدینہ منورہ تھا ۱۵



دلالتی وہ یہ کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تم میرے بعد بہت دن تک زندہ رہو گے اور اعمال کے ذریعہ سے تمہارے درجات بلند ہوں گے، اور بعض اقوام یعنی مسلمین تم سے منتفع ہوں گی، اور بعض دوسرے یعنی مشرکین تم سے ضرر پذیر ہوں گے، اور آپ نے دعا بھی فرمائی۔ اللہھامض لاصحابی ہجرتھم ولا تردھم علی أعقابھم۔ شرح نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ پیش گوئی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی، اور یہ صحابی اس مرض سے صحت یاب ہو کر بہت مدت تک زندہ رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق وغیرہ کو فتح کیا اور عراق کے گورنر بنے، اور آپ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے حتیٰ مات سنۃ خمسین علی المشہور، وقیل غیر ذلک۔

تنبیہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ واقعہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حجۃ الوداع کا ہے جیسا کہ صحیحین کی بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اور ترمذی کی روایت میں اس کو عام الفتح کا واقعہ قرار دیا ہے، ہمارے عربی حاشیہ میں یہ گنبد گیا ہے کہ حفاظ حدیث نے اس کو وہم قرار دیا ہے اور حافظ کی رائے جمع بین الروایتین کی ہے یعنی تعدد واقعہ، لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف روایتیں کو مشکل الآثار میں باقاعدہ اس کے لئے مستقل باب قائم کر کے اس کو بیان کیا ہے اور پھر ایک روایت مفصلہ کے ذریعہ جو بہت واضح ہے عام الفتح کا واقعہ ہونے کو ترجیح دی ہے گویا ان کی تحقیق اکثر محدثین کی رائے کے خلاف ہے بعد میں حافظ نے بھی اسی روایت مفصلہ کے پیش نظر اپنی رائے بدلی ہے مگر انہوں نے بجائے ترجیح کے تعدد واقعہ کو اختیار کیا ہے تو اب گویا اس میں تین آراء ہو گئیں اکثر محدثین کی جس کو حافظ اتفاق حفاظ سے تعبیر کر رہے ہیں، اور دوسری امام طحاوی کی اور تیسری حافظ ابن حجر کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لکن الباش سعد بن خولہ یروی فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان مات بمکہ۔

شرح الحدیث | آپ فرما رہے ہیں: لیکن قابل انفسوس حال تو سعد بن خولہ کا ہے یا قابل رحم تو سعد بن خولہ ہیں۔

اُس کے راوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمہما رہے ہیں سعد بن خولہ پر اس لئے کہ ان کی موت مکہ میں ہوئی، سعد بن خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت ہی نہیں کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے وہیں وفات پائی، اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت تو کی تھی لیکن وفات ان کی حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، یعنی غیر مہاجرین باش من اصحابہ بؤس ای ضری یعنی نقصان اٹھانے والا، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں صلاحیت مذمت کی بھی ہے اور ترجمہ کا بھی، لہذا پہلی صورت (عدم الهجرة) میں آپ کا یہ فرمان بطریق مذمت ہوگا، اور دوسری صورت میں بطریق ترجمہ، یہ نیز سے ماخوذ ہے جس کا استعمال میت میں ہوتا ہے، یعنی محاسن میت کا ذکر (تحفہ)

علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر مہاجر کی موت مکہ میں واقع ہو تو بعض کہتے ہیں اگر ایسا اس کے اختیار سے ہوا ہے تب تو اس کا اجر ہجرت حبط ہوتا ہے ورنہ نہیں، وقیل یحبط مطلقاً وصیت سے

متعلق بعض ضروری مسائل ہم نے حاشیہ میں لکھے ہیں ان کو دیکھا جائے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی کراهیۃ الاضرار فی الوصیۃ

اضرار سے اضرار وراثہ مراد ہے، یعنی خلاف قاعدہ وصیت کر کے وراثہ کو ضرر و اذیت پہنچانا۔

لے وصیت متعلق بعض ضروری | حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کے لئے زائد سے زائد ایک ثلث کی وصیت غیر وارث کے مسائل مع اختلاف ائمہ | لئے جائز ہے، الم بخاری کا ترجمہ ہے باب الوصیۃ بالثلث، اس پر حافظ لکھتے ہیں اس پر طحاوی کا اجماع ہے کہ ثلث سے زائد وصیت ممنوع ہے (پھر میت دو حال سے خالی نہیں اس کے وراثہ ہوں گے یا نہیں، شق ثانی میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ ایسے شخص کے لئے ثلث سے زائد وصیت جائز نہیں، اور اگر شق اول ہے یعنی میت کے وراثہ میں تو اس وقت بھی ثلث سے زائد کی وصیت کو مجہور علماء ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن حنفیہ اور اسحاق اور احمد فی روایت نے اس کو جائز رکھا ہے اور یعنی بشرطیکہ وراثہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو چنانچہ ہدایہ میں ہے: ثم یصح للاجنبی فی الثلث من غیر اجازۃ الورثۃ ولا تجوز بازاد علی الثلث الا ان یجزا الورثۃ بعد موتہم کبار لان الامتناع بحکمہم وهم اسقطوه، ولا معتبر باجازہم فی حال حیاتیہ اور نیز جانتا چاہیے کہ وصیۃ للوارث کا مسئلہ بھی مختلف ہے، ظاہر یہ کہ نزدیک قویہ حکم مطلقاً ہے لحدیث لا وصیۃ لوارث اخرجه ابو داؤد والترمذی وغیرہا اور عند المجہور وصیۃ لبعض الورثۃ کا جواز موقوف ہے بقیہ وراثہ کی اجازت پر اگر بقیہ وراثہ موت موصی کے بعد اس کی اجازت دیدیں تو پھر وہ وصیۃ معتبر اور جائز ہے لروایۃ الدارقانی لا وصیۃ لوارث الا ان یشر الوراثۃ، قال الحافظ درجالہ ثقات الا انه معلول (تراجم بخاری) وفی العینی قال المنذری انما یبطل الوصیۃ للوارث فی قول اکثر اهل العلم من اهل حقوق سائر الورثۃ، فاذا اجازوها جازت کما اذا اجازوا الزیادۃ علی الثلث، وذهب بعضهم الی انها لا تجوز وان اجازوها، لان المنع من الشرع وهذا قول اصل الظاہر، (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۷۷) وفی الہدایۃ، ولا تجوز لوارثہ الا ان یجزا الورثۃ لان الامتناع بحکمہم فتجوز باجازہم، ولا اجاز بعض ورثۃ بعض تجوز علی المجیز بعد حصۃ لولایۃ علیہ (اور مخصصاً مطلقاً) نیز جانتا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مرض الوفاۃ میں اپنے کسی وارث کو کوئی چیز فی الحال ہب کرے تو وہ حکم میں وصیۃ کے ہے وفی الہدایۃ والہبۃ من المریض (مرض الموت) للوارث فی ہذا نظیر الوصیۃ لاناہا وصیۃ حکما، نیز حدیث میں ہے والثلث کثیر اسی لئے علماء فرماتے ہیں وصیت اگر ثلث سے کم ہو تو یہ بہتر ہے نفی الہدایۃ ویستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سوا کانت الورثۃ اغنیاء او فقراء، لان فی التخصیص صلیۃ القریب ترک ما لہم بہم بخلاف استکمال الثلث لانه استیفاء تمام حصۃ فلا صلیۃ ولا منۃ، پھر یہ کہ ما دون الثلث کی بھی وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اس کا ترک اولیٰ ہے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اگر وراثہ فقراء میں اس صورت میں ترک وصیت اولیٰ ہے اور اگر وہ اغنیاء میں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے، اور دوسرے قول یہ ہے موصی کو اختیار ہے جو کسی چاہے شق اختیار کرے اس لئے کہ ہر ایک شق میں من وجہ نفی صلیۃ ہے اور مختار من الہدایۃ۔

یا رسول اللہ! ای الصدقة افضل؟ قال ان تصدق وانت صحيح الخ۔

آپ سے سوال کیا گیا افضل الصدقة کے بارے میں تو آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو اس حال میں کیا جائے کہ آدمی تندرست ہو، اور اس کو مال کی حرص اور محبت بھی ہو صحت اور توانائی کی وجہ سے کافی روز تک اپنے زندہ رہنے کی توقع ہو، اور فقر سے ڈرتا ہو تو جو صدقہ اس حال میں کیا جائے گا وہ سب سے افضل ہوگا، لہذا اسی حالت میں آدمی کو صدقہ کرنا چاہیے، اور پھر آگے اس کی ضد سے آپ منع فرما رہے ہیں کہ مت تاخیر کر اور نہ مہلت دے اپنے نفس کو صدقہ کرنے سے یہاں تک کہ جب روح خلق تک پہنچ جائے تو تو کہنے لگے (بطور وصیت کے) فلاں کو اتنا دیا جائے، فلاں کو اتنا دیا جائے، حالانکہ وہ دوسرے فلاں کا بوجھ کا یعنی وارث کا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

ان الرجل لیعمل والبراة بطاعة الله مستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار آپ فرما رہے ہیں، بلاشبہ بعض مرد اور بعض عورتیں ایسی ہیں جو ساٹھ ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری میں زندگی گزارتے ہیں، پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو وصیت کے بارے میں ورثہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

مصنف نے اس باب میں بعض حدیثیں تصدق کی ذکر کی ہیں اس لئے کہ تصدق عند الموت وصیت ہی کے حکم میں ہوتا ہے اور جس طرح وصیت ثلث سے زائد کی جائز نہیں ایسے ہی تصدق بھی جائز نہیں، اور اگر تصدق ورثہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہو تو وہ مطلقاً جائز نہیں، خواہ ثلث ہو یا اقل من الثلث (بذل) والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ما جاء فی الدخول فی الوصایا

یعنی کسی کا وہی بن کر وصیتوں کے مسائل میں داخل ہونا اور ذمہ داریوں میں پڑنا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احبّ لک ما احبّ لنفسی فلا تأمرن علی اثین ولا تولین مال یتیم۔

شرح الحدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں یعنی امارت کی مصالح اور اس کی ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں، لہذا کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا (چہ جائیکہ اس سے زائد پر) اور ہرگز کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا۔

لے اس لئے کہ ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ صدقہ نہ کیا جائے لیکن وہ شخص باوجود اس کے اپنے نفس کی مخالفت کر کے صدقہ کر رہا ہے ۱۲

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آپ تو فرما رہے ہیں احب لک ما احب لنفسی حالانکہ آپ تو امیر الامراء اور ولی الاولیاء تھے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت ابوذر کو قبول امارت و تولیہ سے منع فرمانا ایک علت کیساتھ معلل ہے یعنی ان کا ضعف اور وہ علت آپ میں مفقود ہے، اور پھر آپ کی امارت اور تولیہ وغیرہ آپ کی اپنی اختیار کردہ تھوڑا ہی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہے۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

### باب ما جاء فی نسخ الوصیۃ للوالدین والاقربین

شروع میں آیت میراث کے نازل ہونے سے قبل وصیت للوالدین والاقربین کا حکم تھا قیل وجوبا، وقیل استحبابا، قال اللہ تعالیٰ ۛ یا ایہا الذین امنوا اذا جاء احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف والآیۃ، پھر آیت میراث کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہو گیا، یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مذکورہ فی الباب میں ہے۔

### باب ما جاء فی الوصیۃ للوارث

سمعت ابا امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول انما الوصیۃ من متعلق ببعض ضروری مسائل مع اختلاف ائمہ گذشتہ باب سے پہلے باب میں گذر گئے جنہیں مسئلہ الباب بھی ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما انزل اللہ عز وجل ولا تقربوا مال الیتیم الا بالحق

ہی احسن، وان الذین یا کلون اموال الیتام فی ظلماء الآیۃ الخ۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ ابتداء میں ایسا تھا جن لوگوں کی ذمہ داری میں یتیم بچے پرورش پاتے تھے اور وہ ان کے مالوں کے متولی تھے تو وہ ان یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ شرکت میں تیار کرتے تھے جس میں یتامیٰ ہی کا فائدہ تھا تو جب یہ دو آیتیں۔ جو روایت میں ہیں۔ نازل ہوئیں تو ان اولیاء نے احتیاطاً ایسا کیا کہ ان یتامیٰ کے کھانے پینے کا انتظام مستقل الگ شروع کر دیا، خلط بین الطعما میں سے بچنے کے لئے، جب الگ پکانا شروع کر دیا تو اب اکثر اس کھانے میں سے کچھ بچ جاتا تھا تو وہ بچا ہوا یا تو باسی ان یتامیٰ کو کھانا پڑتا تھا یا وہ مٹراتھا، یہ صورت حال ان پر گراں گزری اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس پر وہ دوسری آیت نازل ہوئی جو حدیث میں مذکور ہے، اس پر حسب سابق ان صحابہ نے کھانے کے بارے میں عمل شروع کر دیا، والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی مال ولی الیتیم ان ینال من مال الیتیم

ولی الیتیم یعنی وصی اور متولی، فاصل ترجمہ یہ ہے کہ کیا متولی یتیم مال یتیم کی نگرانی و خدمت کی اجرت و وظیفہ لے سکتا ہے مال یتیم سے؟

**شرح الحدیث** قال: فکل من مال یتیم مٹ غیر مسروق ولا مبادر ولا متاثر۔  
ترجمہ الباب والے مسئلہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ فرمایا کہ ہاں ایسی صورت میں تو اپنے یتیم کے مال سے حق الخدمت لے سکتا ہے اس حال میں کہ اسراف کرنے والا نہ ہو اور نہ جلدی کرنے والا ہو اور نہ سرمایہ جمع کرنے والا ہو۔

یہ اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کی طرف۔ ولانا کلوصا اسرافا و بدارا ان یکبروا۔ بدرا کا مطلب جس سے روکا جا رہا ہے یہ ہے کہ وہ متولی یتیم جلدی جلدی یتیم کے مال کو خرچ کرے یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے، کیونکہ اس کے بالغ ہونے کے بعد تو تولیہ ختم ہو جائے گی، متاثر ای غیر متخذ من مال، یہ اٹلہ سے ہے، اٹلہ اشئی اصلہ یعنی ایسا نہ ہونا چاہیے کہ مال یتیم کو اپنے لئے ذخیرہ اور رأس المال بنایا جائے، صرف حق الخدمت لیا جائے، اور شرح میں اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ وہ متولی مال یتیم میں تجارت کرے اور اس کے رأس المال سے کما کر ہے اور یتیم کے بالغ ہونے کے بعد ربح خود رکھ کر اس کو صرف رأس المال دے۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب ماجاء متی ینقطع الیتیم

لا یتیم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اچھی طرح محفوظ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ احتلام کے بعد یتیم یتیم نہیں رہتا بلکہ اس پر بالغین کے احکام جاری ہو جاتے ہیں، اور گویا ولی کی تولیت اس سے ہٹ جاتی ہے، وہ خود اپنا اور اپنے مال کا ذمہ دار ہو جاتا ہے، اور دوسری بات جو مجھ کو آپ سے محفوظ ہے یہ ہے کہ صبح سے شام تک خاموش رہنا یعنی صوم سکوت یہ اسلام میں نہیں ہے لانه من عبادۃ الجاہلیۃ، بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ ذکر اللہ اور کلمہ النحر زبان سے بولا جائے۔

## باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم

حدیث الباب میں نا حق مال یتیم کھانے کو سب کبار مہلکات میں شمار کیا گیا ہے۔



اجتنبوا السبع الموبقات الخ۔

**شرح الحدیث** | تو لی یوم الزحف، زحف سے مراد قتال اور جنگ۔ یعنی لڑائی سے منہ موڑ کر جانا، وقذف المحصنات الغافلات یعنی پاکدامن اور بیحالی ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا، اور بعد والی روایت میں

اس طرح ہے یا رسول اللہ ما الکبائر؟ قال هن سبع فذكر معناه، وعقوق الوالدين المسلمين، واستحلال البیت الحرام قبلتكم احياء وامواتا، اس حدیث میں کبائر کی تعداد آپ نے نو فرمائی ہے، گزشتہ سات کے علاوہ دو کا اضافہ ہے عقوق الوالدين، اور کعبۃ اللہ کا استحلال یعنی ہتک حرمت، جو چیزیں اس میں حرام کی گئی ہیں ان سے نہ رکنا، آگے ہے روایت میں کہ وہ کعبہ جو کہ تمہارا قبلہ ہے زندوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی، چنانچہ زندگی میں آدمی اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے، اور مرنے کے بعد قبر میں میت کے چہرہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔

**گناہوں میں صغائر و کبائر کی بحث** | اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی معاصی کی تقسیم، یعنی بعض معاصی عند الشارح صغیرہ ہیں اور بعض کبیرہ، دوسری چیز ان کی تعداد، جمہور علماء

کی رائے تو یہی ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں صغائر اور کبائر۔ اور بعض علماء اس تقسیم کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین کی ہر نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، لیکن ظاہر قرآن و احادیث سے جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، نیز حد کبیرہ یعنی اس کی تعریف میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، فقیل الکبیرۃ ہی الموجبة للحد، وقیل ما لم یحی الوعد بصاحبہ نبص کتاب اوستہ، یعنی جس گناہ کے بارے میں قرآن یا حدیث میں وعید وارد ہوئی ہو، وقیل کل ذنب ادخل صاحبہ النار وغیر ذلک الی آخر ما فی البذل۔

دوسری چیز حدیث میں تعداد کبائر ہے، پہلی حدیث میں سات اور دوسری میں نو بیان کیے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی احادیث میں دوسرے کبائر ذکر کئے گئے ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کل ما نهی اللہ تعالیٰ عنه فهو کبیرۃ، نیز ان سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر نو ہیں تو انہوں نے فرمایا صی الی سبعین یعنی ان کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے اور ایک روایت میں ان سے سبع مئة یعنی سات سو ہے۔

حضرات علماء نے کبائر کے نام سے مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں مثلاً الکبائر للذہبی الصغائر والکبائر لابن نجیم والابواب لابن حجر الہیتمی، الکبائر لابن عبد الوہاب۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، و حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه النسائی قاله المنذری

### باب ما جاء في الدليل على ان الكفن من جميع المال

وفي بعض النسخ من رأس المال یعنی میت کے کفن کا تعلق میت کے پورے مال سے ہے، اگر پورا ترکہ اس میں

صرف ہو جائے تو ہوا کرے، لہذا کفن مقدم ہوگا دین اور وصیت اور میراث سب پر، اسی سے اس باب کی مناسبت بھی کتاب الوصیۃ کے ساتھ ظاہر ہو گئی۔

عن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مصعب بن عمیر قتل یوم احد ولم یکن لہ الا نمرۃ اخذہ۔  
 قَالَ کَانَ عَلٰی مَعِیْرَ مَرْفُوعٍ ہُوَ خُبَابُ کِی طَرَفٌ رَاجِعٌ ہُوَ، اَوْرَ مَصْعَبٌ، تَرْکِیْبٌ مِیْنِ مَبْتَدَا اَوْرَ قَتْلُہٗ، اِسْ کِی خَبْرٌ ہُوَ،  
 حَضْرَتِ خُبَابِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَرَمَاتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں اس حال میں شہید  
 کئے گئے کہ ان کے پاس سوائے ایک اونٹنی چادر کے کچھ بھی نہیں تھا، اور وہ بھی ایسی تھی کہ اگر ہم اس سے ان کے سر کو  
 ڈھانپتے تھے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دو، اور پاؤں پر اذخر کے پتے رکھ دو۔  
 والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب ما جاء في الرجل يهب الهبة ثم يوصي له بها او يرثها

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان امرأة اتت رسول الله صلى الله تعالى  
 عليه وآله وسلم وقالت كنت تصدقت على امي بوليده اخذہ۔  
 شرح الحدیث | یعنی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا  
 اور میں نے ان کو ان کی زندگی میں ایک، جاریہ بہہ کی تھی اور اب وہ اس جاریہ کو ترکہ میں چھوڑ گئی،  
 یعنی کیا میں اس کو لے سکتی ہوں؟ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا تیرا اجرا پی جگہ قائم ہے اور وہ تیرے پاس میراث  
 میں لوٹ کر آگئی۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ کیا ہو مال اگر میراث کے طور پر آئے تو اس کو لینا جائز ہے، بعض علماء  
 کا اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو لینے کے بعد صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (بذل)  
 پھر اسی عورت نے یہ سوال بھی کیا کہ میری والدہ کے ذمہ ایک ماہ کے روزے بھی ہیں تو کیا یہ کافی ہے کہ ان کی طرف  
 سے روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: نعم، اور پھر یہی سوال حج کے بارے میں آگے مذکور ہے۔  
 یہ مسئلہ کہ عبادت میں نیابت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں بالتفصیل کتاب الصوم اور حج میں گذر چکا۔  
 والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

### باب ما جاء في الرجل يوقف الوقف

ذكر وقف بين مصنفين كاطر زعم | یہ باب وقف سے متعلق ہے جس کو مصنف کتاب الوصیۃ کے ضمن میں لائے ہیں،

حضرت امام بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اور امام ترمذی نے وقف کا باب ابواب الاحکام کے ضمن میں لیا ہے، اور امام نسائی نے مستقل کتاب "کتاب الاحباس" کے عنوان سے قائم کر کے اس کے تحت میں متعدد ابواب ذکر کئے ہیں، اور اس کے بعد متصلاً کتاب الوصایا کو ذکر فرمایا۔

**وقف کی حقیقت میں امام حنفی اور جمہور کا اختلاف**

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ وقف کی حقیقت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، اور جو مسلک صاحبین کا ہے وہی ائمہ ثلاث کا ہے، وقف کے معنی لغوی جس کے ہیں اور شرعاً اس کی تعریف یہ ہے جس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة یعنی اصل شیء کو اپنی ملکیت پر باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا کسی شخص پر یا کسی جماعت پر، خواہ فقراء ہوں یا اغنیاء، یہ تعریف امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: جس العین علی ملک اللہ تعالیٰ والتصدق بمنفعته، یعنی کسی شخص کا اپنی کسی چیز کو مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ٹھہراتے ہوئے اس کی منفعت کا صدقہ کرنا، امام صاحب کے نزدیک واقف کی ملکیت وقف کردہ شیء میں باقی رہتی ہے اور صاحبین کے نزدیک وہ شیء مالک کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، نیز وقف امام صاحب کے نزدیک جائز ہے لازم نہیں مثل عاریۃ کے ہے، واقف کی حیات میں وہ شیء اس کی ملک میں رہتی ہے اور اس کی وفات کے بعد ملک ورثہ ہو جاتی ہے بحیث بیاع و یوہب، وکذا جاز رجوع الواقف عن الوقف فی حیاتیہ مع الکراہۃ، اور صاحبین کے نزدیک وقف کے لئے ابطال وقف جائز نہیں بلکہ وہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح اس میں میراث بھی جاری نہیں ہوتی وعلیہ الفتویٰ (الدر المختار) جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مسلک بھی یہی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اصاب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخبر فانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔

**مضمون حدیث (وقف عمر)** مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں دونوں کا تعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف سے ہے جنہوں نے اپنی دوزمینیں بیع اور صرقہ ابن الاکوع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ کے بعد وقف کی تھیں، ان دو میں پہلی حدیث تو ذرا مختصر ہے اور دوسری مفصل جس میں پورا وقف نامہ یعنی کتاب الوقف مذکور ہے، پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے: حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ایک ایسی زمین حاصل کی ہے کہ اس سے زیادہ نفیس مال مجھے کبھی حاصل نہیں ہوا، تو میں اس کا کیا کروں اور کیسے صدقہ کروں، اس میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اصل زمین کو روک کر اس کے منافع کا صدقہ کر دو، چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے فرمان کے مطابق اس کا تصدق کر دیا اس شرط کے ساتھ لایباع اصلہا ولا یوہب ولا یورث کہ اصل زمین کو نہ بیع کی جائے نہ ہبہ اور نہ اس میں میراث

جاری کی جائے، آگے موقوف علیہم کا بیان ہے للفقراء والمترجی والرقاب وفي سبيل الله قربى سے مراد یا تو وقف کے اقارب ہیں، اور ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقارب مراد ہوں، اور رقاب سے مراد غلبت رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرنا اور مکاتبتین کے دیون ادا کرنا، لا جناح علی من ولیہا ان یاکل منها ما لم یعرف، یعنی متولی وقف کے لئے یہ جائز ہو گا کہ اس سے معناد اور معروف طریقہ سے مستفیع ہو اور اپنے دوست کو بھی کھلانا لیکن یہ نہ ہو کہ اس میں سے اپنے لئے رکھ کر جمع کرے، گویا صرف حسب حاجت انفاق کی اجازت ہے جمع کی نہیں، تغیر متائل مالا متائل اثلہ سے ماخوذ ہے اثلہ اصل شئی کو کہتے ہیں قال امری القیس ع وقد یدرک المجد المثل امثالی، یعنی وقف کے مال کو اپنا رأس المال نہ بنائے۔

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقف میں یہ شرطیں لایسباع ولایوصب وغیرہ حضرت عمر کی جانب سے تھیں، اور بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کی ہدایت خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمائی تھی، حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شروط کا مرفوع ثابت ہونا ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رفع والی روایت اتم اور اصرح ہے اور صاحب تحفۃ الاخوذی علیہ نے روایتیں کا تعارض لکھ کر یہ توجیہ کی ہے کہ ان دونوں کے درمیان جمع اس طور پر ممکن ہے کہ جس روایت میں یہ شرائط حضرت عمر کی طرف منسوب ہیں وہ روایت بعد کی ہے اولاً خود حضور نے ان کو ان شرائط کی ہدایت فرمائی تھی پھر حضرت عمر نے آپ کے حکم کی تعمیل میں وہ شرطیں لکھوائیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث وقف کے سلسلہ میں جمہور اور صاحبین کے موافق ہے کیونکہ اس میں لایسباع ولایوصب ولایورث کی تصریح ہے جمہور بھی وقف کے بارے میں یہی کہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں دے کہ یہ امور حقیقت وقف میں داخل ہیں بلکہ یہ تو شرط کے قبیلہ سے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں حقیقت وقف میں داخل ہوں، ہذا ما یخطر بالبال فیلسل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

عن یحییٰ بن سعید عن صدقۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل عن عبد الحمید ابن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بسرا اللہ الرحمن الرحیم ہذا ما کتب عبد اللہ عمر فی شیخ، فقص من خبرہ نحو حدیث نافع، قال غیب متائل مالا فضا عفا عنہ من شرة فهو للسائل والمحرم

**کتاب الوقف کی شرح** | یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف کے بارے میں کہ اس وقف نامہ کو مجھے لکھ کر دیا یعنی اس کی نقل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پوتے عبد الحمید نے، آگے اس کتاب الوقف (وقف نامہ) کی عبارت ہے، اس عبارت میں ر عمر عبد اللہ سے بدل واقع ہو رہا ہے، ترجمہ یہ ہو گا یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا بندہ عمر لکھ رہا ہے شیخ کے بارے میں، آگے

مصنف حوالہ کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ پھر یحییٰ بن سعید نے آگے وقف کے سلسلہ میں اسی طرح ذکر کیا جیسے اس سے پہلے نافع کی روایت میں آیا تھا اور یحییٰ کی روایت میں غیر متماثل بالذات ہے پھر اس روایت میں جو گزشتہ روایت سے زائد ہے اس کو روایت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ان مصارف مذکورہ میں خرچ کرنے کے بعد بچے اس کے پھلوں میں سے تو سائل اور محروم سب کے لئے ہے، قال وفاق الفصحة یعنی راوی نے اور کچھ بیان کیا، اس طرح وہاں کہتے ہیں جہاں اختصار کرنا مقصود ہو جیسے الی آخرہ کہتے ہیں آگے یہ ہے کہ اگر موتی شمع چاہے تو اس زمین کی آمدنی میں سے زمین کی خدمت اور کام کے لئے غلام خرید سکتا ہے۔ وکتاب معقیب وشہد عبد اللہ بن الارقم، یعنی اس وقف نامہ کو لکھنے والا معقیب ہے اور گواہ عبد اللہ بن الارقم ہیں، تحریر کے اخیر میں جس طرح کاتب اپنا نام لکھا کرتا ہے یہ وہی ہے، معقیب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خزانچی اور منشی تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا ما اوصی بہ عبد اللہ عمر امیر المومنین ان حدث بہ حدیث ان شماغا وصرمۃ ابن الاکوع الخ۔

بظاہر یہ وقف نامہ کی اصل اور مسلسل عبارت ہے، اوپر چونکہ مصنف وقف نامہ کی عبارت شروع کر کے اخلاص روایات کو بیان کرنے لگے تھے وہاں پوری عبارت نہیں آسکی تھی اس لئے یہاں دوپوری عبارت منقول ہے صداما فہت واللہ تعالیٰ اعلم۔  
صرمۃ ابن الاکوع بھی شمع کی طرح زمین کا نام ہے۔

والمنۃ التي اطعمہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمہ بالوادی، یعنی اور وہ سو حصے (ان کو بھی وقف میں شامل کر رہے ہیں) جو مجھ کو یعنی عمر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کئے تھے وادی میں، وادی سے مراد وادی القری ہے جو مدینہ اور تبوک کے درمیان ہے۔

تلیہ حفصۃ ما عاشت یعنی اس وقف کی تولیت میری بیٹی حفصہ کے لئے ہوگی جب تک وہ حیات رہے پھر اس کے بعد اس کے خاندان میں سے جو ذی رائے ہو۔

## باب ماجاء فی الصدقة عن البیت

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء من صدقة جاریة او علم

۱۔ اس کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہاں عبارت میں بظاہر تکرار محسوس ہو رہا ہے۔

۲۔ اور صرمۃ بن نفیس ایک انصاری صحابی کا نام ہے جو کتاب الصوم کے شروع میں گزرا ہے، اور اس کے پہلے ابواب الاذان اجمیلت الصلاة ثلاثہ ہوال کے ذیل میں مذکور۔



ینتفع بہ اولد صالح یدعولہ۔

**شرح الحدیث** | یعنی آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، اسی طرح سلسلہ ثواب کا بھی منقطع ہو جاتا ہے انقطاع عمل سے، لیکن اس میں آپ نے تین عملوں کا استثناء فرمایا کہ وہاں سلسلہ ثواب انقطاع عمل سے منقطع نہیں ہوتا (۱) صدقہ جاریہ یعنی ایسا صدقہ جس کا نفع لوگوں میں جاری رہے جیسے اوقاف (۲) ایسا علم جس سے لوگ منتفع ہوتے رہیں جیسے تعلیم و تصنیف، قال التاج السبکی التصفیف اقوی من التعلیم بطول بقائه (۳) ولد صالح جو اپنے باپ کے لئے دعا کرتا ہو، صالح سے مراد یہاں مؤمن ہے کما قال ابن حجر المکی۔ ہمارے ایک استاد فرماتے تھے مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہ یدعولہ کی قید احترازی نہیں اتفاق ہے اسلئے کہ آدمی کی مؤمن اولاد اس کے لئے ویسے بھی صدقہ ہے خواہ دعا کرے یا نہ کرے۔

مصنف نے ترجمہ قائم کیا صدقہ عن المیت، اس میں ایصال ثواب برائے موتی کا مسئلہ ہے اس پر کلام ہمارے یہاں کتاب الزکاة باب فی فضل سقی الماریں گذر چکا، اس مسئلہ پر یہاں بذل میں بھی تفصیلی کلام کیا ہے جو دیکھنا چاہیے دیکھ لے۔ والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی قال المنذری۔

### باب ماجاء فی من مات عن غیر وصیۃ یتصدق عنه

ترجمہ اور حدیث الباب ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه النسائی وابن ماجہ، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب ماجاء فی وصیۃ الحر بنی سلم ولیہ یلزمہ ان ینفذہا

یعنی اگر کوئی کافر کوئی وصیت کر کے مرے اور حال یہ کہ اس کا وارث مسلمان ہو جائے تو کیا اس صورت میں اس وارث مسلم پر یہ واجب ہے کہ اس کافر باپ کی وصیت کو پورا کرے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس پر وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں جیسا کہ حدیث الباب سے سمجھ میں آ رہا ہے حدیث الباب یہ ہے۔ ان العاص بن واطل اوصی ان یعتق عنہ مثنیٰ و قبیۃ فاعتق ابنہ ہشام خمیسین و قبیۃ ابنہ۔ یعنی عاص بن واطل جو کہ کافر تھا اسلام نہیں لایا اگرچہ اس نے اسلام کا ناتہ پایا ہے، اس نے یہ وصیت کی کہ میری

طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے اور اس کے دوسرے بیٹے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ارادہ کیا باقی پچاس آزاد کرنے کا، تو انہوں نے سوچا کہ اول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے، چنانچہ آپ کی خدمت میں آکر انہوں نے دریافت کیا اور آکر آپ کی خدمت میں اپنے باپ کی وصیت کا ذکر کیا اور یہ کہ میرے بھائی نے تو پچاس اس کی طرف سے آزاد کر دیئے ہیں تو کیا باقی پچاس میں اس کی طرف سے آزاد کر دوں، حضور نے فرمایا کہ اگر تیرا باپ مسلم ہوتا اور پھر تم لوگ اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تب تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا (لیکن موجودہ صورت میں آزاد کرنا بیکار ہے) دیکھئے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے کہ اسکی وجہ مرنیکے بعد ہی میت کو فوائد پہنچائے جاسکتے ہیں فالحمد للہ الذی ہدانا

## باب ما جاء في الرجل يموت وعليه دين وله ولاء يستظر

### غرماءه ويرفق بالوارث

یعنی اگر کوئی شخص اس حال میں مرے کہ اس کے ذمہ کسی کا دین ہو اور وہ اتنا مال چھوڑ کر بھی مرے جس سے دین ادا ہو سکتا ہو تو اس کے قرض خواہوں سے کیا مہلت طلب کی جائے اور وارث کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ یہ ترجمہ یا تو بطریق استفہام کے ہے بتقدیر ہمزۃ الاستفہام، اور احتمال اس میں خبر کا بھی ہے (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اخبرنا ان اباه توفی وتروک علیہ ثلاثین وسقاً الرجل من یهود النجاشی **حدیث دین جابر کی شرح** یہ حدیث دین جابر کی کہلاتی ہے، ان کے دین کا قصہ روایات میں مشہور ہے بخاری میں یہ حدیث متعدد مواضع میں ہے، کتاب الیوم، کتاب الصلح، کتاب الاستقراض، کتاب الہبۃ، کتاب الوصایا، علامات النبوة الفیاضہ وغیرہ، اسی طرح نسائی میں بھی بالتفصیل متعدد طرق سے آئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کے ذمہ جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے ایک یہودی کی تیس دسوق کھجوریں تھیں، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غرامار یعنی قرض خواہ بہت سے تھے لہذا ابوداؤد کی روایت کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان غرامار میں سے تیس دسوق کھجوریں صرف ایک غریم کی تھیں اور دوسرے غرامار کے جوان پر دین تھے وہ اس کے علاوہ تھے غرضیکہ حضرت جابر نے اپنے والد کے غرامار سے اول تو کچھ دین کی معافی کی بات رکھی کہ چھوڑ دیا جائے، جب انہوں نے اس کو نہ مانا تو پھر انہوں نے استنظار یعنی مہلت طلب کی، جب انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا تو پھر حضرت

علہ مکلفہ شریف نصف اول کی یہ آخری حدیث ہے جسکی نسبت اس میں صرف ابوداؤد کی طرف کی ہے۔

جابر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ سفارش فرمادیجئے آپ نے ان غرامہ سے ان کے لئے سفارش فرمائی، انہوں نے تب بھی نہیں مانا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا اچھا جاؤ اپنے باغ میں اور کھجوریں توڑو اور ہر قسم کی کھجور کو علیحدہ علیحدہ جمع کرو، یعنی ان کو خلط نہ کیا جائے اور جب تم یہ سب کام کر چکو تو مجھے اطلاع کر دینا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور کھجوروں کے ڈھیر لگا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرا دی، آپ تشریف لائے اور ان ڈھیروں میں سے ایک پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کو ناپ ناپ کر کھجوریں دینی شروع کرو، وہ فرماتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اور حضور برکت کی دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ سب کا حق پورا ادا ہو گیا اور میری کھجوروں کا حال یہ تھا کہ گویا ان میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا، ایک روایت میں ہے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے باغ کی کئی سال کی فصلوں میں جا کر یہ قرض ادا ہو گا، مگر وہ ایک ہی سال کی فصل سے ادا ہو گیا، اور روایت میں ہے کہ ہمارے دو باغ تھے ایک چھوٹا ایک بڑا، اور یہ سارا قرض ایک چھوٹے باغ سے پورا ہو گیا حتیٰ وفینا جمیع حقہ من اصغر الحدیقتین، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب سب کے حقوق ادا ہو گئے تو حضور نے حضرت جابر سے فرمایا کہ جاؤ ابو بکر و عمر کو بھی اس کی اطلاع کر دو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اس کی اطلاع کی ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس باغ میں تشریف لیجائے ہیں تو پھر ایسا ہی ہو گا، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کو علامات نبوة میں بھی ذکر کیا ہے صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری، وفيه البذل، والحدیث تمامہ مذکور فی البخاری ومسلم وغیرہما، قلت لم اجدہ فی صحیح مسلم ولعلہ سبق فلم، والصواب بدله والنسائی فلیحرر۔

## اول کتاب الفرائض

العلم ثلاثہ وما سوی ذلک فهو فضل ایۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ۔

شرح الحدیث | یعنی علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں، اور ان کے علاوہ جو ہے وہ ضرورت سے زائد اور غیر ضروری ہے آگے ان تین کا بیان ہے (۱۱) آیات محکمہ، یعنی غیر منسوخہ، یا صریحہ غیر محتمل تاویل (۲) احادیث صحیحہ ثابتہ (۳) فریضہ عادلہ فریضہ سے مراد یا تو وہ احکام و اصول ہیں جن سے تقسیم بین الورثۃ عدل کے ساتھ یعنی پوری پوری ہو سکے اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مطلق وہ فرائض و احکام ہیں جن پر عمل واجب ہے، اور عادلہ سے مراد ہے مساویہ، یعنی وہ احکام مستنبطہ جو مساوی اور موافق ہوں مایؤخذ

من الكتاب والسنة کے واللہ تعالیٰ اعلم، فقہیہ اشارۃ الی الاجماع والقیاس، لہذا اس حدیث میں چاروں اولاد شرعیہ کتاب و سنتہ اجماع و قیاس کا ذکر آگیا۔ یہ اس حدیث کی شرح میں یہ دونوں احتمال بذیل میں فتح الورد کے حوالہ سے لکھے ہیں، امام ترمذی نے کتاب الفرائض کے شروع میں باب ما جاء فی تعلیم الفرائض کے تحت میں یہ حدیث ذکر کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تعلموا الفرائض والقرآن وعلوم الناس فانی مقبوض و فی ہامشہ عن مجمع البحار قیل ای علم المیراث، ولادلیل علیہ والظاهر ما فرض اللہ تعالیٰ، ویکمن ان یراد سنا صادرۃ منہ مشتملۃ علی الاوامر والنواہی، ای تعلموا الكتاب والسنة۔

## باب فی الکلالۃ

کلالہ عند المجہور وہ میت ہے جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے من لا والدہ و لا ولدہ، اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے وہ ورثہ جن میں میت کا والد اور ولد نہ ہوں، یہ دونوں تو تقریباً ایک ہی ہیں، وقیل من لا والدہ فقط و هو قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، او من لا ولدہ فقط۔

انہ سمع جابر ارضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول مرضت فأتانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ..... یا رسول اللہ کیف اصنع فی مالی ولی اخوات قال فنزلت آیت المیراث۔

**مضمون حدیث جابر فی الوصیۃ** | اس باب میں مصنف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس میں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں اس وقت بے ہوش تھا آپ سے بات نہیں کر سکا، آپ نے وضو فرمائی اور وضو کا بچا ہوا پانی یا غسالہ۔ (دبلاً لا غیر جزم الحافظ فی الفتح کافی ہامش البذل) مجھ پر چھڑکا جس سے میں ہوش میں آگیا، اس وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے مال میں کیا کروں (یعنی اگر کچھ وصیت کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں) اور میرے وارثوں میں صرف میری بہنیں ہیں، وہ فرماتے ہیں اس پر آیت میراث نازل ہوئی (آیت میراث کلمہ صدق

لہ میری تقریر اور اؤد کی ایک کاپی میں اس طرح ملا، علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں آیات صریحہ حکمہ، احادیث صحیحہ ثابتہ، وہ احکام اور فرائض جو قسمین اولین سے ماخوذ و مستنبط ہوں (اشارۃ الی القیاس والاجماع) العادلہ یعنی برابر یعنی یہ احکام اور فرائض مستنبط معتبر ہوتے اور واجب العمل ہونے میں برابر ہیں قسمین اولین کے لیکن مصنف کی مراد یہ معنی نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں وہ یہ کہ فریقہ عادلہ سے مراد وہ احکام اور اصول ہیں جن سے عدل بین الورثۃ فی الحصص المعینۃ حاصل ہو، اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے، و ہذا المعنی هو المطابق لفرض المصنف فمعنی العادلۃ، علی الاول العادلۃ ای المستویۃ للقسیمین الاولین فی الحجۃ و علی الثانی بمعنی العادلۃ فی القسمۃ۔

آگے مذکور ہے) "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ"۔ اور بعض روایات میں اس طرح ہے: "نزلت یوصیکم اللہ فی اولادکم" اور امام بخاری نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت المیراث سے مراد "یوصیکم اللہ" الایۃ ہے۔

حضرت جابر کے بارے میں پھر جانتا چاہیے اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت جابر کے قصہ میں ان دو آیتوں میں سے کونسی آیت نازل ہوئی، آیادہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم" ہے جو سورہ نسا کے شروع میں مذکور ہے اور بڑی مفصل ہے تمام ورثہ کے حصص

اس کے اندر بیان کئے گئے ہیں، اور اس کے آخر میں مجملہ کلالہ کا بھی ذکر ہے۔ "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ الخ" اور یا اس کا مصداق "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" ہے جو سورہ نسا کے اخیر میں مذکور ہے جس میں حکم کلالہ کا بیان واضح مذکور ہے جس کو آیت الصیف بھی کہتے ہیں پس بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق اول سورہ والی آیت ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق آخر سورہ والی آیت ہے، لیکن حضرت جابر کے حال کے مناسب چونکہ وہ کلالہ تھے قول ثانی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن العربی نے اس سلسلہ میں اپنا ظہان ظاہر کرتے ہوئے آیت میراث کو ترجیح دی ہے یعنی "یوصیکم اللہ" پھر آگے حافظ نے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت جابر کے قصہ میں آیت الصیف کا نزول ہوا یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" اور اسی طرح آیت المیراث (یوصیکم اللہ) کا آخری ٹکڑا جس میں کلالہ کا ذکر مجمل ہے یہ دو تو جابر کے قصہ میں نازل ہوئیں اور آیت میراث کے شروع کا حصہ یہ سعد بن الربیع کی دو بیٹیوں کے قصہ میں نازل ہوا (من البذل) میں کہتا ہوں: سعد بن الربیع سے متعلق آیت آئندہ باب میں آ رہی ہے جس میں اس طرح ہے: عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حتی جئنا امرأة من الانصار فجاءت المرأة با بنتین لہا فقالت یا رسول اللہ ہاتان بنتا ثابت بن قیس (قال ابو داؤد: اخطأ بشرفیہ انما هما بنتا سعد بن الربیع) وفي الخبر وقال: نزلت سورۃ النساء یوصیکم اللہ فی اولادکم الایۃ (الحديث)۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب من کان لیس لہ ولد ولہ اخوات

اس باب میں بھی مصنف نے حضرت جابر ہی والی روایت ذکر کی، کیونکہ حضرت جابر پر یہ بات صادق آتی ہے

لہ تنبیہ: ہم نے اس باب اور گذشتہ باب کے درمیان تکرار سے بچنے کے لئے فرق اگرچہ ظاہر کر دیا لیکن یہ باب بعض نسخوں میں ہے ہی نہیں، بلکہ گذشتہ ہی باب کے تحت چار حدیثیں مذکور ہیں (۱) حدیثنا احمد بن حنبل (۲) حدیثنا عثمان بن ابی شیبہ (۳) مسلم ابن ابی ہریم۔



لیس له ولد وله اخوات۔ اور من لیس له ولد ہی کلام ہے (علی قول) لہذا پہلا باب اور یہ باب دونوں کلام سے متعلق ہیں،  
فالفرق بین الترجمتین بقوله ههنا وله اخوات، وهذا القيد ليس بملحوظ في الترجمة السابقة۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه قالت اشكت وعندي سبع اخوات..... الاوصى لاهل خوات

بالتلثين؛ قال اخسن، قلت الشطر؛ قال احسن۔

**شرح الحدیث** ظاہر الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت جابر نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اپنی بہنوں کے لئے دثلت کی وصیت کر دوں، اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی اخوات کے ساتھ احسان کر، انہوں نے عرض کیا کہ اچھا نصف کی وصیت کر دوں؟ آپ نے پھر وہی فرمایا اخسن، اس حدیث پر بادی الرأی میں دو اعتراض ہوتے ہیں اول یہ کہ اخوات کے لئے وصیت کہاں جائز ہے وہ تو وارث ہیں ولاد صیۃ لوارث، دوسرے یہ کہ وہ تثلثین کی وصیت کی اجازت لینا چاہتے تھے، آپ نے فرمایا احسن الی الاخوات، اس پر انہوں نے نصف کی وصیت کی اجازت طلب کی، اس میں احسان الی الاخوات کہاں ہے اس میں تو اور بھی نقصان پایا جا رہا ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ باب وصیۃ میں لام موصیٰ لہ پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں لا خواتی میں یہ لام صلہ کا نہیں ہے اور موصیٰ لہ پر داخل نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ لام اجلیہ ہے یعنی لاجل اخواتی، اور مطلب یہ ہے کہ میں جو آپ سے وصیت کی اجازت طلب کر رہا ہوں وہ اخوات کے موجود ہونے کی وجہ سے ہے کہ چونکہ میرے ورثاء میں میری اخوات موجود ہیں تو کیا ان کے ہوتے ہوئے میں کسی شخص کے لئے تثلثین کی وصیت کر سکتا ہوں، فرال الاشکال بحذافیرہ، کذا سمعنا من الاساتذہ۔ پھر آگے روایت میں یہ ہے: آپ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے اس مرض میں وفات نہیں پاؤ گے۔

تنبیہ، حضرت جابر کا کلام ہونا اور پھر محدثین کا ان کی روایت کو باب الکلام میں ذکر کرنا یہ ان کی اس موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے جو بوقت سوال تھی ورنہ بعد میں تو جب وہ اس مرض سے صحت یاب ہو گئے تو شادی کی صاحبزاد ہوئے اور بہت زمانہ تک زندہ رہے حتیٰ تو فی ۷۳ھ وھو ابن اربعۃ و تسعین سنۃ وھو اخر من مات بالمدریۃ من الصحابة (کذا فی التہذیب) والحدیث اخرہ للنسائی، قال المنذری۔

۴۱۔ حدیثنا منصور بن ابی مزاحم جو ہمارے یہاں اس ترجمہ ثانیہ کے تحت آگے آرہی ہے، اور چاروں حدیثیں ترجمۃ الباب کے مطابق ہیں۔ دوسرا اختلاف نسخ یہاں پر یہ ہے کہ ہمارے نسخہ میں ترجمہ ثانیہ کے تحت جو تیسری حدیث ہے حدیثنا موسیٰ بن اسمعیل، اور جو تھی حدیثنا مسدد اور پانچویں حدیثنا ابن السرح، بعض دوسرے نسخوں میں یہ تینوں حدیثیں آئندہ آنے والے باب یعنی باب ماجاء فی میراث الصلیب کے تحت میں مذکور ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کہ ان تینوں روایتوں کو ہمارے ترجمہ الباب (من کان لیس له ولد وله اخوات) سے کوئی مناسبت نہیں بلکہ اس کے منافی ہیں۔



سے قرائض کا یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی ان دونوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ نصف میراث بیٹی کے لئے ہے (لقولہ تعالیٰ ان کانت واحدة فلها النصف) اور نصف بہن کیلئے اور پوتی کو کچھ نہیں دیا اور ان دونوں نے اس سائل سے یہ بھی فرمایا کہ ابن مسعود کے پاس بھی چلے جاؤ وہ بھی اس فیصلہ کی موافقت فرمائیں گے، یہ سائل ان کی خدمت میں پہنچا اور ان دونوں کا فیصلہ سنایا، انہوں نے فرمایا: لقد ضللت اذا وما انامن المہتدین کہ اگر میں یہ فیصلہ کروں تو میں سیدھی راہ سے بھٹک جاؤں گا، اور پھر انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ نصف بیٹی کے لئے اور سدس پوتی کے لئے مکملہ للثلثین، اور باقی یعنی ثلث بہن کے لئے۔

تکملہ للثلثین کا مطلب سراجی پڑھنے والے جانتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں تصریح ہے اس بات کی کہ اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں تو پھر ان کا حصہ دو ثلث ہے (لقولہ تعالیٰ فان کن نساً فوق اثنتین فلہن ثلثا ما ترک) یہاں چونکہ بنت ایک تھی کتاب اللہ کی تصریح کے مطابق نصف تو اس کا ہو گیا اور چونکہ بنت الابن بھی بنت ہی ہے مگر ذرا بعید اس لئے بنت کو نصف دینے کے بعد ثلثین میں سے جو سدس باقی رہ گیا تھا وہ دوسرے درجہ کی بنت کو دیدیا گیا تاکہ مجموعہ بنات کا حصہ پورا دو ثلث ہو جائے اور دونوں آیتوں کے مضمون پر عمل ہو جائے، یہی مطلب ہے تکملہ للثلثین کا۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

## باب فی الجدة

جدہ سے یہاں دادی اور نانی دونوں مراد ہیں کیونکہ دونوں ذوی الفروض میں سے ہیں اور دونوں کا ہم بھی ایک ہی ہے یعنی سدس، اگر دونوں میں سے ایک ہوگی تو تہا سدس وہ لے لیگی اور اگر دونوں ہیں تو سدس میں دونوں مشترک ہو جائیں گی جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذوی الفروض یعنی وہ ورثاء جن کے حصص متعین ہیں وہ دو طرح کے ہیں اکثر تو وہ ہیں جن کے حصہ کی تصریح کتاب اللہ میں ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا فرض اور حصہ کتاب اللہ سے ثابت نہیں بلکہ حدیث سے ہے چنانچہ جدہ خواہ ام اللاب ہو یا ام اللام اسی قسم ثانی میں سے ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ کسی میت کی جدہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اپنی میراث طلب کرنے، تو انہوں نے فرمایا مالک فی کتاب اللہ شعی کہ کتاب اللہ میں تو تیرا حصہ مذکور نہیں اور کسی حدیث سے تیرا حصہ ثابت ہے یا نہیں، یہ میرے علم میں نہیں، البتہ میں اس کے بارے میں لوگوں سے معلوم کروں گا، ان کے سوال کرنے پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا کیا ہے، اور محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی

تائید فرمائی، ان دو صحابیوں کی روایت پر حضرت ابو بکر نے اس حصہ کا نفاذ فرمادیا پھر آگے روایت میں یہ ہے کہ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی میت کی جدہ آخری آئی اور اپنی میراث طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ جدہ کے لئے ایک ہی سدس ہے اگر وہ تنہا ہو تنہا لے لے، اور اگر دو ہوں (دادی اور نانی) تو وہ اس میں مشترک ہوں گی۔

جدہ کا اطلاق چونکہ دادی اور نانی دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہے اس لئے یہ کہا جائیگا کہ اگر صدیق اکبر کے پاس آنے والی اس میت کی دادی تھی تو فاروق اعظم کے پاس آنیوالی اس کی نانی ہوگی، اور ہو سکتا ہے اس کا عکس ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب ماجاء فی میراث الجد

جد سے مراد ابوالاب جو کہ ذوی الفروض میں سے ہے مگر بالسنہ نہ کہ بالکتاب، اور جد سے ابوالام مراد نہیں ہو سکتا جس کو جد فاسد کہتے ہیں اس لئے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے جن کی تواریث میں اختلاف ہے اور اس کا باب آگے آ رہا ہے، میراث جد کی جدہ کی طرح سدس ہے۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اتى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
**مضمون حدیث** ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے، یعنی مرنے والے کا دادا، اس نے عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے مجھے اس کی کتنی میراث ملے گی، آپ نے فرمایا سدس، جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا تیرے لئے ایک سدس اور ہے، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے اس کو پکارا اور فرمایا کہ یہ دوسرا سدس تیرے معینہ حصہ سے زائد ہے۔

دادا کا اصل حصہ یعنی فرض تو سدس ہی ہے، اور یہاں سدس آخر جو اس کو ملا وہ تعصیب کے طور پر ہے جس کی بظاہر شکل یہ ہوگی کہ مرنے والے نے اپنے جد کو چھوڑا اور بنتین کو، بنتین کا فرض دوثلث ہے تو باقی ایک ثلث میں سے نصف یعنی سدس یہ دادا کا حصہ تھا وہ آپ نے اس کو دیا، اور پھر جو سدس بچا وہ بھی آپ نے اس کو دیدیا، اور شروع ہی میں پورا ثلث اس لئے نہیں دیا تاکہ اس کو معلوم رہے کہ میرا اصل فرض ایک سدس ہے والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن الحسن ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ایکم یعلم ما ورث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لجد الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی کو یہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد کا میراث میں کتنا حصہ لگایا، اس پر معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے دادا کا حصہ سدس لگایا، حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آپ نے دادا کو سدس کن ورثاء کے ہوتے ہوئے دیا؟ اس پر معقل نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تمہیں اس کا کچھ علم نہیں، صرف اتنا جانتا کہ سدس دلایا مفید نہیں، اور یہ اس لئے کہ میراث میں ذوی الفروض کو اصل فرض کے علاوہ بعض صورتوں میں عصبہ ہونے کی حیثیت سے کچھ زائد بھی ملتا ہے جیسا کہ ابھی اوپر والی حدیث میں گذرا، تو جب تک سب ورثاء کا علم نہ ہو اس وقت تک بات منقح نہیں ہو سکتی۔ جانتا چاہیے کہ میراث الجدد میں یعنی اس کی مقدار میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے، خود حضرت عمر سے بھی اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، ابو داؤد میں کتاب الاثر کے شروع میں حضرت عمر کی یہ حدیث آ رہی ہے، ثلث و ردت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یفارقنا حتی یعبد الینا فیہن عہداً انتہی الیہ الجدد والکلالۃ والابواب من ابواب الرباء (سنن البیہقی ۴/۳۳۳) والحدیث أخرجه النسائی، وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

### باب فی میراث العصبہ

جانتا چاہیے کہ وراثت کے اعتبار سے ورثاء کے درمیان ترتیب اس طرح ہے، اولاً ذوی الفروض، ثم العصباء النسبیۃ، ثم العصباء السببیۃ، یعنی مولی العتاقہ اس لئے کہ اس کی عصبیت نسب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سبب کی وجہ سے ہے یعنی عتاق ثم ذوی الارحام۔ عصبہ ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کا حصہ لگا بندھا اور مستعین نہ ہو، (اگر ہو تو ذوی الفروض کہلاتا ہے بلکہ ذوی الفروض کے دینے کے بعد جو بچے وہ ان کو ملے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقسیم المال بین اهل الفرائض علی کتاب اللہ، فما ترک الفرائض فلا ولی ذکر لہ

لہ ای الاقرب فی النسب الی المورث دون الابلعد فان استودا اشترکوا، واقرب العصباء البنون ثم بنوهم وان سقطوا، ثم الاب ثم الجدد ابو الاب وان علوا، قال الخطابی اقرب العصبۃ الی المیت کالایخ والعم فان الاخ اقرب من العم، والعم و ابن العم، فالاول اقرب من الثاني اھ غون۔



یعنی میراث کو اولاً ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے کتاب اللہ کے مطابق، پس ذوی الفروض کو ان کے فرائض دینے کے بعد جو بچے وہ میت کے قریب ترین مرد رشتہ دار کے لئے ہے، اس سے مراد عصبہ بنفسہ ہے جو مرد ہی ہوتا ہے، اور اولی کے معنی اقرب کے ہیں جو ماخوذ ہے ولی بمعنی القرب سے کما فی قولہ تعالیٰ: ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه۔ وقولہ علیہ السلام ان اولی الناس فی یوم القیمۃ اکثرہم علی صلوٰۃ۔ یعنی اولی سے مراد احق اور ارجح نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں کیا معلوم احق اور ارجح کون ہے، ہاں اقرب نسباً کون ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی میراث ذوی الارحام

ذوی الارحام کی تعریف یہ لکھی ہے کہ آدمی کے وہ اقارب جو ذوی الفروض اور عصبہ کے علاوہ ہیں۔ ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں جانتا چاہیے کہ ذوی الارحام کی تواریث میں اختلاف ہے صحابہ اور تابعین ائمہ کا اختلاف اور دلیل اسی طرح فقہاء کے درمیان بھی، ائمہ میں سے حنفیہ اور حنابلہ قائل ہیں، اور شافعیہ و مالکیہ قائل نہیں، و فی البذل: اما من نفی تواریثہم استدلالاً بآیات المواریث بان اللہ سبحانہ لم ینذکر لذوی الارحام شیئاً و اما کان ربک نسیاً۔ و ایضاً تواریثہم زیادۃ علی کتاب اللہ و ذلک لایثبت بخبر الواحد والقیاس، الی آخر ما قال، یعنی آیات میراث میں ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہیں، لہذا خبر واحد یا قیاس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، ومن قال بتواریثہم استدلالاً بقولہ تعالیٰ و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ۔ و هذا اثبات الاستحقاق بالوصف العام، وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخال وارث من لا وارث لہ، و فی روایۃ الخال وارث من لا وارث لہ۔ یرثہ ویعقل عنہ، الی آخر ما بسط فی البذل۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ترک کلاً فانی۔ ومن ترک مالا فلورثتہ وانا وارث من لا وارث لہ اعقل لہ وارثہ والخال وارث من لا وارث لہ یعقل عنہ ویرثہ۔

شرح الحدیث | کتے کہتے ہیں ثقل اور بوجھ کو اور یہاں مراد اس سے عیال اور دین ہے، یعنی جو شخص نابالغ بچے چھوڑ کر مر جائے یا دین تو ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور جو مال چھوڑ کر مرے سو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور جس شخص کے کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں چنانچہ اس کی طرف سے میں ہی دیت ادا کروں گا اور اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی اگر وہ کوئی مال چھوڑ کر مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو تو میں اس کے مال کا وارث ہوں گا، یعنی بیت المال کے لئے، یہ وراثت آپ کی انتظام اور بیت المال کے اعتبار سے، اور یہ جو حدیث میں ہے ماموں وارث ہے اس شخص کا جس کا کوئی وارث نہ ہو دیت ادا کرے گا

وہ ماموں اپنے بھانجے کی طرف سے اور اس کا وارث ہوگا، اس جملہ سے تنفیہ اور حنا بلہ کی تائید ہو رہی ہے، خال (ماموں) اور خالہ عتمہ یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ خال دیت ادا کرے گا بھانجہ کی طرف سے، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ کسی پر جنایت کرے اور اس کے کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کی طرف سے دیت اس کا ماموں ادا کرے گا، جس طرح سے عصبہ دیت ادا کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: اور اسی طرح حدیث میں آتا ہے ابن اخت القوم منہم لہذا ماموں بھانجے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مگر وہ حضرات جو توریت ذوی الارحام کے قائل نہیں وہ اس حدیث کو وراثت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اس کو وہ حمایت اور اعانت پر محمول کرتے ہیں، یعنی اگر کسی شخص کا بھانجہ حق پر ہو تو اسکے ماموں کو چاہیے کہ اس کی اعانت کرے، یعنی اعانت اور نصرت ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ذوی الارحام کی بھی کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

انا ولی بكل مؤمن من نفسه۔

**آپ کی امت کیساتھ غایت محبت** | آپ فرما رہے ہیں کہ میں ہر مسلمان کے اسکی ذات سے بھی زیادہ قریب ہوں، یعنی آدمی کے مرنے کے بعد اس کے امور کی ایسی ذمہ داری لیتا ہوں اور اس کی اس طرح نصرت کرنے والا ہوں کہ اگر وہ مرنے والا زندہ ہوتا تو وہ خود بھی اپنا اتنا انتظام و انصرام نہ کر سکتا جتنا میں اس کی طرف سے کر نیا لا ہوں، بڑی عجیب بات ہے آپ کو اپنے ہر فرد امت سے کتنا قوی اور گہرا تعلق ہے کہ آدمی خود بھی اپنے امور کا خیال اتنا نہیں رکھ سکتا جتنا آپ رکھ سکتے ہیں، آپ کی امت سے تعلق اور محبت کی احادیث تو بہت سی ہیں جیسا کہ کتاب الحج میں گذرا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبات میں بار بار فرمایا: خذوا عني مناسككم على لا اراكم بعد عامي هذا، اور ایک حدیث میں ہے وددت اني رأيت اخواني کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو اور ہر وقت لباس پہنے والے ہو، میری مراد تو اخوان سے وہ امتی ہیں جو میرے بعد میں آئیں گے اور پیدا ہوں گے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وجزاه اللہ عنا ما هو اھلہ۔  
آگے حدیث میں ضیعۃ کا لفظ ہے اس سے مراد عیال یعنی چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں کیونکہ اگر ان کی خبر نہ لی جائے تو وہ جلدی ضائع ہو جاتے ہیں اسی لئے ان کو ضیعہ کہا جاتا ہے۔

وانا مولیٰ من لامولیٰ لہ ارث مالہ وارفک عانہ۔

مولیٰ سے مراد وارث ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گذر چکا ارث مالہ ای لاجل بیت المال وارفک عانہ اس کی قید کو چھڑاتا، ہوں عان کے معنی قید، اسی لئے قیدی کو عانی کہتے ہیں جیسا کہ کتاب الحجناز کی ایک حدیث

میں آرہا ہے، اطعموا السجائع وعودوا المريض و فکوا العانی، قال سفیان والعالی الاسیر۔ اور یہاں قید سے مراد مایلمزمہ من الحقوق مثل الدین والدیۃ، اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ آدمی ان میں مقید اور جکڑا رہتا ہے، اور ایک روایت میں جو آگے آرہی ہے اس میں عتی کا لفظ ہے اقلک عتیہ۔  
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ کما فی التھفۃ، قال الشیخ محمد عوامہ۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان مولی للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مات وترك شیثا ولم یدع ولدا ولا حمیما۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام کا انتقال ہوا اور اس نے کچھ میراث بھی چھوڑی لیکن اس نے اپنی کوئی اولاد اور رشتہ دار نہیں چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اسکی میراث اسکی بستی والوں میں سے کسی کو دیدی جائے۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** | آپ کا اس کی میراث کو اس کے کسی بستی والے کو دلوانا یہ من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث المصروف، کیونکہ اس قسم کی میراث (جس کا کوئی وارث نہ ہو) بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، اور بیت المال کا مال عام لوگوں پر اور ضرورت مندوں پر خرچ ہوتا ہے اس لئے آپ نے پہلے ہی ایسے شخص کو دلوا دی۔

**کیا حضور کسی کے وارث ہوتے تھے** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ یہ توجیہ اس صورت میں ہے جب یہ مانا جائے کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا آپ خود بھی کسی کے وارث نہیں ہوتے جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے، لیکن اگر دوسرا قول لیا جائے جس کو بعض دوسرے علماء نے اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت گنگوہی نے بھی کہ گو آپ کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن خود آپ دوسرے کے وارث ہوتے تھے تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا یہ آپ کا دلوانا من حیث التبرع اور تصدق تھا اپنی جانب سے کیونکہ یہ آپ کا اپنا حق تھا، آپ اگر چاہتے تو خود بھی لے سکتے تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض روایات میں لا نورث کیساتھ لا نورث بھی ہے یہ زیادتی غلط ہے، ثابت نہیں، کما فی البذل والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن امیہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازدا ا دفعہ الیہ ۶۰۔

**شرح الحدیث** | ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کہ میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی میراث ہے لیکن مجھے کوئی ازدی شخص مل نہیں رہا ہے جس کو میں یہ مال دوں، آپ نے فرمایا جا اور

کسی ازدی کو ایک سال تک تلاش کرتا رہا، ایک سال کے بعد وہ شخص آیا کہ کوئی ازدی نہیں ملا، آپ نے فرمایا: فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاه فادفعه اليه، فلما ولى قال على الرجل فلما جاء لا قال انظر كبن خزاعة فادفعه اليه۔ یعنی جب اس کو کوئی ازدی نہیں ملا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ کسی اول خزاعی کو تلاش کرو جو تمہیں ملے پس اس کو یہ دیدو، اول بمعنی اقرب، یعنی جو شخص قبیلہ خزاعہ کے مورث اعلیٰ سے زیادہ قریب ہو اس کو یہ مال دے دو، پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا بلاؤ اس شخص کو جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا انظر كبن خزاعة، آپ کا یہ فرمانا بطور تفسیر کے ہے، یعنی اول خزاعی کی تفسیر اور اس کی مراد آپ نے اس لفظ سے بیان فرمائی، كبن یعنی اکبر، اکبر سے مراد بھی وہی اقرب ہے، یہاں پر سوال یہ ہے کہ ازد جو کہ یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے اسکی میراث ایک خزاعی شخص کو کیوں دلائی جا رہی ہے اس کا جواب شرح نے یہ دیا ہے کہ قبیلہ خزاعہ بھی دراصل ازد ہی سے ہے یعنی شروع کے اعتبار سے جب یہ سب لوگ یمن میں تھے، پھر جب یہ لوگ یمن سے نکل کر مکہ مکرمہ میں آئے تو وہاں آکر انہوں نے بنو ہاشم سے مخالفت کر لی تو ان کا نام خزاعہ پڑ گیا، نفی القاموس الخزع القطع والخزاعة القطعة تقطع من الشیء حی من الازد سمو ابذلک لانہم تحزعو عن قومہم واقاموا بمکہ۔ الحمد للہ حدیث کا مطلب واضح ہو گیا۔ والحديث اخرجه النسائي مسندا ومسلما، قال المنذرى۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان رجلا مات ولم يدع وارثا الا غلاما له كان يعتقه ابنه۔ یعنی ایک شخص کا انتقال ہوا اور کوئی وارث اس نے اپنا نہیں چھوڑا البتہ اس نے اپنا آزاد کردہ غلام چھوڑا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ نے اس شخص کی میراث اسی آزاد کردہ غلام کو دلوادی۔ اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مرے اور اس کے کوئی وارث نہ ہو سوائے اس کے آقا اور سید کے تو اس کی میراث کا اس کا آقا مالک ہوتا ہے جس کو ولا کہتے ہیں، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، لحديث الولاء لمن اعتق اور یہاں اس حدیث میں یہ صورت نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے یعنی آقا کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دی گئی، یہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں سوائے شریح اور طاووس کے، ان دونوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا اور جمہور جو اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ولا منحصر ہے معتق کے حق میں حدیث صحیح کی بنا پر وہ حدیث الباب کی تاویل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ میراث دلانا من حیث الاستحقاق نہ تھا بلکہ من حیث التصديق والمصرف تھا، كما في الحديث السابق ای حدیث الازدی۔ والشرع تعالیٰ اعلم۔ والحديث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

لے میری ایک کاپی میں اس طرح ملا۔ ينظر البذل فيه كلام الشيخ الغلنگوي۔ اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جس ترکہ کا کوئی وارث نہ ہو وہ حکم میں لفظ کے ہوتا ہے اور لفظ کا حکم چونکہ تصديق ہے تو یہ بھی بطور تصديق کے تھا، اور اگر خزاعہ کی تخصیص اسوجہ ہے کہ وہ بہ نسبت دوسرے زیادہ اقرب ہے۔

## باب میراث ابن الملعنة

باب اللعان میں یہ مسئلہ گذر چکا کہ لعان کے بعد ملعونہ کے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اس کی ماں یعنی ملعونہ سے تو ثابت ہوتا ہے اور باب سے ثابت نہیں ہوتا اسی لئے ماں اور بیٹے کے درمیان تو میراث جاری ہوتی ہے لیکن اس لڑکے اور اس کے باپ یعنی ملعون کے درمیان جاری نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

المراۃ تنحصر ثلاث موادیت عتیقہا ولقیطہا وولدہا الذی لاعنت علیہ۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ | یعنی عورت تین قسم کی میراث حاصل کرتی ہے ایک اپنے آزاد کردہ غلام کی دوسرے اپنے لقیط کی یعنی اگر کوئی عورت کسی پڑے ہوئے بچہ کو اٹھا کر اس کو پالے پرورش کرے اور وہ بڑا ہو جائے تو اس کے مال کی وہ عورت وارث ہوگی، اور تیسری میراث حدیث میں وہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔

اس حدیث کا پہلا جزو اور آخری جزو یہ دونوں تو مستفق علیہ ہیں اور درمیان یعنی میراث لقیط کا مسئلہ یہ صرف اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے، جمہور علماء و منہم الائمة الاربعہ کے نزدیک لقیط کی میراث بیت المال کے لئے ہے الایہ کہ ملقط فقیر ہو تو پھر بحیثیت مصرف کے وہ اس کو بھی نہ سکتی ہے، اس حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے ایک تو یہی ہے کہ اس سے مراد استحقاق نہیں بلکہ مقصود بیان مصرف اور تصدق ہے اور دوسرا جواب یہ ہے ان هذا الحدیث غیر ثابت کافی شرح السنۃ۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب هل يرث المسلم الكافر

کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے | حدیث الباب میں اس کی نفی ہے چنانچہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے، اور اتفاق جانیہن سے ہے کہ ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا، بعض صحابہ اور تابعین جیسے معاذ بن جبل اور سعید بن المسیب وغیرہ فرماتے ہیں کہ کافر تو مسلم کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے حدیث الاسلام یزید ولما ینقص، و الحدیث الاسلام

لہ قال الخطابی فی المعالم ہذا الحدیث غیر ثابت عند اهل النقل، واذالم یثبت الحدیث لم یلزم القول بہ وکان ماذہب الیہ علمۃ العلماء ادلی ۱۱

وزاد علیہ المنذری قال البیہقی لم یثبت البخاری ولا مسلم هذا الحدیث لجماله بعض رواۃ احمد۔



يَعْلُو وَلَا يُعْلَى، كما سيأتي في آخر الباب۔

**مرتد کی وراثت کا مسئلہ** | یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ مرتد کا حکم کیا ہے وہ اپنے مسلم رشتہ داروں کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ سو اس پر تو اجماع ہے کہ مرتد وارث نہیں ہوتا لیکن اس کا عکس یعنی مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مسلم رشتہ دار اس کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ امام مالک و شافعی کے نزدیک وارث نہیں ہوتا، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتد نے جو مال حاصل کیا ہو اپنی ردت کی حالت میں وہ تو میت المال کیلئے ہے اور جو مال اس نے حاصل کیا ہو قبل الارتداد، اسلام کی حالت میں اس کے اندر وراثت جاری ہوتی ہے، امام ترمذی نے بھی اس مسئلہ کو اسی حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن اسامة بن زيد رضي الله تعالى عنهما قال قلت يا رسول الله اين تنزل غدا - في حجة - قال

وهل ترك لنا عقيل منزلاً؟

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی پوری شرح کتاب الحج میں گذر چکی اور وہاں یہ بھی گذر چکا کہ یہ حدیث کتاب الفرائض میں بھی آرہی ہے اور اس کی وجہ بھی گذر چکی، خلاصہ کے طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ جس منزل کا حضور ذکر فرما رہے ہیں اس سے مراد حضور کا جدی مکان ہے جس کو عبدالمطلب نے جب وہ معمر ہو گئے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا تھا جس میں حضور کے والد عبد اللہ بھی تھے پھر اخیر میں وہ مکان ابو طالب کے قبضہ میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ یہ دونوں تو ہجرت کر کے پہلے ہی مدینہ منورہ چلے آئے تھے، اور ابو طالب کی وفات کے وقت علی و جعفر دونوں اسلام لایچکے تھے، وہ دو تو اس مکان کے اس لئے وارث نہ ہو سکے، اور ابو طالب کا ایک تیسرا بیٹا طالب جنگ بدر میں مفقود ہو گیا تھا، البتہ عقیل موت ابو طالب کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اسی لئے تنہا وہ اس کے وارث ہونے لگے مگر انہوں نے اس مکان کو - کہا گیا ہے کہ - فروخت کر دیا تھا اسی کو حضور فرما رہے ہیں کہ عقیل نے ہمارے لئے مکان کہاں چھوڑا ہے، یعنی اگر وہ فروخت نہ کرتے تو پھر منی سے روانہ ہو کر ہم مکہ پہنچ کر اس میں قیام کر لیتے، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ رائے ہوئی کہ منی سے نکلنے کے بعد رات محصب ہی میں گزار دی جائے، پھر صبح کو وہاں سے مکہ روانہ ہو کر صبح کی نماز اور طواف و دایع کرتے ہوئے مدینہ چلے جائیں گے، اس صورت میں قیام مکہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور نہ قیام گاہ کی ضرورت پیش آئے گی

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری

۱۔ اسی سے حدیث کی ترجمۃ البلب سے مناسبت ظاہر ہو رہی ہے ۲۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يتوارث اهل ملتین شتی۔

**حدیث الباب میں مذاہب ائمہ** | توارث کے لئے وارث اور مورث کے درمیان اتحاد ملت بالاتفاق شرط ہے، اس حدیث میں یہی مسئلہ مذکور ہے لیکن اس کے باوجود اس مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف ہے حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک تو یہ ہے الکفر ملۃ واحدة، خواہ وہ کتابی ہو یا مشرک یہودی ہو یا نصرانی ان دونوں کے نزدیک یہ سب ایک ہیں لہذا ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اصل تقابلی اسلام اور کفر کے درمیان ہے وہاں اختلاف ملت ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک ادیان سماویہ جیسے یہودیت اور نصرانیت یہ آپس میں مختلف ہیں لہذا ان میں ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا، اور ادیان غیر سماویہ کے بارے میں امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ اذاع شرک سب ملت واحدة ہیں، اور امام احمد فرماتے ہیں مختلف اذاع شرک مختلف ملل ہیں مثلاً بت پرست اور آتش پرست یہ الگ الگ ہیں لہذا توارث نہیں ہوگا اور امام مالک کے نزدیک توارث ہوگا۔ (من ہامش الکوکب پنہ)

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

ان معاذ قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول الاسلام يزيد ولا ينقص حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اور یہ حدیث اور اس پر کلام ابھی قریب میں گذر چکا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اسی طرح، الاسلام یعلو ولا یعلی۔ اس کا تعلق اسلام کی عزت اور غلبہ سے ہے، میراث سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

### باب فی من اسلم علی میراث

**شرح الترجمہ** | یعنی جو شخص تقسیم میراث کے موقع پر اسلام لے آئے، یعنی موت مورث کے بعد۔ جاننا چاہیے کہ یہ جو ابھی مسئلہ گذرا ہے کہ توارث کے لئے اتحاد ملت شرط ہے اختلاف ملت کے وقت میراث جاری نہیں ہوتی اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ اتحاد ملت وہ مفید اور معتبر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اگر بعد میں اتحاد پایا جائے تو وہ مفید نہیں، اسی طرح اختلاف ملت وہ مضر ہے جو موت مورث کے وقت ہو، اور اگر اختلاف کا تحقق موت مورث کے بعد ہو تو وہ مضر نہیں، اب ہر ایک کو مثال سے سمجھئے اول صورت کی مثال یہ ہوگی کہ ایک مسلمان کا انتقال ہوا اور حال یہ کہ اس کا ایک بیٹا مسلمان تھا اور ایک کافر باپ کے انتقال کے بعد تقسیم میراث سے پہلے وہ دلدار کافر بھی اسلام لے آیا تو یہاں یہ اسلام لانے والا بیٹا وارث نہیں ہوگا، جو پہلے سے مسلمان ہے صرف وہی وارث ہوگا، اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے ایک کافر شخص کا انتقال ہوا جبکہ اس کا ایک بیٹا مسلم تھا اور ایک کافر، تقسیم میراث سے پہلے وہ دلدار کافر بھی اسلام لے آیا،

یہاں پر یہ اسلام لانے والا وارث ہوگا، اور جو پہلے سے مسلم تھا اس کی وراثت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کل قسم قسم فی الجاہلیۃ فهو علی ما قسم، وکل قسم ادرکہ الاسلام فانه علی قسم الاسلام۔

یعنی جس میراث کی تقسیم اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں ہو چکی ہے اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اس میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور جو تقسیم کسی میراث وغیرہ کی اسلام میں داخل ہونے کے بعد کی جائے گی اس کو اسلامی قانون کے مطابق کیا جائے گا اور وہ اسلامی قانون وہی ہے جو اوپر گذرا کہ اتحاد ملت کی صورت میں تواریث ہوتا ہے اختلاف ملت کی صورت میں نہیں۔

والحدیث أخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الولاء

ولاء کی قسمیں مع اختلاف علماء | یہاں مصنف نے ولاء کے سلسلہ میں دو باب ذکر کئے ایک یہ اور دوسرا اس کے بعد۔ باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل۔ اس کے بعد ایک تیسرا باب

دو بابوں کے فصل کے ساتھ آرہا ہے۔ باب نسخ میراث العقب بمیراث الرحم۔ ان تینوں بابوں کا تعلق ولاء سے ہے کیونکہ ولاء کی تین قسمیں ہیں، ولاء العتاقہ، ولاء الاسلام، ولاء الموالاتہ، پہلے باب میں قسم اول مذکور ہے اور دوسرے باب میں قسم ثانی اور تیسرے باب میں قسم ثالث، قسم اول یعنی ولاء العتاقہ یہ تو بالاتفاق معتبر اور ثابت ہے اور قسم ثانی یعنی ولاء الاسلام یہ جمہور علماء و منہم الائمۃ الاربعہ کے نزدیک معتبر نہیں، بعض دوسرے علماء ابراہیم حنفی، سعید ابن المسیب کے نزدیک معتبر ہے، اور تیسری قسم ولاء الموالاتہ یہ حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، عند الجمہور ولاء کی یہ قسم منسوخ ہے

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارادت ان تشتري جاریۃ تعتقها فقال اهلہا نبیعکھا علی ان ولاء ہالن انہ۔

شرار بریرہ والی حدیث پر کلام | حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث شرار بریرہ کے سلسلہ میں آگے کتاب العتق میں باب بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبہ کے ذیل میں مفصلاً

آ رہی ہے اس پر کلام وہیں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس حدیث میں یہ ہے ولاء لمن اعتق جو کہ مسئلہ اجماعی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا آزاد کردہ غلام مر جائے اور وہ اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے تو پھر اس صورت میں اس کی میراث کا مستحق اس کا مولیٰ یعنی اس کا آزاد کرنے والا ہوگا، اس واقعہ میں ایک مشہور اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کو کیسے اجازت دی، شرار بریرہ میں ولاء کی شرط کہ وہ بائع کے لئے ہوگا لگانے کی

اس لئے کہ یہ شرط بالاجماع ناجائز ہے، جواب یہ ہے کہ آپ نے ایسا زجر فرمایا تھا یعنی اس شرط کی اجازت اس کو باقی رکھنے کے لئے آپ نے نہیں دی تھی بلکہ اس کو باطل کرنا مقصود تھا، چنانچہ آپ نے بعد میں خطبہ دیا تھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بیع کے اندر ولار کی شرط لگاتے ہیں، لوگوں کا شرط لگانا باطل ہے وان کان مٹہ شرط، شرط اللہ احق، یہ زیادتی روایات مفصلہ میں ہے، یہاں پر روایت مختصر ہے۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری، واخرجہ الترمذی ایضاً فی آخر کتاب الوصایا مفصلاً و فی بیع الولار و ہبتہ مختصراً۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدك ان رباب بن حذيفة تزوج امرأة فولدت له ثلاثة

غلمة فماتت امهم فوريثوها باعها وولاء موالها۔

**شرح الحدیث والکلام علیہ بالبسط** | یہ حدیث تو ریث الولار کے سلسلہ میں ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص جس کا نام رباب بن حذیفہ ہے اس نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام ام وائل بنت معمر ہے، اس کے اس بیوی سے تین لڑکے پیدا ہوئے کچھ روز بعد ان لڑکوں کی ماں کا انتقال ہو گیا اور وہ لڑکے اپنی ماں کے رباع یعنی مکانات جائداد وغیرہ کے اور اس کے موالی کے ولار کے وارث ہو گئے (یہاں تک تو اس روایت پر کوئی اشکال نہیں، مسئلہ صاف ہے اب آگے سنئے) آگے روایت میں یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لڑکوں کے عصبہ تھے (روایت میں رشتہ کی کوئی تعیین نہیں، ممکن ہے عم یا ابن العم ہوں) تو یہ عمرو بن العاص ان لڑکوں کو اپنے ساتھ سفر میں ملک شام لے گئے، وہاں پر اس زمانہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا یعنی طاعون عمواس جو۔۔۔ تاریخ میں مشہور ہے اور حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا تھا، یہ تینوں لڑکے بھی اس طاعون میں ختم ہو گئے، حضرت عمرو بن العاص جب سفر سے لوٹ کر واپس آئے تو داپسی میں ان کو معلوم ہوا کہ اس عورت یعنی ام وائل کا ایک مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام اور مرا ہے اور اس نے مال بھی چھوڑا ہے، اب اس ولار میں ام وائل کے بھائیوں کا اور عمرو بن العاص کا اختلاف ہوا، یعنی عمرو بن العاص مدعی تھے کہ یہ ولار مجھ کو ملنا چاہئے اور ام وائل کے برادران کہتے تھے کہ اس کے مستحق ہم ہیں اس لئے کہ ہم اس عورت کے عصبہ ہیں جس کے غلام کا یہ ولار ہے، اور عمرو بن العاص کا یہ کہنا تھا کہ میں اس عورت کے بیٹوں کا عصبہ ہوں اگر وہ بیٹے زندہ ہوتے تو اس کے وہ وارث ہوتے تو اب جبکہ وہ نہیں رہے تو ان بیٹوں کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے مجھے وارث ہونا چاہیئے چونکہ یہ واقعہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ کا ہے اس لئے یہ مقدمہ وہاں پیش ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صورت مسئلہ سمجھنے کے بعد یہ فرمایا: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ما حرز الولد او الولد فهو لعصبته من کان۔ یعنی میت کا بیٹا یا والد جو کچھ ترکہ میں حاصل کرے

وہ اس کے بعد اس کے عصبہ کے لئے ہے وہ عصبہ جو بھی ہو، یہاں اس حدیث کی رو سے عصبہ الولد کا مصداق عمرو بن العاص بنتے ہیں چنانچہ حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے حق میں فیصلہ فرمادیا اور اپنے فیصلہ کو لکھ کر جس میں دو شخصوں کی شہادت یعنی عبدالرحمن بن عوف اور زید بن ثابت اور ایک اور تیسرے شخص کی بھی تھی۔

فلما استخلف عبد الملك اختصموا الى هشام بن اسماعيل فرفعه الى عبد الملك۔  
چونکہ اخوة المرأة کو حضرت عمر کے فیصلہ پر تسلی نہیں ہوئی تھی گو خاموش ہو گئے تھے اسی لئے جب عبد الملك بن مروان کا زمانہ آیا تو اس وقت میں امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل تھا لہذا یہ اخوة المرأة اپنا یہ معاملہ اس کے پاس لے گئے، ہشام بن اسماعیل نے یہ قضیہ عبد الملك کے سامنے پیش کیا، عبد الملك نے اس فیصلہ کو سمجھ کر یہ کہا: هذا من القضاء الذي ما كنت اراه۔ بذل میں یہ لکھا ہے کہ اس لفظ ما میں دو احتمال ہیں، یہ کہ زائدہ ہو اور یا نافیہ، زائدہ ہونے کی صورت میں تو مطلب یہ ہوگا کہ میری بھی رائے حضرت عمر کے اسی فیصلہ کے مطابق ہے اور نافیہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عبد الملك یہ کہہ رہا ہے کہ اس فیصلہ میں اگرچہ میری رائے یہ نہیں ہے مگر چونکہ عمر فاروق کا کیا ہوا یہ فیصلہ ہے اس لئے میں اسی کو برقرار رکھتا ہوں۔

فنعن فيه الى الساعلة۔ سخن کا مصداق عمرو بن العاص کی اولاد کہ ہم آج تک اسی فیصلہ پر ہیں، یہ روایت بالتفصیل سنن ابن ماجہ میں ہے جیسا کہ بذل میں اس کو نقل کیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملك نے حضرت عمر کے فیصلہ کی موافقت ہی فرمائی، لہذا ما كنت اراه میں ما نافیہ نہیں ہے بلکہ موصولہ یا زائدہ ہے۔

اس کے بعد سمجھئے کہ یہاں پر روایت میں یہ ہے فقدا عمر بن العاص ومات مولی لہا، یہ جملہ ومات مولی لہا محتاج تاویل ہے ای وقدمات مولی لہا، اور یہ جملہ حالیہ ہے، یعنی عمرو بن العاص جب ملک شام سے واپس آئے تو یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس عورت کا ایک غلام مرچکا ہے یعنی ان لڑکوں کی زندگی میں، اور یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن العاص کے آنے کے بعد اس عورت کے ایک مولی کا انتقال ہوا، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو استدلال اس مقام پر ما احرز الولد سے ہے وہ درست ہو جائے اور اس واقعہ پر منطبق ہو جائے اس لئے کہ ظاہر ہے احرز ولد اس کی حیات ہی میں ہوگا نہ کہ بعد الوفا، یہ اشکال وجواب ابوداؤد کی اس روایت پر تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے، حضرت گنگوہیؒ سے یہ اشکال ایک عالم نے کیا تھا حضرت نے اس کا یہ جواب ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔



اس کے بعد آپ سمجھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا حاصل تو ریثت الولاء ہے یعنی یہ کہ ولار کے اندر بھی میراث جاری ہوتی ہے جس طرح اور دوسرے امور میں جاری ہوتی ہے لیکن جمہور علماء و منہم الائمة الاربعة اس کے قائل نہیں ہیں نعم فی روایۃ عن احمد و کذا روی عن علی دون الخلفاء الثلاثة جیسا کہ ابوداؤد کے ایک نسخہ میں ہے جو بذل الجہود کے حاشیہ پر ہے۔ اس نسخہ کی عبارت یہ ہے: الناس یتہمون عمرو بن شعیب فی هذا الحدیث، قال ابوداؤد: وروی عن ابی بکر و عمر و عثمان خلاف هذا الحدیث الا انہ روی عن علی بن ابی طالب بمثل هذا، جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے، الولاء حتمہ کلمۃ النسب لایباع ولا یورث، یعنی ولار تو ایک قسم کا نسب ہی ہے اور نسب کی بیع یا تو ریثت تھوڑی ہی ہوتی ہے بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ولار مولیٰ کے لئے ہوتا ہے اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اقرب العصبہ الی المولیٰ کے لئے ہے، دوسرے اموال کی طرح اس میں باقاعدہ میراث جاری نہیں ہوتی کہ تمام ورثہ میں تقسیم ہو، امام ابوداؤد کے جواب کا حاصل جو ہم نے حاشیہ سے نقل کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ ثابت نہیں اس لئے کہ یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ہے جس پر کلام مشہور ہے، اور دوسرے اس لئے بھی کہ یہ ایک دوسری مشہور اور صحیح حدیث کے خلاف ہے یعنی الولاء لمن اعتق مگر حضرت گنگوہی کی بعض تصانیف میں یہ ہے کہ حضرت عمر کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے، ما احرز الولد، تو احرار کا تعلق تو ترکہ سے ہوتا ہے ولار سے اس کا تعلق نہیں ہو سکتا اذہو کلمۃ النسب فلا یکن احرارہ مثل النسب، اور وراثت جاری ہوتی ہے مال میں نہ کہ نسب میں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کا تعلق رباع وغیرہ اموال سے ہے ولار سے نہیں ہے اھ قلت لکن فیہ مافیہ۔ یہ حدیث مجھے سبق میں بہت مشکل معلوم ہوئی، الحمد للہ کہ حل ہو گئی۔

والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، واخرجہ النسائی ایضاً مرسلًا، قالہ المنذری۔

### باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل

ان تیمارضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یا رسول اللہ! ما السنۃ فی الرجل یسلم علی یدی الرجل؟ قال

هو اولى الناس بمحياہ ومماتہ۔

شرح الحدیث والکلام علیہ من حیث الفقہ | یعنی آپ سے سوال کیا گیا کہ شریعت کا فیصلہ اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے؟ (ظاہر بات

ہے کہ یہ اس کا احسان عظیم ہے اس نو مسلم پر چنانچہ آگے آپ فرما رہے ہیں) وہ یعنی جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لایا گیا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مستحق ہے اس نو مسلم کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی، جب تمام انسانوں میں سب سے زیادہ وہی اولیٰ اور احق ہے اس نو مسلم کا تو اس کا ولار بھی اسی کے لئے ہوگا جس طرح

آزاد کردہ غلام کا ولا معق کے لئے ہوتا ہے۔

یہ حدیث جو علماء ولا را الاسلام کے قائل ہیں ان کی دلیل ہے جیسے عمر بن عبد العزیز اور سعید بن المسیب وغیرہ کا تقدم فی مبدأ الباب اور جمہور کا استدلال مشہور حدیث الولاء لمن اعترف سے ہے جو کہ متفق علیہ ہے کیونکہ اس حدیث میں حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ولا را کا معق کے لئے ہونا، معلوم ہوا ولا را کا سبب صرف عتق ہے اسلام یا اور کچھ نہیں، اور حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کیا ہے اور دوسرے حضرات محدثین نے بھی، اس میں ایک راوی عبد العزیز بن عمر ہے وہ ضعیف ہے اسی طرح ابن وہب راوی غیر معروف ہے، بخلاف جمہور کی دلیل کے کہ وہ متفق علیہ حدیث ہے، اور دوسرا جواب اس حدیث کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے، ہو سکتا ہے کہ ابتداء اسلام میں آپ نے فرمایا ہو، کیونکہ ابتداء اسلام میں اسلام اور نصرة کی بنیاد پر توارث ہوتا تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا، بعض شراح نے حنفیہ کا مذہب بھی اس حدیث کے موافق لکھ دیا ہے کہ حنفیہ بھی ولا را الاسلام کے قائل ہیں، لیکن یہ نقل مطلقاً صحیح نہیں ہاں اگر اسلام کے ساتھ موالاة اور محالفہ کا بھی اقرار ہو جائے تو امر آخر ہے اس صورت میں ہمارے یہاں یہ معتبر ہوگا اور اس صورت میں اس کے لئے ولا ہوگا، کیونکہ احناف ولا را الموالاة کے قائل ہیں جس کے جمہور قائل نہیں کما تقدم قبل ذلک، خوب سمجھ لیجئے! کذا قال الشيخ فی البذل.

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی بیع الولاء

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن بیع الولاء وعن ہبۃ۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ ولا کی بیع کرتے تھے اور اس کا معاوضہ لیتے تھے، اسلام نے اگر اس سے منع کیا کیونکہ ولا، کوئی مال نہیں ہے کہ اس کی بیع کی جاسکے بل ہو حق من الحقوق فلا یرد علیہ البیع (بذل) یعنی ولا را استحقاق ارث کا نام ہے یعنی معق (آزاد کردہ غلام) کی میراث کا استحقاق جو معق کو حاصل ہوتا ہے عتق کی بدولت، عتق ایک احسان عظیم ہے مولیٰ کی جانب سے اپنے غلام پر تو اس کے صلہ میں شریعت نے معق کو معق کی میراث کا حق عطا کیا تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے آقا کو ملے، جیسے نسب سبب استحقاق ہوتا ہے پس جس طرح نسب سے حق میراث حاصل ہوتا ہے اسی طرح عتق سے حق میراث حاصل ہوتا ہے جس کو ولا سے تعبیر کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے بیع اور ہبہ وغیرہ ہوا کرتی ہے جو اہر کی نہ کہ معانی اور اغراض کی، اصل معنی تو ولا کے ہیں یہ، ویسے اس کا اطلاق اور استعمال میراث المعق پر بھی ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وهذا غایۃ تسہیل لهذا المقام والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری

## باب فی المولود يستهل ثم يموت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا استهل المولود وُرث، استہلال کے اصل معنی تو چاند دیکھنے کے ہیں (رویۃ ہلال) اسکے بعد اس کا استعمال ہو ارفع الصوت میں یعنی چیخنا چلانا، اس مناسبت سے کہ پہلی رات میں چاند کو دیکھ کر لوگ شور کرتے ہیں کہ چاند ہو گیا، پھر اس کے بعد اس کا استعمال آثار حیات اور بچہ کے رونے میں ہونے لگا وہی یہاں حدیث میں مراد ہے۔

حدیث الباب میں اختلاف ائمہ | اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اگر اس میں آثار حیات پائے گئے اور اس دوران میں اس کا کوئی عزیز نزدیک مرا تو وہ مولود اس کا وارث ہوگا اور اگر نہ پائے گئے تو نہیں ہوگا، حنفیہ شافعیہ کے یہاں تو اسی طرح ہے کہ صرف آثار حیات کا پایا جانا کافی ہے، وقال مالک و احمد بشرط الرضا، کذا فی ہامش البذل عن الشعمانی۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے صلوة علی الطفل کا جو کتاب الجنائز میں آرہا ہے، وہ یہ کہ صلوة علی الطفل کے لئے بھی آثار حیات کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک تو وہاں بھی استہلال شرط ہے، امام احمد کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک شرط نہیں، دلیل مسئلہ کی اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تبعا آگیا۔

## باب نسخ میراث العقد بمیراث الرحم

شرح الحدیث وایضاح المسئلة | یہ دلار کے سلسلہ کا تیسرا باب ہے جس کا ذکر شروع میں آچکا، عقد سے مراد عقد موالاة جس کو دلار الموالاة بھی کہتے ہیں، مصنف کا یہ ترجمہ

ائمہ ثلاث کے مسلک کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عقد موالاة کے ذریعہ استحقاق ارث اب نہیں رہا منسوخ ہو چکا میراث رحم کے ذریعہ سے، رحم سے مراد رشتہ اور قرابت ہے، یعنی اقارب کی میراث نے اگر عقد موالاة کی میراث کو منسوخ کر دیا، ناسخ اور منسوخ دونوں کا بیان حدیث الباب میں مذکور ہے، چنانچہ پہلی آیت والذین عاقبت ایمانکم میں میراث موالاة کا ثبوت ہے جیسا کہ ابن عباس فرما رہے ہیں کہ شروع میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص کسی اجنبی شخص کے ساتھ مخالفت یعنی دوستی کا عہد کر لیتا تھا بغیر کسی نسبی تعلق کے اور پھر اس عقد کی وجہ سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا جیسا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایسا ہو چکا ہے، ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس آیت کو سورۃ انفال کی آیت۔ واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض نے منسوخ کر دیا، اور ابن عباس کی اس کے بعد آنیوالی

روایت میں بھی بعینہ یہی مضمون ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں پہنچے تو ان کو انصار کا وارث بنایا جاتا تھا نہ کہ اقارب کو یعنی انصار کے وارث مہاجرین ہوتے تھے بجائے اقارب کے وارث ہونے کے، قلما نزلت هذه الآية ولكل جعلنا موالی مما ترك قال نسختها، یعنی جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی اس نے اس پہلی آیت کو منسوخ کر دیا، اس عبارت میں نسخت کا فاعل یہ آیت ثانیہ یعنی ولكل جعلنا موالی ہے اور ضمیر منصوب راجع ہے آیت اولی، والذین عاقدت ایمانکم کی طرف، اور یہ جملہ بس یہیں پورا ہو گیا ناسخ اور منسوخ دونوں کا بیان آچکا، پھر اس کے بعد دوبارہ جو آیت اور عبارت آرہی ہے والذین عاقدت ایمانکم فالتوہم نصیبکم من النصر والنصیحة الخ اس سے مقصود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ بیان کرنا ہے کہ اس آیت کے منسوخ ہونے کے بعد اب اس آیت کا مفہوم جس پر عمل ہونا چاہیے وہ صرف نصر اور نصیحت باقی رہ گیا وقد ذهب الميراث، یعنی میراث کے بارے میں یہ آیت منسوخ ہو گئی اور باقی نصرت اور تعاون اور خیر خواہی کے بارے میں باقی رہ گئی، یعنی ہر لحاظ سے یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی صرف میراث کے اعتبار سے منسوخ ہوئی اس کی اس طرح وضاحت کرنے کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی کہ بادی الرأی میں عبارت اس طرح ہے نسختها والذین عاقدت ایمانکم، یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخت کا فاعل والذین عاقدت ایمانکم ہے اور تھا ضمیر ولكل جعلنا کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں مطلب بالکل برعکس ہو جاتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، محنت اور غور کرنے کی ضرورت ہے بغیر اسکے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ ابن عباس کی روایت اور جو کچھ انہوں نے نسخ کے بارے میں فرمایا ائمہ ثلاث کے موافق ہے اور ان کی رائے یہی ہے، اس کے برخلاف حنفیہ جو میراث العقد کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ والذین عاقدت ایمانکم اس آیت کے لئے وہ دوسری آیت اولوا الارحام بعضهم ادنی ببعض ناسخ نہیں ہے بلکہ دونوں آیتیں معمول بہا ہیں فرق یہ ہے کہ شروع میں عقد موالاة پر میراث جاری ہوتی تھی اور اقارب کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا، پھر بعد میں جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی تو اس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ اقارب کو تو ریش میں مقدم رکھا جائے عقد موالاة والوں پر یعنی ان کے ہوتے ہوئے مولی الموالاة وارث نہ ہوگا، اور اگر ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو اس وقت مولی الموالاة وارث ہو جائے گا، ذوی الارحام سے مراد اقارب اور رشتہ دار ہیں۔ بکذا ينبغي ان يفهم هذا المقام فانه من عزال الاقدام والحديث اخرجه البخاري والنسائي، قال المنذري۔

عن داود بن الحصين قال كنت اقرأ على ام سعد بنت الربيع وكانت يتيمه في حجر ابوبكر رضي الله عنه  
**مضمون حدیث** | داود بن الحصین کہتے ہیں کہ میں ام سعد کے پاس قرآن پڑھا کرتا تھا اور ان سے سیکھتا تھا اور یہ ام سعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پلی تھیں، چونکہ یہ یتیم ہو گئی تھیں

اس لئے انہی کے یہاں پرورش پائی۔ تو ایک روز جب میں ان کے پاس قرارت کر رہا تھا تو میں نے یہ آیت اس طرح پڑھی۔ والذین عاقدت ایمانکم مزاب مفاعلتہ سے) تو انہوں نے مجھے ٹوکا کہ اس طرح مت پڑھ بلکہ۔ والذین عاقدت ایمانکم پڑھ (یعنی مجرد سے) اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے عبدالرحمنؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب شروع میں عبدالرحمنؓ نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں تجھ کو وارث نہیں بناؤں گا، یعنی تو ہم میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا جب تو اسلام نہیں لا رہا ہے، وہ کہتی ہیں کہ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ اس کو اس کا حصہ دیں اور وارث بنائیں، ام سعد یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اس آیت میں عقد سے مراد حلف ہے اور قسم کھانے والے تنہا ابوبکرؓ تھے تو اس کے لئے لفظ عقد، مناسب ہے نہ کہ عاقدت، کیونکہ باب مفاعلت تو شرکت اور تعدد کو چاہتا ہے۔

یہ ام سعد کی بات ایک لحاظ سے تو اپنی جگہ درست ہے لیکن عاقدت، تو مستقل ایک قرارت ہے ہو سکتا ہے ان کو اس کا علم نہ ہو، آگے روایت میں ہے راوی کہتا ہے فما اسلمہ حتی حمل علی الاسلام بالسیف، راوی عبدالرحمنؓ کے اسلام کا حال بیان کر رہا ہے کہ وہ ابتداء میں تو اسلام لائے نہیں تھے ابتداء میں تو مسلمانوں کے دشمن ہی رہے، مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی (اس لئے کہ یہ جنگ بدر میں مشرکین کیساتھ آئے تھے) ثم هداه اللہ تعالیٰ فاسلم قبیل الفتح۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو اسلام سے سرفراز فرمایا، فتح مکہ سے کچھ پہلے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما..... فكان الاعرابی لا یرث المهاجر ولا یرث المهاجر الا اعرابی کہتے ہیں غیر مہاجر کو یعنی جو شخص اسلام لا کر اپنی ہی بستی میں ٹھہرا رہے اور ہجرت نہ کرے، یعنی شروع میں وراثت کا مدار نسب پر نہیں تھا بلکہ ہجرت و نصرت پر تھا اسی لئے مہاجر انصاری کا اور انصاری مہاجر کا باوجود عدم نسب کے وارث ہوتا تھا، اور مہاجر غیر مہاجر کا باوجود نسب کے وارث نہ ہوتا تھا۔

## باب فی الحلف

یہ حلف کس حار اور سکون لام کے ساتھ ہے بمعنی مخالفت، ففی القاموس: والحلف بالکسر العہد بین القوم اھ اور وہ جو حلف قسم کے معنی میں ہے اس کو قاموس میں تین طرح ضبط کیا ہے حلف اور حلف۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا حلف فی الاسلام۔

شرح الحدیث | زمانہ جاہلیت میں قتال اور غارات اور مظالم پر آپس میں قومیں معاہدہ کیا کرتی تھیں تو ظاہر بات ہے اسلام میں اس کی کہاں گنجائش ہے، اسی کو آپ فرما رہے ہیں۔



لا حلف فی الاسلام وایما حلف کان فی الجاهلیة لم یزده الاسلام الا شدّة۔ زمانہ جاہلیت میں محالفت کبھی خیر اور امور حقہ پر بھی ہوتی تھی، اس جملہ میں آپ اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس طرح کے حلف کو اسلام نے نہیں توڑا بلکہ اور مضبوط کیلئے جو معنی حلف کے ہم نے جملہ ثانیہ میں لئے ہیں اگر یہی معنی فقرہ اولیٰ میں بھی لئے جاتیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اسلام میں امور حقہ اور خیر پر محالفت کی حاجت نہیں بلکہ اخوت اسلامی بذات خود کافی ہے امور خیر پر تعاون کے لئے کذا قالوا۔  
والحدیث اخرجه مسلم قال المنذری۔

### باب فی المرأة ترث من دية زوجها

عن سعید قال کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: الدیة للعاقلة، ولا ترث المرأة من دية زوجها شیئا۔

یعنی شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے تھی کہ مقتول کی دیت عصبہ المقتول کے لئے ہوگی، اور عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث نہ ہوگی، یہاں تک کہ حضرت عمر سے ضحاک بن سفیان نے بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر میرے پاس یہ آئی تھی وَرِثَ امْرَأَةُ أَشِيمِ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا یعنی اشیم ضبابی جب مقتول ہو گئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضحاک کو لکھا کہ ان کی دیت میں سے ان کی بیوی کو بھی وارث بنانا، تو اس پر حضرت عمر نے اپنی سابق رائے سے رجوع فرمایا۔

یہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے صدقات وصول کرنے پر عامل بنایا تھا، اس مسئلہ میں جو رائے حضرت عمر کی تھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی کی رائے بھی وہی تھی، لیکن حضرت عمر کا تو رجوع ثابت ہو گیا جمہور کے مسلک کی طرف ضحاک بن سفیان کی روایت کی وجہ سے۔

دیت کے بارے میں ابتداً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اور پھر اس سے رجوع  
جانتا چاہیئے کہ دیت کا مسئلہ اور قاعدہ عند الجمہور یہ ہے کہ وہ واجب تو ہوتی ہے عاقلہ یعنی عصبہ القاتل پر اور ملتی ہے ورثۃ المقتول کو، اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے جمہور کے خلاف

تھی وہ یہ کہ دیت واجب بھی عاقلہ پر ہوتی ہے اور ملتی بھی ہے عاقلہ ہی کو، تو چونکہ ان کا مسلک یہ تھا اسی کے پیش نظر وہ زوج کی دیت میں سے زوجہ کے حصہ کے قائل نہ تھے کیونکہ زوجہ عاقلہ میں سے نہیں، لیکن جب ان کو ضحاک بن سفیان کی روایت پہنچی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ رائے کیوں تھی کہ دیت میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور وہ ورثہ کو نہیں ملتی بلکہ صرف عاقلہ کو ملنی چاہیئے؟

اس کی وجہ جیسا کہ شراح نے لکھا ہے علی ظاہر القیاس یہ ہے کہ وراثت جاری ہوتی ہے اس مال میں جو ملک میت ہو عند الموت (جیسے عام مال ہوتے ہیں دیت کے علاوہ) اور دیت کا وجوب و ثبوت چونکہ ہوتا ہے موت مقتول کے بعد اور میت میں مالک ہونے کی صلاحیت ہے نہیں اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ دیت میں وراثت بھی نہ ہونی چاہیے، بس صرف عاقلہ کو ملنی چاہیے تحمل دیت کی وجہ سے، یعنی چونکہ عاقلہ ہی قاتل کی طرف سے مقتول کی دیت کے تحمل ہوتے ہیں اس تحمل کی وجہ سے ملنی بھی صرف عاقلہ کو چاہیے، لہذا نہ زوجہ کو ملنی چاہئے نہ اس کے علاوہ دوسرے ورثاء کو، لیکن پھر جب حضرت عمر کو ضحاک بن سفیان کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کا علم ہوا کہ آپ نے دیت زوج میں زوجہ کا حصہ لگانے کو فرمایا ہے تو اس پر انہوں نے اپنی رائے اور قیاس کو ترک کر کے رجوع فرمایا والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

تنبیہ: ضحاک بن سفیان کی یہ روایت حضرت عمر کی رائے دیت زوج کے سلسلہ ہماری سنن کی روایات میں ابو داؤد ترمذی وغیرہ صرف اتنی ہی ہے جس سے بادی الرأی میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ رائے صرف زوجہ سے متعلق ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت عمر کی رائے دیت کے بارے میں مطلقاً یہ تھی کہ وہ للعاقلہ ہے للورثۃ نہیں بخلاف جمہور علماء کے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ دیت واجب تو ہوتی ہے عاقلہ پر اور وراثت میں مستحق ہوتے ہیں اس کے ورثاء، تو گویا حضرت عمر کا اختلاف جمہور سے اصل مسئلہ میں ہے، چنانچہ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۳ میں ہے اسی سلسلہ کی روایات کے ذیل میں علامہ زلیعی نے سنن والی روایت کی تخریج کے بعد مصنف عبد الرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے ورواہ عبد الرزاق فی مصنفہ اخبرنا معمر عن الزہری عن ابیہ عن ابن المسیب ان عمر بن الخطاب قال، ما رمی الدیۃ الا للعصبۃ لانہم یعقلون عنہ، فہل سمع احدکم من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ذلک شیئاً؟ فقال الضحاک بن سفیان الکلابی وکان علیہ السلام استعمل علی الاعراب۔ کتب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اؤرث امرأۃ اشیم الضابی من دیتہ زوجہا، فاخذ بہ عمر اھ اور اسی طرح موطا محمد میں، باب الرجل یرث من دیتہ امرأۃ والمرأۃ یرث من دیتہ زوجہا، میں روایت اس طرح ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نشد الناس بمنی: من کان عنده علم فی الدیۃ ان ینجزی بہ، فقام الضحاک بن سفیان فقال: کتب الخ۔ اور یہ جو ان روایات میں زوجہ کی تخصیص ہے اس کا منشا بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت عمر سے منی میں اپنے لئے دیت زوج میں سے حصہ کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ التعلیق المجدد میں ہے عن سعید قال جارت امرأۃ الی عمر تسألہ ان یؤرثہا من دیتہ زوجہا فقال ما اعلم لک شیئاً، فنشد الناس الحدیث۔ پھر اس کے بعد اسی

حاشیہ میں وہ روایت بھی مذکور ہے جو شروع میں نصب الرایۃ سے ہم نے نقل کی، تبہنی علی هذا التفصیل وان اختلف  
عمریس فی ہذہ الجزیۃ فقط بل فی اصل المسئلۃ عزیزی المولوی حبیب اللہ المظاہری الجبار فی ثم المدنی جزاء اللہ تعالیٰ خیراً۔

### الحزب کتاب الفرائض

مسائل میراث کی تفصیل مستقل ایک فن ہے جو اس فن کی کتب میں مسطور و مذکور ہے، لیکن اس فن کی جو بنیاد ہے یعنی قرآن کریم  
کی آیات المیراث جی جہا کہ کم از کم ان آیات میں مذکور ورثہ اور ان کے حصص ہم اپنی اس کتاب میں ذکر کریں۔ تاکہ بنیاد علم میں آنے  
کے بعد پڑھنے والوں کو مزید تفصیل معلوم کرنیکا شوق پیدا ہو، اور اس طور پر حدیث شریف تعلیم الفرائض و علوہا الناس فابہا  
نصف العلم پر عمل کی توفیق میسر ہو جائے، واللہ الموفق۔ بندہ نے یہ خدمت اپنے مدرسہ کے بعض فضلاء کو سونپی، ماشاء اللہ وہ  
اس کو بحسن و خوبی لکھ کر لاتے جو حاشیہ میں درج ہے۔

۱۔ وراثت کے سلسلہ میں زمانہ قدیم ہی سے معاشرہ کے اندر پائی جانوالی زیادتیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اس مسئلہ کو بہت  
اہمیت اور خاصی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ نساء کی آیت ۱۱، ۱۲، اور ۱۷ کے تحت اس مسئلہ کی بنیادی تفصیل انتہائی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، مناسب  
معلوم ہوتا ہے کہ کتب تفسیر و فقہ کی روشنی میں مختصر تشریحات کیساتھ ان آیات میں مذکور حصص اور ان کے مستحقین کو یہاں ترتیب کیساتھ  
ذکر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا آیات میں سب پہلا حکم یہ ہے کہ میت کے کل مال سے اولاً اس کے دین ادا کئے جائیں اور اس سے بچے  
ہوئے مال کے تہائی سے تنفیذ وصیت کی جائے۔

چنانچہ آیت ۱۱، اور ۱۲ دونوں ہی میں کچھ کچھ حصص اور ان کے مستحقین کے ذکر کے بعد ارشاد ہے: **من بعد وصیۃ یوصی بہا**  
**اودین،** کہ یہ سب تقسیم میراث دین کی ادائیگی اور تنفیذ وصیت کے بعد ہو۔

پھر ان آیات میں حصے کل چھ بیان کئے گئے ہیں: نصف (کل مال کا آدھا) ربع (چوتھائی) ثمن (آٹھواں) ثلثان (دو تہائی)  
ثلث (ایک تہائی) سدس (چھٹا حصہ)

اور ان کے مستحقین سات طرح کے ہیں: اولاد (جس میں مذکور وراثت ساری فروع داخل ہیں، یعنی بیٹے، بیٹیاں، پوتے  
پوتیاں، اسی طرح نیچے تک۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اپر والی فرع کی موجودگی میں نیچے کی فروع محروم رہیں گی، جیسے بیٹے بیٹیوں کی  
موجودگی میں پوتے پوتیاں) باپ (اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا، اسی طرح ادپر تک) ماں (اور اس کے نہ ہونے کی صورت  
میں دادی اور نانی جو ایک درجہ میں ہیں اسی طرح ادپر تک، لیکن ان میں جو اقرب الی اللیت ہو وہ بعد الی اللیت کیلئے واجب ہوگی)  
شوہر، بیوی، اخیانی (ماں شریک) بھائی بہن۔ حقیقی (ماں باپ دونوں) و علانی (صرف باپ شریک) بھائی بہن۔

مذکورہ حصص اور ان کے مستحقین کی تفصیل حسب تصریح قرآنی اس طرح ہے: اولاد۔ ان کے وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں  
(۱) مذکور وراثت دونوں ہوں تو اس صورت کیلئے حکم ہے: **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**، کہ مذکور وراثت

اور مؤنث کو ایک حصہ ملے گا (۲) صرف ایک مؤنث ہو تو ذات کانت واحدۃ فلہا النصف کی بنا پر نصف ترکہ کی سستی ہوگی۔  
(۳) اگر مؤنث اولاد نہ دیا اس سے زائد ہو تو فان کن نساء فوق اثنتین فلہن ثلثا ماترک کی وجہ سے دو تہائی مال کی سستی ہوگی  
(واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دعو سے زائد کے لئے ہے لیکن اقتضاء النفس اور احادیث سے دعو کے لئے بھی یہی حصہ ثابت  
ہوتا ہے، تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے) (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ وارث صرف مذکر اولاد ہو (ایک یا زائد)

وہ عصبہ ہونے کی بنا پر ذوی الفروض سے بچے ہوئے کل مال کی سستی ہوگی (کتب تفسیر و سراجی)

باب :- اس کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اگر اس کے ساتھ میت کی کوئی اولاد مذکر بھی ہو (خواہ مؤنث ہو یا نہ ہو) تو  
اس صورت میں ولایہ لکل واحد منہما السدس ماترک ان کان ولد کی وجہ سے وہ کل مال کے چھٹے حصہ کا سستی ہوگا (۲) اولاد مذکر نہ  
ہونے کی صورت میں جبکہ اولاد مؤنث ہو (ایک یا متعدد) باپ بطور فرض کے ایک سدس کا اور بطور عصبہ کے بچے ہوئے کل مال کا سستی ہوگا۔  
(۳) اور میت کی کسی بھی قسم کی اولاد نہ ہو تو ذوی الفروض سے بچا ہوا کل مال باپ کو طے کا تقصیب کی بنا پر ان دونوں صورتوں کا حکم کتب تغیر  
اور کتب فقہ میں دیکھئے)

ماثل :- (۱) میت کی اولاد (مذکر و مؤنث) میں سے کسی کے بھی ہوتے ہوئے سدس کی سستی ہوگی ارشاد ہے "ولا یورث لکلی واحد  
منہما السدس" (۲) میت کے بھائی بہنوں میں سے دیا اس سے زائد کیساتھ ہو جب بھی اسے سدس ملے گا: فان کان لہ اخوة فلا ھ  
السدس" (۳) نہ میت کی کوئی اولاد ہو نہ بھائی بہنوں میں سے دو کا انصاف ہو تو فان لم یکن لہ ولد و ورثہ ہوا فلا ھ الثلث  
کے حکم کے مطابق ثلث دیا جائیگا (پھر اس ثلث میں کچھ اختلاف ہے کہ کس صورت میں کل مال کا تہائی دیا جائیگا، اور کب ثلث باقی کی سستی ہوگی)  
شوہر :- (۱) اگر بیوی کسی بھی طرح کی اولاد چھوڑ کر مری ہے، خواہ اسی شوہر سے یا کسی اور شوہر سے تو فان کان لہن ولد فلکھ  
الرابع ماترک کی بنا پر شوہر جو تہائی مال کا سستی ہوگا (۲) اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو نصف ملے گا، لقولہ تعالیٰ  
ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولد

بیوی :- (۱) اگر بیوی کے ساتھ مرنے والے شوہر کی کوئی اولاد بھی ہو تو فان کان لکم ولد فلہن الثمن کے مطابق بیوی  
کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا (۲) اور اگر اولاد نہ ہو تو اسکے حصہ میں جو تہائی آئیگا ولہن الرابع ماترک ان لم یکن لکم ولد  
تنبیہ :- اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو (اور اس کے حقیقی و علائی و اختیانی بھائی بہنوں میں سے کوئی ہو) تو ایسی میت کو "کلالہ" کہتے  
ہیں، ان امر و ھلک لیس لہ ولد سے یہی مراد ہے۔

حقیقی و علائی بھائی بہن :- (۱) اگر میت (کلالہ) مذکر ہو اور اسکی حقیقی و علائی صرف ایک بہن ہو تو اسے کل مال کا آدھا ملے گا۔  
"ولہ اخت فلہا نصف ماترک" (۲) اور اگر دوا اس سے زائد بہنیں ہوں تو دو تہائی مال کی سستی ہو کر اس میں برابر کی شریک  
ہوں گی، فان کانت اثنتین فلہن ثلثا ماترک

واضح رہے کہ یہاں عبارتہ النص اگرچہ دو ہی کے لئے ہے لیکن اقتضاء النص کی روشنی میں قیاساً علی الاولاد الاناث اور

بطریق اولیت دو سے زائد کے لئے بھی یہی حکم ہے (دیکھو کتب تفسیر وفقہ) (۲) اور اگر میت مؤنت ہے اور ورثہ میں صرف بھائی ہیں (خواہ ایک ہوں یا زیادہ) وہ بطور عصہ کے کل مال کے مستحق ہوں گے۔ وہ مورثہ ان لم یکن لها ولد۔ (۳) اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو سب عصہ بنیں گے، اور بھائی دو دو، بہنیں ایک ایک حصہ کی مستحق ہوں گی۔ ارشاد ہے:۔ وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حظ الانثیین۔

تنبیہ:- علاقائی و حقیقی بھائی بہنوں کا حکم تقسیم میراث میں ایک ہی ہے، لیکن حقیقی بھائی علاقائی بھائی بہنوں کے لئے واجب اسی طرح حقیقی بہن بھی جب کہ وہ میت کی اولاد انات کی وجہ سے عصہ ہو۔ اور ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاقائی بہنوں کو سدس ملے گا تملک للثلاثین۔

اخئیانی بھائی بہن:- (۱) ماں شریک بھائی بہنوں میں سے اگر کوئی تنہا ہو تو اس کو سدس ملے گا۔ ولہ اخ اوأخت للکل واحد منہما السدس۔ (۲) اور اگر ایک سے زائد ہو خواہ صرف بھائی یا صرف بہنیں یا مخلوط ہوں تو ان کے لئے ثلث مال ہوگا، جس میں وہ برابر کے شریک ہوں گے۔ فان كانوا اكثر من ذلك نہم شركاء فی الثلث۔

تنبیہ:- (۱) یہاں آیت کریمہ میں۔ ولہ اخ اوأخت۔ سے اخئیانی بھائی بہن مراد ہیں، جیسا کہ بعض صحابہ کی قرآنہ میں من ام۔ کی زیادتی وارذ بھی ہوئی ہے، اور اس کی یہی تفسیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی بھی ہے۔ (ابن کثیر) (۲) اخئیانی بھائی بہن حصص میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ نہم شرکاء فی الثلث۔ کے اطلاق کی وجہ سے، لہذا۔ للذکر مثل حظ الانثیین۔ کا کلیہ ان پر جاری نہ ہوگا۔ (دیکھو کتب تفسیر اور سراجی وغیرہ)

(۳) حقیقی و علاقائی بھائی بہن اسی طرح میت کے اصول مذکور اور فردع مطلق یہ سب کے سب اخئیانی بھائی بہنوں کیلئے واجب ہیں خاتمہ۔ میراث کے حصص اور ان کے مستحقین کا یہ ایک اجمالی بیان ہے، جو قرآن کریم کے عبارت النص کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شریعت کے اصول چار ہیں (جن سے ثابت شدہ احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہے) تو کسی بھی مسئلہ کی مکمل وضاحت ان چاروں اصول کی مراجعت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ لہذا مسئلہ میراث میں بھی مزید تفصیل و توضیح کے لئے اس فن کی مستقل کتابوں (مثلاً سراجی وغیرہ) کی طرف مراجعت ناگزیر ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## اَوَّلُ كِتَابِ الْخِرَاجِ وَالْفَيْ وَالْاِمَارَةِ

اس کتاب کی مناسبت ماقبل میں کتاب الجہاد سے ظاہر ہے اس لئے کہ جہاد کے ذریعہ جو زمینیں فتح کی جاتی ہیں بعض تو ان میں سے خراجی ہوتی ہیں اور بعض عشری اس لئے ضرورت پیش آتی خراج و عشر وغیرہ کے احکام بیان کرنے کی، اور چونکہ ان تمام چیزوں کے انتظام و انصرام کے لئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے مصنف نے امارت کو بھی ترجمۃ الباب میں لے لیا، نیز فی سے مراد مصنف کی طرف ہی نہیں ہے بلکہ غنیمت بھی اس میں شامل ہے اس لئے کہ مصنف نے اس کتاب میں غنیمت اور خمس غنیمت کے مصارف سب کچھ بیان کئے ہیں اور ایسے ہی خراج کے ساتھ جزیرہ کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب الخراج کا موضوع اور حاصل | جانتا چاہیے کہ خراج جو کہ زمین کے ٹیکس کا نام ہے اور جزیرہ یوں سمجھئے جان کے ٹیکس کا نام ہے جو ان کفار (ذمیوں) سے لیا جاتا ہے جو ہمارے ملک دارالاسلام میں رہتے اور بستے ہیں، یہ سب چیزیں ملک کے اندر کی آمدنیاں ہیں تو کتاب الخراج میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً جزیرہ کس کس سے لیا جائے گا اور کتنی مقدار میں لیا جائے گا اور کس زمین سے خراج لیا جائے گا، اور کس سے عشر لیا جائے گا اور پھر ان سب چیزوں کو وصول کرنے کے بعد ان آمدنیوں کے مصارف کیا ہوں گے، کون سے مال کو کہاں اور کس ضرورت میں خرچ کیا جائے گا، گویا کتاب الخراج کے موضوع کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسلام کے نظام اقتصادی کا ایک حصہ و شعبہ ہے اور اس موضوع پر علماء نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں، مثلاً، کتاب الخراج للامام ابی یوسف، الخراج لیسعی بن آدم، الاموال لابن عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال

لہ اور کتاب الجہاد کے بعد متصلاً جو ابواب و کتب گذریں اضحیہ، صید، وصیۃ، فرائض یہ سب بھی جہاد سے مربوط ہیں،

ادنی تامل سے ربط سمجھ میں آجائے ۱۲۔

لرنجیہ وغیرہا، اور ہمارے زمانہ کے مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاری ناظم جمعیتہ العلماء ہند جو بڑے جید عالم اور بہت سی تصانیف کے مصنف ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہی، اسلام کا اقتصادی نظام ہے، چنانچہ مولانا نے اپنی اس تصنیف میں مذکورہ بالا قدیم تصنیفات سے ہی اپنی یہ کتاب ترتیب دی ہے چنانچہ اس میں جا بجا ان کتابوں کا حوالہ ہے اور ان کے اقتباسات درج ہیں، اسی طرح مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب، اسلامی معاشیات، بھی اسی موضوع پر ہے، لہذا الوداؤد کی اس کتاب الخراج کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے طلبہ حدیث کو اردو کی ان تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ موجب بصیرت ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔

### باب ما یلزم الإمام من حق الرعیۃ

اس باب میں مصنف نے یہ مشہور حدیث الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ذکر فرمائی ہے، یہ حدیث بہت اہم ہے ہر بڑے کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملہ میں یہ پیش نظر رکھنے کی ہے، خواہ وہ پورے ملک کا ذمہ دار ہو یا کسی ادارہ کا یا کسی محکمہ کا یا اپنے گھر ہی کا، سب کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب ما جاء فی طلب الامارۃ

یہ امارت بکسر البعزہ ہے، اور جو امارت بفتح البعزہ ہے اس کے معنی علامت کے ہیں، حدیث الباب میں طلب امارت سے روکا گیا ہے، اور آپ نے فرمایا کہ جو عہدہ اور امارت طلب کر کے حاصل کیا جائے اس میں آدمی کی من جانب اللہ تعالیٰ اعانت نہیں ہوتی، کیونکہ طلب کرنا مقصود ہے اپنے نفس پر اعتماد کو، اللہ تعالیٰ کی نصرت ہوتی ہے اظہار احتیاج و افتقار پر۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مختصراً ومطولاً بخوہ، قالہ المنذری۔

عن ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع رجلین الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ  
اس روایت کا مضمون اور حوالہ ہمارے یہاں کتاب الطہارت، باب کیف یستاک، کے ضمن میں گذر چکا اس کو  
دیکھا جائے، اس حدیث میں ایک لفظ یہ ہے فقال ان اخوتکم عندنا من طلبہ، اخون خیانت سے اسم  
تفضیل ہے یعنی عہدہ عمل کو طلب کرنا لایم میں سب سے بڑا خائن ہے۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم، قالہ المنذری، زاد الشیخ محمد عوامہ النسائی ایضاً۔

### باب فی الضریر یؤتی

یعنی نابینا شخص کو امور مسلمین میں سے کسی کام پر والی اور ذمہ دار بنانا۔

عن انس رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم استخلف ابن ام مكتوم على المدينة موتين۔ ابن ام مكتوم کو آپ نے مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا دوسرے مرتبہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ولایت ولایت عامہ نہ تھی، احکام اور قضایا پر، بلکہ صرف نماز کے بارے میں تھی، اور یہ آپ کی جانب سے ان کا اکرام تھا اس خاص واقعہ کی بنا پر جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں تنبیہ کی گئی تھی (عبس وتولى ان جاره الاعی) حافظ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول غزوات میں تشریف لے جاتے وقت ان کو اپنا نائب بنانے کا تھا نماز کی امامت میں، اور یہ استخلاف ان کے حق میں تیرہ مرتبہ پیش آیا، ان سب غزوات کا نام بذل میں مذکور ہیں، اس کے بعد حافظ لکھتے ہیں کہ وہ جو اس روایت میں استخلاف مرتین مذکور ہے وہ راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا۔

### باب فی اتخاذ الوزير

یعنی خلیفہ کے لئے ایک وزیر بھی ہونا چاہیے اور وہ کیسا ہونا چاہیے وہ آگے حدیث میں آرہا ہے۔ وزیر "وزر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں، وزیر اس شخص کو کہتے ہیں جو امیر کا بوجھ اٹھائے اور جو ذمہ داریاں امیر نے رکھی ہیں اس کے ساتھ بوجھ اٹھانے میں وہ بھی شریک ہو، نفی الجمع، الوزير من یوازر الامیر فیمحل عنه ما حملة من الاثقال، الی آخر ما فی البذل۔ اس باب میں مصنف نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون واضح ہے۔

### باب فی العرافة

عرافہ کہتے ہیں عمل العریف کو، عریف یعنی چودھری اور اپنی قوم کا ذمہ دار، عرافت چودھراہٹ۔

انفلحت یا قد یران مت ولم یکن امیرا ولا کاتباً ولا عریفا۔

قدیم مصغر ہے مقدم کا، بحذف الزوائد، مطلب ظاہر ہے

عن رجل عن ابیه عن جدہ انہم كانوا علی منہل من المناہل فلما بلغہم الاسلام جعل

صاحب الماء لقومہ مئة من الابل علی ان یسلموا فاسلموا

لہ اور یہ اسلئے کہ امارت عامہ اور امامت کبریٰ کے لئے کمال خلعت شرط ہے، نفی ہامش البذل: قال الموفق (فی شرائط الامارة) بشرط

کمال الخلة۔ فیکون متکلماً بصیراً، وقال بعض اصحاب الشافعی یجوز ان یکون اعمی لان شعباً علیہ السلام کان اعمی الخ و فی المدایہ، بشرط

فیہ شرائط الشهادة، وقال فی باب الشهادة: لا تقبل شهادة الاعی ۱۲۔

اس حدیث کا راوی صحابی اور اس سے نیچے کاراوی دونوں تینوں مجہول ہیں۔

**مضمون حدیث** | مضمون حدیث یہ ہے ایک نامعلوم الاسم صحابی کہتے ہیں کہ ہم اور ہماری قوم ایک چشمہ پر آباد تھے جب ان لوگوں کو اسلام کی خبر پہنچی تو صبا خب المار یعنی اس چشمہ پر جو قوم آباد تھی اس کے چودھری نے اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم سب اسلام لے آئے تو میں تم کو سوا دنٹ دوں گا، اس پر وہ سند۔ لوگ اسلام لے آئے اور اس چودھری نے سوا دنٹ بھی ان پر تقسیم کر دیئے، لیکن پھر بعد میں اس کی رائے اپنے ہمہ سے رجوع کرنے کی ہوئی، تو رجوع سے پہلے اپنے بیٹے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور اس بیٹے سے یہ بات کہی کہ آپ کی خدمت میں جا کر یہ کہنا کہ میرے باپ نے آپ کو تسلیم غرض کیا ہے اور پھر اس واقعہ کا ذکر کرنا قوم کے اسلام لانے اور ان پر اونٹ تقسیم کرنے کا، اور یہ پوچھنا کہ اب اس کی رائے اس میں رجوع کی ہو رہی ہے تو کیا اس کے لئے رجوع کرنے کا حق ہے؟ اور کہا کہ آپ اس کا جو بھی جواب دیں ہاں یا نہیں اس کو سنکر دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ میرا باپ اب بوڑھا ہو گیا اور وہ ان چشمہ والوں کا عریف ہے، تو وہ آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھ کو میرے باپ کی جگہ عریف بنادیں، چنانچہ اس کا بیٹا ان سب باتوں کو لیکر حضور کی خدمت میں پہنچا، اور اولاً اپنے باپ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا: **وعلیک وعلى ایک السلام۔**

**رجوع فی الہبہ کے جواز کی دلیل** | اس کے بعد قوم کے اسلام لانے کا اور ان کو سوا دنٹ دینے کا، اور پھر اس بہہ میں رجوع کرنے کا ساری بات اس نے حضور سے عرض کی، آپ نے فرمایا کہ وہ اونٹ ان کو دینا چاہے دے، اور رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے پھر اگر وہ اسلام پر باقی رہتے ہیں نبھا، ان کا اسلام ان کو مبارک، اور اگر اسلام سے پھریں تو ان سے قتال کیا جائے، اس کے بعد اس نے عرفات کے بارے میں دریافت کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ عرفات برحق ہے، کوئی ناجائز چیز نہیں ہے بلکہ لوگوں کے لئے عرفاء کا ہونا ضروری بھی ہے۔ **لکن العرفاء فی النار۔** لیکن یہ عریف لوگ جہنم میں جائیں گے۔ آپ کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ یہ چودھری لوگ جو ہوتے ہیں اپنی چودھراہٹ میں عام طور پر لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

والحدیث سکت علیہ المنذری، وعزاه المزی الی التسانی، وفیہ طرف سیر منہ، وهو عند المصنف ایضاً (۵۱۸۹) قالہ شیخ

محمد عوامہ۔

## باب فی اتخاذ الکاتب

کتاب الخرج کی سرخی میں چونکہ فی اور امارت کا بھی ذکر ہے اسلئے بہت سی چیزیں امارت سے بھی متعلق بیان کی جا رہی ہیں، اس باب میں یہ کہہ رہے ہیں کہ امیر کے لئے ایک کاتب اور ششی کی بھی ضرورت ہے اس کو بھی رکھنا چاہیئے

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: السَّجِّلُ كَاتِبٌ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ  
قرآن کریم میں جو آیت ہے یوم نطوى السماء كطی السجل للکتاب۔ اس کے بارے میں ابن عباس فرما رہے ہیں کہ اس  
آیت میں سجل سے مراد وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا۔ اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب  
یہ ہوگا کہ ہم بروز قیامت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح سجل کاتب لکھائی سے فارغ ہونے کے بعد  
تمام منتشر اوراق کو یکجا لپیٹ کر رکھ دیا کرتا ہے، سجل کی تفسیر میں دو قول اور ہیں، قیل اسم ملک (ایک فرشتہ کا  
نام ہے) وقیل اسم الصیفة، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح بڑے رجسٹر میں اوراق سمیٹ کر رکھ دیئے  
جاتے ہیں اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے، ان اقوال میں آخری قول کو اصرح کہا گیا ہے۔  
آپ کے کاتبین کے اسماء | یہاں پر بذل الجہود میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین کی تعیین  
اور ان کے اسماء مذکور ہیں، بیش نام اس میں مذکور ہیں۔

### باب فی السعیۃ علی الصدقة

یعنی صدقات اور ایسے ہی خراج وغیرہ وصول کرنے کے لئے مستقل آدمی کی ضرورت ہوتی ہے لہذا امیر کے فرائض  
میں سے عاملین کو بھی مقرر کرنا ہے، حدیث الباب میں دیانت دار عامل کی فضیلت اور اس کا ثواب مذکور ہے،  
العامل علی الصدقة بالحق کالغازی فی سبیل اللہ حتی یرجع الی بیتہ۔ یعنی ان عاملین کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے  
جس طرح مجاہدین کو سفر جہاد میں ملتا ہے، گھر لوٹنے تک ملتا ہی رہتا ہے۔ قلت ومشکہ سفراء المدارس فی هذا الزمان،  
بشرطیکہ پوری دیانتداری اور محنت سے کام کریں والاعمال بالنیات۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قال المنذری۔

لا یدخل الجنة صاحب مکس۔

شرح الحدیث | (مکس) یعنی ٹیکس اور صاحب مکس کو مکس کہتے ہیں، دھواغشار، یعنی چنگی پر بیٹھنے والے جو مال لیکر  
گزر نیوالوں سے ٹیکس وصول کرتے ہیں، بظاہر اس حدیث میں ان ٹیکسوں کا ذکر ہے جو خلاف  
شرع طریقہ پر حکومتیں رعایا سے وصول کرتی ہیں، اور جن لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے وہی صاحب مکس ہیں  
تو جب صاحب مکس گنہ گار ہے تو وہ امیر جس کے حکم سے وہ ٹیکس وصول کر رہا ہے بطریق اولیٰ عاصی اور گنہگار  
ہوگا، اور عشر وغیرہ جو شرعی قاعدہ کے مطابق وصول کئے جاتے ہیں وہ اس سے مراد نہیں، اس کی فضیلت تو اوپر  
والی حدیث میں گزر ہی چکی ہے کہ وہ بمنزلہ غازی کے ہے۔ (بذل)



## باب فی الخلیفۃ یتخلف

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال عمرانی ان لا یتخلف فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم لم یتخلف وان یتخلف فان ابابکر قد استخلف۔

شرح الحدیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میرے والد عمر نے فرمایا یعنی اپنے مرض الوفا میں۔ کہ اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں (تب بھی ٹھیک ہے) اس لئے کہ ابوبکر نے خلیفہ بنایا تھا، آگے یہ ہے، ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے اس جملہ سے میں کچھ گیا کہ وہ حضور کے طرز عمل کو ابوبکر کے عمل کے برابر نہیں رکھیں گے بلکہ یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو ترجیح دیں گے۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے، صحیح مسلم میں مفصل ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے تو فرمانے لگے اتھل امر کم حیثاً ومیتاً کہ تمہارا ابوجہ زندگی میں بھی اٹھاؤں اور مرنے کے بعد بھی، لودوت ان حظی منها الکفاف لاعلی ولائی، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ اس خلافت میں برابر سرا برا ہو جائے، نہ مجھے اس پر کچھ ملے، اجر وثواب، اور نہ کچھ مواخذہ ہی ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں معاملہ برابر سرا برا نہ مل جائے تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں، اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس خشیت ولہیت کا، ساتھ میں امید ورجاء غفوی بھی ہے الایمان بین الخوف والرجاء۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خلیفہ پر اپنی زندگی میں نہ استخلاف واجب ہے نہ ترک استخلاف، دونوں صورتیں اس کے لئے جائز ہیں اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ خلافت کا انعقاد خلیفہ اول کے استخلاف سے بھی ہو جاتا ہے اور اگر وہ استخلاف نہ کرے تو پھر ارباب حل وعقد کے اختیار کرنے سے اس کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور اس کے جواز پر بھی اجماع ہے کہ خلیفہ اول امر خلافت کو کسی جماعت کے سپرد کر دے، کما فعل عمر بالشتہ، نیز وہ لکھتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کے موقع پر ابو لؤلؤہ مجوسی کے حملہ کے بعد انتقال سے پہلے خلافت کے مسئلہ کو چھ صحابہ کرام کے مشورہ پر محول فرمادیا تھا، عثمان و غلی، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ یہ آپس میں مشورہ سے جس کو مناسب سمجھیں اسکو خلیفہ بنادیں، چنانچہ مشورہ کے وقت میں یہ ہوا کہ ان میں سے پانچ حضرات نے عبدالرحمن بن عوف کو حکم بنادیا کہ وہ اپنی رائے سے جس کو مناسب سمجھیں طے فرمادیں انہوں نے حضرت عثمان کو انتخاب فرمایا، صحابہ کرام کی ایک جماعت کی موجودگی میں، اور حضرت عمر کی وفات کے تین دن بعد لوگوں کی بیعت ہوئی (نبراں شرح عقائد)

کسی خلیفہ کی خلافت پر تصریح نہیں فرمائی اور یہ تمام اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس اجماع کی بعضوں نے مخالفت کی ہے، چنانچہ بکر ابن اخیت عبدالواحد نے دعویٰ کیا ابوبکر کی تنصیف پر، اور ابن الروندی نے عباس کی تنصیف پر، اور شیعہ اور روافض کہتے ہیں علی کے بارے میں، وھذہ دعادی باطلہ جسارۃ علی الافترار الی آخر ما ذکر (مسلم ج ۲ ص ۱۷۱)

والحدیث أخرجه مسلم والترمذی، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی البیعة

قالت ما من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدۃ امرأۃ قط الا ان یاخذ علیہا فاذا احدث علیہا فاعطمتہ قال اذہی فصد با یعتک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بیعت النساء کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بوقت بیعت اپنے دست مبارک سے کسی بھی عورت کو نہیں چھوا، بس آپ زبانی عہد لیتے تھے، زبانی عہد کو جب وہ قبول کر لیتی تھی تو آپ اس سے فرمادیتے تھے کہ بس اب چلی جا میں نے تجھے بیعت کر لیا۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

حدثنا ابو عقیل زھرة بن معبد عن جندۃ عبد اللہ بن ہشام

مضمون حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ بن ہشام جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اپنے بچپن میں ان کو ان کی والدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، اور کہا یا رسول اللہ اس کو بیعت کر لیجئے، آپ نے فرمایا: ہو صغیر فمسح رأسہ، یعنی آپ نے ان کی بیعت سے عذر فرمادیا کہ یہ ابھی بچہ ہے البتہ اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیر دیا۔

بیعت چونکہ ایک خاص قسم کا مجاہدہ ہے جو باب تکلیف سے ہے اور نابالغ غیر مکلف ہوتا ہے اسلئے آپ نے بیعت نہیں کیا۔

والحدیث أخرجه البخاری، قال المنذری۔

## باب فی آرزاق العمال

آرزاق یعنی وظائف جو عمال کو بیت المال سے دیئے جاتے ہیں۔

من استعملناہ علی عمل فرزقناہ رزقا فما احدث بعد ذلک فهو غلول۔

آپ فرما رہے ہیں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کی جو خواہ اور وظیفہ ہم مقرر کریں وہ تو اس کے لئے حلال ہے

اس سے زائد سے جو وہ لے گا تو وہ غلول اور خیانت ہوگا۔

من کان لنا عاملاً فليكتب ذریعۃ۔

جس شخص کو ہم عامل بنائیں تو اس کو چاہیے کہ اپنا شادی کر لے یعنی بیت المال کے خرچہ سے اور ایسے ہی اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو ایک خادم بیت المال سے حاصل کر لے، اور رہنے کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مسکن کا انتظام کر لے۔

## باب فی ہدایا العمال

یعنی عمال جب صدقات وصول کرتے جائیں اور صدقات کے علاوہ ان کو کہیں سے ہدیہ میں کچھ ملے تو اس کا کیا حکم ہے، ابن عبد البر کی التہذیب میں ہے کہ ہدایا العمال عند الجمهور فی حکم الفی ہیں، لہذا ان کو بیت المال میں داخل کرنا چاہیے، بخلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی خدمت میں جو ہدیہ پیش ہو وہ آپ کے لئے ہے۔ (ہامش البذل، وحکذا فی السیر الکبیر۔)

تنبیہ: بعینہ یہی ترجمہ باب فی ہدایا العمال آگے، کتاب القضاء میں بھی آرہا ہے، وہاں مصنف نے ایک دوسری حدیث ذکر کی:

عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعمل رجلاً

من الازدی قال لہ ابن اللتیبة قال ابن السرح ابن اللتیبة علی الصدقة الخ۔

**شرح الحدیث** | اس رجل ازدی عامل کا نام عبد اللہ ہے، یہاں نسبت ماں کی طرف ہے، بنو لُثب ایک قبیلہ ہے نام اس کی ماں کا معلوم نہیں کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صدقات پر عامل بنایا، ایک مرتبہ وہ صدقات لے کر آیا اور کہا کہ یہ مال تو صدقہ کلہ ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چونکہ عادت شریعہ ایسے موقعہ پر ایک عام نصیحت فرمانے کی ہوتی تھی بلا تخصیص کے اس لئے آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ تنبیہ فرمائی کہ بعض عامل ایسے ہیں کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں وہ پھر آکر کہتے ہیں کہ یہ مال تو صدقہ کلہ ہے، اور یہ ماں میرے لئے ہدیہ ہے، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ یہ شخص اپنی مائیاں یا باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتا کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں، پھر آگے جو آپ نے فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کا مال مال غلول ہے، اور جو غلول کے بارے میں وعید آئی ہے وہ آپ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ مال غلول میں اگر اونٹ ہو تو میدان حشر میں وہ اونٹ اس کی پشت پر سوار ہو کر آواز نکالتا ہوا آئے گا، اور اگر وہ مال غلول بقرہ ہو گا وہ بھی اسی طرح آئے گی، اسی طرح بکری، الی آخر الحدیث۔

عمال کے ہدایا کے بارے میں شراح نے لکھا ہے وہ حرام ہے اور رشوت ہے، وہ دوسرے ہدایا کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ عاملین کو لوگ جو ہدایا پیش کرتے ہیں اس کی غرض فاسد ہوتی ہے تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے میں تخفیف کرے

اور پورا حق واجب اس سے نہ لے۔

**جو چیز ذریعہ بنے امر محظور کا وہ بھی محظور ہے** | نیز شراح نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شئی ذریعہ بنے کسی امر محظور و ممنوع کا تو وہ ذریعہ بھی

محظور و ممنوع ہے، اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اس قسم کے عامل کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اس کو وہ ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ نہیں ملے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کو جو ہدیہ دیا گیا ہے وہ اس کی ذات کو نہیں دیا گیا ہے۔

بلکہ کسی چیز کے عوض میں دیا گیا ہے اور وہ وہی ہے یعنی عدم استیفاء حق واجب یعنی پوری زکوٰۃ وصول نہ کرنا، تو یہ ہدیہ ذریعہ بن رہا ہے عدم استیفاء زکوٰۃ کا جو امر محظور ہے۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم، قال المنذری۔

## باب فی غلول الصدقة

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: بعد فی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساعیا الا غلول فی الصدقة ہی کے بارے میں یہ حدیث ہے اور اس پر وعید ہے، جس کا مضمون ابھی اوپر گذرا۔

## باب فیما یلزم الامام من امر الرعية

یعنی امام پر رعایا کا جو حق واجب ہے ان کی خبر گیری ان کی ضروریات کو پورا کرنا وغیرہ۔

ان ابامریعہ الاذدی أخبرنا قال دخلت علی معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما اَنعمنا بک ابا فلان الا **مضمون حدیث** | ابو مریم از دی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا اور عرب لوگوں کی عادت کے موافق

ما اَنعمنا بک یہ جملہ استعمال کیا، یہ صیغہ تعجب ہے یعنی یہ آپ کا ہمارے پاس آنا اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، انہوں نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی وہ تم کو سنائے آیا ہوں، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا ذمہ دار بنائے اور پھر وہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے سامنے نہ آئے پس پردہ بیٹھ جائے تو ایسے شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ اس کی حاجت اور ضرورت کے وقت اس سے پردہ میں ہو جاتے ہیں، آگے روایت میں ہے فجعل رجلا علی حوائج الناس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنکر ایک شخص کو مقرر کر دیا لوگوں کی حاجت پر، یعنی جوان کی حاجتیں اور مطالبات ان تک پہنچا دے۔

یہ حضرت معاویہ کا کمال اتباع و انقیاد ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص نے ان کی تنبیہ کے لئے ایک حدیث سنائی تو اس کے سننے ہی فوراً اس کے مطابق عمل شروع کر دیا بغیر کسی قسم کی ناگواری اور ترش روئی ظاہر کئے، آخر خلیفہ تھے امیر تھے۔ حضرت معاویہ کے اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں کتب حدیث میں جو ان کے کمالِ حلم پر دلالت کرتے ہیں اور ان کا حلم مشہور بھی ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی، قالہ المستدری۔

عن مالک بن اوس بن الحدثان قال ذکر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوماً الفی فقال ما انا باحق بهذا الفی منکم وما احدثنا حق بہ من احد الا انا علی منازلنا من کتاب اللہ عز وجل وقسّم رسولہ فالرجل وقیداً مئة، والرجل وبلاوة والرجل وعیالہ والرجل وحاجتہ۔

**مال فی کے بار میں اثر عمرؓ کی تشریح** | یعنی ایک روز حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کے سامنے مال فی کا ذکر کیا اور یہ فرمایا اس مال فی کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں، بلکہ کوئی بھی ہم میں سے اس کا زیادہ مستحق نہیں ہے (بلکہ یہ مال مشترک ہے سب اس میں برابر کے شریک ہیں، پھر آگے فرمایا گو نفس استحقاق میں سب برابر ہیں لیکن فرق مراتب کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ کتاب اللہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل تقسیم کی روشنی میں، پھر آگے اس کی وضاحت ہے فرماتے ہیں، ایک شخص ہے اور اس کی قدامت یعنی ایک شخص قدیم الاسلام ہے، اسلام میں اس کی خدمات ہیں، اور ایک شخص ہے اور اس کی مشقتیں و بلائیں (جو اس نے دین و اسلام کے بارے میں برداشت کی ہیں) اور ایک شخص ہے اور اس کی عیال اور اولاد یعنی ایک شخص ذی عیال ہے اور دوسرے غیر ذی عیال اور ایک شخص ہے اور اس کی حاجت، یعنی ایک شخص واقعی حاجت مند ہے اور دوسرے شخص کی ایسی کوئی حاجت ہے نہیں الحاصل ان تمام چیزوں کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔

**مال فی اور غنیمت میں فرق** | حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں مال فی کا حکم مذکور ہے مال فی وہ مال ہے جو بغیر قتال کے حاصل ہو جیسے وہ اراضی جنکو مسلمانوں نے مشرکین سے ان کو جلاوطن کر کے خالی کر لیا ہو بغیر قتال کے، جیسے ارض بنو نضیر و فذک اسی طرح اور ہر ایک کا حکم و مصرف

ارض مفتوحہ کے بار میں حضرت عمرؓ کی رائے | اے اسی طرح ارض مفتوحہ کے بار میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسکو تقسیم نہ کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کی ضروریات کیلئے اس کو محفوظ رکھا جائے تاکہ سب لوگ منتفع ہو سکیں و نہ تقسیم کی صورت میں تو اس میں اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انکی یہ حدیث آگے آرہی ہے باب جار فی حکم ارض خیر کی آخری حدیث یہی ہے، لولا آخر المسلمین بافتحت قریۃ الا قسمتها کا قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خبر

کسی مقام اور شہر کو فتح کرنے کے بعد اس شہر کے اندر کی جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسے جزیرہ وغیرہ اور معاویہ یہ سب مال فی ہے، مال غنیمت کا حکم تو قرآن کریم میں منصوص ہے کہ اس کی تخمیس کی جائے، یعنی ایک خمس کو تو علیحدہ کر لیا جائے اور باقی اربعہ اخصاس کو غنائم میں تقسیم کر دیا جائے، پھر اس خمس کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے: **وَاللَّهُ خَمْسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**۔ اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام تو برکت کے لئے ہے آگے پانچ باقی رہ گئے تو گویا اس خمس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا ہے، اس صورت میں ہر ایک کے حصہ میں خمس ان خمس بیٹھا ہے، آگے ایک مستقل باب آرہا ہے: **باب بیان مواضع قسم الخمس**۔ وہاں مزید تفصیل اس کی ان شاء اللہ تعالیٰ آجائے گی، یہاں تو بغائی کے تقابلی کی وجہ سے بیان کر دیا گیا۔

فی کے بارے میں جو رائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور ہوئی وہی جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کی رائے ہے اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک جو حکم غنیمت کا ہے وہی فی کا ہے یعنی مال فی کی تخمیس کی جائے پھر اس خمس کو مصارف خمس میں صرف کیا جائے، اور باقی اربعہ اخصاس کو مقائلین پر تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ شرح اقناع میں ہے: **بخمس الفی فیصرف الخمس مصارف الخمس، ویصرف اربعہ اخصاس علی المقائلۃ ای المرزوقۃ للقتال** خلافاً للائمۃ الثلاثۃ اذ قالوا لا یخمس الفی بل جمیعہ لمصالح المسلمین یہ

**لہ حکم فی کے بار میں مزید تحقیق** [وفی الجوبہ النقی ص ۲۹۳ ذکر النووی ان جماعۃ العلماء سوی الشافعی قالوا لا خمس فی الفی، وقال ابن المنذر لا نعلم احد قبل الشافعی قال بال خمس فی الفی، وقال ابو عمر فی التبیید وهو قول ضعیف لادبہ من جہۃ النظر الصحیح ولا الاثر وفي العالم للخطابی کان رأی عمر فی الفی ان لا یخمس لکن یكون لجماعۃ المسلمین لمصالحہم، والیہ ذهب عامۃ اهل الفتوی غیر الشافعی فانہ کان یری ان یخمس فی قواعد ابن رشد قال قوم الفی یصرف لجمع المسلمین الفقیر والغنی ویعطى الامام منہ المقاتلۃ والولایۃ والحکام وینفق منہ فی النواہب الی تنوہ المسلمین کبناء القناطر واصلاح المساجد ولا خمس فی شئی منہ وہ قال الجمہور وهو الثابت عن ابی بکر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولم یقل احد تخمیس الفی قبل الشافعی، وانما حملہ علی ذلک انہ رأى الفی قسم فی الآیۃ علی عدد الاصناف الذی قسم علیہم (الخمس) فاعتقد ان فیہ (الفی) الخمس لانه ظن ان هذه القسمۃ مختصۃ بالخمس وليس ذلک بظاهر بل الظاہ ان هذه القسمۃ تخص جمیع الفی لا جزأ منہ، وفي التقرید للقدوری ما لخصہ قال اصحابنا الفی کل مال وصل الینا من المشرکین بلا قتال کالاراضی الی اجلوا عنہا وھود الخراج والعشر والحزیرۃ تصرف الی مصالح المسلمین وقال الشافعی اربعۃ اخصاس للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخمسۃ یقسم کما یقسم خمس الغنیۃ، الی آخر ما ذکر من الدلیل للمنفیۃ، اور بیان القرآن میں ہے: جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہو وہ فی ہے کذا فی الہدایۃ اموال بنو نضیر اسی قبیل سے تھے اور مذکور نصف خیر بھی، مال فی میں امام صاحب کے نزدیک خمس نہیں ہے، اور ان اموال کا حکم یہ ہے کہ



یہ اختلافی مسئلہ کتاب الجہاد باب دعار اشرکین میں حدیث کے تحت اس طرح گزر چکا ہے کہ شافعیہ کے یہاں بیت المال میں مال دو طرح کا ہوتا ہے، ہر قسم کا مصرف الگ ہے (۱) زکوات و صدقات کا مال، یہ عامہ مسلمین غیر غزاة کیلئے ہے۔ (۲) مال فئ، یہ صرف غزاة اور مجاہدین کے لئے ہے، صرح بہ النووی وقال ایضاً: ولم یفرق بینہما ابو حنیفہ و مالک۔ مصنف کو حضرت عمر کی یہ حدیث آئندہ باب ہی میں ذکر کرنی چاہیے تھی کہ اس میں یہی مسئلہ مذکور ہے تقسیم فئ کا، مگر میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ مصنف بسا اوقات ایسا کرتے ہیں کہ سابق باب کے اخیر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو آنے والے باب کے مناسب ہو بمنزلہ تمہید کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فی قسم الفئ

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل علی معاویۃ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن؟ فقال عطاء المحررین الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت معاویہ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا کیا حاجت ہے، کیسے آئے؟ انہوں نے فرمایا محررین کا حصہ لینے آیا ہوں، اسلئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس کہیں سے مال آتا تھا تو اس کی تقسیم کی ابتداء محررین سے آپ فرماتے تھے، محررین کے مصداق میں تین قول "بذل میں لکھے ہیں (۱) معتقین یعنی آزاد کردہ غلام (اسلئے کہ ان کی ضرورت ظاہر ہے ابھی تو آزاد ہوئے ہیں معاش کا مستقل بندوبست اتنی جلدی کہاں ہوتا ہے) (۲) مکاتبین، تاکہ وہ اپنا بدل کتابت ادا کر سکیں

— جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ روایات کے الفاظ معلوم ہوتا ہے اس کے مالک تھے اور اس میں جو مصارف آپ کو ملنے گئے وہ جو پایا نہ بادہ ایسا ہے جیسے اہل اموال پر زکاۃ و صدقہ ہے، البتہ یہ اموال مملوکہ آپ کے بعد محل میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے اور یہ خصوصیت تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رواہ الشیخان، چنانچہ آپ نے اموال بنو نضیر کا اکثر حصہ مہاجرین کو اور انصار میں سے بعض کو تقسیم فرمادیا، رواہ البیہقی، اور بقیہ میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچہ دیکر جو بچا وہ سامان جہاد سلاح و کراع میں صرف فرمادیا جاتا آخرہ الشیخان وغیرہما، اور خیر کی آمدنی سے فقرہ مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے آخرہ ابوداؤد وابن مردویہ، اور بعد آپ کی حیات کے اسکے مصارف صرف مصالح عامہ ہیں مثل سد ثغور و بنار قناطر و جسر اور قضاۃ و مال و علمای مسلمین و ارباق مقامین و ذرائع مقالتیں کذا فی الہدایۃ اور ان مصالح میں مصارف خمس غنیمت سیامی و مساکن — و ابن السبیل بھی داخل ہیں، و فیہ بعد ذلک: اور یہ تقریر مذکور (جس کو ہم نے مختصر کر دیا) حنفیہ کے مسلک پر ہے اور شافعی کے نزدیک فئ میں بھی خمس ہے اور چار اخلاص مصارف مذکورہ میں صرف ہوں گے اہ مختصر لیکن اس کی پوری عبارت جو پورے ایک صفحہ کے اندر ہے طلبہ و مدرسین کیلئے قابل مطالعہ اور اس مقام کو سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

(۳) عبادت گزار اللہ تعالیٰ کے بندے جو گوشہ نشین ہوں۔

حدیث کی مناسبت ترجمہ الباب سے ظاہر ہے اس لئے کہ اول ماجاء شیئ اس سے مال فی ہی مراد ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آتی بظبئة فیہا خوز فقسما للجرعة والامة، یعنی آپ کے پاس ایک قبیلہ آئی جس میں میرے جواہرات تھے تو آپ نے ان کو عورتوں میں حرہ اور باندی سب میں تقسیم کر دیا، آگے حضرت عائشہ فرمادی ہیں کہ اسی طرح میرے والد بھی حر اور عبد سبھی میں تقسیم فرمایا کرتے تھے، یعنی مال فی کو، اور عائشہ کی روایت مرفوعہ میں حرہ اور امۃ کی تخصیص خرز کے لحاظ سے ہے کہ وہ ان ہی کے کام کی چیز ہوتی ہے

عن عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان اذا آتاه الفئ قسمہ فی یومہ فاعطی الاہل حظین واعطی العزب حظاً۔

یعنی جب آپ کے پاس مال فی آتا تھا تو اسی دن آپ اس کو تقسیم کر دیتے تھے، غیر شادی شدہ اور مجرد کو ایک حصہ، اور شادی شدہ کو اس کا دو گنا مرحمت فرماتے تھے۔

## باب فی أرزاق الذریۃ

ذریۃ سے مراد یتیم نابالغ بچے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فقیر ہوں تو ان کا نفقہ بیت المال سے ہوگا، حدیث الباب کا مضمون پہلے گذر چکا ہے، خطابی کی شرح میں ہے کہ عورتیں بھی اسی حکم میں ہیں یعنی بیوہ اور ضرورت مند۔

والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

احادیث الباب کتاب الفرائض میں گذر گئیں، فلا حاجة الی شرحہا۔

## باب متى یفرض للرجل فی المقاتلة

شرح الحدیث | المقاتلہ بکسر التاء وصیغۃ المؤنث باعتبار الجماعة، اس سے مراد مقاتلین اور غزاة ہیں، اور یہ ذریۃ کا مقابل ہے جو باب سابق میں گذرا۔ فرض کہتے ہیں اس مقررہ حصہ کو جو بیت المال سے مجاہدین کو ملتا۔ اور جہاد میں وہی شخص جاسکتا ہے جو بالغ ہو، تو ترجمہ الباب کا حاصل یہ ہوا کہ آدمی کو مقاتلین میں شمار کر کے تب یعنی کس عمر میں اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا؟ اور جواب اس کا یہ ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے گا، اور قبل البلوغ

نہ وہ مقابلین کی فہرست میں آسکتا ہے اور نہ اس کو مقابلین والا حصہ مل سکتا ہے۔

اس باب میں مصنف نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کو ان کے گھر والوں نے جنگ احد کے موقع پر آپ کے سامنے پیش کیا یعنی جہاد میں شرکت کی اجازت کے لئے جبکہ وہ چودہ سال کے تھے تو آپ نے اجازت نہیں دی، اور پھر آئندہ سال غزوہ خندق کے موقع پر جب ان کو آپ پر پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے ان کو اجازت دیدی جبکہ وہ پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔

ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک یہی ہے کہ حد بلوغ پندرہ سال ہے، وعند الامام ابی حنیفہ خمس عشرۃ سنۃ للاثنتی، وثمانیۃ عشر للذکر، وفي البذل هذا اذ لم يحتمل، واما اذا احتلم قبل ذلك حکم ببلوغه من الاحتلام اه  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی کراہیۃ الافتراض فی اخر الزمان

افتراض یعنی اخذ الفرض والحصۃ، یعنی بیت المال سے غازی کا اپنا حصہ اور وظیفہ لینا، فرض کے معنی حصہ دینا اور افتراض کے معنی حصہ لینا، مثل الکلیل والاکتال۔

حدیثی ابی، مطیرانہ خرج حاجا حتی اذا کان بالسویداء اذا اناب رجل قد جاء کانه یطلب دواء لو حفضنا  
شرح الحدیث | سلیم بن مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میرے باب مطیر نے کہ وہ حج کے لئے جا رہے تھے، جب مقام سویدار میں پہنچے تو مطیر کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص ملا جو کوئی دوا تلاش کر رہا تھا، یا یہ کہا کہ حفض تلاش کر رہا تھا، یہ بھی ایک دوا کا نام ہے جس کو، رشوت، کہتے ہیں، عطار لوگ خوب جانتے ہیں، مطیر کہتے ہیں اس آنے والے شخص نے مجھے ایک حدیث سنائی جو ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بالواسطہ پہنچی تھی، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے حجۃ الوداع میں، اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا یا یہا الناس خذوا العطاء ما کان عطاء فاذا تباحثت قریش علی الملک وکان عن دین احدکم، فدعوه۔  
یعنی آپ نے فرمایا کہ عطا لیتے رہو جب تک کہ وہ عطا عطا رہے، اس سے مراد وہ وظیفہ ہے جو بیت المال سے غزا اور مجاہدین کو ملتا رہا ہے، پس جبکہ قریش حکومت اور بادشاہت پر لڑنے لگے لگیں اور یہ عطا دن کے مقابلہ اور بدلہ میں ہو جائے تو پھر اس کو چھوڑ دو، اور اس سے اگلی روایت میں ہے دعاء العطاء و مشافد عوہ یعنی جب وظیفہ وظیفہ نہ رہے بلکہ رشوت بن جائے تو پھر اس کو چھوڑ دو، یعنی جب حکومت فوج کو باطل اور ظلم کی حمایت میں استعمال کرنے لگے

لہ رشایع رشوة والرشوة ما یعطی لاحقاق باطل ادا بطل حتی۔

حق اور ناحق کو نہ دیکھا جائے تو اس وقت کے وظیفہ کی نوعیت رشوت کی ہو جائے گی اور رشوت لینا ناجائز ہے۔

## باب فی تدوین العطاء

یعنی مجاہدین کے ناموں کے اندراج کے لئے دیوان مرتب کرنا یعنی رجسٹر۔  
قبل اول من دون الديوان عمر، یعنی سب سے پہلے یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، دیوان بمعنی رجسٹر جس کی جمع دوایین آتی ہے، مجاہدین (فوج) کے نام باقاعدہ رجسٹر میں لکھے جاتے ہیں پھر اسی کے مطابق ان کو وظیفہ دیا جاتا ہے۔ نیز ان کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے سال بہ سال کما فی حدیث الباب۔

عن عبد الله بن كعب بن مالك الانصاري رضي الله تعالى عنهما ان جيشا من الانصار كانوا بارض

فارس مع اميرهم وكان عمر يعقب الجيوش في كل عام فشغل عنهم عمر فلما مر الاجل قفل اهل ذلك الثغراء  
مضمون حدیث | یعنی انصار کا ایک لشکر اپنے امیر کے ساتھ ارض فارس جہاد کے لئے گیا ہوا تھا، لڑائی کا سلسلہ چونکہ مسلسل تھا اس لئے حضرت عمر ہر سال لشکر بدلتے رہا کرتے تھے، یعنی سال پورا ہونے پر جو لشکر گیا ہوا ہوتا تھا دوسرے لشکر کو اس کی جگہ بھیج کر پہلے لشکر کو بلا لیا جاتا تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمر نے سال پورا ہونے پر دوسرا لشکر نہ بھیج سکے، اس لشکر کی جب مدت پوری ہو گئی تو وہ وہاں سے چلا آیا، جب حضرت عمر نے ان کو دیکھا تو ان پر بگڑے اور سخت سست کہا، راوی کہتا ہے دھما صحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یعنی وہ آخر عالی مرتبت صحابہ کرام تھے، جب انہوں نے زیادہ ہی ڈانٹا تو ان حضرات نے کہا (ذرا ہمت کر کے) یا عمر انک غفلت عنا، اے عمر دیکھتے! غفلت اور چوک آپ کی طرف سے ہوئی ہے، آپ نے وہ چیز جس کا حضورؐ نے حکم فرما رکھا ہے یعنی متبادل فوج روانہ کرنا آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

یہاں ٹوکنے والے ڈانٹنے والے اور ڈانٹ سننے والے دونوں ہی پس کر اخلاص تھے، ہر ایک کو دوسرے پر اطمینان اور اعتماد تھا، یہ جماعت جانتی تھی حضرت عمر کی شان اللہ کان وقفا عند کتاب اللہ تعالیٰ، کہ وہ حق بات کے سامنے فوراً سرنگوں ہو جاتے تھے اسی لئے ان حضرات کو جواب دینے کی ہمت ہوئی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کو ان کے اس جواب پر ذرا ناگواری نہیں ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ووزقنا شیئا من اتباعہم۔

مناسبة الحدیث للترجمة | یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ترجمہ الباب سے کیا مطابقت ہے، بظاہر مناسبہ الحدیث للترجمة | کچھ نہیں، باقی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر کے اعقاب حبش میں جو دیر ہوئی وہ شاید اسی وجہ سے ہوئی ہو کہ وہ دیوان کے تیار کرنے میں مشغول تھے، کذا فی البذل عن فتح الورد للعلامة السدقی یا یہ کہے کہ بروقت جو اعقاب حبش نہ ہو سکا اس میں اسی کو دخل تھا کہ اب تک اس قسم کا کوئی دیوان تیار نہیں ہوا تھا

جس میں شکریوں کے نام ہو کرتے ہیں اسی لئے متبادل جماعت بھیجنے سے ذہول ہو گیا اور پھر اس واقعہ کے پیش آنے پر اس کو مرتب کیا گیا۔

ان عمرو بن عبد العزیز کتب ان من سال عن مواضع الفی فہو ما حکم فیہ عمر بن الخطاب فزاک الامون  
عدلا موافقا لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جعل اللہ الحق علی لسان عمرو وقلہ فرض الاعطیۃ  
وعقد لاهل الادیان ذمۃ بما فرض علیہم من الجزیۃ لم یضرب فیہا بخمس ولا مضجیرہ

**شرح الحدیث** یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز، عمر ثانی نے اپنے عمال کے نام یہ مضمون لکھا کہ جو شخص تم سے سوال کرے تقسیم فی کے بارے میں (کہ وہ کس کس کو دیا جاتا ہے) تو تم اس کو یہ جواب دینا کہ مواضع فی وہی ہیں جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا اور تمام مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے موافق پایا جعل اللہ الحق علی لسان عمرو وقلہ۔ (اس کے بعد حضرت عمر کا طرز عمل مذکور ہے) انہوں نے شکریوں کے وظائف مقرر کئے اور اہل ادیان یعنی اہل کتاب کے لئے عہد و پیمان کا معاملہ کیا جزیہ کے بدلہ میں، انہوں نے اس جزیہ میں (اور ایسے ہی دوسرے اموال فی میں) خمس مقرر نہیں کیا، عدم تخمیس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے مال فی بیت المال میں رکھ چھوڑا عام مصالح مسلمین کے لئے، اور اسی کو عمر ثانی عمر بن عبد العزیز نے اختیار کیا ہے، اس میں حضرت امام شافعی کا اختلاف اوپر گزر چکا کہ وہ مال فی میں تخمیس اور تقسیم بین الغزاة کے قائل ہیں

## باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من الاموال

یہ باب خاصا طویل ہے نیز محتاج توضیح بھی ہے میرے نزدیک بہت مشکل ہے۔

**ترجمۃ الباب کی تشریح اور غرض مصنف** صفایا صفی کی جمع ہے، چند ابواب کے بعد ایک باب آرہا ہے، باب ماجاء فی بہم الصفی، لیکن اس کو تکرار نہ سمجھا جائے دونوں صفی الگ الگ ہیں، یہاں پر تو صفایا سے مطلق اموال فی مراد ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو مال فی حاصل ہوتا تھا وہ حسب تصریح قرآن کریم خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوتا تھا، واما ان اللہ علی رسولہ نہم فما او جفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولكن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء۔ اسی لئے یہاں صفایا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی اضافت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔  
گذشتہ باب میں مال فی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد

کے لئے ہے، یعنی عالم حکم، اب جب یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا مال فی وہ خالص آپ کی ملک تھا آپ کو اس میں اختیار تھا کہ آپ اس کو جہاں چاہیں صرف فرمائیں، تو پھر اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس قسم کے صفایا یعنی اموال خالصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہ کیا گیا ہیں، نیز یہ کہ آپ ان صفایا میں اپنی حیات میں کس طرح تصرف فرماتے تھے کہاں اور کیسے خرچ فرماتے تھے اور یہ کہ اس کے بارے میں مابعد الوفا کے لئے آپ نے کیا فیصلہ فرمایا یہ حاصل ہے ترجمہ الباب کا جسکی تفصیل آگے کتاب میں مذکور ہے۔

**آپ کے لئے غنیمت میں تین حصے ہوتے تھے** اور وہ سہم صفی جس کا ذکر آئندہ باب میں آرہا ہے وہ دوسری چیز ہے اس لئے کہ مشہور ہے یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین سہام تھے (۱) سہم سہم اجد الغنائین (۲) خمس الخمس، یعنی خمس مال غنیمت کو چونکہ پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا ہے اس میں ایک حصہ آپ کا ہے جو خمس الخمس ہوا (۳) سہم صفی، صفی بمعنی منتخب اور پسندیدہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حق تھا کہ وہ کل مال غنیمت میں سے کوئی سی ایک چیز جس کو پسند فرمائیں سواری ہو، جاریہ ہو یا کوئی بھتیار ہو وہ لے سکتے ہیں، ان تین سہام میں سے پہلے دو کے بارے میں تو روایات میں تصریح اور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے لئے ہر حال میں تھے خواہ آپ اس غزوہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں شہد القتال اولم یشهد اور اس قسم ثالث میں روایات مختلف ہیں، اس آئندہ آنے والے باب میں ایک روایت میں تصریح ہے کہ سہم صفی شرکت فی الغزوۃ کی صورت میں آپ کے لئے ہوتا تھا ویسے نہیں، اور اسی باب کی آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً تھا۔ حضرت گسنگو ہی کی رائے یہی ہے کہ وہ بھی آپ کے لئے مطلقاً ہی تھا، لیکن حضرت سہارنپوری نے بذل میں تحریر فرمایا ہے لم اجد التصریح فی کتب الفقہ بذلک۔

**آپ کے صفایا کا مصداق و تعیین** اب موجودہ باب کے بارے میں یعنی صفایا کے سلسلہ میں آپ سنئے، یہ صفایا کیا کیا تھے، اس کی تفصیل اس پورے باب میں جو خاصا طویل ہے

مختلف روایات کے ضمن میں پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ آگے ایک روایت میں اس طرح آرہا ہے کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر وخیبر و فذک الی آخر الحدیث۔ لیکن ان تین ہی میں انحصار نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی ہیں، اس باب کی مجموعہ روایات اور کلام شراح سے آپ کے صفایا کی تفصیل جو سمجھ میں آتی ہے وہ حسب ذیل ہے (۱) بسائین مویہ یعنی چند وہ باغات جو بعض یہود نے بوقت اسلام لانے کے آپ کو ہبہ کئے تھے بطریق وصیت کے، اور اسی طرح بعض وہ اراضی جو بعض انصار نے آپ کو ہبہ پیش کی تھیں (۲) نصف ارض فذک جس وقت یہود خیبر کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور مسلمان اس کو فتح کر رہے تھے تو اس وقت یہود فذک نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نصف ارض فذک پر صلح کر لی تھی آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا تھا



اور وہاں قتال وغیرہ کی نوبت نہیں آئی تھی اسلئے یہ نصف ارض فدک مال فی ہوا اور مال فی آپ کی ملک ہوتا ہی تھا کما تقدم، ہماری اردو کی کتابوں میں یہ باغ فدک کے ساتھ مشہور ہے۔ (۳) نصف ارض خیبر، آپ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد نصف ارض خیبر کو تو غانمیں کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا اور نصف کو باقی رکھا تھا (۴) ارض بنو نضیر بنو نضیر یہود کا مشہور ایک بڑا قبیلہ تھا جو مدینہ کے قریب ہی متصلاً تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ایک قریہ میں آباد تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ ان سے قتال کے لئے تشریف لے گئے۔ معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ لوگ اپنی جان بچانے کیلئے قلعہ بند ہو گئے وہاں مسلمانوں کا محاصرہ رہا، تم نزولاً علی الجبلار یعنی اس شرط پر وہ نیچے اتر آئے کہ ہم اپنے اس قریہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ان سے یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ اپنے اموال منقولہ میں سے جتنا ساتھ لیجا سکتے ہیں لیجائیں سوائے اسلحہ کے تو چونکہ ارض بنو نضیر کے فتح کرنے میں بھی باقاعدہ ایجاب خیل و رکاب کی نوبت نہیں آئی مدینہ کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے اس لئے یہ بھی مال فی ہوا تو یہ ارض بنو نضیر تو آپ کی ملک ہوئی، اور بعض دوسرے اموال منقولہ جن کو وہ اپنے ساتھ نہیں لیجا سکے ان کو آپ نے مسلمانوں پر تقسیم فرمادیا۔ (۵) ثلث ارض وادی القری، چونکہ وادی القری کے یہود سے ثلث ارض پر آپ نے مصالحت فرمائی تھی، لہذا ارض فدک کی طرح یہ بھی مال فی ہوا۔ (۶) خمس غنائم خیبر، یعنی نصف خیبر جس کو آپ نے تقسیم کیا اس کا خمس (بذل المجہود عن العاضی غیاض) یہ ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صفایا اور املاک جس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا ہے۔

ان صفایا کے مصارف کا بیان  
فی حیاتہ و بعد وفاتہ

مصنف کی غرض ترجمہ سے ایک تو یہی ہے کہ ان صفایا کی تعیین ہو، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں ان صفایا کے ساتھ کیا معاملہ فرماتے تھے، اور ما بعد الوفات کے لئے کیا فیصلہ فرمائے، سوا حدیث الثابتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصر فہا علی ازواجہ و علی المسلمین عامۃ ای فی حیاتہ، وجعلہا صدقۃ بعد وفاتہ حیث قال ماترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عالی فہو صدقۃ، وفی روایۃ کما فی الصحیحین ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقسم وراثتی دیناراً، وفی روایۃ لا نورث ما ترکنا صدقۃ، یعنی آپ ان تمام اموال کو اور ان اراضی کی تمام آمدنی کو اپنی حیات مبارکہ میں تو مصالح مسلمین اور خیل جہاد وغیرہ میں اور ازواج مطہرات کے نفقات میں خرچ فرماتے تھے، اور اپنی وفات کے بعد ان ہی مصارف کے لئے وقف فرما گئے، اور ان زمینوں کو آپ نے اپنی جاگیر اور ایسا ذاتی مال جس میں آپ کے بعد بطور میراث تقسیم جاری ہو ایسا قرار نہیں دیا بلکہ

لہ یہ مسئلہ کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری مختلف فیہ بین اللہ ہے جو آگے آئے گا۔

وقف کا فیصلہ فرما گئے۔

آپ کے بعض ورثہ کا میراث طلب کرنا | لیکن اس کے باوجود آپ کے بعض ورثہ نے خلیفہ اول سے میراث کا مطالبہ کیا، ان بعض سے مراد حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، حضرت عباس کا مطالبہ بحیثیت عصبہ ہونے کے اور حضرت علی کا اپنی اہلیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی طرف سے تھا، ان دونوں کی طلب میراث کی روایات اسی باب میں آ رہی ہیں بلکہ باب کی پہلی ہی حدیث میں ہے جو کافی مفصل روایت ہے۔

آگے ایک روایت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ ازواج مطہرات نے بھی میراث میں اپنے حصہ کے مطالبہ کا ارادہ کیا تھا اور حضرت عثمان کو صدیق اکبر کی خدمت میں بھیجا چاہتی تھیں لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث یاد دلا کر ان کو اس مطالبہ سے روک دیا اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا رضی اللہ عنہن۔

عن مالک بن ادیس بن الحد ثانی قال ارسل الی عمر حین تعالی النہار فجمتہ فوجدتہ جالساً علی سریر مفضیاً الی رمالہ، فقال حین دخلت علیہ یا مال انہ قد دقت اہل ابیات من قومک۔

حضرت عمر کی طویل حدیث اختصار | مالک بن ادیس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مجھے بلانے کے لئے ایک علی و عباس کے باریکیں اور اسکی مفصل شرح | قاصد بھیجا ارتفاع شمس کے وقت، میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ ایک تخت جس پر بویا بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھے ہوئے تھے، رمال الحصیر کہتے ہیں کھجور کے بورے کے پھٹوں کو، اس کا حاصل یہ ہے وہ خالص بورے پر بیٹھے ہوئے تھے اس پر اور کوئی کپڑا وغیرہ بچھا ہوا نہیں تھا، حضرت عمر نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں اسلئے بلایا ہے کہ تمہاری قوم کے کچھ گھرانے آئے ہوئے ہیں تو میں ان پر تمہارے ذریعہ کچھ تقسیم کرانا چاہتا ہوں، میں نے اس سے عذر کرنا چاہا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ مجھ کو تقسیم کے لئے دے ہی دیا، مصنف کے ترجمہ کے لحاظ سے یہ اتنا مضمون ضمنی اور غیر مقصود ہے، اصل مصنف کے کام کی بات اب شروع ہو رہی ہے۔

فجاء یزید فقال یا امیر المؤمنین هل لك في عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف والزبير بن العوام؟ قال نعم،

لے آپ کا جسم پہنچنے والا تھا رمال حصیر کی طرف یعنی بدن لگا ہوا تھا رمال سے، رمال کی اضافت یہاں بظاہر سریر کی طرف ہے جو ادنی ملا بستہ کی درجہ سے ہے اسلئے کہ رمال سریر کے نہیں ہوتے بلکہ حصیر کے ہوتے ہیں مگر چونکہ وہ حصیر تخت پر بچھا ہوا تھا اس لئے اس کی اضافت سریر کی طرف کر دی گئی، ہذا ما خطر بالی واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

یہ فاحضرت عمرؓ کے صاحب کا نام ہے، مالک بن اوس راوی حدیث یہ کہ ربیعہ میں کہ میری موجودگی میں حضرت عمرؓ کے دربان نے آکر ان سے عرض کیا اور ان مذکور چاروں صحابہ کے نام لیکر یہ کہا کہ یہ حضرات کھڑے ہیں آنے کی اجازت لے رہے ہیں حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی اور وہ اندر داخل ہو گئے، تھوڑے ہی دیر کے بعد رفادو بارہ آئے اور کہا یا امیر المؤمنین ہل لک فی العباس علی، یعنی عباس اور علی کھڑے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں چنانچہ ان کو بھی اجازت دے دی گئی، اور وہ اندر داخل ہو گئے بیٹھتے ہی حضرت عباس نے عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔

حضرت عباسؓ کے علیؓ کے حق میں  
سخت الفاظ اور اس کی توجیہ

ابوداؤد کی روایت میں تو صرف بین ہذا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے بین و بین ہذا الاثم الکاذب الغادر، مراد علی ہیں جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے اسی طرح اسی حدیث میں آگے چل کر حضرت عمرؓ کے کلام میں آ رہا ہے

فقال ابو بکر قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ، اس کے بعد ابوداؤد میں تو یہ ہے واللہ یعلم انہ صادق باثر راشد تابع للحنی، اور مسلم میں اس سے پہلے یہ جملہ ہے جس کو مصنف نے حذف کر دیا، فرأیتماہ کاذبا آثما خائنا، اس کے بارے میں میری ایک کاپی میں اس پر اس طرح اشکال و جواب لکھا ہے، مسلم میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ کاذب ہے خائن ہے غادر ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کے کلام میں ہے کہ تم دونوں نے

مصنف کی ایک عادت شریفہ کمال ادب کی | اے مصنف کی عادت ہے کہ وہ جب کسی حدیث میں کسی شخص کے بارے میں کوئی سنت وعید یا کوئی سخت لفظ آتا ہے تو مصنف اس کو اذبا حذف کر دیتے ہیں، اور کبھی اس کی طرف مجمل اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جیسے کتاب الجنائز میں مصنف نے ایسا کیا چنانچہ باب التعزیه میں ایک حدیث ہے جس میں یہ ہے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن میت کے بعد قبرستان سے لٹ رہے تھے، آپ جب اپنے دروازہ کے قریب پہنچے تو ہٹھک گئے اور دیکھا کہ سامنے سے ایک عورت آرہی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے آپ نے اس کو پہچان لیا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب آئیں تو پتہ چلا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؓ ہیں، آپ نے ان سے معلوم کیا کہ تم کہاں سے آرہی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یہاں پڑوس میں جو میت ہو گئی ہے ان کے یہاں گئی تھی تعزیت کے لئے، آپ نے پوچھا کہ تم ان کے ساتھ قبرستان تو نہیں گئی تھیں، انہوں نے عرض کیا نہیں، معاذ اللہ، تو آپ نے فرمایا۔ لو بلغت معهم الکدنی۔ فذکر تشدید انی ذلک۔ یہاں بھی مصنف نے ایسا ہی کہا، حالانکہ نسائی کی روایت میں اس طرح ہے۔ فقال لها لو بلغت ما معہم ما رأیت الجمۃ حتی یراعا جدا یک۔ کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو تو اس وقت تک جنت میں نہ جاسکتی جب تک تیرے باب کا دادا جنت کو نہ دیکھ لیتا۔

ابو بکر کو خائن غادر کا ذب سمجھا۔ اب اس روایت پر اشکال ظاہر ہے کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے بارے میں اس طرح سخت الفاظ اور بدگمانی کرے۔ امام نووی ج ۲ ص ۲ پر مازری سے نقل کرتے ہیں کہ بعض علماء نے تو اس سب کو دہم رواۃ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو اپنی کتاب سے حذف بھی کر دیا ہے، لیکن اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس، علی کے بڑے تھے بمنزلہ باپ کے اور بسا اوقات جب بڑا اپنے کسی چھوٹے کو تنبیہ کرتا ہے تو اس کو بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جس کے بارے میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ یہ اس میں نہیں ہیں، وذلک علی جہۃ الادلال، اور یا یہ کہا جاتے کہ مطلب یہ ہے کہ اے علی جو کچھ تم کر رہے ہو اگر یہ سب کچھ تم اس صورت میں کرتے کہ تمہارے ذہن میں بھی وہی ہوتا جو میرے ذہن میں ہے اور تمہاری رائے اس مال کے بارے میں وہی ہوتی جو میری ہے اور پھر تم وہ کرتے جواب کر رہے ہو تو یقیناً خائن غادر کا ذب ہوتے، اور آگے حضرت عمر کے کلام میں جو آیا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصد یہ ہے کہ تم دونوں کا ابو بکر صدیق سے اس طرح سوال کرنا اور اپنے حق کا اس طرح مطالبہ کرنا اور تمہارا ان پر خفا ہونا اس سب کا مقتضی تو یہ ہے کہ گویا وہ تمہارے نزدیک ایسے اور ویسے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ہکذا فی البدل والحدیث المفہم ص ۱) فقال بعضهم اجل یا امیر المؤمنین اس پر ان حاضرین میں سے جن کا اوپر ذکر آچکا بعض نے کہا ہاں امیر المؤمنین ضرور فیصلہ فرمادیجئے، قال مالک بن اوس انہ جب ان حاضرین نے ان دونوں کی تائید کی تو اس پر مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس جماعت کو ان دوہی نے اپنے آنے سے پہلے دربار عمری میں بھیجا تھا (بطور سفارش) فقال عمر اتعد اسم اقبل علی اولئک الرھط فقال انشد کھر باللہ الذی باذنہ نقوم السماء والارض، اب حضرت عمر فیصلہ کے لئے تیار ہو کر حاضرین کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرو اطمینان رکھو، اور اس جماعت کی طرف خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں یہ فرمایا تھا لا نورث، ماترکنا صدقۃ کہ ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے، اس پر ان سب نے اس کی تصدیق کی، پھر امیر المؤمنین، حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم دیکر حضور کی حدیث کے بارے میں یہی سوال کیا فقال لا نعم، انہوں نے بھی اس حدیث کے جاننے کا اعتراف کیا۔

قال فان اللہ خص رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عمر کی جانب سے یہ بیان ہے اس چیز کا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدقہ کر کے چھوڑ گئے، اور اس موقع پر انہوں نے اموال بنو نضیر کا ذکر فرمایا۔ لہ

لہ حضرت عمر کے اس کلام سے استفادہ ہو رہا ہے کہ آیت کریمہ "وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل وایہ" میں بنو نضیر جو مال فی سبھا اس کا ذکر ہے، اس پر ایک اشکال بھی ہو جائے گی۔

فوالله ما استأثر بها عليكم ولا اخذها دونكم، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارض بنو نضیر کے ساتھ نہ تو تمہارے علاوہ کسی اور کو ترجیح دی اور نہ تمہیں چھوڑ کر سارا خود لیا، بلکہ یہ کیا جو آگے روایت میں مذکور ہے،  
وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ياخذ منها نفقة سنة الوا - یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مال میں سے اپنا اور اپنی ازواج کا ایک سال کا نفقہ لیتے تھے ویجعل ما بقى اسوة المال، اور اس نفقہ کے علاوہ باقی سب کو مال غنیمت کے برابر قرار دیتے تھے یعنی خمس غنیمت کے برابر، باعتبار صرف کے کہ جس طرح خمس غنیمت کو کرایع اور مصالح اور مصالح مسلمین میں صرف فرماتے۔ اسی طرح اس مال فنی کو صرف فرماتے۔

ثم اقبل على اولئك الرهط ..... ثم اقبل على العباس وعلى، یعنی حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کو بیان کرنے کے بعد اولیٰ اصحابہ کرام کی جماعت سے ثانیاً ان دونوں سے اپنے اس بیان کی تصدیق طلب کی ان سب نے آپ کی تصدیق اور تائید کی کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل اس مال فنی کے ساتھ ہی تھا، فلما توفي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ابو بكر انا ولى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اب حضرت عمر یہاں سے ان دونوں حضرات پر حجت قائم فرما رہے ہیں کہ دیکھو تم اس سب کے جاننے کے باوجود خلیفہ اول کے پاس میراث طلب کرنے کے لئے آئے، عباس اپنی میراث (عصبہ ہونے کی وجہ سے) اور حضرت علی حضرت فاطمہ کی میراث، اس پر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث لا نورث، مآثر کنا صدقہ، تم کو یاد دلائی، واللہ یعلم انه صادق بار راشد تابع للحق، یہاں پر اس کا مقابل محذوف ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں پہلے آچکا، فوليها ابو بكر پس اس ارض بنو نضیر کے ابو بکر ہی متولی رہے یعنی انہوں نے وہ زمین تم کو نہ بطریق میراث دی اور نہ بطریق تولیت، فلما توفي ابو بكر پھر جب ابو بکر کی وفات ہو گئی اور میں ان کی جگہ آیا اور کچھ زمانہ میری خلافت کا گزر گیا پس اس وقت تم اور یہ دونوں میرے پاس آئے تھے، اس وقت تم دونوں باہم متفق تھے اور اگر مجھ سے اس زمین کا سوال کیا۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کہ یہ سوال اور مطالبہ کس لحاظ سے تھا، آیا بطور میراث کے یا بطریق تولیت؟۔ مگر آگے حضرت عمر کے کلام میں بطریق تولیت کی تصریح آرہی ہے، فقلت ان شئتم ان ادفعها اليكما على ان عليكما عهد الله ان تليها بالذي كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يليها۔ یعنی میں نے تم سے اس وقت یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو کہ میں تم کو وہ زمین اس عہد کے ساتھ دوں کہ تم اس کی ولایت اور انتظام اسی طرح کرو جس طرح حضور فرماتے تھے تو دے سکتا ہوں، چنانچہ تم نے وہ زمین مجھ سے اس عہد پر لے لی تھی یعنی مشترک تولیت پر بلا تقسیم کے، ثم جئتماني لا قضى بينكما بغير ذلك، یعنی پھر

لے ای انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم يجعل عهد الفی وهو مال بنی النضیر کا نفقہ خاصہ بل بعد اذہ حسب الحاجة یصرف فی مصالح المسلمین۔

اب دوسری مرتبہ میرے پاس آئے ہوتا کہ پہلے فیصلہ کے خلاف اب فیصلہ کروں، یعنی بجائے مشترک تولیت کے ہر ایک کی تولیت الگ الگ ہو جائے، واللہ لا اقصیٰ بینکما بغیر ذلک، یعنی بخدا پہلے فیصلہ کے خلاف میں اب کوئی فیصلہ نہیں کروں گا قیامت تک، پھر اگر تم اس طرح تولیت کرنے سے عاجز ہو تو پھر اس زمین کو میری طرف لوٹا دو۔

آگے روایت میں ہے: قال ابو داؤد اراد ان لا یوقع علیہ اسمہ مصنف فرار ہے ہیں کہ حضرت عمر کا منشاء یہ تھا کہ یہاں پر تقسیم کا نام بھی نہ آئے، یعنی خواہ وہ بطریق تولیت ہی کیوں نہ ہوتا کہ تطاول زمان کے بعد اور بات پرانی ہو جانے کے بعد لوگ یوں سمجھنے لگیں کہ یہ میراث کا مال ہے خصوصاً جبکہ میراث کی تقسیم بین البنت والعم ہے بھی نصف نصف طلب میراث کے سلسلہ میں جانتا چاہئے کہ اس مقام کی توضیح و تنقیح میں ایک دو سوال ہیں، اول یہ کہ ان دونوں حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟ جواب اس کا یہ دیا

گیا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں کے علم میں یہ حدیث نہ آئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سننے کے باوجود ذہول ہو گیا ہو لیکن جب صدیق اکبر نے ان دونوں کو یہ حدیث سنائی تو ان کو تنبیہ ہو گیا اور پھر خاموش ہو گئے، پھر اب دوسرا اشکال یہ ہو گا کہ جب حدیث مستحضر ہو گئی تھی تو عمر فاروق سے — ان کی خلافت کے زمانہ میں دوبارہ کیوں مطالبہ کیا، اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حضرت عمر سے ان حضرات کا مطالبہ میراث کا نہیں تھا بلکہ تولیت کا تھا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ اگر ان کا مطالبہ میراث کا ہوتا تو حضرت علی کم از کم اپنی خلافت کے زمانہ میں تو اس پر قادر تھے کہ اس کو میراث قرار دیکر تقسیم فرما دیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بعض دوسرے مسائل میں جن میں رائے کا اختلاف تھا ان میں حضرت علی اپنی رائے پر قائم رہے جیسے متعہ الحج کے مسئلہ میں کہ حضرت عمر و عثمان وغیرہ اس کو منع فرماتے تھے لیکن حضرت علی کی رائے جواز کی تھی وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے پر قائم رہے اور حضرت عمر وغیرہ کی اس میں انہوں نے پرواہ نہیں کی، لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عمر کے پاس طلب میراث ہی کیلئے آئے تھے تو اس کا منشاء حضرت گنگوہی کی تقریر (الکوکب الدرر ج ۱ ص ۲۳۳) میں یہ لکھا ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں اس حدیث (لا نورث ما ترکنا صدقہ) کا محمل عام نہ تھا بلکہ وہ اس حدیث کو صرف منقولات پر محمول کرتے تھے ان کے نزدیک غیر منقولات یعنی اراضی اس حدیث کے مفہوم میں داخل نہ تھیں، اسی لئے یہ دونوں حضرات اس توقع پر کہ ممکن ہے عمر فاروق کو ہماری اس رائے سے اتفاق ہو جائے کہ یہ حدیث عام نہیں بلکہ خاص ہے ان کے

لے کذا قال الشراح لیکن حدیث الباب میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر ان دونوں حضرات نے بلکہ تمام ہی حاضرین نے اس حدیث کے علم میں ہونے کا اعتراف کیا۔ فالادلی فی الجواب ماسیاتی من تقریر الشیخ الکنکوہی ص ۱۲۷۔



پاس طلب میراث کے لئے آئے لیکن عمر فاروق کو بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہ ہوا۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی مطولاً ومختصراً، قال المنذری۔

عن مالك بن اوس بن الحدثان عن عمر رضي الله تعالى عنه قال كانت اموال بني النضير مما  
افاء الله على رسوله مما لم يوجب المسلمون عليه بخيل ولا ركاب۔

حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ ارض بنو نضیر اور اموال بنو نضیر اس زیت کریمہ کا مصداق ہیں، وما افاء الله على رسوله منهم  
فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب، یعنی ارض بنو نضیر ایسی ہے کہ جس کو حاصل کرنے اور فتح کرنے میں مسلمانوں کو ایجاب  
خیل و رکاب کی ذمہ داری نہیں آئی لہذا یہ مال فی ہوا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خالص تھا جس میں سے  
آپ اپنے ازواج پر انفاق فرماتے تھے سالانہ قوت کا، اور پھر جو باقی بچتا تھا اس کو کرایع یعنی خیل جہاد اور جہاد کی  
دوسری تیاریوں میں صرف فرماتے تھے۔

ارض بنی نضیر کے مال فی ہونے میں اختلاف | جانتا چاہیے کہ اموال بنو نضیر کے فی ہونے میں کتب تفسیر وغیرہ  
میں اشکال کیا گیا ہے وہ یہ کہ ارض بنو نضیر کو فتح کرنے کیلئے

قتل و قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی ذمہ داری ہے اسی پر ان لوگوں نے مصاحبت علی الجبار کی لہذا یہ اموال  
تو غنیمت کے قبیل سے ہوئے نہ کہ مال فی، اسی لئے بعض مفسرین کی تو رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا نزول ارض  
بنو نضیر کے بارے میں نہیں ہے اس لئے کہ وہاں تو ایجاب خیل و رکاب ہوا ہے، بلکہ اس کا مصداق ارض فدک ہے  
وہاں ان چیزوں کی واقعی ذمہ داری نہیں آئی، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق ارض بنو نضیر ہی ہے، اسلئے  
کہ وہاں کچھ زیادہ دوڑ دھوپ اور قتل و قتال کی ذمہ داری نہیں آئی، اور نہ کوئی خاص مسانفت طے کرنے کی ضرورت  
پیش آئی، کیونکہ یہ لوگ مدینہ سے صرف دو میل پر آباد تھے صحابہ کرام وہاں پیدل ہی پہنچ گئے تھے بغیر سواروں  
کے، اور آپ کے علاوہ کوئی سوار نہیں تھا، اس لئے اس کو ان اموال سے قرار دیا گیا جو بغیر قتال کے حاصل  
ہوئے ہوں (من البذل ص ۱۲)

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن الزهري قال قال عمر رضي الله تعالى عنه وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من  
خيل ولا ركاب، قال الزهري قال عمر هذا لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة قرى  
عربيه وفدك وكذا وكذا، ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فله الله وللرسول۔

لے چنانچہ اسکے موافق ایک حدیث آگے قریب ہی میں آرہی ہے ۱۱ ۱۲ یہ لفظ ہمارے ہندی نسخے میں اسی طرح ہے عربیہ سے

## شرح الحدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں پر دو آیتیں ذکر فرمائیں آیت اولیٰ کی ابتداء و ما افار اللہ

سے ہے حرف عطف کے ساتھ اور دوسری آیت کی ابتداء "ما افار اللہ علی رسولہ" سے ہے بغیر حرف عطف کے، اور اس دوسری آیت میں بجائے "منہم" کے "من اهل القری" ہے، حضرت عمر پہلی آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس آیت میں اس مال فی کا ذکر ہے جو خالص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا، اور اس کا مصداق انہوں نے ان مقامات کو بیان کیا قرنی عربینہ اور مذک، اور ان کے علاوہ اموال کی طرف اشارہ کیا، کذا سے یہ اشارہ اموال بنی نضیر کی طرف ہے جیسا کہ اس سے اوپر والی حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عمر ہی سے مروی ہے، اور دوسرے کذا سے نصف خیبر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس کو آپ نے تقسیم نہیں فرمایا تھا اس بنا پر کہ وہ صلحاً فتح ہوا تھا علی ماقبل؛ (اس کے بعد حضرت عمر دوسری آیت کے بارے میں فرما رہے ہیں جس کے اندر رسول کا ذکر ہے اور ذوی القربی، یتامی اور مساکین اور ابن السبیل اور فقراء مہاجرین اور انصار اور ان سب کے بعد میں آنے والوں کا) کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا استیعاب اور احاطہ کر لیا، اور اب مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد بشر باقی نہیں رہا جس کا اس مال فی میں حق نہ ہو سوائے غلاموں کے (کیونکہ غلام میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ تو خود ہی دوسرے کا مملوک ہوتا ہے ابوداؤد میں تو یہ اثر عمر اتنا ہی ہے اور سنن نسائی میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے "ولئن عشت ان شار اللہ لیا یتن علی کل مسلم حقہ" اوقال حفصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ اور زندہ رہا تو ان شار اللہ ہر فرد مسلم کو بالضرور اس کا حق پہنچ کر رہے گا

بادی الرائے میں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت اولیٰ میں صرف اس مال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ خاص تھا اور آپ کی ملک تھا، اور دوسری آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور باقی مصارف سبعہ مذکورہ فی الایات کے درمیان مشترک ہیں، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ جو مال فی آپ کی حیات میں حاصل ہو گا وہ آپ ہی کی ملک ہو گا اور اس کی تقسیم آپ کی رائے پر موقوف ہوگی کہ مالکانہ طور پر اس کو جہاں چاہیں اور خصوصاً ان مصارف میں جو آیت میں مذکور ہیں تقسیم فرمادیں، ہر اس

بالن بعد الیا التمانیۃ تصغیر عرۃ، اور نسخۃ عون المعبود میں بھی اسی طرح ہے، اور شارح نے اس کو اسی طرح ضبط بھی کیا ہے اور پھر گئے لکھا ہے موضع ہر قری کا نہ بنو امی الشام، یعنی کوئی علاقہ ہے جس میں متعدد گاؤں ہیں، شاید اطراف شلم میں اھ اور ابوداؤد کے اکثر مصری نسخوں میں قری عربیہ ہے اور صرف ایک نسخہ میں وہاں کے عربینہ ہے، شیخ محمد عوامہ نے اس اختلاف کو خوب بسط سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ نسائی سنن کبریٰ و صغریٰ ان دونوں میں بھی عربیہ ہی ہے، اور بھی بہت سی کتب تغیر وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں جن میں بعض میں عربینہ ہے اور بعض میں عربیہ، اور ان قری کے اھاریہ نقل کئے ہیں، الصغیر، والینوع و وادی القری، اھ لخصا ہمارے پاس جو نسائی کا نسخہ ہے اس میں جیسا کہ شیخ عوامہ نے لکھا، قری عربیہ، ہی ہے اور اسکے حاشیہ پر نسخہ کی علامت بنا کر عربینہ لکھا ہے۔ ۴۰

مال فی کا یہی حکم ہے جو آپ کی حیات میں حاصل ہوگا، اور کسی مال فی کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ فلاں آپ کی ملک خاص ہے اور فلاں آپ اور آپ کے غیر میں مشترک ہے، پھر آیت میں دو قسمیں کر کے کیوں بیان کیا ہے اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پہلی آیت میں ان اموال فی کا ذکر ہے جو نزول آیت کے وقت حاصل ہو چکے تھے، اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان اموال فی کے علاوہ بھی اس کے بعد جو حاصل ہوں گے ان کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ آپ کی ملک ہیں آپ اپنی صوابدید سے جیسے چاہیں ان مصارف مذکورہ میں مالکانہ تصرف و اختیار کیساتھ تقسیم فرمائیں (مستفاد من بیان القرآن للشیخ التھانوی)

فائدہ: اس حدیث عمر میں "قریٰ عرینہ" کا ذکر آیا اور بعض نسخوں میں "قریٰ عربیہ" ہے اس کے بارے میں تفصیل حاشیہ میں دیکھی جائے، یہاں پر ایک لفظ اور ہے "وادی القریٰ" وہ بھی ابوداؤد میں چند مقامات پر آیا ہے مثلاً کتاب الجہاد باب فی تعظیم الغلول و فیہ قال فوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نحو وادی القریٰ الخ، اسی طرح آئندہ کتاب الخراج ہی میں باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں، اس میں ہے قال مالک: عمر اہل اہل نجران ولم یجلاوہن تیار لانہا لیست من بلاد العرب، نا مالک وادی فانی اری انہا لم یجل من فیہا من الیہود انہم لم یروہا من ارض العرب، بذل میں اس وادی کی شرح وادی القریٰ سے کی ہے، اسی طرح باب احیاء الموات میں ایک طویل حدیث کے اخیر میں فلما اتینا وادی القریٰ قال للمرأة کم کان فی حدیقتک الحدیث، اور ہمارے یہاں حاشیہ پر جو تحقیق مذکور ہے اس میں قریٰ عربیہ کے مصداق میں وادی القریٰ بھی مذکور ہے، وقد ذكرت هذا لمزيد فائدة الطلاب۔

عن مالک بن اوس بن الحدّثان قال کان فیما احتج بہ عمرانہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر و خیتب و فندک، فاما بنو النضیر الخ۔

یہ بھی مالک بن اوس کی روایت ہے، دراصل باب کے شروع میں منازعت عباس و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی طویل روایت جو گزری ہے اس کے راوی بھی مالک بن اوس ہی ہیں، اس کے بعد بھی مالک بن اوس ہی کی چند روایتیں گزر چکیں، اب یہ بھی ان ہی کی روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو یہ حدیث متعدد اسانید و طرق سے پہنچی ہے، اور ان روایات میں کمی زیادتی ہے اسی لئے امام ابوداؤد اس روایت کو مختلف طرق سے لارہے ہیں تاکہ وہ جو زیادات ہیں اس میں وہ سامنے آجائیں۔

**شرح الحدیث** | اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عباس و علی کے باہمی نزاع کے سلسلہ میں حضرت عمر نے جو تقریر اور استدلال ان دونوں کے سامنے فرمایا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تین صفایا تھے، فلاں و فلاں۔ اور پھر ہر ایک کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کہ اس کو کہاں صرف فرماتے تھے، ہر ایک کی تعیین بالتفصیل انہوں نے بیان کی، اور بظاہر غرض حضرت عمر کی اس سب سے یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان صفایا و اموال خالصہ میں سے صرف بقدر ضرورت لیتے تھے، اپنی ضرورت اور ازواج مطہرات کی، باقی سب کو کراہ اور سلاح و مصالح مسلمانوں میں صرف فرمادیتے تھے، اور آپ نے ان چیزوں کو اپنی ملک اور جاگیر نہیں بنایا، یعنی ایسی ملک اور جاگیر جس میں میراث جاری ہو، یہ تو ہوا آپ کا طرز عمل، اور قولاً آپ نے اس طرح تصریح فرمادی۔ مائترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی ہو صدقۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہا اخبرتہ ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارسلت الی ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسألہ میں تھا انہا نے روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صدیق اکبر کے پاس اپنی میراث طلب کرنے کے لئے کسی قاصد کو بھیجا۔ بظاہر یہ قاصدان کے شوہر علی ہی ہوں گے، جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے اس مال فی سے جو آپ کا مدینہ میں ہے یعنی ارض بنو نضیر اور ارض فدک سے اور غنائم خیبر کے خمس سے، یعنی جس نصف خیبر کو آپ نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا تھا اس مال غنیمت میں جو آپ کا حصہ یعنی خمس النخس پہنچتا ہے، اس کی میراث، پھر آگے حدیث میں صدیق اکبر کا جواب مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو میراث دینے سے انکار فرمادیا۔

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بطریق عروہ ہے، اس کو مصنف نے آگے بھی دو طریق سے ذکر کیا ہے اس کے ایک طریق میں آگے یہ آ رہا ہے، فاما صدقۃ بالمدينة فندفعها عمر الی علی وعباس فغلب علیہا حضرت علی وعباس کے درمیان تولیت میں اختلاف کا منشا، عمر نے بطریق تولیت علی اور عباس دونوں کے حوالہ کر دیا لیکن حضرت علی کا اس زمین کی تولیت پر غلبہ رہا یعنی اس کے انتظام و انصرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، گویا حضرت علی پیش قدمی فرماتے تھے اس کے انتظامات میں، میں نے حضرت شیخ سے یہاں سبق میں سنا تھا کہ دراصل حضرت علی کے مزاج میں بہت زیادہ سخاوت اور فیاضی تھی، وہ اس کی آمدنی کو خوب لٹاتے تھے، لے بھائی اور لے بھائی، ادھر بھی اور ادھر بھی، اور حضرت عباس کے مزاج میں یہ بات تھی نہیں وہ بہت احتیاط سے خرچ کرنا چاہتے تھے، لیکن اس معاملہ میں ان کی چلی نہیں، اسی بنا پر ان دونوں میں اختلاف اور نزاع کی ذبت آئی جس کو لیکر وہ فاروق اعظم کے یہاں پہنچے تقسیم تولیت کینے کا سبق مفصلاً فی الحدیث الاول من الباب، آگے روایت میں ہے واما خیبر و فداء فامسکھا معا عمر یعنی ان دونوں کی تولیت میں صرف ارض بنو نضیر دینگے، اور ارض خیبر و فدک، کو حضرت عمر نے اپنے انتظام کے تحت رکھا ان کی تولیت میں نہیں دیا۔

قال صالح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اهل فذک وقری۔ قد سماھا الا حفظھا۔ وهو محاصر قوماً اخرین فارسلوا الیہ بالصالح۔

قری سے مراد وہی قری عربینہ ہے۔ راوی کہہ رہا ہے کہ ان قری کے نام مجھے محفوظ نہیں رہے۔

روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل فذک سے مصالحت ایسے وقت میں فرمائی جبکہ آپ ایک دوسری قوم یعنی اہل خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو اسی دوران اہل فذک نے آپ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا، چنانچہ آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا، یعنی جس وقت آپ جنگ خیبر میں مشغول تھے اور ابھی تک فذک کی طرف آپ نے رخ بھی نہیں فرمایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی بیعت اور رعب طاری فرمایا کہ انہوں نے از خود مصالحت کی پیش کش کی اور گھبرا کر وہیں سے اس کام کے لئے ایک آدمی بھیجا، اسی لئے ارض فذک کو مال فی کہا جاتا ہے۔ قال خدا او جفتہ علیہ من خیل ولا رکاب یقول بغیر قتال۔

سورہ حشر کی آیت کا نزول اس اثر زہری کے سیاق سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ آیت کریمہ فذک کے بارے میں ہے نہ کہ ارض بنو نضیر کے، چنانچہ بعض مفسرین کی رائے یہی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بنو نضیر کو فتح کرنے میں تو قتال کی نوبت آئی تھی وقد تقدم الکلام علیہ قبل ذلک، لیکن اسکے بعد امام زہری ارض بنو نضیر کے بارے میں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اس کو بھی صلح ہی فتح کیا گیا تھا اب ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ آیت کا نزول تو فذک ہی کے بارے میں ہوا لیکن حال بنو نضیر کا بھی یہی ہے۔ آگے اموال بنو نضیر کے بارے میں یہ ہے کہ آپ نے اس کو ہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا، انصار کو اس میں سے آپ نے کچھ نہیں عطا فرمایا سوائے دو شخصوں کے جو حاجت مند تھے، اس کے بارے میں یہاں پر بذل میں یہ لکھا ہے لم اقف علی تسمیتہا، لیکن آگے، باب فی خبر بنی نضیر میں ان انصار کا تسمیہ بذل میں حضرت نے تفسیر کبیر سے نقل فرمایا ہے اور وہاں تین نام مذکور ہیں، البدجانہ، سہل بن حنیف، الحارث بن الصمة۔

عن المغيرة رضي الله تعالى عنه قال جمع عمرو بن عبد العزيز بن مروان حين استخلف فقتل ان

رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا کمال انصاف مضمون روایت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خاندان کے

لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی جس میں یہ بیان کیا کہ یہ ارض فذک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھی جس کی آمدنی آپ بنو ہاشم کے بچوں پر خرچ فرماتے تھے، اور بیواؤں کی شادی میں — اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ نے اس فذک کو آپ سے مانگا تھا آپ نے انکار فرمادیا تھا، غرضیکہ آپ اپنی حیات میں اسکو اسی



طرح خرچ فرماتے رہے پھر آپ کے بعد جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس میں وہی طرز عمل رکھا جو حضورؐ کا تھا اور اس کے بعد پھر اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی، پھر جب ہمارے جد امجد خلیفہ بنے یعنی مروان تو انہوں نے اس پر قبضہ مالکانہ کر لیا، پھر اب شدہ شدہ وہ منتقل ہو کر عمر بن عبد العزیز کے لئے ہو گیا۔ اس پردہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچا کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کو نہیں دیا تو میں اس کا حقدار کیسے ہو سکتا ہوں، اور دیکھو! میں تم سب کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں اس باغ فدک کو اس کی سابق حالت پر لوٹا رہا ہوں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز کا عدل و انصاف زہد و تورع خشیت و انابت الی اللہ ضرب المثل ہے جس کے واقعات کتب تاریخ میں معروف ہیں، خاص ان کی سیرت پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ابن عبد الحکم جو امام مالک کے بلا واسطہ شاگرد ہیں انہوں نے بھی ان کی سوانح عمری لکھی ہے جو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہے، اسی طرح ابن الجوزی نے بھی مناقب عمر بن عبد العزیز لکھی ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

جب آپ دیکھیں کہ کوئی شخص حضرت عمر بن عبد العزیز سے محبت کرتا ہے ان کے محاسن کا ذکر اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہی خیر ہے۔

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں ایک عبارت ہے جو بذل الجہود کے حاشیہ پر علامت نسخہ بنا کر لکھی ہے۔

قال ابوداؤد فی عمر بن عبد العزیز الخلفاء و غلته اربعون الف دینار و توفي و غلته اربع مئة دینار و لو بقی لکان افضل یعنی عمر بن عبد العزیز کی ذاتی سالانہ آمدنی خلافت سے قبل چالیس ہزار دینار تھی، اور خلیفہ بننے کے بعد وہ آمدنی گھٹتے گھٹتے چار سو دینار پر اتر آئی تھی، اور اگر کچھ اور زندہ رہتے تو اس سے بھی کم رہ جاتی۔

لہ خطابی کی شرح معالم السنن میں ہے انما اقطعہا مروان فی ایام حیاة عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یعنی مروان نے فدک کا اقطاع اپنے لئے حضرت عثمان کی حیات میں کیا تھا اور یہ من جملہ ان اعتراضات کے ہے جو ان پر کئے گئے ہیں۔ پھر آگے انہوں نے اس کی حضرت عثمان کے جانب سے تاویل و توجیہ کی ہے وہ یہ کہ اس کا منشاء ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہو جو ان کو پہنچی ہو اذا اطعم اللہ نبیا طعمہ فی الذی یقوم من بعدہ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کوئی خاص مال عطا فرمائیں تو وہ اس نبی کے بعد اس کے لئے ہے جو ان کے قائم مقام بنے، اور چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارض فدک سے اپنے اوپر بھی خرچ فرماتے تھے اور اپنی عیال کے لئے سالانہ قوت بھی اس سے لیتے تھے اور باقی کو آپ مصرف فی میں صرف فرمادیتے تھے، اب جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اور قائم مقامی کی نوبت حضرت عثمان کو پہنچی تو اس ارض فدک میں ان کا بھی استحقاق ہوا وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر سکتے تھے لیکن وہ چونکہ اپنے ذاتی تمول کی وجہ سے اس سے مستغنی تھے اس لئے انہوں نے اس کی آمدنی کو اپنے اقرباء کے لئے روا سمجھا۔ ۱۴ مکتبہ خدیلیہ سہارنپور نے شائع کیا ہے۔

۱۵ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے گورنر رہے اور ان کے والد مہر کے گورنر تھے، اور دوسری جائیدادیں بھی ہوئی اس لئے یہ مستبعد نہیں۔



جاءت فاطمة الى ابي بكر رضي الله تعالى عنهما تطلب ميراثها من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال فقال ابو بكر يعني حضرت سيدة فاطمة رضي الله تعالى عنها صديق اكبر رضي الله تعالى عنه کے پاس آئیں میراث لینے کے لئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو کسی چیز کا مالک بناتا ہے تو پھر وہ اس کے لئے ہو جاتی ہے جو اس نبی کے بعد اس کا قائم مقام ہو، یعنی باعتبار انتظام ولایت کے (بذل) اس حدیث میں حضرت فاطمہ کے صدیق اکبر سے طلب میراث کا ذکر ہے

یہاں ابو داؤد کی روایت میں تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب مذکور ہے کہ انہوں نے حدیث سنا کر دینے سے انکار فرمادیا اور اس کے بعد کچھ نہیں، اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس میں

میں اس کے بعد یہ زیادتی ہے فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فهجرت ابا بكر فليمر تنزل مهاجرة حتى توفيت الله اي حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب سے ناراض ہو گئیں اور صدیق اکبر سے ترک کلام کر لیا آخر حیات تک، حضرت فاطمہ کے اس طرز پر ہجران مسلم کا اشکال مشہور ہے کہ ہجران مسلم حرام ہے، اس پر لامع اور حاشیہ لامع میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلی کلام فرمایا ہے اور پھر اخیر میں حضرت شیخ نے اپنی رائے بھی لکھی ہے، شرح حدیث نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں، بعض شرح نے بنیادی طور پر ہجران مسلم کا جواب یہ دیا ہے کہ ہجران مسلم جو حرام ہے وہ تو یہ ہے کہ ان یستقیظا لیسلم احدھما علی صاحبہ کہ اتفاقاً جب ان دونوں کا کسی راستہ میں گذر ہو رہا ہو تو ایک دوسرے کو دیکھ کر اس سے منہ موڑ لے اور سلام و کلام سے اعراض کرے اور صرف ترک ملاقات، یعنی قصداً ملاقات کے لئے نہ جانا اور — اس کو چھوڑ بیٹھنا یہ ممنوع نہیں، اور یہاں ان دونوں کے درمیان یہ ثابت نہیں کہ کسی موقع پر یہ دونوں حضرات جمع ہوئے ہوں اور پھر حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے ترک سلام و کلام اور اعراض کیا ہو — اور رہا مسئلہ ترک تقارر کا سو اس کا منشاء غضب اور ناراضگی نہیں ہے بلکہ اس کا منشاء انقباض طبعی ہے

یہ جواب علامہ عینی نے مشہور شارح بخاری مہلب سے نقل کیا ہے، یہ جواب تو ہوا ترک کلام و ہجران کا، رہی بات ان کے غصہ کی جو کہ بخاری کی روایت میں مصرح ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر کا استدلال صحیح نہیں تھا کیونکہ فاطمہ کے نزدیک حدیث مؤول تھی اور وہ اس بار سے میں تخصیص کی قائل تھیں اور ابو بکر قائل بالعموم تھے، عموم و خصوص سے مراد وہی فرق اور عدم فرق بین المنقولات و غیر المنقولات ہے کما تقدم فی شرح حدیث عمر اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ہجران سے مراد جو بخاری کی روایت میں ہے — ترک کلام فی المال والمیراث ہے جیسا کہ عمر بن شہب کی روایت میں ہے بطریق معر فلم تکلم فی ذلك المال، حافظ کہتے ہیں کہ ایسے ہی امام ترمذی نے اپنے بعض

مشایخ سے نقل کیا ہے کہ ترک کلام فی المیراث مراد ہے، اس جواب پر بعض شراح کو اشکال ہے کہ روایت میں غضبت کی تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک کلام مطلقاً تھا لیکن یہ اشکال قوی نہیں اسلئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ غصہ ہی کی وجہ سے تو دوبارہ میراث کا سوال نہیں کیا کہ اچھا امت دو ہم بھی آئندہ کبھی سوال نہیں کریں گے۔ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ غضب اور ترک کلام وقتی طور پر تھا بعد میں صلح صفائی ہو گئی تھی، چنانچہ بیہقی نے روایت کیا بطریق شعبی کہ صدیق اکبر حضرت فاطمہ کی عیادت کے لئے ان کے دروازہ پر پہنچے اس پر حضرت علی نے فاطمہ سے کہا ہذا ابو بکر یستأذن علیک، کہ ابو بکر اندر آنے کی اجازت چاہ رہے ہیں۔ اس پر وہ بولیں کہ کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہے کہ میں ان کو اجازت دیدوں، حضرت علی نے اس کا اثبات میں جواب دیا پس حضرت فاطمہ نے اجازت دیدی خدخل علیہا فترضاها حتی رضیت کہ حضرت ابو بکر نے ان کے پاس جا کر ان کو راضی کر لیا اور منالیا، قال الحافظ وهو ان کان مرسلًا فاسنادہ الی الشعی صحیح وہ یزول الاشکال فی ترمادی فاطمہ علیہا السلام علی ہجر ابی بکر، اس سب کے بعد حاشیہ لامع میں شیخ نے اپنی رائے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر مذکورہ بالا توجیہات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ کی ناراضگی اور ترک سلام و کلام میراث ہی کی وجہ سے تھا تب بھی کوئی — اشکال نہیں بلکہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق فی الدین ہے اور اپنے حق شرعی کا جو ان کے نزدیک شرعاً واجب ثابت ہے اس کا مطالبہ تھا اور یہ بات صحابہ کرام کے احوال سے معلوم و معروف ہے کہ وہ ام دین میں بڑے پختہ کار اور مضبوط تھے، اور وہ اس میں لومۃ لائم کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں یہ بات تھی کہ حدیث اثر عام نہیں لہذا میراث میں ان کا حق شرعی ثابت ہے اس لئے وہ اپنے حق شرعی کی طلب میں مہر ہوئیں اور صدیق اکبر کے نہ دینے پر ناراض ہو گئیں، پس ان کی یہ ناراضگی خدا نخواستہ کسی حرص اور طمع و طلب دنیا کے لحاظ سے نہ تھی، ان کا زہد و قناعت اور اعراض عن الدنیا تو اظہر من الشمس ہے بلکہ یہ ناراضگی ان کے نزدیک صدیق اکبر کے حق شرعی کے انکار کی بنا پر تھی اھ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا یقسم ورنثی دیناراً، ما ترکت بعد نفقۃ نسائی وموئۃ عاملی نہو صدقۃ۔

آپ فرما رہے ہیں کہ میرے ورثہ میرے مال کو بطریق میراث نہ لیں، اس لئے کہ میں جو کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ بعد نفقۃ ازواج۔ اور موئۃ عامل کے باقی سب صدقہ ہے۔

عالم کی تفسیر میں اختلاف ہے، فقیل المراد بہ الخلیفۃ، وقیل العال علی الصدقۃ او خادمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والحدیث اخرہ البخاری وسلم والترمدی، قالہ المتذری۔

عن البختری قال سمعت محمد بن شام بن رجل فاعجبني فقلت اكتبه لی، فاتی به مکتوباً مذبذباً

ابو البختری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی تو مجھے وہ بہت پسند آئی اسلئے میں نے اس سے کہا

کہ یہ حدیث مجھ کو لکھ کر لادے، چنانچہ وہ اس حدیث کو لکھ کر لایا بہت عمدہ۔ آگے روایت میں اس حدیث کا بیان ہے یہ وہی اختصام عباس و علی کی حدیث ہے۔ جو ہمارے یہاں باب کے شروع میں مفصلاً گزری، اور پھر بعد میں مختلف روایات میں اس کے قطعات گزر چکے، جس کے راوی مالک بن ادیس بن الحد ثانی ہیں، اس روایت میں رجل بہم سے یہی مراد ہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ان ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حین توفی اذ۔  
اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں باب کے بالکل شروع میں گذر چکا کہ ازواج مطہرات نے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی میراث طلب کرنے کا ارادہ کیا تھا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حدیث یاد دلانے پر اپنا ارادہ انہوں نے ملتوی کر دیا تھا۔

والحدیث اخر جہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی، قالہ المنذری۔  
الحمد للہ تعالیٰ کہ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو ایک طویل اور اہم باب تھا اسکی احادیث کی شرح اور بحث پوری ہوئی۔

## باب فی بیان مواضع قسم الخمس و مہمذی القربی

گذشتہ باب اور اس کی احادیث کا تعلق تو مال فی سے تھا، اس باب کے اندر خمس غنیمت کا حکم اور یہ کہ وہ اب کن کن مصارف میں تقسیم کیا جائے گا بیان کر رہے ہیں۔

تقسیم غنیمت کے باریکس آیت کریمہ | مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ خود قرآن کریم میں منصوص و مصرح ہے۔  
واعلموا ان ما غنمتم من شئ فان الله خمسہ للرسول ولذی القربى والیتام والمساکین

یعنی اولاً کل مال غنیمت کی تخمیس کی جائے یعنی اس کے برابر برابر پانچ حصے کئے جائیں اور پھر ایک حصہ کو ان مواقع میں جو اس آیت میں مذکور ہیں ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی اربعہ اخماس یہ ظاہر ہے کہ مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے، اس آیت میں تقسیم خمس کے چھ مواضع مذکور ہیں، جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس کے بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو سب کچھ ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا نام یہاں تبرکاً مذکور ہے، امام نسائی نے اپنی سنن صغریٰ میں اس پوری آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد خود اس کی تشریح اپنے کلام سے فرمائی ہے، کافی مفصل کلام ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ذکر کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، اور ایک بات اور لکھی ہے ولعلہ انما استفتح الکلام فی الفی و الخمس بذکر نفسہ لانہا اشرف الکسب ولم ینسب الصدقة الی نفسه عز وجل لانہا ادساخ الناس یعنی اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے مفاد جہاں بیان کئے ہیں وہاں شروع میں اپنا نام ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس طرح فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساکین والیتام والمساکین علیہا

علیہا الخ بخلاف غنیمت کے کہ وہ اشرف المکاسب میں سے ہے، اسلئے اس کی ابتداء اپنے نام سے فرمائی، اور صدقاً چونکہ ادساخ الناس ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ذکر نہیں فرمایا اور پھر آگے انہوں نے بعض علماء کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی نکالا جائے اور پھر اس کو کعبۃ اللہ پر حشر کر دیا جائے۔ الی آخر ما ذکر، اس بعض سے مراد ابو العالیہ ہیں۔

**ترجمة الباب الی مسئلہ میں مذاہب ائمہ** | اب اس کے بعد آپ ترجمۃ الباب سے متعلق خلاصہ کے طور پر سمجھتے وہ یہ کہ خمس غنیمت کے بارے میں ائمہ میں سے امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کی تقسیم علی رأی الامام ہے، جملہ مصارف مذکورہ فی الآیہ میں صرف کرنا ضروری نہیں البتہ ذوی القربی کا حصہ ضرور لگایا جائے گا، اور شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ خمس غنیمت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی پانچ جگہ تقسیم کیا جائے گا چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ بھی نکالا جائے گا جس کو امام المسلمین وہاں صرف کہے جہاں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف کرتے تھے، مصارف مسلمین میں، اور باقی چار حصے ان کو دیتے جائیں گے جو ایت میں مذکور ہیں، اور حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا، ایسے ہی ہم ذوی القربی کے بارے میں بھی ان کی رائے یہی ہے کہ ان کو فقر کی وجہ سے دیا جاتا تھا، لہذا فقر ذوی القربی کو دیا جائے گا اغنیاء کو نہیں، لہذا باقی تین جو رہ گئے (یتامی بساکیں۔ ابن السبیل) ان ہی میں اس کو تقسیم کیا جائے گا، اور ان تین کو بھی ان کے نزدیک مستحق ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ معرف ہونے کی حیثیت سے

**اشرف المکاسب کی بحث** | اس سلسلہ میں امام بخاری نے بھی کتاب البیوع میں ایک باب قائم فرمایا ہے۔ باب کسب الرجل و عملہ میدہ۔ و اخرج فیہ عن المقدم عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما اکل احد طعاما طعما غیر من ان یا کل من عمل یدہ وان نبی اللہ و اودکان یا کل من عمل یدہ، و ایضا اخرج حدیث ما رآہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما استخلف ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنة اصل و طغلت بامر المسلمین فیا کل آل ابی بکر من هذا المال و یحرف للمسلمین فیہ (بخاری ص ۲۷۸) و فی الباب و التراجم علیہ عن الحافظ قد اختلف العلماء فی افضل المکاسب، قال المادری، اصول المکاسب الزراعة و التجارة و الصناعة، و الاشبہ بزمذہب الشافعی ان اطیبہا التجارة قال و الاربع ہندی ان اطیبہا الزراعة لانہا اقرب الی التوکل، و تعقبہ النووی بحديث المقدم، و ان الصواب ان اطیب الکسب ما کان بعمل الید، قال فان کان زراعاً فہو اطیب المکاسب لما یشتمل علیہ من کونہ عمل الید و لما فیہ من التوکل۔ الی آخر ما قال۔ قال الحافظ، و فوق ذلک من عمل الید ما یشتمل من اموال الکفار بالجهاد و هو کسب البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و اصحابہ و هو اشرف المکاسب لما فیہ من عار کلمۃ اللہ تعالیٰ و خذلان کلمۃ اعدائہ، و النفع الاخری، قال و من لم یعمل یدہ فالزراعة فی حقہ افضل۔ الی آخر ما فی الابواب و التراجم من اقوال الشارح فی ذلک و فیہ قلت و ظاہر الترجمة الاشارة الی ترجیح الحرفة و بہ صرح العینی و القسطلانی۔ الی آخر ما فیہ، فارجع الیہ لو شئت التفصیل۔

دیا جاتا ہے، حتیٰ لو صرف الی صنف واحد منہم جائز، امام نسائی نے بھی ہم ذوی القربی کے بارے میں اپنی رائے یہی لکھی ہے جو حنفیہ کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: وقد قيل انه للفقر منهم دون الغنى كاليتامى وابن السبيل وهو أشبه القولين بالصواب عندى، والله اعلم۔ اھ

نیز جانتا چاہیے کہ تقسیم خمس میں ذوی القربی کے مصداق میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب بھی داخل ہیں جیسا کہ حدیث اثبات میں اس کا ذکر آ رہا ہے، البتہ مسئلہ زکاۃ میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو المطلب کا داخل ہونا مختلف فیہ ہے و قدر فی کتاب الزکاۃ۔

اخبرني جبير بن مطعم انه جاء هو وعثمان بن عفان رضي الله تعالى عنهما يكلمان رسول الله صلى الله

تعالى عليهما وسلم في ما قسم من الخمس بين بني هاشم وبني المطلب۔

**مضمون حدیث** | مضمون حدیث سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خمس ذوی القربی کو بنی ہاشم اور بنو المطلب دو کے درمیان تقسیم فرمایا تھا، اس پر حضرت جابر بن مطعم جو کہ نوقل ہیں

نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ حبشی ہیں عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ آپ نے ہمارے بھائی بنو المطلب کے لئے خمس میں حصہ لگایا اور ہم دو کو کچھ نہیں عطا فرمایا حالانکہ جو قرابت بنو المطلب کی آپ سے ہے وہی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کی بھی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انما بنو ہاشم و بنو المطلب شئ واحد اس روایت میں تو صرف یہی ہے اور آگے یہ آ رہا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب ہمیشہ ہابلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ساتھ رہے ہیں، وانما نحن و هم شئ واحد و شہدے بین اصابعہ، یعنی آپ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں داخل کر کے فرمایا کہ یہ دونوں قبیلے ہمیشہ اس طرح ساتھ رہے ہیں، آپ کے اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تو صحیح ہے کہ قرابت کے اعتبار سے چاروں خاندان برابر ہیں، لیکن بنو المطلب کو جو دیا گیا ہے وہ صرف قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت مع النصر والامانہ کی بنا پر، جو بنو المطلب میں پائی جاتی ہے، ہائی دو میں مفقود ہے۔

آگے روایت میں یہ ہے۔ وكان ابوبكر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه

والله وسلم خيرا انه لم يكن يعطى قربي رسول الله تعالى عليه وآله وسلم ما كان النہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم يعطيہم، قال لكان ممن من الخطاب يعطيہم منه و عثمان بعدا۔

لہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہد رابع عبد مناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، نوفل، عبد شمس۔ لہذا یہ چار خاندان ہوتے، بنو ہاشم جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، بنو المطلب، بنو نوفل، بنو عبد شمس۔

حضرت جابر کا سلسلہ نسب ہے جابر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف حضرت عثمان کا یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس

یعنی ابو بکر بھی خمس کو اسی طرح تقسیم فرماتے تھے جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، بس فرق یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو ذوی القربی کو ان کا حصہ عطا فرماتے تھے، لیکن حضرت ابو بکر نہیں دیتے تھے، اسی طرح عمر اور عثمان بھی حضور کی طرح دیتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے حنفیہ کی ذوی القربی کے مسئلہ میں تائید ہوتی ہے کہ ان کا مستقل حصہ نہیں ہے بلکہ عند الحاجة والفقر بذل میں لکھا ہے غالباً صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو نہ دینا اسی بنا پر تھا کہ وہ ان کے زمانہ میں اغنیاء تھے، اور انہوں نے غیر ذوی القربی کو احوج سمجھا ان سے اسی لئے ان کو دیا۔  
والحدیث أخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذرى۔

عن السدي في ذی القربی قال هم بنو عبد المطلب

حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ تمام مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں اسی طرح ہے، لیکن نسخہ مصریہ میں بجائے اس کے بنو المطلب ہے، اگر بنو المطلب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بنو ہاشم کے ساتھ اس میں صرف بنو المطلب شامل ہیں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس ذوی القربی کے مصداق میں داخل نہیں، اور اگر یہاں روایت میں بنو عبد المطلب ہے تو چونکہ وہ تو بنو ہاشم سے بھی انحصار ہے چہ جائیکہ بنو المطلب کو شامل ہو، اسلئے یوں کہا جائے گا کہ اس تفسیر سے مقصود حصر نہیں ہے۔

أخبرنا يزيد بن هرمزان بنجد الحروري حين حج في قنسنة ابن الزبير أسس إلى ابن

عباس يسأله عن سهم ذی القربی ويقول لمن تركة؟

مضمون حدیث | حروری یعنی خارجی اور یہ بنجدہ رئیس الخوارج تھا، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتال کے سال میں جب اس نے حج کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک قاصد بھیج کر سہم ذوی القربی کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کو ملنا چاہیے آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء کے لئے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم — ان کا حصہ لگاتے تھے۔ آگے ابن عباس فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اسی حصہ میں سے ہمیں کچھ پیش کیا تھا مگر ہم نے اس کو اپنے حق سے کم سمجھ کر اس کو رد کر دیا تھا۔

اس روایت سے ایک حیثیت سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے سہم ذوی القربی کے سلسلہ میں وہ یہ کہ ان کا حق و حصہ عند الحاجة وبقدر الحاجة ہے تو حضرت عمر نے بقدر الحاجة پیش فرمایا ہوگا، اور ابن عباس کے طرز عمل سے شافعیہ و حنابلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جن کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ہر صورت میں واجب ہے۔

۱۱۔ بنو المطلب اور بنو عبد المطلب کے درمیان فرق ظاہر ہے کہ عبد المطلب بنو ابن ہاشم، والمطلب بنو ابو ہاشم۔



یہ قتال ابن الزبیر کا واقعہ اور اس کا بیان کتاب الحج میں گذر چکا۔  
والحدیث أخرجه مسلم والنسائی، قال المنذري۔

من عبد الرحمن بن أبي ليلى قال سمعت علياً رضي الله تعالى عنه يقول ولا في رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خمس فوضعت مواضع حياة رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وحياة أبي بكر وحياة عمار۔

حضرت علی کی تولیت خمس الخمس میں اس حدیث میں یہ ہے کہ خمس غنیمت میں جو حصہ ذوی القربی کا ہے خمس

یعنی ذوی القربی میں تقسیم کرنے کے لئے، آپ کی حیات میں بھی ایسا ہی رہا اور حضرات ابوبکر و عمر کی حیات میں بھی، یعنی ان دونوں نے بھی اپنے زمانہ نماز میں علی کی تولیت میں اسکو دے رکھا تھا۔ چنانچہ علی فرماتے ہیں کہ میں اس کو تقسیم کرتا رہا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھی اور حضرات شیخین کی حیات میں بھی۔ آگے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے فرمایا تو اپنا حصہ، میں نے کہا کہ میرا ارادہ نہیں ہے لینے کا، انہوں نے دوبارہ فرمایا اس پر میں نے عرض کیا کہ اس سال میں اس سے استغناء حاصل ہے، چنانچہ انہوں نے اس کو پھر بیت المال میں داخل کر دیا اس سے بھی مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے کہ دیکھتے حضرت علی نے عدم حاجت کے وقت اس کو نہیں لیا۔

تنبیہ: حضرت علی کی اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت علی کو اس ذوی القربی کے حصہ کی تولیت حضورؐ اور حضرات شیخین دونوں کی طرف سے ملی تھی، اور اس سے پہلے جبیر بن مطعم کی روایتوں میں یہ گذر چکا کہ صدیق اکبر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ذوی القربی کو ان کا حصہ خمس میں نہیں دیا، فالحدیثان متعارضان۔ شیخ ابن الہمام نے اس تعارض کا جواب حافظ منذری سے یہ نقل کیا ہے، الصحيح حدیث جبیر و حدیث علی لا یصح۔ پس صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور عمر فاروق و عثمان کی جانب سے تو علی کو متولی بنایا گیا تھا صدیق اکبر کی جانب سے نہیں، آیا گیا۔ (بذل)

اس کے بعد والی روایت علی میں بھی اسی طرح آرہا ہے اس کو بھی یہی کہا جائے گا، اور اس میں یہ بھی آرہا ہے کہ حتیٰ

إذا كانت آخر سنة من سنة عمر فانه اتاه مال كثير فعزل حقنا ثم ارسل الى، فقلت: بنا عنه العام غني۔ وبالاسلمين اليه حاجة، یہ مضمون اس سے پہلی روایت سے بھی گذر چکا۔

آگے روایت میں یہ ہے: ثم لم يدعني اليه احد بعد عمر فلقية العباس بعد ما خرجت من عند عمر، فقال يا علي! حرمتنا الغداة شيئاً لا يرد علينا ابداً، وكان رجلاً داهياً۔

حضرت علی فرما رہے ہیں کہ میرے ایک مرتبہ رد کرنے کے بعد پھر کسی نے مجھے اس کی طرف نہیں بلایا، حضرت عمر کے بعد

آگے یہ بھی ہے کہ جب میں حضرت عمر کی مجلس سے باہر نکل کر آیا تو میری ملاقات حضرت عباس سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا اے علی! آج تو تم نے ہمارے حصہ سے ہمیں محروم کر ڈالا، اب کبھی ہمیں یہ نہیں ملے گا، حضرت علی کہتے ہیں کہ واقعی تھے حضرت عباس بڑے فہیم اور تجربہ کار۔

اخبرني عبد الله بن العارث بن نوفل الهاشمي ان عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب اخبره ان ابا لاربيعة بن العارث وعباس بن عبد المطلب قال لعبد المطلب بن ربيعة وللفضل بن عباس اثني رسول الله صلى الله تعالى عليه والوسلم فقولا له يا رسول الله قد بلغنا من السن ما ترى واحببنا ان نتزوج الخ۔

حدیث میں شادیوں کے مسائل | یہ حدیث طویل ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے عبد المطلب سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ ربیعہ نے، اور فضل بن عباس سے ان کے والد عباس نے یہ کہا کہ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، اور جا کر عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ہم دونوں کی جو عمر ہو گئی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں (یعنی شادی کے قابل ہو چکے ہیں) اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں، اور آپ لوگوں میں سب سے زیادہ احسان اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، اور ہم دونوں کے باپوں کے پاس اتنا نہیں ہے کہ وہ ہماری طرف سے مہر کا انتظام کر سکیں لہذا آپ ہم دونوں کو صدقات وصول کرنے پر عامل بنالیجئے جس طرح عمال اموال زکاۃ لا کر آپ کو پہنچاتے ہیں اسی طرح ہم بھی پہنچائیں گے، اور جو کچھ ہمارا حق ہوگا وہ ہمیں مل جایا کرے گا، یعنی عامل کی تنخواہ اور وظیفہ، یہ ربیعہ جن کے بیٹے عبد المطلب ہیں آپ کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضرت عباس کا آپ کا چچا ہونا تو مشہور ہی ہے، تو گویا یہ عبد المطلب آپ کے چچا زاد بھائی کے بیٹے ہوئے اور فضل چچا زاد بھائی۔ یہ قصہ ان دو ہی سے متعلق ہے، آگے روایت میں ہے عبد المطلب کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ہماری یہ گفتگو اور مشورہ ہو رہا تھا، وہاں علی بن ابی طالب اتفاق سے پہنچ گئے (جب ان کے علم میں وہ بات آئی جو یہاں مجلس میں چل رہی تھی) تو اس پر وہ فرماتے لگے بخدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی کو عامل علی الصدقہ نہیں بنائیں گے اس پر عبد المطلب کے والد ربیعہ بولے کہ تم کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی ملی ہے ہم نے تو تم سے اس پر کبھی حسد کیا نہیں (مطلب یہ کہ پھر تمہیں کیوں ہمارے اس مشورہ سے پریشانی اور ملن ہو رہی ہے) قال علیؑ رداء لا شرا اضطلع علیہ فقال انا ابو حسن القرم یعنی حضرت علی کو بھی ربیعہ کا یہ جملہ سن کر طیش آگیا اور اور اپنی چادر جو اوڑھ رہے تھے اس کو بچھا کر اس پر لیٹ گئے اور لیٹے وقت فرمایا (تو میں بھی کہیں نہیں جاتا) میں بھی اپنے نام کا ابو حسن بہادر ہوں، واللہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک تم دونوں کے بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لے کر نہ آجائیں۔ (خویر بمعنی جواب) عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں اور فضل دونوں مشورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں چل دیئے، جب ہم وہاں پہنچے تو ظہر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، ہم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر میں اور فضل دونوں، باب حجرہ کی طرف گئے، اس دن حضرت زینب کی باری تھی اس لئے آپ ان کے یہاں تھے، غرضیکہ ہم آپ سے پہلے ہی دروازہ پر جا کر کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، اور ہم دونوں میں سے ہر ایک کا کان پکڑ کر فرمایا کہ اپنے جی کی بات بتاؤ کہ کیا ہے (ہم خاموش رہے) پھر آپ اندر تشریف لے گئے اور اندر پہنچ کر ہم دونوں کو بھی اندر آنے کی اجازت دیدی، ہم اندر چلے گئے، ہم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو حضور سے عرض کرنے کو کہتا، غرضیکہ ہم دونوں میں سے کسی ایک نے راوی کو تعین میں شک ہو رہا ہے حضور کے سامنے وہی بات رکھی جس کا ہمارے باپوں نے حکم کیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہماری بات سن کر خاموش رہے اور اپنی نگاہ چھت کی طرف اٹھائے رہے (جیسے بعض مرتبہ سوچ میں آدی کرتا ہے) جس میں کافی دیر ہو گئی، ہم سمجھے شاید کچھ جواب نہیں ملے گا (ہم کچھ مایوس سے ہوئے) یہاں تک کہ حضرت زینب کو ہم نے دیکھا جو ہمارے سامنے کی جانب میں پس پردہ نقیس وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگیں جس کا مفہوم یہ تھا کہ جلدی نہ کرو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ہی مسئلہ کا حل سوچ رہے ہیں، پھر کافی دیر بعد اپنے سر اوپر سے نیچے کی طرف کیا اور فرمایا کہ اسے بھائی یہ صدقہ کا مال لوگوں کا میل کھیل ہے یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے حلال نہیں (پھر آپ نے ان کے مسئلہ کا جو حل سوچا تھا اس کو فرمایا) اور فرمایا آپ نے کہ نوفل بن الحارث کو بلاؤ، پس نوفل سے آپ نے فرمایا کہ عبد المطلب کا نکاح کر دو، نوفل نے میرا نکاح کر دیا، اور فرمایا بلاؤ میرے پاس نجمیہ بن جَزْ، کو، راوی کہتا ہے کہ یہ نجمیہ آپ کی جانب سے آخماس کے مستظم تھے، تو آپ نے فرمایا نجمیہ سے کہ فضل کی شادی کر دو اور پھر عامل سے یہ فرمایا کہ ان دونوں کی جانب سے خمس میں سے مہر ادا کر دو۔

یہ جو اس حدیث کا آخری جملہ ہے اَصْدَقُ عَنْهُمَا مِنَ الْخَمْسِ اسی سے ترجمہ الباب ثابت ہو رہا ہے، ایسے موقع پر شرح لکھا کرتے ہیں فیہ الترجمة، مصنف کی غرض اس قصہ کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خمس میں سے اپنے ذوی القربی کا حصہ نکالتے تھے، کیونکہ عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس دونوں ذوی القربی میں سے ہیں، اس قصہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بیاہ شادی میں زیادہ فکر کی چیز وہ بس مہر (اور نفقہ) کا مسئلہ ہے اور تیسری چیز ولیمہ ہے جس کا ذکر آگے حضرت علی کے قصہ میں آ رہا ہے۔ دوسرے لوازمات فضول ہیں۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

ان الحسين بن علي رضي الله تعالى عنهما الخبر ان علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه قال

كان لي شارف من نصيبي من المغنم يوم بدر وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اعطاني

شارفان الخمس يومئذ الخ

حضرت علیؑ کے ولیمہ سے متعلق ایک واقعہ | یہ بھی ایک طویل قصہ ہے اسی قسم کا وہ یہ کہ حسین بن علی فرماتے ہیں

کہ مجھ سے میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میری ملک میں ایک جوان اونٹنی تھی جو جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ملی تھی اور ایک ایسی ہی اونٹنی اور تھی جو آپؐ نے مجھ کو حصہ خمس میں سے دی تھی (ترجمۃ الباب تو اسی سے ثابت ہو گیا آگے مصنف قصہ کی تکمیل کرتے ہیں) جب میرا ارادہ ہوا فاطمہ کو نکاح کے بعد اپنے یہاں لانے کا (جس کو رخصتی کہتے ہیں) تو ولیمہ کی تیاری میں میں نے یہ منصوبہ بنایا جس کو آگے بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ میں نے ایک صواغ یعنی زرگر سے یہ وعدہ لیا کہ وہ میرے ساتھ جنگل جائے تاکہ ہم وہاں سے اذخر جمع کر کے لائیں اور صواغین کے ہاتھ اس کو فروخت کریں تاکہ اس کی آمدنی سے ولیمہ کا بندوبست ہو سکے، چنانچہ میں نے ایسا کیا کہ ان دونوں اونٹیوں کو ایک انصاری کے گھر کے سامنے لا کر بٹھادیا اور خود میں ان اونٹیوں پر باندھنے کے لئے پالان تھیلے اور رسیاں وغیرہ جمع کرنے کے لئے چلا گیا، جب میں وہ سب چیزیں جمع کر کے لایا تو دیکھتا ہوں کہ میری ان دونوں اونٹیوں کے کوہان کاٹ لئے گئے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت بھی کاٹ لیا گیا، اور ان کی کلیجیاں نکال لی گئیں، مجھے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار رونا آ گیا، پھر میں نے پوچھا لوگوں سے کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب نے کیا ہے، اور سامنے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اسی ہیں بہت سے شراب پینے والوں کے ساتھ، اس مجلس میں ایک گانے والی نے ان کے اور ان کے اصحاب کے سامنے اپنے غنا میں یہ شعر پڑھ دیا ہے

الایا حمزہ لشرف النوار      دهن مُعَقَّلات بالفتار  
ضع السکین فی اللبات نہا      دفر جن حمزہ بالدمار

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے حمزہ دیکھو یہ سامنے جوان اور فر بہ اونٹنیاں ہیں جو گھر کے سامنے بندھی ہوئی ہیں ان کے گلوں پر چھری چلاؤ اور ان کو خون میں لت پت کر دو، شرف جمع ہے شراف کی یعنی جوان اونٹنی، اور نوار جمع ہے ناویہ کہ یعنی فر بہ، حضرت حمزہ گانے والی کا یہ شعر سنکر اپنی تلوار کی طرف لپکے اور یہ سب کام کر گزرے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سنکر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا، اس وقت آپؐ کے پاس حضرت زید بن حارثہ تھے آپؐ نے میرے چہرہ کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا میری پریشانی کا اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج جیسا ناگوار منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور سارا واقعہ بیان کیا، اور میں نے یہ بھی بتلادیا کہ وہ ایک گھر میں مجلس ہو رہی ہے شراب نوشی کی اس میں ہیں (تحریم خمر سے پہلے کا واقعہ ہے) اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر منگائی اور اس کو اڑھ کر چلے دیئے، میں اور زید آپؐ کے پیچھے پیچھے، یہاں تک کہ آپؐ اس گھر تک پہنچے جس میں حمزہ تھے آپؐ استیذان کے بعد اندر داخل ہوئے جہاں سب لوگ موجود تھے، آپؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حمزہ کو ملامت

کرنے لگے ان کی اس حرکت پر، حمزہ کا حال یہ تھا کہ وہ شراب کے نشہ میں مست تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اب حمزہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیز نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، اور نشہ کے ایک خاص انداز میں پہلے تو حضور کے پاؤں کی طرف گھورتے رہے کچھ دیر بعد نظر ذرا اوپر اٹھائی اور آپ کے گھٹنوں کو گھورتے رہے، پھر نظر کچھ اوپر اٹھائی آپ کی ناف کے قریب تک، وہاں گھورتے رہے، اسی طرح پھر چہرہ کو گھورتے رہے، یہ گھورنا تو بالکل خاموشی کے ساتھ رہا، اور پھر اخیر میں بولے تیز لہجے میں **وہل انتم الاعبيد لابی** کہ ارے تم سب میرے باپ کے غلام ہی تو ہو (چونکہ حمزہ کے باپ حضور کے بھی اور علی کے بھی دادا اور بڑے تھے، اور گویا سردار تھے، اور حمزہ ان سے بہ نسبت ان دو کے زیادہ قریب تھے اس لئے بطور فخر یہ جملہ کہا) علی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ تو مست ہیں (اور معاملہ گڑبڑ ہے) اسلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الٹے پیروں لوٹ گئے (تاکہ کہیں دست درازی نہ کر بیٹھیں) اور غرضیکہ آپ وہاں سے نکل آئے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم، قال المنذری۔

یہ قصہ ہمارے لئے بڑا قابل عبرت ہے کہ دو جہان کے سردار کی صاحبزادی کی رخصتی ہو رہی ہو جس کے ولیمہ کے انتظام کیلئے آپ کے داماد محترم جنگل سے گھاس اکٹھا کرتے پھریں، اور اس میں بھی پھر حسب منشا کامیابی نہ ہو۔

حدثني عياش بن عتبة الحضرمي عن الفضل بن الحسن الضمري ان ام الحكم اوضباعة

ابنت الزبير بن عبد المطلب، حدثت عن احداها۔

**تحقیق سند** | اس نسخے میں **ان ام الحكم اوضباعة** ہے اور ابن داسہ کے نسخہ میں (کافی تعلیق شیخ محمد عوامہ) اس کے بجائے۔ **ان ابن ام الحكم اوضباعة** ہے، اور دوسرا اختلاف اس کے بعد لفظ **حدثت** میں ہے ہمارے اس نسخہ میں **بصیغہ مؤنث** ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں **کما علی الہامش**۔ **حدثت**۔ **بصیغہ مذکر** ہے، یہ روایت ابو داؤد میں مکرر ہے دوبارہ مصنف اس حدیث کو کتاب الادب باب فی التشیع عند النوم میں بھی لائے ہیں بعینہ اسی سند سے لیکن وہاں ابن داسہ کے نسخہ کی طرح ہے، **ان ابن ام الحكم اوضباعة ابنتی الزبیر حدثت عن احداها**، اور تہذیب الکمال میں حافظ مزنی نے اپنی سند سے اس حدیث کو جب ذکر کیا تو اس میں بھی اسی طرح ہے، لہذا ترجیح ابن داسہ والے نسخہ کی روایت کو ہوگی اور اس صورت میں سند کا مطلب یہ ہوگا، فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحكم کے بیٹے یا ضباعہ کے بیٹے نے بیان کیا، ان دونوں (ام الحكم و ضباعہ) میں سے کسی ایک سے روایت کرتے ہوئے۔ اور

لہذا راوی بیٹا ہوا اور مروی عنہ اس کی ماں یا قالہ ۳

ہمارے موجودہ نسخہ کی صورت میں سند کا مفہوم یہ ہوگا کہ فضل بن الحسن کہتے ہیں کہ مجھ سے ام الحکم یا ضباعتہ کسی ایک نے روایت کیا دوسری سے، یعنی فضل کو شک ہو رہا ہے کہ میرا استاد اس حدیث میں ام الحکم ہے یا ضباعتہ اور بہر صورت ان میں سے ایک دوسری سے روایت کر رہی ہے، چونکہ صاحب عون المعبود کا بھی نسخہ یہی ہے اسلئے انہوں نے سند کی شرح اسی طرح کی ہے، لیکن اس نسخہ کو اگر اختیار کیا جائے تو اس میں معنی کے لحاظ سے یہ اشکال ہے کہ جب حضور کی خدمت میں جانے والی یہ دونوں بہنیں تھیں جیسا کہ روایت میں تصریح ہے فذہبت انا واخوتی تو پھر ایک کے دوسرے سے روایت کرنے کی کیا وجہ؟ دونوں صاحب واقعہ ہیں نیز کتب رجال سے بھی ان میں سے ایک کا دوسری سے روایت کرنا ثابت نہیں، کافی البذل۔ بخلاف نسخہ ثانیہ کے کہ وہ اس اشکال سے محفوظ ہے، مگر حضرت شیخ الہند نے اپنے حاشیہ میں ہمارے موجودہ نسخہ کی سند کی اس طرح توجیہ و تاویل فرمائی ہے جس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا، حضرت شیخ الہند کی تاویل کا حاصل یہ ہے کہ عن احدا ہما بطور لب لباب کے بدل واقع ہو رہا ہے اپنے سابق سے کہ فضل بن الحسن روایت کرتے ہیں ان دو عورتوں میں سے کسی ایک سے، بدل قرار دینے کی صورت میں اوپر والا اشکال پیدا نہیں ہوتا، ہمارے حضرت سہارنپوری نے سند کا مفہوم تو یہی متعین فرمایا ہے جو نسخہ ابن داسہ والی سند کہے مگر اس میں یہ توضیح و تشریح نہیں ہے کہ ہماری یہ سند محتاج تاویل ہے یا نہیں، بلکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے نسخہ کی عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو دوسرے نسخہ کی عبارت کا ہے، واللہ کما فی حاشیۃ شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ، وھذا جہد المقل فی شرح ہذا السند واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مضمون حدیث واضح ہے کہ یہ دونوں اور تیسری حضرت فاطمہ خمس غنیمت میں سے خادم طلب کرنے کیلئے گئیں تھیں تو آپ نے عذر فرمادیا سبق کن یتامی مبدد کہ یتامی بدرتم سے پہلے چونکہ طلب کرنے آگئے تھے اس لئے سارے غلام ان کو دیدیئے گئے اور یا مطلب یہ ہے کہ یتامی بدر استحقاق کے اعتبار سے تم پر مقدم اور رائج تھے اسلئے ان کو دے دیا یا دیا جائے گا، اس صورت میں حدیث حنفیہ کی مؤید ہو سکتی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ذوی القربی کے حق کا مدار افتقار اور احتیاج پر رکھتے ہیں، پھر آپ نے ان تینوں کی دلجوئی اور تلافی میں خادم کا بدل، یعنی بدل معنوی تجویز فرمایا جو تسبیح فاطمہ کے نام سے معروف ہے۔

عن ابن اَعبَدَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَا أَحَدَ ثَلَاثٍ عَنِي وَعَنْ فَاطِمَةَ الْوَحِيدَةِ

اس حدیث اور پہلی حدیث کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اس میں یہ ہے کہ حضرت علی نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ کے پاس جا کر ایک خادم ان سے لے لو، اس پر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں، الی آخر القصۃ وقد اخرج البخاری ومسلم والوداؤد والنسائی عن حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہذا الحدیث بخوہ، وسیحی ان شار اللہ تعالیٰ فی کتاب الادب من کتابنا هذا، قالہ المتدری۔

جد ثنا محمد بن عیسیٰ نا عنہ بن عبد الواحد القرشی، قال ابو جعفر یعنی ابن عیسیٰ —



كنا نقول انه من الابدال قبل ان تسمع ان الابدال من الموالى.

محمد بن عيسى استاد مصنف ابن کثیت ابو جعفر ہے وہ اپنے استاد عنبہ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ یہ سمجھتے تھے عنبہ کے بارے میں کہ وہ ابدال کی جماعت میں سے ہیں قبل اس کے کہ ہم یہ سنیں کہ ابدال موالی میں سے ہوتے ہیں یعنی غلاموں میں سے۔

مطلب یہ ہے کہ عنبہ تو موالی میں سے نہیں ہیں لہذا وہ ابدال میں سے بھی نہیں، لہذا ہمارا پہلا خیال غلط نکلا اختار هذا المعنى شيخنا في البذل، اور صاحب عون المعبود نے موالی کو ممالیک کے معنی میں نہیں لیا بلکہ سادات کے معنی میں لیا یعنی مولیٰ اعلیٰ اور عنبہ ششی ہیں سادات میں سے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شروع میں تو یہ ہمارا گمان ہی گمان تھا بعد میں پھر وہ گمان یقین سے بدل گیا اور ہمیں ان کے ابدال میں سے ہونے کا یقین ہو گیا، ہذا المعنى عكس المعنى السابق۔

**ابدال و اوتاد کا ثبوت احادیث سے** | یہاں اس روایت کی سند میں ابدال کا ذکر آیا، ابدال کا ذکر ابوداؤد میں کتاب الفتن کے بعد باب فی ذکر المہدی میں بھی آیا ہے جس کے لفظ یہ ہیں

فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فيبايعونه جس کا مضمون یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں جب امام مہدی کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان نور ان سے بیعت ہوں گے تو اس کے بعد ان کے مخالفین کا ایک لشکر اٹھے گا ملک شام سے جو ان سے لڑنے کے لئے جائے گا تو ان کو اللہ تعالیٰ راستہ ہی میں مکہ مدینہ کے درمیان زمین میں دھنسا دیں گے، جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا تو اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی وقعت بڑھے گی، چنانچہ عراق کے عباد و زہاد اور ملک شام کے ابدال اگر ان کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے، حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حاشیہ بذل میں ہے علامہ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ صحاح ستہ میں ابدال کا ذکر نہیں ہے سوائے ابوداؤد کی اس روایت کے، واخرجه الحاكم وصححه، ووروفي غير الصحاح ذکر ہم فی عدة احادیث جمعہانی مؤلف، حضرت شیخ نے اپنے اس حاشیہ میں ابدال کے بارے میں بہت سی کتب حدیث و تصوف و رجال تاریخ کے حوالے تحریر فرمائے ہیں، اس حاشیہ میں ہے کہ علامہ شامی کا بھی ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "اجابة الغوث ببيان حال النقباء والخيار والابدال والاوتاد والغوث"۔ اسی طرح علامہ سیوطی کی الحاوی للفتاویٰ میں ایک رسالہ ہے، الخیر الدال علی وجود القطب والاوتاد والخيار والابدال، اور سیوطی نے المتعقبات علی الموضوعات میں حدیث الابدال کے بارے میں لکھا ہے: صحیح وان شئت قلت متواتر۔

حدثني الدخيل بن اياس بن فوح بن معجاعة عن هلال بن سراج بن معجاعة عن ابيه عن جده  
مجملة انه اتى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يطلب دية اخيه قتلته بنو سدوس من بني ذهل.

اے مجھ سے محب مکرم مولانا حکیم سعد صاحب (المعروف بحکیم اجیری) نے ذکر کیا کہ میں نے بھی ابدال سے متعلق تقریباً ستر روایات جمع کی ہیں ۱۲

## مضمون حدیث

اس حدیث کے راوی مجاہد بن عمرہ ہیں جو یمامہ کے رہنے والے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھے یہ صحابہ میں سے ہیں اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کے کافر بھائی کو بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا تو اسکی دیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لینے آئے تھے، شاید بیت المال سے لینا مراد ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر مشرک کی دیت ہو اگر قریبی تو میں تیرے بھائی کی دیت بھی دیدیتا، ہاں البتہ میں دیت کے عوض میں کچھ دوں گا یعنی ان کی تالیف قلب کے لئے کیونکہ یہ اپنی قوم کے رئیس تھے تاکہ ان کی قوم بھی اسلام کی طرف مائل ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ مجاہد اس طلب دیت کے وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے (بذل) چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایک تحریر لکھ دی کہ مشرکین بنو ذہل کی غنیمت سے جب پہلے پہل خمس نکالا جائے تو اس میں سے سوا دنٹ ان کو دیئے جائیں، ان سو میں سے کچھ حصہ تو ان کو مل گیا اور کچھ باقی رہ گیا، اور ادھر یہ ہوا کہ بنو ذہل اسلام لے آئے، پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہ مجاہد ان کے پاس آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر لکیر، تو انہوں نے ان کو باقی دیت کے بارے میں لکھ دیا بارہ ہزار صاع اس صدقہ سے جو — یمامہ سے وصول ہو، چار ہزار صاع گیہوں، چار ہزار جو اور چار ہزار تمر، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر جو آپ نے ان کو دی تھی وہ اس طرح ہے: بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب من محمد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لجماعة بن مرارة من بني سلمى، اني اعطيتهم مئة من الابل من اول خمس يخرج من مشركي بني ذهل عقبة من اخيه۔

## باب ماجاء في سهم الصفي

اس باب پر کلام باب فی الصفا یا میں گزر چکا، اور صفی سے متعلق مسائل بھی، اس باب کی پہلی حدیث میں ہے۔ یختارہ قبل الخمس کہ آپ بہم صفی لیا کرتے تھے، خمس نکالنے سے پہلے، یعنی اصل غنیمت سے، بذل میں لکھا ہے کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے، لیکن اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے، والصفي يؤخذ له رأس من الخمس قبل كل شيء۔ یہ پہلی حدیث کے خلاف ہے، اور دفع تعارض ایسے ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں قبل الخمس سے مراد قبل تقسیم الخمس لیا جائے، یعنی خمس میں سے بہم صفی لینے کے بعد اس کی تقسیم کی جاتی، فارفع التعارض۔

باب کی تیسری حدیث یہ ہے، عن قتادة قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا غزا كان له سهو صاف الخ۔ اس روایت میں بہم صفی کے بارے میں یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے اس وقت ہوتا تھا جبکہ آپ اس غزوہ میں خود شریک ہوں اور وہ آپ کا جو دوسرا حصہ ہوتا تھا غنیمت میں وہ مطلقاً تھا، غزوہ کے اندر آپ کی شرکت ہو یا نہ ہو لیکن اس باب کی جو آخری حدیث آ رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہم صفی اور بہم غنیمت دونوں ہی عام تھے، یہ ساری بحث باب الصفا یا میں گزر چکی۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كانت صفية من الصغرى

یعنی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو سہم صفی میں ملی تھی، یہ روایت آئندہ آنے والی مفصل روایت کے خلاف ہے، اور صحیح بات وہی ہے جو روایت مفصل میں آ رہی ہے لہذا اس روایت کی تاویل یہ کی جائے کہ مراد من حیث المال ہے اور وہ جو آئندہ روایت آ رہی ہے اس میں اس طرح ہے: عن انس رضي الله تعالى عنه قال جمع السبي بخيبر فجاء: حية فقال يا رسول الله اعطني جارية من السبي، قال اذهب فخذ جارية فاحذر صفية ابنة حبيبي۔

**حضرت صفیہ آپ کے حصہ میں کیسے آئیں؟** | یعنی خیبر کے قیدیوں کو جب جمع کیا گیا تو دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ان قیدیوں میں سے ایک باندی کی فرمائش کی، آپ نے ان کو اختیار دیدیا کہ ایک جاریہ لے لو، انہوں نے صفیہ کو لے لیا، تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے دحیہ کو صفیہ دیدی وہ تو بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں کی سردار ہے وہ دحیہ کے لئے مناسب نہیں آپ ہی کے لئے مناسب ہے، اس پر آپ نے دحیہ کو صفیہ کے ساتھ بلایا، اور آپ نے ان پر نظر ڈال کر فرمایا کہ کوئی دوسری جاریہ لے لو، اور پھر آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

ان روایات میں سے ایک میں یہ بھی ہے صفیہ کے بارے میں وقد قتل زوجها وكانت عروسا، نیز یہ بھی ہے فخرج بها حتى بلغنا سد الصهباء حلت نبي بها، یعنی خیبر سے واپسی میں جب آپ مقام سد الصهباء پر پہنچے تو وہ آپ کے لئے حلال ہو گئیں، اس سے طہارت من الجھض مراد ہے، یعنی استبراء حاصل ہو گیا، اسکے بعد آپ نے ان کیساتھ بنار کی (تخلیہ) اور روایات الباب میں سے ایک میں یہ ہے کہ دحیہ کے حصہ میں ایک جاریہ جمیلہ آئی تھی فاشتقها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بسبعة ارؤس، یعنی آپ ایک باندی کو سات باندیوں کے بدلہ میں خریدے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے دحیہ سے صفیہ کو لیکر ان کے بدلے میں سات باندیاں عطا کیں، اور یہ جو روایت میں آیا کہ ایک صحابی نے آپ سے آکر عرض کیا کہ وہ آپ ہی کے مناسب ہے دحیہ کے مناسب نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا دحیہ کے پاس جانا خلاف مصلحت ہے، اس لئے کہ صحابہ میں دحیہ جیسے بلکہ ان سے افضل بہت سے تھے اور یہ ایک عالیشان جاریہ تھیں تو دحیہ کے پاس ہونے سے دوسرے حضرات کو احساس ہوتا اور بتقاضا تے بشریت تنافس کا یہ مقام تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہونے کی صورت میں کسی کو کوئی اشکال نہ ہوتا۔

کہا گیا ہے کہ صفیہ کا نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصطفاء سے پہلے زینب تھا پھر جب وہ سہم صفی میں سے قرار دے دی گئیں تو ان کا نام صفیہ رکھ دیا گیا، کذا فی البذل، لیکن عون المعبود میں امام نووی سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام صفیہ پہلے ہی سے تھا۔

سمعت يزيد بن عبد الله قال كنا بالهريد فجاء رجل اشعث الرأس بيده قطعة اديم احمر  
فقلنا كانك من اهل البادية -

**مضمون حدیث** | یہ اس باب کی آخری حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں ابھی قریب میں آیا تھا، اس کا مضمون یہ ہے  
یزید بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم مقام مرید میں تھے (موضع البصرة) تو ایک شخص پر آگندہ بالوں والا آیا  
جس کے ہاتھ میں سرخ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا (جس پر کچھ لکھا ہوا تھا) ہم نے اس سے کہا کہ تو دیہاتی معلوم ہوتا ہے  
اس نے کہاں ہاں، ہم نے کہا تیرے ہاتھ میں جو یہ ٹکڑا ہے ذرا ہمیں دے اس نے ہمیں دے دیا تو ہم نے دیکھا اس میں  
یہ لکھا ہوا تھا، من محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الى بنى زهير بن اقيش انكر ان  
شهد تحران لا اله الا الله وان محمد رسول الله واقسمت الصلوة وآتيت الزكاة واديت الخمس من  
المغنم وسهم النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم وسهم الصفي انتم آمنون بامان الله ورسوله -

آپ کی اس تحریر میں آپ کے دو حصوں کا ذکر ہے ایک سہم غنیمت اور دوسرا سہم صفی، اور ان دونوں کے بارے میں  
یہ ہے کہ اگر تم یہ دونوں ادا کرتے رہو گے (مع ان باقی امور کے جو تحریر میں مذکور ہیں) تو تم ہماری طرف سے امن میں ہو  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لئے دونوں حصے مطلقاً تھے، شرکت فی الغزوہ کی قید نہ تھی، سہم غنیمت کے بارے میں تو  
روایات میں بھی اتفاق ہے اور علماء کے مابین بھی لیکن سہم صفی کے بارے میں باب کے شروع میں جو حدیث گزری ہے وہ  
اس کے خلاف ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس آخری حدیث کے پیش نظر عدم تفسید کہ ہے، اور گذشتہ باب  
میں یہ گذر چکا کہ حضرت نے بذل میں یہ لکھا ہے کہ کتب فقہ میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی۔

حدیث یزید بن عبد اللہ سمعت علیہ المنذری وکتب الشیخ محمد عوامہ ان المرزی عزاه الی النسائی۔

## باب کیف كان اخراج اليهود من المدينة

**مختصر تاریخ متعلق بہ غزوات یہود** | ترجمۃ الباب یعنی کیفیت اخراج یہود من المدینہ کے بارے میں آپ یہ سمجھئے کہ یہ یہود  
جن سے آپ کو غزوات کی نوبت آئی دو طرح کے تھے، بعض تو وہ تھے جو مدینہ  
سے باہر خیبر میں آباد تھے، یہ خیبر جو ایک بڑی بستی ہے مدینہ سے شمال مغرب میں تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع  
ہے، اور بعض قبائل یہود وہ تھے جو مدینہ اور اس کے آس پاس میں پھیلے ہوئے تھے، اس لئے اولاً تو غزوہ کی نوبت آئی  
یہود مدینہ کے ساتھ جن کو مدینہ سے خارج کر دیا گیا یا قتل کر دیا گیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہود خیبر سے قتال کی  
نوبت بعد میں آئی لیکن بعد الفتح ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے معاہدہ ہو گیا  
کہ جب مسلمان چاہیں گے نکال دیں گے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت وہاں کی آبادی جیسا کہ حدیث الباب میں آرہا ہے مخلوط تھی بین المسلمین والمشرکین والیہود، مشرکین کے دو مشہور قبیلے تھے اوس اور خزرج جن کا لقب ان کے مشرف باسلام ہونے کے بعد انصار ہوا، اور یہود کے تین بڑے قبیلے وہاں آباد تھے، بنو نضیر (جن کا شمار اشراف میں تھا) اور بنو قریظہ (جو کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے) اور بنو قینقاع (عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اوائلی ہجرت ہی میں یہود مدینہ سے معاہدہ فرمایا تھا امن و امان قائم رکھنے کا۔ مگر یہ لوگ عہد شکنی کرتے رہے جس پر ان کے ساتھ قتال ہوتا رہا، چنانچہ سب سے پہلے عہد شکنی بنو قینقاع نے کی، یہ واقعہ سوال سہ کا ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے قتال کا ارادہ فرمایا تو وہ لوگ مقابلہ سے بچ کر قلعہ بند ہو گئے، آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا، جب وہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ جلا وطنی منظور کر کے قلعہ سے نیچے اتر آئے اور ملک شام چلے گئے، اس کے بعد سہ میں یہود بنو نضیر نے مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کی ان کی اس بد عہدی کا واقعہ آئندہ باب فی خبر النضیر میں متن میں آرہا ہے، چنانچہ ان سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے حتیٰ کہ عاجز ہو کر جلا وطنی منظور کی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا بسے اور گویا خیبر یہود کامرکز اور ان کی سازشوں کا اڈہ بن گیا، بنو قریظہ سے اس موقع پر مصالحت ہو گئی تھی، چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے عن ابن عمر ان یہود النضیر و قریظہ حاربوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاجلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر و قریظہ۔ الحدیث یعنی اس موقع پر بنو قریظہ کو مدینہ میں برقرار رکھا گیا، لیکن ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مشرکین کا ساتھ دیا چنانچہ آپ نے غزوہ احزاب سے فارغ ہو کر سہ میں ان پر چڑھائی کی وہ بھی قلعہ بند ہو گئے اور انہوں نے مجبور ہو کر قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا، انہوں نے ان کے قتل کا فیصلہ دیا جس پر یہود بنو قریظہ کے مردوں کو جن کی تعداد روایات میں چار سو آتی ہے سب کو مدینہ منورہ میں قتل کیا گیا، اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بنو نضیر مدینہ سے اجڑ کر خیبر جا بسے تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ سہ میں آپ نے ان پر خروج فرمایا مسلمانوں کو فتح ہوئی، غنیمت میں مسلمانوں کو بہت مال و دولت حاصل ہوئی، حضرت علی فاتح خیبر مشہور ہیں، باقی اس فتح میں ان کو وہاں سے نکالا نہیں گیا بلکہ معاہدہ ہو گیا کہ وہ وہیں ذمی بن کر رہیں گے، مزید برآں ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گزارش کی کہ آپ حضرات کو تو اپنے دین کے کاموں ہی سے فرصت نہیں ہے آپ کا کام کاشتکاری نہیں ہے، ان زمینوں اور باغات کو ہمارے ہی حوالہ فرمادیں ہم ہی ان زمینوں میں کاشت کریں گے اور آپ کو تیار غلہ ملا کرے گا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس پر مزارعت کا معاملہ فرمایا جس کو مخابرہ بھی کہتے ہیں، اور باغات کا بھی معاملہ کر لیا جس کو مساقاہ کہتے ہیں یہ بہت بڑے

بڑے کھجوروں کے باغات تھے یہ اور ان سے اس وقت یہ طے ہو گیا کہ تم یہاں رہتے ہوئے کاشت وغیرہ کرتے رہو، جب مسلمان چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج کر دیں گے، حضرت صدیق اکبر کی خلافت تک تو وہاں بستے رہے، حضرت عمر کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے ان کو اریحار اور تیمار کی طرف نکال دیا تھا جیسا کہ آگے روایت میں آ رہا ہے۔ شروع میں یہ مختصر تاریخ غزوات یہودی کی اور ان کے ساتھ جہاد کی مجملہ لکھ دی تاکہ آئندہ ابواب اور ان کی احادیث کے سمجھنے میں سہولت ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ الموفق والمیسر۔

عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک عن ابیہ۔ وكان احد الثلاثة الذين تيب عليهم عبد الرحمن اپنے باپ عبد اللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، آگے روایت میں ہے: وكان احد الثلاثة ضمیر بظاہر عبد اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، مگر مراد وہ نہیں بلکہ ان کے باپ کعب بن مالک مراد ہیں (یہ امر قابل تنبیہ ہے) ورنہ ظاہر عبارت سے خلاف واقعہ کا شبہ ہوتا ہے

**کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا قصہ** | یہ کعب بن الاشرف یہودی قینقار سے تھا بہت شان بان والا اور شاعر قسم کا آدمی تھا اور بڑا موزی تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشعار میں جو کرتا تھا، اور کفار قریش کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا، آگے راوی کہتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کی آبادی غلو ط تھی مسلمین اور مشرکین اور یہود سب ہی وہاں بستے تھے اور یہ یہودی حضور اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچاتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو عفو اور صبر کا حکم دیتے رہے، چنانچہ آپ ان کو درگزر فرماتے رہے، فلما آتی کعب بن الاشرف ان یترزع عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سعد بن معاذ ان یبعث دھطایقت لونه فبعث محمد بن مسلمة۔

یعنی جب کعب بن الاشرف آپ کو اذیت پہنچانے سے کسی طرح باز نہ آیا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ایک جماعت کو اس کے قتل کے لئے بھیجیں، چنانچہ انہوں نے محمد بن مسلمہ وغیرہ کو بھیجا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ جب کعب بن الاشرف کو قتل کر دیا گیا جو ان کے ایک ہم آدمی کا قتل تھا تو اس پر یہود اور مشرکین سب گھبرا گئے اور چونکہ یہ قصہ ان کے قتل کارات میں پیش آیا تھا اس لئے یہ لوگ علی الصباح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے جا کر شکایت کی کہ رات ہمارا قتل آدمی مار دیا گیا ہے، تو آپ نے ان سے اس کی شرارتوں اور ایذا رسائیوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے ان کے سامنے معاہدہ کی بات رکھی، چنانچہ عہد نامہ لکھا گیا، روایت میں اتنا ہی،

لے چنانچہ ان باغات میں ایک باغ کا نام کتیبہ جب کا ذکر باب ماجاء فی حکم ارض خیبر میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ امام مالک سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ کتیبہ کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ خیبر کا ایک باغ ہے جس میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔



لیکن صرف اس سے ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر نہیں ہوتی اس لئے یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث میں معاہدہ کا ذکر ہے یہی تو سبب بنانا کے اخراج کا کہ چونکہ وہ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہے اور نقص عہد کیا اسی پر ان سے قتال اور اخراج ہوا اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے قتل کعب کا حکم سعد بن معاذ کو دیا، حالانکہ اس سے پہلے کتاب الجہاد میں باب فی العدو یؤتی علی غرۃ میں یہ گزر چکا کہ آپ نے فرمایا، من لکعب بن الاشرف، فقام محمد بن مسلمۃ الحدیث بطلوہ، جس میں اس کے قتل کی تفصیل مذکور ہے، اس اشکال کا جواب بظاہر وہاں گزر چکا ہوگا، وہ یہ کہ اصل تو وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی، لیکن جب محمد بن مسلمہ قتل کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ ان کے ساتھ چند آدمی اور کر دیئے جائیں چنانچہ سعد بن معاذ وغیرہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

یہ قتل کعب ربیع الاول مسلمہ میں پیش آیا، اور اس روایت میں یہ ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ اس واقعہ کے بعد ہوا، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہود کے ساتھ معاہدہ کی ابتداء مسلمہ سے ہے۔

وقد اخرج البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی قتل کعب بن الاشرف اتم من ہذا، وقد تقدم فی کتاب الجہاد، قال المنذری۔

من ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لما اصاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریشا یوم بدر وقدم المدینة جمع الیہود فی سوق بنی قینقاع، فقال یا معشر یہود اسلموا قبل ان یتصیباکم مثل ما اصاب قریشا۔

**مضمون حدیث** یعنی جب آپ نے جنگ بدر میں قریش پر فتح پالی اور بدر سے مدینہ واپس پہنچ گئے تو آپ نے یہود کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ اسلام لے آؤ قبل اس کے کہ تم پر وہ مصیبت آئے جو قریش پر آئی، اس پر انہوں نے آپ کو یہ جواب دیا کہ دیکھئے آپ کو یہ چیز دھوکہ میں نہ ڈالے کہ آپ نے اپنی قوم قریش کے چند افراد کو قتل کر ڈالا، کانوا اغماراً (یہ غم کی جمع ہے بمعنی نا تجربہ کار اور اناڑی) جو کہ اناڑی تھے، جنگ کرنا نہیں جانتے، فنون حرب سے واقف نہیں، آپ ہم سے قتال کر کے دیکھئے تو آپ پہچان جائیں گے کہ ہم یعنی یہودی انسان ہیں، اور آپ کو ابھی تک ہم جیسوں سے سابقہ نہیں پڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، قتل للذین کفروا مستغلبون ویتحشرون الی جہنم۔

حدثنی بنت معیصۃ عن ابیہا معیصۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من ظفر تمربہ من رجال یہود فاقتلوا۔ یعنی ایک دن آپ نے یہ فرمایا کہ رجال یہود میں سے جو بھی ملے اسے قتل کر ڈالو، تو راوی حدیث یعنی معیصہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک یہودی شبیبہ نامی جو تجارت یہود سے تھا اور ان معیصہ کا اس کے ساتھ رہن رہن اور لین دین بھی تھا (مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے) معیصہ نے اس کو قتل کر دیا اور معیصہ کا بڑا بھائی حوئیصہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا اس کو اس پر بہت غصہ آیا، اور لگا معیصہ کی پٹائی کرنے اور کہتا تھا ائی عدو اللہ اما اللہ ارمب شحرفی بطنک من مالہ کہ اے اللہ کے دشمن تیرے

پیٹ میں بہت ساری چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے جس کو تو نے قتل کر دیا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم فقال انطلقوا الی یہود فخرجنا معہ حتی جئناہم۔

### مضمون حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگ مسجد میں بیٹھے تھے، اچانک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہماری طرف، پس فرمایا کہ چلو یہودی طرف، ہم آپ کے ساتھ چلے گئے حتیٰ کہ آپ ان کے یہاں پہنچے، آپ نے وہاں کھڑے ہو کر ان کو پکار کر فرمایا یا معشر یہود اسلموا تسلموا کہ اے یہودیو! اسلام لے آؤ تاکہ صحیح سالم رہو (اور نہ تمہاری خیر نہیں) انہوں نے یہ سن کر کہا قد بلغت یا ابا القاسم کہ آپ نے اپنی بات ہم تک پہنچا دی ہے حضور نے پھر یہی فرمایا، انہوں نے بھی پھر وہی اس کے جواب میں کہا، اس پر آپ نے فرمایا ذلک اریید کہ ہاں بس میں بھی یہی چاہتا تھا (کہ تم میری تبلیغ کا اقرار کرو) اور اس کے بعد پھر آپ نے یہ فرمایا: جان لو کہ بلا شک یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور میں تم کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ کر رہا ہوں، پس جو شخص تم میں سے اپنے مال کے بدلہ میں کچھ حاصل کر سکتا ہو۔ تو اس کو فروخت کر دے، یعنی جو مال تمہارا ایسا ہے کہ تم اٹھا کر لیجا سکتے ہو اس کو اٹھا کر لیجاؤ، اور جس کو اٹھا کر نہیں لیجا سکتے اور اس کا عوض تمہیں یہاں مل سکتا ہو یعنی کسی خریدار سے تو اس کو فروخت کر دو، اور اگر نہیں بیچو گے تو نقصان تم ہی اٹھاؤ گے اور یہ اچھی طرح جان لو کہ زمین تو ہماری ہے۔ بنو نضیر جو مسلمانوں کے محاصرہ پر قلعہ بند ہو گئے تھے تو وہ جلا وطنی کی شرط منظور کر کے نیچے اترے تھے اس طور پر کہ جو سامان قابل نقل ہے اس کو تم جس طرح بھی لیجا سکتے ہو لیجاؤ، زمین جو ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے ہو چکی ہے، چنانچہ انہوں نے منقولات کو منتقل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، دروازے اور چوکھٹے تک اتار کر ساتھ لیگئے اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے یُخْرِجُونَ بَنُو تِهْمُنَ بَايُدُهُمْ وَأَيُّدِي الْمُؤْمِنِينَ۔

### ایک اشکال و جواب

اس حدیث میں ظاہر یہ ہے کہ یہود بنو نضیر کا ذکر ہے، سیاق روایت سے یہی ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ نہ تو وہ خاص مدینہ کے اندر تھے اور نہ زیادہ فاصلہ پر تھے جس کیلئے لمبی چوڑی مسافت طے کرنی پڑے یا سواری کی ضرورت پڑے، مختصر سی مسافت تھی جہاں پیدل چل کر پہنچ گئے جیسا کہ روایت سے مستفاد ہو رہا ہے، لیکن اس پر۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان کا اجلاز تو سکیمہ میں ہوا تھا اور یہاں پر اس قصہ کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں جن کا اسلام سکیمہ میں ہے تو پھر ابو ہریرہ کا خروج حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیسے ہو سکتا تھا، اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے جملہ بنو نضیر مراد نہیں بلکہ ان میں سے بعض اور بقایا جو وہاں رہ گئے ہونگے اور یا پھر یہ کہا جائے کہ حدیث مرسل صحابی ہے، لکن تقدیم هذا التوجیہ فی حدیث ذی الیدین۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب فی خبر النضیر

ای فی بیان ما فعلوا بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وما آل الیہ امر ہم من اخراجہم واجلاہم من المدینۃ۔  
اس باب میں مصنف نے وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں بنو نضیر کے نقص عہد اور غداری کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے ان پر چڑھائی کی، جس پر عابز اگر وہ جلا وطنی کی شرط پر نیچے اترے اور مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کیسے غدر کرنا چاہا تھا اس کا بیان آگے آئے گا۔

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کفار قریش کتبوا الی ابن ابی و من کان یعبد معہ الاوثان من الاوس والخزرج۔

**مضمون حدیث** | یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ کفار قریش نے رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو کہ مشرکین میں سے تھا اور جو اس کے ساتھ دوسرے مشرک تھے اوس و خزرج میں سے، ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اور اس کو اپنے یہاں ٹھہرایا ہے (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم تم کو خبردار کرتے ہیں کہ یا تو تم اس کے ساتھ قتال کرو یا اس کا وہاں سے اخراج کرو، ورنہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سارے مکہ والے تم پر چڑھائی کر دیں گے، تمہارے مقابلین یعنی مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مسباح کریں گے جب عبداللہ بن ابی کے پاس ان کی یہ تحریر اور دھمکی پہنچی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قتال کرنے کے لئے جمع ہونے لگے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ملاقات کے لئے، جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس قریش کی حد درجہ کی وعید پہنچی ہے، دیکھو! یہ قریش تم کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کر رہے ہو، پھر اگلے جملہ سے آپ نے اس کی تشریح فرمائی تو یہ دونوں ان تقاتلوا ابتداء کھواخواہ کیا تم خود اپنے ہاتھ اپنی ہی اولاد اور بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو، مطلب یہ تھا کہ تم میں سے بعض کی اولاد اور بعض کے بھائی اور دوسرے اعزہ اسلام لا کر ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں تو اس صورت میں مسلمانوں پر حملہ کرنا خود اپنے لوگوں پر حملہ کرنا ہے۔ آگے روایت میں ہے کہ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تقریر سنی تو وہ سب لوگ جو قتال کیلئے مجتمع ہو گئے تھے منتشر ہو گئے اس ساری بات کی اطلاع کفار قریش کو بھی ہو گئی، تو اب کفار قریش نے دوبارہ تحریر لکھی اور یہ جنگ بدر کے بعد کی بات ہے، اور اس مرتبہ بجائے مشرکین کے یہودی طرف وہ تحریر لکھی جس کا مضمون یہ ہے کہ بیشک تم ہتھیار والے ہو قلعوں والے ہو (ایسے ہو اور ویسے ہو) یا تو تم ہمارے آدمی کو قتل کرو ورنہ ہم تمہارا یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے اور ہمارے درمیان اور تمہاری عورتوں کے پازیروں کے درمیان

کوئی چیز حاصل نہ رہے گی، یعنی ہم ان کی عصمت دری کریں گے۔ (خدم جمع خدمتہ کی یعنی یازیب جس کو راوی کہہ رہا ہے) وہی الخلا خیل فلما بلغ کتابہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی پس جب ان کی یہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ یہاں پر یہ اشکال ہے کہ وہ تحریر تو یہود کے نام تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیسے پہنچی چنانچہ درمنثور کی روایت میں ہے فلما بلغ کتابہم الیہود، جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے فلما بلغ خبر کتابہم، اصل کتاب مراد نہیں بلکہ اس کی خبر آگے روایت میں ہے۔ اجمعت بنو نضیر بالغدر فارسلوا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخرج الیہ فی ثلاثین رجلا من اصحابک۔

**بنو نضیر کا آپ کیساتھ غدر وقتک کا قصہ** | یعنی یہود بنو نضیر نے کفار قریش کی اس وعید پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غدر کا ارادہ کیا، یعنی آپ کے قتل کی خفیہ سازش دھوکہ دیکر چنانچہ آپ کے سامنے بات رکھی گئی مذہب اسلام کو قبول کرنے نہ کرنے کی، وہ یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ کہلویا کہ تیس آدمیوں کو آپ لے کر چلے اور تیس آدمی ہمارے اخبار علماء یہود نکلیں، اور کسی معین جگہ پر ملاقات کریں اور ہمارے اخبار آپ کی بات سنیں، پس اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے مصنف نے یہ واقعہ اتنا ہی ذکر کیا، آگے کیا ہوا اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا فقط خبر ہے یعنی راوی نے پورا قصہ بیان کیا، اس قصہ کو حضرت نے بذل میں سیوطی سے نقل کیا ہے وہ اس طرح کہ حسب قرار داد دونوں طرف سے تیس تیس نفر چل دیئے، یہ منظر دیکھ کر بعض یہود کو تردد ہوا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیساتھ تیس آدمی ہیں تو پھر تم ان تک کیسے پہنچ سکو گے، ان میں سے تو ہر ایک کا مال یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ سے پہلے میری موت آجائے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم سب مل کر ساٹھ آدمی ہو گئے، ساٹھ آدمیوں کے درمیان مسئلہ کیسے حل ہوگا، یعنی یہ بڑی جماعت ہو گئی اس میں سب کا ایک رائے پر متفق ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے، لہذا آدمیوں کی تعداد میں کمی کرنی چاہیئے، بجائے تیس کے تین آپ لیں، تین ہم، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا صرف تین تین ہو گئے، لیکن ان خبیثوں نے خنجر اپنے ساتھ خفیہ طور پر لے لئے کہ فی الواقع مناظرہ مقصود نہیں تھا بلکہ دھوکہ سے قتل کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے غیب سے آپ کی حمایت کی یہ صورت پیدا فرمائی کہ ایک یہودی عورت کا بھائی مسلمان تھا اس کو اپنے بھائی کی فکر ہوئی تو اس نے چپکے سے اپنے بھائی کے پاس یہود کی اس خفیہ سازش کی خبر پہنچا دی، اس کا بھائی فوراً دوڑا ہوا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے اس بارے میں سرگوشی کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک یہود کے پاس پہنچے نہیں تھے اسلئے آپ لوٹ آئے، پھر اگلے دن آپ نے ان پر علی الصبح چڑھائی کر دی جیسا کہ یہاں روایت میں ہے۔

۱۔ قصہ کی ضمیر راوی کی طرف راجع ہے، اور صاحب عون المعبود سے یہاں پر چوک ہوئی کہ انہوں نے اسکی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لٹائی، کذا فی البذل

فلما كان الغد عند اعليهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالكتائب فحضرهم سارے دن ان سے قتال ہوا اور پھر اگلے روز علی الصباح بنو قریظہ پر آپ نے چڑھائی کی، اور بنو نضیر جو قلعہ بند ہو گئے تھے ان کو اسی حال میں چھوڑا، اور بنو قریظہ کے سامنے آپ نے معاہدہ کی بات رکھی وہ معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے، لہذا آپ وہاں سے لوٹ آئے اور اگلے روز پھر بنو نضیر کی طرف متوجہ ہو گئے قتال کے لئے، حتیٰ نزلوا على الجلاء فجلت بنو النضير الى الشام وبعضهم الى خيبر، اور اپنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے گئے، دروازے اور ان کی لکڑیاں تک آگے راوی کہہ رہا ہے کہ: فكان نخل بني النضير لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة، آگے جو روایت کا مضمون ہے وہ ہمارے یہاں پہلے گزر چکا۔

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ان يهود النضير وقريظة حاربوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔ اس روایت کا مضمون ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اس روایت کے اخیر میں یہ ہے کہ مدینہ میں جتنے یہودی تھے بنی قینقاع (قوم عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یہودی بنو حارثہ اور ہر اس یہودی کو جو مدینہ میں تھا آپ نے سب کو مدینہ سے نکال دیا۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم قال المنذري۔

## باب ما جاء في حكم ارض خيبر

باب متعلق مباحث اربعہ مفیدہ | ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث کو سمجھنے کے لئے بطور تمہید چند امور کا جاننا ضروری ہے (۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اور خیبر کو کیسے فتح کیا صلحا یا عنوة (۲) فتح کے بعد ارض خیبر کو کیسے تقسیم فرمایا (۳) ارض مفتوحہ کا حکم کیا اس کی تقسیم ضروری ہے یا غیر ضروری (۴) ارض خیبر عشری ہے یا خراجی، کونسی زمین عشری ہوتی ہے اور کون سی خراجی، یہ سب اہم علمی مباحث ہیں اب ہم ان امور کو ترتیب وار بطون اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں وہو الموفق والميسر۔

بحث اول: گذشتہ روایات کے ضمن میں یہ آچکا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اخراج الیہود من المدینہ سے فارغ ہو گئے تو پھر شام میں آپ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے ان کے ساتھ قتال اور محاصرہ وغیرہ سب چیزوں کی نوبت آئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں نے یہود کو زیر کر کے خیبر کو فتح کر لیا، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پورا خیبر عنوة فتح ہوا یا بعض صلحا، اس کی بحث اس باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں آرہی ہے۔

بحث ثانی: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصف ارض خیبر کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا، کتاب الجہاد میں مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت گزر چکی، اور آگے یہاں بھی آرہی ہے اس میں تقسیم کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ مجاہدین کی کل تعداد پندرہ سو تھی جس میں بارہ سو راجل اور تین سو فارس تھے، اور چونکہ فارس کا حصہ عند الحنفیہ دو گنا



ہوتا ہے اسلئے تین سو فارس تچھ سو راجل کے برابر ہو گئے بارہ اور چھ کل اٹھارہ ہوئے تو اس نصف ارض کو آپ نے اٹھارہ سہام پر تقسیم فرمایا، ہر سہم مشتمل تھا سو حصوں پر، اور جس روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ نے ارض خیبر کو چھتیس سہام پر تقسیم فرمایا وہ بھی اپنی جگہ درست ہے یعنی مجموعہ زمین کے اعتبار سے، اور نصف ارض کو آپ نے اپنی اور اپنی ازواج اور مصالح مسلمین کے لئے باقی رکھا۔

**بحث ثالث:** ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الشافعی ضروری ہے اور امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ ایقاف ضروری ہے یعنی اس کی آمدنی بیت المال میں رہے گی اور مصالح مسلمین میں اس کو صرف کیا جائے گا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کی تقسیم اور عدم تقسیم علیٰ رأی الامام ہے اس کو دونوں کا اختیار ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ایقاف اور ترک تقسیم تھا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تقسیم اور عدم تقسیم دونوں کا ثبوت ہے، لہذا حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، اسی طرح امام مالک کے مسلک پر بھی۔ کوئی خاص اشکال نہیں کیونکہ آپ سے دونوں طرح ثابت ہے، البتہ حضرت امام شافعی کے مسلک پر اشکال ہوگا عمل عمر سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لم یقسم عمر برضا الغنائین یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمین کو تقسیم نہیں فرماتے تھے غنائین کی اجازت اور ان کی رضا مندی سے، لیکن اس جواب پر اشکال ہے چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں: ولا یصح ان یقال انه استطاع

لہ اور اگر فارس کے لئے تین سہام ہوتے لکھا قال الائمة الثلاثة والصاحبان، تو پھر اس کا مقتضی یہ تھا کہ ارض خیبر کو اکیس سہام پر تقسیم کیا جاتا یہ بحث کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے۔

**ارض مفتوحہ کی تقسیم و ترک تقسیم کی بحث** ابن قیم فرماتے ہیں کہ مجہد صحابہ اور ان کے بعد ائمہ کی رائے یہ ہے کہ ارض مفتوحہ غنائم میں داخل ہی نہیں ہے، چنانچہ خلفاء راشدین کا طرز عمل یہی رہا ہے اسی لئے حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے جب حضرت عمر سے مطالبہ کیا اس بات کا کہ وہ زمین جس کو انہوں نے غنۃ فتح کیا ہے وہی ارض الشام و ما حولہا کو اس کا خمس نکال کر باقی کو تقسیم کر دیجئے تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ خمس نکال کر باقی کو تقسیم کرنا زمین اس میں داخل نہیں ہے اسلئے میں تو اس کو روک کر رکھوں گا تم اور سب مسلمانوں کی ضروریات کے لئے، لیکن اس کے بعد بھی حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے تقسیم ہی پر اصرار کیا تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا: اللہم اکنفی ہلاؤ ذویہ، باقی تمام صحابہ کو حضرت عمر کی اس رائے سے اتفاق ہوا، پھر آگے ابن قیم نے حضرت عمر کی اس رائے کی بہت زیادہ تعریف اور اس کے ثمرات و فوائد لکھے، حضرت عمر کے اس طرز پر حضرت بلال وغیرہ بعض صحابہ کی ناگواری کی طرف اشارہ حضرت عمر کے کلام میں صحیح بخاری کی روایت میں بھی موجود ہے، اس کی ایک طویل حدیث میں ہے وایما اللہ انہم لیرون انی قد ظلمتہم الحدیث۔ (بخاری کتاب الجہاد ص ۳۳ باب اذا سلم قوم فی دار الحرب) (۱) وفی البدایۃ اذا فتح الامام بلاداً غنۃ فہو بالخیار ان یشاہد سہامین للمسلمین کما فعل علیہ الصلاۃ والسلام خیبر وان شاء اقر اہلہ و وضع الحجرۃ علیہم علی اراضیہم الخراج کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسواد العراق بموافقة من الصحابہ، وفی العقار خلافت الشافعی، الی آخرہ، من ہامش البذلی مختصراً۔



نفوسہم ووقفہما برضاہم فانہم قد نازعوا فی ذلک وہو یابی علیہم ودعا علی بلال واصحابہ، یعنی حضرت بلال اور ان کے بعض ساتھیوں کو حضرت عمر نے جب وہ فعل عمر پر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے ان کو بددعا بھی دی۔

بحث رابع: زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے اعتبار سے جو تفصیل ہے وہ اس طرح ہے مزید تفصیل کیلئے مطولات کی طرف رجوع کیا جائے حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس کے بارے میں بہت سی کتب کے حوالے اور کچھ عبارات درج ہیں۔ صاحب بدائع نے بھی اس پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے

جانتا چاہیے کہ ارض کی اولاد دو قسمیں ہیں، مفتوحہ اور غیر مفتوحہ، غیر مفتوحہ سے مراد وہ زمین جس کو فتح کرنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ اس کے باشندگان خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے جیسے ارض یمن و مدینہ و طائف و بحرین، یہ قسم ثانی زمین کی عشری ہے، اور قسم اول یعنی ارض مفتوحہ اس کی پھر دو قسمیں ہیں ارض عنوہ، و ارض صلیح، عنوہ: جس کو قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض عراق و مصر و شام و خیبر، اور دوسری وہ ہے جس کو خراج معین پر صلح کر کے فتح کیا گیا ہو، جیسے ارض نجران، اس قسم ثانی کا حکم یہ ہے کہ جس چیز پر ان سے صلح ہوئی بس وہی ان سے لیا جائے گا، وہی اس کا خراج ہے اور قسم اول یعنی ارض عنوہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کو غنائم کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو جیسے نصف ارض خیبر، اور دوسری وہ جس کو فتح کے بعد کفار سے نہ لیا گیا ہو بلکہ ان ہی پر چھوڑ دیا گیا ہو جیسے باقی نصف ارض خیبر اور اسی طرح ارض عراق وغیرہ ان دو میں سے اول عشری ہے اور دوسری خراجی (ملخصاً من البدائع)

نیز بدائع میں لکھا ہے کہ تمام ارض عرب عشری ہے جس سے مراد ارض حجاز و تہامہ و یمن اور مکہ مکرمہ و طائف ہے، اور یہ زمین عشری اس لئے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج وصول نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عشری ہے اس لئے کہ زمین احدی انہو و نتمین سے خالی نہیں ہوتی یا اس سے عشر وصول کیا جائے گا یا خراج۔

اراضی ہند عشری ہیں یا خراجی؟ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اراضی ہند کیا ہیں عشری یا خراجی؟ اس کے بارے میں فتاویٰ رشیدیہ میں اس طرح ہے، مسئلہ: ہمارے یہاں کی ارضیات عشری ہیں یا خراجی ہیں

لہ نصاریٰ نجران سے مصالحت کپڑے کے دو ہزار جوڑوں پر ہوئی تھی جیسا کہ آگے۔ باب فی اخذ الجزیۃ۔ میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل نجران علی النقی حلتہ، النصف فی صفرو النصف فی وجبہ، و نہا الی المسلمین احدث۔ لہ ایسے ہی مکہ مکرمہ کی زمین بھی، کیونکہ مکہ مکرمہ کو عنوہ فتح کیا گیا اور اس کی زمین کو اسکے ارباب پر چھوڑ دیا گیا، غنائم میں تقسیم نہیں کیا گیا، لہذا قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ خراجی ہو لیکن چونکہ خراج میں صفار یعنی زلت کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ کی شان کے خلاف ہے اسلئے اسکو خراجی نہیں قرار دیا گیا، ارض مکہ کے بارے میں آگے مستقل باب آیا ہے

اور عملداری جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: ارضیات ہند بعضی عشری ہیں بعضی خراجی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ۔  
 نیز اس میں یہ سوال وجواب بھی مذکور ہے، مسئلہ: یہاں زمینوں میں سرکاری جمع ہے اور معافی بھی ہیں، لہذا ایسی زمینوں میں عشر ہے یا نہیں؟ الجواب: زمین معافی ہو یا اس میں مالگداری سرکاری ہو، محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں ہو سکتا، پس اگر زمین عشری ہے تو عشر ادا کرنا جدا چاہیے، اور اگر خراجی ہے تو خراج اس کا مالگداری سرکاری میں محسوب ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

**حضرت گنگوہی کی رائے** | حضرت گنگوہی کے جواب میں تو اجمال ہے کہ ہندوستان کی بعض زمینیں عشری ہیں اور بعض خراجی، اب یہ کہ کونسی عشری ہیں اور کونسی خراجی اس کے جاننے کے لئے دوسری کتب فتاویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، خود فتاویٰ رشیدیہ میں جو عشر و خراج کے مسائل مذکور ہیں اس سے بھی اس میں استفادہ ہو سکتا ہے آگے عرف الشذی سے حضرت گنگوہی کی مزید رائے آرہی ہے، فتاویٰ محمودیہ ج ۳ میں یہ سوال جواب مختلف انداز میں مفصل و مجمل مختلف زمانوں کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر سے مجموعہ ہی کو دیکھنے سے یہاں بھی بہت حاصل ہو سکتی ہے، بہر حال ایک جگہ (ص ۸۷) میں اسی سوال کے جواب میں کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی اس طرح تحریر فرمایا ہے: جو زمینیں بادشاہ اسلام کے وقت سے مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جو زمینیں اس وقت مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بنا بر استحباب حال ان پر قبضہ مسلم مسترمان کر ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہو سکتا ہے لیکن عشر کے حق میں محسوب نہیں ہو سکتا، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵۵ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی مونتوں عشر و خراج سے مستثنیٰ کر دیا ہے..... حکومت اگر ارض عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ حکومت مصرف زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۷)۔

**مولانا انور شاہ صاحب کی رائے** | اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے عرف الشذی ص ۲۷ میں یہ تحریر ہے کہ اراضی ہند میں عشر واجب نہیں اس لئے کہ وہ دارالحرب کی اراضی ہیں۔  
 ہذا حاصل لی من کتب الفقہ، اور آگے دارالحرب کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ دارالحرب وہ مقام ہے کہ جس میں فصل الامور یعنی خصوصیات و مقدمات کا فیصلہ کفار کے ہاتھ میں ہو (یعنی کفار کے قانون کے موافق چاہے فیصلہ کرنے والے مسلمان ہوں) اور وہ جو بعض لوگوں نے دارالحرب کی تعریف یہ کی ہے کہ دارالحرب وہ ملک ہے جس میں مسلمانوں کو ادا فرض صوم و صلوٰۃ سے روکا جاتا ہو، یہ صحیح نہیں اور اس تعریف کی کوئی اصل نہیں اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف میں

ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی، بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی اراضی بیت المال والمملکت، اور میں نے سنا ہے کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس شخص کی ملک میں اس وقت جو زمین ہے اور اس شخص کے علم میں یہ بات نہیں کہ اس کی یہ زمین کفار کی طرف سے منتقل ہو کر آئی ہے تو اس پر عشر واجب ہے اھ، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے چنانچہ فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۱ میں ایک سائل کا سوال ہے: اراضی ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، الجواب: حامداً ومصلياً، علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج نہیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے جو قلیفہ خاص تھے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ اراضی ہند ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اور ان کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے، مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیف، اسلام کا اقتصادی نظام کے اخیر میں اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، بہت سے علماء اور فتاویٰ کی عبارتیں اس میں درج ہیں۔

اب ان تہئیدی امور کے جاننے کے بعد حدیث الباب کو لیجئے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قاتل اهل خیبر وغلب علی الارض والنخل والجأہم الی قصرہم فصالحوا علی ان لوسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم الصفر اء والبیضاء والحلقة، ولہم ما حملت رکابہم۔

**غزوہ خیبر کا بیان** | اس حدیث میں غزوہ خیبر اور فتح خیبر کا بیان ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ابن خیبر کے ساتھ قتال کیا، اور ان کی زمینوں اور باغات پر غلبہ پالیا اور ان کو مجبور کر دیا قلعہ بند ہونے پر، قلعہ میں محصور ہونے کے بعد انہوں نے آپ سے ان شرائط پر مصالحت کی کہ جو کچھ ہمارے پاس سونا چاندی اور اسلحہ ہے وہ مسلمانوں کے لئے ہے اور ان کے لئے وہ سامان ہوگا جس کو وہ منتقل کر سکیں اس طور پر یہ صلح ہوئی کہ کسی چیز کو (سونا چاندی وغیرہ) چھپائیں گے نہیں اور اس کو غائب نہیں کریں گے، اور اگر انہوں

لے اس کے بعد یہ ہے مختصر عرض یہ ہے کہ جو زمین ملک مسلم نہ ہو جیسا کہ خاتمہ زمینداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے ایسے عشر واجب نہیں، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ لے اس سے معلوم ہوا کہ یہ باب بہت اہم ہے اسی لئے اسکے واسطے اتنی لمبی تہئید کی ضرورت پیش آئی، دراصل یہ کتاب الخراج والفی ساری ہی بہت مشکل اور اہم ہے اسکے سمجھنے کیلئے ہندہ کو بہت محنت کرنی پڑی، احقر کی تو بساط طہی کیا ہے، حضرت مولانا تھانوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ نے سورہ حشر کی آیات کی تفسیر کے بعد جن میں اموال فی کا حکم مذکور ہے یہی تحریر فرمایا ہے چنانچہ حشر تحریر فرماتے ہیں: یہ مقام مثل سورہ براۃ کے احقر کو بہت دشوار معلوم ہوا تھا نیز احادیث و کتب فقہ کی مراجعت کے بعد غایت جدوجہد سے جو کچھ میں آیا وہ لکھا گیا یہاں بھی عرض ہے کہ اگر اس احسن اور اتقن تفسیر ممکن ہو تو اس کو ترجیح دیجئے اھ ص ۱۲۲ ج ۱۱

نے ایسا کیا تو پھر ان کے لئے کوئی عہد اور ذمہ نہ ہوگا۔ فَقَبِلُوا مَسْكَالَ حِثِّي بْنِ أَخْطَبٍ قد کان قتل قبل خیبر کان احتمله معہ يوم  
 بنی النضیر حین اجلیت النضیر فیہ خلیثہم، یعنی انہوں نے خلاف معاہدہ حی بن اخطب کا چمڑہ کا مشکیزہ جس میں ان کے  
 زیورات اور سونا چاندی تھے اس کو غائب کر دیا، لکھا ہے کہ اس کے اندر دس ہزار دینار کے بقدر سونا تھا، یہ حی بن اخطب  
 حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ ہی تو ہے بنو قریظہ کا سردار، تو چونکہ اپنی قوم کا چودھری تھا اسی لئے غالباً پوری قوم کے  
 زیورات وغیرہ اس کے پاس محفوظ ہوں گے، راوی کہہ رہا ہے کہ یہ ابن اخطب خیبر سے پہلے ہی مارا گیا تھا، چونکہ بنو قریظہ میں  
 سے تھا اسی لئے ان کے ساتھ شہداء میں قتل ہو گیا ہوگا، جنگ بنو نضیر جو اس سے ایک سال پہلے ہوئی ہے جب ان کا اجلاز  
 کیا جا رہا تھا اس وقت اس نے وہ مشکیزہ اٹھالیا تھا، روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعیدہ (اسم یہودی)  
 سے دریافت فرمایا کہ حی بن اخطب والا مشکیزہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا اذہبتہ الحروب والنفقات، یعنی لڑائیوں  
 اور دوسری ضروریات میں خرچ ہو گیا لیکن بعد میں وہ مل گیا تھا جیسا کہ روایت میں مذکور ہے، فقتل ابن ابی الحقیق،  
 یعنی آپ نے ابن ابی الحقیق (جو کہ قبیلہ بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھا اور حضرت صفیہ کا سابق شوہر بھی یہی تھا) اس کو  
 تو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، پھر جب ان یہودی خیبر کے مردوں کے اخراج کا آپ نے ارادہ فرمایا تو انہوں نے  
 کہا: یا محمد ذلنا نعمل فی هذه الارض، یہ مضمون ہمارے یہاں کہیں گزر چکا یعنی یہودی خیبر نے آپ سے بڑی بجا جت  
 کیساتھ عرض کیا کہ بیشک اب ان سب زمینوں کے آپ مالک ہیں لیکن کاشتکاری آپ لوگوں کے بس کی نہیں ہے آپ ہمیں  
 یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں تاکہ ان زمینوں میں کھیتی اور باغات کی خدمت ہم کریں اور ان کی پیداوار میں سے نصف ہماری  
 ہو جائے اور نصف آپ کی، آپ نے ان کی اس رائے کو اس شرط کے ساتھ کہ جب ہم چاہیں گے تمہارا یہاں سے اخراج  
 کر دیں گے منظور فرمایا۔ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي كُلَّ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ ثَمَانِينَ  
وَسِقَامًا تَمْرًا وَعَشْرِينَ وَسِقَامًا شَعِيرًا، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غنائم خیبر کے شمس سے اپنی ہر زوجہ  
 کو سالانہ نفقہ اسی دسق تمر اور بیس دسق شعیر عطا فرماتے تھے، اور اگلی روایت میں تھو دسق تمر کا ذکر ہے، تو ہو سکتا ہے  
 شروع میں ثمانین ہو اور بعد میں ایک تھو کر دیا ہو، اور یا یہ کہیے کہ احد العدوین کا ذکر بالتحین (تقریبی) اور دوسرے کا بالتحقیق  
 ہے، یا یہ کہ کسی سال یہ مقدار اور کسی سال وہ مقدار، پیداوار کی کمی زیادتی کے لحاظ سے۔

**خیبر کی فتح عنوة ہے یا صلحا** اس روایت کے شروع میں تصریح ہے اہل خیبر کے ساتھ قتال کی اور یہ کہ انہوں نے  
 مجبور ہو کر آپ سے مصالحت کی، حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ اس کو فتح صلحا نہیں  
 کہا جائے گا گو صورت لفظ صلح مذکور ہے، حقیقت یہ بھی فتح عنوة ہی ہے، میں کہتا ہوں ویسے مسئلہ فی نفسہ مختلف فیہ ہے  
 آگے ایک روایت میں تصریح آرہی ہے، عن ابن شہاب ان خیبر کان بعضها عنوة وبعضها صلحا والکتابۃ  
 اکثہا عنوة وفيہا صلح اور ایک روایت میں آگے صرف عنوة بھی آرہا ہے اسی لئے ایک جماعت امام طحاوی، امام شافعی

اور یہی ہے یعنی بعضہا صلحا و بعضہا عنوة اور پھر اس پر ایک اختلافی مسئلہ بھی متفرع ہے وہ یہ کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک ارض مفتوحہ عنوة کی تقسیم ضروری ہے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نصف ارض خیبر کو تقسیم فرمایا، تو اس کا جواب امام شافعی یہی دیتے ہیں کہ جو نصف خیبر عنوة فتح ہوا تھا اس کو آپ نے تقسیم فرمادیا اور نصف باقی جو صلحا فتح ہوا تھا وہ مال فی ہوا اس کو آپ نے تقسیم نہیں کیا، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ارض مفتوحہ کی تقسیم ہی ضروری نہیں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسی فعل سے استدلال کرتے ہیں: وقد تقدم هذا الاختلاف في اول الباب وهو البحث الثالث، حضرت نے بعضہا صلحا پر لکھا ہے لعل المراد بالصلح على ان يخرجهم (متی شاء لانی الحال) و یحقق دہانہم و لیس ہذا بالصلح الاصطلاحی بل ہوا یضاح عنوة، اس پر حضرت شیخ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں: و بہ جزم ابن القیم فی الہدی و تبعہ ابن الہمام فی الفتح ۴ من ۳۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان عمر قال يا ايها الناس ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان عامل يهود خيبر على ان يخرجهم اذا شئنا، ومن كان له مال فليدفع به فاني اخذت يهود فاحرقهم۔  
**مضمون حدیث** یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز یہ اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود خیبر سے یہ معاملہ کیا تھا کہ جب ہم چاہیں گے تم کو نکال دیں گے حضرت عمر فرماتے ہیں: میں اب یہود کو نکال رہا ہوں لہذا جس شخص کی زمین یا باغ کسی یہودی کے پاس ہو تو وہ اس کو جا کر اس سے لے لے اور اپنی چیز کو سنبھال لے، چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت عمر نے ان کا اخراج فرمادیا، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی آرہا ہے کہ حضرت عمر نے ازولج مطہرات کے پاس ایک مستقل آدمی بھیجا کہ تم میں سے جو یہ چاہے کہ جتنی مقدار غلہ اور تمر کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو عطا فرماتے تھے وہ میں اس کے پاس بھیج دیا کروں اور جو یہ چاہے کہ اس کے بقدر کاشت کی زمین اور کھجوروں کے درخت اس کو دیدوں تو میں ایسا کروں، اس پر بعض نے تو اوساق غلہ و تمر کو اختیار کیا اور بعض نے زمین کو، و کانت عائشة منها ای من اخذ الارض والنخل۔

اگلی روایت میں آرہا ہے: وكان التمر يقسم على الشهمان من نصف خيبر ويأخذ رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخمس۔ یعنی نصف خیبر کی طور کی تقسیم حسب حصص ہوتی تھی، اور آپ بھی اپنا حصہ ایک خمس لیتے تھے اس نصف خیبر سے مراد وہ نصف ہے جس کو آپ نے غانمین کے درمیان تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنے نواب کے لئے رکھ چھوڑا تھا اور جو نصف تقسیم کر دیا تھا وہ تو ظاہر ہے کہ غانمین کی ملک ہو گیا، نیز اس تقسیم سے مراد تقسیم فی مصارف الفی ہے نہ کہ تقسیم علی الغانمین کیونکہ یہ نصف مال فی تھا (علی قول) و الحدیث اخرجه مسلم قاله المنذرى۔

۱۰۔ یعنی فتح صلحا تو یہ ہے کہ قتال کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر قتال پیش آنے کے بعد عاجز اگر صلح کی جائے تو یہ فتح صلحا نہیں ہے بلکہ عنوة ہی ہے۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ..... قاصبناها عنوة.

اس روایت میں صلح کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلقاً یہ ہے کہ خیبر کو عنوة فتح کیا۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی، باتم منه، قال المنذرى.

قسمہا بینہم علی ثمانیۃ عشر مہمہا اور اس کے بعد والی روایت میں ہے، قسمہا علی ستۃ وثلاثین مہمہا۔

پہلی روایت میں جس میں اٹھارہ سہام کا ذکر ہے وہاں نصف ارض کی تقسیم مراد ہے اور اس دوسری روایت میں کل زمین کی تقسیم مراد ہے، اور اس سب کی تفصیل ابتدائی مباحث میں گذر چکی۔

فَعَزَلَ نَصْفَهَا لِنَوَائِبِهِ وَمَا يَنْزِلُ بِهِ الْوُطَيْحَةُ وَالْمَكْتَبَةُ (رواۃ السلام) (کافی الروایۃ الآتیۃ) وما أخیز معہما۔

**شرح الحدیث** | یعنی نصف ارض خیبر کو اپنی ضروریات اور جو وفود اور مہمان وغیرہ آپ کے پاس آتے تھے ان کیلئے روک لیا اور یہ وطیحہ اور مکتبہ جو کہ زمینوں کے نام ہیں یہ اسی نصف کا مصداق ہیں جس کو آپ نے تقسیم

نہیں کیا، وما أخیز معہما کا مطلب ہے کہ جو زمینیں وطیحہ و مکتبہ سے ملحق تھیں الشق والنظارة وما أخیز معہما، یہ وہی زمینیں ہیں جو آپ نے غانمین کے درمیان تقسیم فرمادی تھیں، آگے راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ان زمینوں میں تھا جو ملحق بالشق والنظارة تھیں، آگے وہ مجمع بن جا رہا ہے انصاری کی روایت ہے جو کتاب الجہاد میں بھی گذر چکی۔ اسی لئے اسی کو ہم یہاں ذکر نہیں کرتے۔

بقیت بقیۃ من اہل خیبر فتحضنوا۔ یعنی بعض حصوں خیبر کو تو آپ نے فتح فرمایا اور بعض فتح سے باقی رہ گئے اس سے مراد وطیحہ اور سلام ہیں۔ تو ان بقیہ کے یہودی ان قلعوں میں جان بچانے کیلئے داخل ہو گئے (تحصن العدو ای دخل فی الحصن) اور قلعہ میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہماری جانوں کو محفوظ کر کے ہمیں یہاں سے چلتا کر دیں، آپ نے اسکو منظور فرمایا، جب اہل فدک کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی آپ سے اسی طرح صلح کا معاملہ کر لیا، فكانت لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاصة اس کا تعلق ظاہر سیاق کے پیش نظر فدک اور بقیۃ من اہل خیبر دونوں سے ہے اور اس سے تائید ہوتی ہے ان حضرات کی جو فتح خیبر کے بارے میں بعضہا عنوة وبعضہا صلحا کے قائل ہیں منہم الامام الطحاوی، لیکن حضرت نے اس کا تعلق صرف فدک سے قرار دیا ہے ولہ وجہ ایضا اسلئے کہ اقرب وہی ہے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ خیبر میں تو جنگ کا سلسلہ قائم تھا اور فدک میں نہیں تھا، والله تعالى اعلم۔

قال ابو داود: وقرئ علی العارث بن مسکین وانا شاهد۔

**مصنف کا عارث بن مسکین سے روایت کرنیکا طرز** | یہ عارث بن مسکین والی سند نسائی میں بکثرت آتی ہے وہاں بھی اسی طرح آتا ہے، قرارة علیہ وانا اسمع، اور یہاں ابو داؤد میں بھی



تقریباً اسی طرح ہے، نسائی میں چونکہ بکثرت آتا ہے اسلئے اسی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حارث بن مسکین کو امام نسائی سے کچھ کدورت تھی جس کی وجہ سے امام نسائی مجلس میں ان کے سامنے نہ بیٹھتے تھے بلکہ چپکے سے کونہ میں بیٹھ کر سن لیتے تھے، اسی لئے امام نسائی جب ان سے روایت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں، مجھے اس پر یہ ظہان ہوتا ہے کہ اگر امام نسائی کی اس تعبیر کی یہی وجہ ہے تو کیا حارث بن مسکین امام ابو داؤد سے بھی ناراض تھے، اس پر اور مزید کلام الفیض کمالی علی سنن النسائی کے مقدمہ میں کیا گیا ہے۔

قلت لعمالك: وما الكتيبة؟ انما امام مالک کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ کتیبہ جس کا ذکر روایت میں ہے یہ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خیبر کے ایک باغ کا نام ہے جس میں چالیس ہزار کھجور کے درخت تھے۔  
عن ابن شهاب قال ختم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خيبر ثم قسم سائر ما على من شهد هاهو من غاب عنها من اهل الحديبية،

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غنائم خیبر میں سے خمس نکال کر باقی اربعہ اخماس کو جو جنگ خیبر میں شریک تھے اور جو غائب تھے اہل حدیبیہ میں سے سب کے درمیان تقسیم فرمایا۔

من اهل الحديبية، اس لئے راوی نے کہا کہ جنگ خیبر میں شرکت کرنے والے سارے کے سارے وہ اہل حدیبیہ ہی تھے وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ جب غزوہ حدیبیہ سے مدینہ لوٹے تو مدینہ پہنچے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کے ایما سے فتح خیبر کے لئے اپنے جملہ ہمراہیوں کے ساتھ چل دیئے، پھر اس روایت میں یہ ہے کہ ان میں سے جو صحابہ آپ کے ساتھ فتح خیبر میں شریک تھے آپ نے ان کا بھی حصہ لگایا اور جو غائب تھے ان کا بھی، بذل میں تاریخ خمیس سے نقل کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان غائبین میں سے ہیں جن کا آپ نے حصہ لگایا، اسی طرح بعض وہ صحابہ جو حبشہ سے واپس مدینہ آئے اور پھر خیبر پہنچے بعد الفراغ عن القتال یعنی حضرت جعفر اور ان کے اصحاب من اهل السفينة (کما تقدم في كتاب الجهاد) ان کا بھی آپ نے حصہ لگایا صحابہ کی رضامندی سے۔ (بذل)

عن عمر رضي الله تعالى عنه قال لولا اخر المسلمين ما فتحت قريّة الا قسمتها كما قسم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خيبر۔

ارض مفتوحہ کے بارے میں حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کا اگر مجھے خیال نہ ہوتا اور ان کی رعایت ملحوظ نہ ہوتی تو ہر قریہ کو فتح کے بعد اس کو غنائم کے درمیان تقسیم کر دیا کرتا جس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمادیا تھا (مگر چونکہ بعد میں آنے والوں کی رعایت ملحوظ تھی اس لئے تقسیم نہیں کرتا، اسلئے کہ زمین تقسیم کے بعد تو اشخاص کی ملکیت ہو جاتی ہے اور آگے ایسے میراث وغیرہ جاری ہوتی ہے، حاجت اور عدم حاجت کا وہاں کوئی لحاظ نہیں ہوتا، بخلاف ایقان

کے کہ اس صورت میں زمینوں کی آمدنی بیت المال میں محفوظ رہتی ہے اور پھر ہمیشہ حسب حاجت حاجتمندوں کو ملی رہتی ہے یہی مطلب ہے حضرت عمر کے اس ارشاد کا کہ جزاء اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔  
 دراصل بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقسیم کا مطالبہ کیا تھا تو اسی موقع پر حضرت عمر نے عدم تقسیم کی معذرت میں اس طرح کی بات فرمائی تھی، یہ مضمون ابھی قریب میں ہمارے یہاں گزر بھی چکا۔  
 والحدیث سکت علیہ المنذری وقال الشیخ محمد عوامہ: اخرجہ البخاری۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس باب اور اس کی احادیث پر کلام پورا ہوا، جس پر بندہ کو بہت محنت کرنی پڑی واللہ الموفق وہو المیسر۔

### باب ما جاء خبر مكة

فتح مکہ کے بعد ارض مکہ کیسا تھا | یعنی فتح مکہ کا قصہ اور بیان، مکہ کی فتح عند الجہور عنوة ہوئی ہے، اور امام شافعی کی رائے میں صلحا فتح ہوا ہے، ارض مکہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غائبین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اس کو وہیں کے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اس کی علو شان اور دار النہک ہونے کی وجہ سے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ارض مفتوحہ کی تقسیم عند الجہور لازم بھی نہیں ہے، لیکن امام شافعی کے یہاں ارض مفتوحہ کی تقسیم ضروری ہے، مگر ان کے مسلک پر بھی اشکال اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ ان کے نزدیک مکہ مکرمہ کی فتح صلحا ہے، ان کے نزدیک تقسیم تو اس زمین کی واجب ہے جو مفتوحہ عنوة ہو، اب رہی یہ بات کہ ارض مکہ خراجی ہے یا عشری؟ اس کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ خراجی ہو لیکن مکہ کے علو شان کی بنا پر خلاف قیاس اس کو خراجی قرار نہیں دیا گیا۔

یہاں ایک بحث اور ہے جو کتاب الحج میں الانبئی للہ یعنی بیتا الحدیث کے تحت گزری ہے وہ یہ کہ ارض حرم موقوف ہے یا ملک؟ اور اس میں علماء کا اختلاف بالتفصیل گزر گیا، فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام الفتح جاء

العباس بن عبد المطلب بابی سفیان فاسلم بمصر الظہران۔

باب کی یہ پہلی روایت تو مختصر ہے، یہی حدیث دوسرے طریق سے اس کے بعد آ رہی ہے، اس میں تفصیل ہے۔

مضمون حدیث در فتح مکہ مکرمہ | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۃ الفتح کے سفر میں مر الظہران میں پہنچے

جو کہ مکہ مکرمہ کے قریب ہے تو میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں یہ سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس شکر کیسا تھا اسی حال میں عنوة داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ سے امن طلب کرنے

کے لئے نہ آئے تو پھر اس میں قریش کی یقیناً بلاکت ہے، وہ فرماتے ہیں میں اسی فکر میں تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہو کر ادھر ادھر کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو اپنی کسی ضرورت سے مکہ جا رہا ہو پس وہ جا کر اہل مکہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پہنچنے کی خبر کر دے تاکہ اہل مکہ یہاں آپ کی خدمت میں آکر آپ سے امن طلب کر لیں، میں اسی تلاش میں تھا کہ اچانک میں نے ابوسفیان اور بديل بن ورقاء کے بات کرنے کی آواز سنی (یہ دونوں آپ ہی کی خدمت میں مدینہ طیبہ آئندہ کیلئے صلح یا حرب ہی کی بات کر نیکے لئے آ رہے تھے، کافی الطبرانی) جب میں اسکی آواز سنی تو میں نے کہا یا ابا حنظلہ! اس نے میری آواز پہچان لی، فوراً بولا ابو الفضل یعنی کیا تم ابو الفضل ہو (دونوں کا ابھی تک آنا سامنا نہیں ہوا تھا) میں نے کہا ہاں، وہ بولا کیا بات ہے میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں، عباس کہتے ہیں: میں نے کہا: ہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس، میں نے کہا قریب ہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھ مجمع موجود ہے، وہ بھی سن کر گھبرا گیا اور کہا منہا الحیلۃ؟ آگے روایت میں یہ ہے حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور بديل جو تھا وہ مکہ لوٹ گیا، جب صبح ہوئی تو میں ابوسفیان کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور وہ اسلام لے آیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایسا شخص ہے جو فخر کو پسند کرتا ہے (شیخی باز ہے) لہذا آپ اس پر کچھ کرم فرمائیے، یعنی اس کو کوئی ایسی چیز عطا فرمادیجئے جو اس کے لئے موجب فخر ہو، تو آپ نے فرمایا اچھا، اور پھر فرمایا من دخل دار ابی سفیان فہو امن ومن اغلقت علیہ دارہ فہو امن، اہل مکہ میں سے جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ ہماری طرف سے مامون ہے، اور ایسے ہی اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرے، یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے باہر نہیں نکلے گا، وہ بھی مامون ہے، اس پر لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے اور بعض مسجد حرام میں۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ بھی ہے۔ ومن القی السلاح فہو امن وعمد صنادید قریش فدخلوا الکعبۃ فغصت بہم کہ اس اعلان پر سرداران قریش کعبہ میں داخل ہو گئے، کعبہ ان سے پُر ہو گیا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا، خلف المقام دو گانہ طواف ادا کیا، اس کے بعد آپ بیت اللہ کے دروازہ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اس پر وہ سب لوگ اندر سے نکل کر آئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کی۔

سألت جابرہ اهل غنموا يوم الفتح شيئاً قال: لا۔ یعنی اس فتح مکہ میں مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت حاصل نہیں ہوا

لہ اور خود حضرت عباس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہجرت کی نیت سے مکہ سے نکل چکے تھے، چنانچہ انکی ملاقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے راستہ میں محفۃ ذوالخلیفہ میں ہوئی جبکہ آپ فتح مکہ کیلئے جا رہے تھے تو پھر حضرت عباس بھی آپ کیساتھ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور اپنے اہل و عیال کو مدینہ بھیج دیا (بذل القوة فی تولد سنی النبوة ص ۲۷)

اسلئے کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آئی ہی نہیں، گو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کے انتظامات اور تیاری اسی طرح ہوئی جس طرح جنگ میں ہو کرتی ہے مگر وہ لوگ کھل کر مقابلہ پر آئے نہیں اور اگرچہ ان کی جانب استیصال بھی نہیں پایا گیا تاکہ یوں کہا جاسکے کہ صلحی فتح ہوا مسلمانوں کے لشکر کے بعض دستوں کے ساتھ کسی قدر مقابلہ کی نوبت آئی اور احترام مکہ میں ان کے ساتھ بہت رورعایت کا معاملہ کیا گیا پھر مال غنیمت کہاں حاصل ہوتا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما دخل مکة مشرج الزبیر ابن العوام وابا عبیدۃ بن الجراح وخالد بن الولید علی الخیل۔

ابو داؤد کی اس روایت میں اختصار ہے، مسلم کی روایت اس میں مفصل ہے، مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کے اندر داخل ہونے کا ارادہ فرمایا کفار پر حملہ کے لئے تو چونکہ مکہ کے اندر داخل ہونے کے راستے

آپ کی جانب سے لشکر کے مکہ میں داخل ہونے کی ترتیب

متعدد تھے اور سب راستوں کی ناکہ بندی کرنی تھی اسلئے آپ نے لشکر کے متعدد دستے بنائے ان دستوں میں بعض سوار تھے اور بعض پیادہ پاتھے، اور ہر دستہ کے لئے آپ نے ایک نگران تجویز فرمادیا اور ہر امیر کو اسکے داخل ہونے کیلئے راستہ کی تعیین فرمادی، یعنی فلاں امیر اپنے دستہ کو لیکر فلاں راستہ سے داخل ہو مثلاً اعلیٰ مکہ اور فلاں اسفل مکہ سے داخل ہو، ابو داؤد کی اس روایت میں تو یہ ہے آپ نے حضرت زبیر اور ابو عبیدہ اور خالد بن الولید ان تینوں کو گھوڑے سواروں پر

لے سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقام کدار میں سے گذرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن الولید کو اسفل مکہ مقام کدئی سے داخل ہونے کا اور زبیر کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کدار میں سے داخل ہونیکا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداء بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا، صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر یہ فرمایا کہ قریش نے کچھ ابواشس تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کئے ہیں وہ اگر مقابلہ کے لئے آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور ہیل بن عمرو نے مقام خندمہ میں بقصد مقابلہ کچھ ابواشسوں کو جمع کیا، خالد بن الولید سے مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے جنیس بن خالد اور کرز بن جابر فہری، اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے، باقی سب بھاگ اٹھے، یہ ابن اسحاق کی روایت ہے، اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن الولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل اور کچھ ابواشس قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے، حضرت خالد کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہل بول دیا، خالد بن الولید جب ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لاسکے شکست کھا کر بھاگے، بنو بکر کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے باقی ماندہ اشخاص میں بھگی پڑ گئی کوئی مکان میں جا کر چھپا، اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔

پر امیر بنا کر روانہ کیا، لیکن مسلم کی روایت میں ہے وبعث ابا عبیدہ علی الحشر کہ ابو عبیدہ کو آپ نے اس دستہ پر امیر بنایا جو پیادہ پاتھی اور ان پر زربیں وغیرہ نہیں تھیں، وقال یا اباہریرۃ اھتف بالانصار قال اسلکوا ہذا الطريق فلا تترقبن لکھرا حسد الا انتم مودۃ یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا کہ انصار کو آواز لگا کر بلاؤ چنانچہ وہ سب حاضر ہو گئے تو آپ نے ان کو ایک راستہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم کو اس راستہ سے جانا ہے اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ان مشرکین مکہ میں سے جو بھی تمہاری طرف گردن اٹھائے تو تم اس کو وہیں سلا دینا، یعنی جو قتال کے لیے بڑھے ہے اسی کو قتل کرنا اور جو تمہیں دیکھ کر سر جھکالے یا پیچھے ہٹ جائے اس کو کچھ مت کہنا، فنادی منادی، لا قریش بعد الیوم، اور ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ آج کے بعد قریش کا خاتمہ ہے، یعنی اگر وہ مقابلہ پر اترے، ورنہ تو آپ نے ان کو پروا نہ امان دے ہی دیا تھا عدم قتال کی صورت میں۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم بخوہ مطولاً، قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی خبر الطائف

**غزوہ طائف** | غزوہ طائف کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا، اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوٹی پر (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے چلانے کے لیے روانہ فرمایا، آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو بھی پہنچ گئے اور ایک دباہ (ٹینک) اور منجنیق ساتھ لائے۔ مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خورد و نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا اور منجنیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے، ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازی کو بٹھلادیا انہوں نے ایسی سخت تیر بازی کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن الولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لیے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں، سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لیکر اتریں گے، مسلمانوں نے دباہوں میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی، انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا، اہل قلعہ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور قرابتوں کے لیے ان کو چھوڑ دیتا ہوں، بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ گواہ دیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آئے اسی اشارہ میں

آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اس میں چوہ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دلمی کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ نوفل نے کہا یا رسول اللہ! لو مڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آکر عرض کیا یا بنی اللہ! ان کے حق میں بددعا کیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی، حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا ردی اللہم اھد ثقیفا و ائت بہم، چنانچہ بعد میں وہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نصری ان کا سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

تنبیہ: ہمارے یہاں ابوداؤد کے باب الاقطاع میں سی غزوہ طائف سے متعلق ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی صخر بن عیلہ الاحسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کے ساتھ غزوہ کر رہے ہیں تو میں بھی ایک جماعت لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کے لئے طائف پہنچا وہاں جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لیجا چکے ہیں اور آپ نے اس کو فتح نہیں کیا تو میں نے عہد کیا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا کہ میں اس قعر کو فتح کر کے رہوں گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا، الحدیث، لیکن جو چند کتابیں غزوہ طائف سے متعلق ہم نے دیکھیں اس میں اس صخر بن عیلہ کا قصہ کہیں نہیں ملا، فلیفتش، اسکے بعد الہادیہ والہنایہ ۳۵۱ میں یہ ملا کہ انہوں نے غزوہ طائف کا پورا قصہ لکھنے کے بعد اخیر میں ابوداؤد کی یہ روایت (صخر بن عیلہ والی) نقل کرنے کے بعد فرمایا، تفر وہ ابوداؤد، و فی اسنادہ اختلاف اھ۔

سالت جابر عن شان ثقیف اذ بايعت، مضمون حدیث یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف جب آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت علی الاسلام اس نے کی تو انہوں نے اس وقت یہ شرط لگائی کہ ہم پر زکوٰۃ اور جہاد کچھ نہ ہوگا، آپ نے ان کی یہ شرط اس وقت منظور فرمائی، روایت میں ہے کہ آپ نے بعد میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صدقہ اور جہاد سب کچھ کریں گے، دوسری حدیث میں ہے فان شرتوا علیہ ان لا یحشروا ولا یعشروا ولا یجبتوا۔ کہ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ جہاد میں لے جایا جائے، نہ عشرہ زکاۃ لی جائے، اور نہ وہ نماز پڑھیں گے، لایجبوا مثل لا یصلوا لفظاً ومعنی والتجبیۃ ان یکون کھبیۃ الرکوع یعنی اس طرح جھکنا جس طرح رکوع میں جاتے ہیں۔

اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کو ہے | آپ نے ان کی پہلی دو شرطیں منظور فرمائیں اور تیسری شرط کے بارے میں فرمایا لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع، کہ ایسے

دین میں کیا خیر ہو سکتی ہے جس میں رکوع و سجود (نماز) نہ ہو۔

اس حدیث سے اسلام میں نماز کی جو اہمیت معلوم ہو رہی ہے وہ ظاہر ہے، اس حدیث کو ہم نے کتاب الصلاۃ کے



ابتدائی مباحث میں ذکر کیا ہے۔

یہ باب خبر طائف سے متعلق تھا، اہل طائف چونکہ خود بخود اسلام میں داخل ہوئے اسلئے ارض طائف عشری ہوئی  
کما مر قبل ذلک فی بیان أنواع الاراضی المفتوحة۔

## باب ماجاء فی حکم ارض الیمن

اہل یمن بھی چونکہ از خود طوعاً اسلام میں داخل ہوئے اس لئے ارض یمن بھی عشری ہے۔

عن عامر بن شہر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقاتل یتیمہا ان

اب هذا الرجل ومراڈ لنا فان رضیت لنا شیئاً قبلنا۔

شرح الحدیث

عامر بن شہر یمنی ہمدانی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور نبوت کا ظہور ہوا تو  
مجھ سے میری قوم ہمدان نے کہا کہ کیا تم اس شخص کے پاس جاسکتے ہو اور ہمارے لئے کوئی چیز طلب  
کر سکتے ہو یعنی خیر کی بات اور حق، پس اگر تم نے کسی چیز کو پسند کیا (دین اسلام کی طرف اشارہ ہے) تو ہم بھی اس کو  
قبول کر لیں گے، اور اگر تم نے پسند نہ کیا تو ہم بھی پسند نہ کریں گے، میں نے جواب میں کہا ہاں میں یہ کام کر سکتا ہوں،  
چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی بات مجھے پسند آگئی جس پر میری قوم (ہمدان) اسلام لے آئی، اور  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تحریر لکھوا کر عمیرہ بن مران کی طرف بھیجی، یہ بھی ہمدانی ہیں جو آپ کے زمانہ میں  
اسلام لاچکے تھے جو بظاہر اپنی قوم ہمدان کے رئیس تھے، اور نیز آپ نے مالک بن مرارہ کو بھیجا تمام اہل یمن کی طرف یعنی  
دعوت اسلام کے لئے، پس اس پر عکب ذویخوان اسلام لے آیا یہ شخص بھی ہمدانی اور یمنی ہے، ذویخوان اس کا لقب  
ہے، یہ بھی اپنی قوم کا بڑا آدمی تھا، چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تو بھی جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کتاب الامان  
حاصل کر لے اپنی پوری بستی اور مال کے بارے میں، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں آیا اور آپ نے اس کو یہ تحریر لکھوا کر دیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعکب ذی خیوان ان کان

صادقاً فی ارضہ ومالہ ورقیقہ فذلہ الامان وذمۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم، وکتب خالد بن سعید بن العاص، یعنی اس تحریر کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام لکھا، یہ خالد بن سعید

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ چونکہ عکب ذویخوان، اسی طرح عمیرہ بن مران از خود اسلام میں داخل ہوئے، مسلمانوں

کو ان کے ساتھ غزوہ اور فتح کی ضرورت پیش نہیں آئی لہذا یہ لوگ اپنی زمینوں کے اور دوسری املاک کے خود مالک ہیں

اور ان کو اس بات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عہد نامہ اور کتاب الامان (سرٹیفکٹ) حاصل ہو گیا، اور

یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔

عن ابیض بن حمال انہ کلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی الصدقة حین وفد علیہ فقال یا خاسبا لا بد من صدقة فقال انما زرعنا القطن یا رسول اللہ وقد تبدلت سبأ ولم یبق منهم الا قلیل بمأرب۔

**شرح الحدیث** | مأرب بلاد یمن ہے اور سبأ ایک قوم کا نام ہے جو وہاں آباد تھے، یہ ابیض بن حمال مأرب سبائی ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بظاہر اسلام لانے کیلئے) تو انہوں نے آپ سے صدقہ کے بارے میں گفتگو کی یعنی یہ کہ وہ معاف کر دیا جائے یا اس میں تخفیف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا کہ اے سبأ والے! صدقہ تو اسلام میں ضروری ہے انہوں نے اپنی اقتصادی حالت اور کمزوری بیان کی، یہ کہ ہماری پیداوار تو قطن ہے یا رسول اللہ! (یعنی معمولی سی) اور ہماری قوم سبأ منتشر ہو گئی اور ان میں سے کچھ تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں مأرب میں۔ اس کے بعد حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جس چیز پر مصالحت فرمائی اس کا ذکر ہے، فصالح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی سبعین حلة من قیمة وفاء بنو المعافر

کل سنة تمن بقی من سبأ بمأرب، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر جو کچھ صدقہ واجب ہوتا تھا اس کے بارے میں سبعین حلة پر مصالحت فرمائی، کہ ہر سال کپڑوں کے ستر جوڑے تم کو دینے ہوں گے قبیلہ سبأ کے ان سب لوگوں کی طرف سے جو موضع مأرب میں باقی رہ گئے ہیں حلة چونکہ قیمت کے اعتبار سے گھٹیا اور بڑھیا ہوتا ہے تو اس لئے آپ نے اس جوڑے کی قیمت متعین فرمادی تاکہ مصالحت شئی بھول پر لازم نہ آئے، بز معاف یعنی کپڑے کی ایک مشہور قسم ہے جو معلوم قیمت ہے تو مطلب یہ ہوا اس عبارت کا کہ ایسے ستر جوڑے جو قیمت میں بز معاف کے برابر ہوں وہ ادا کرتے رہیں آگے روایت میں یہ ہے کہ یہ لوگ یہ مقدار ادا کرتے رہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں، اور آپ کی وفات کے بعد عمال نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا یعنی اس کا لحاظ نہیں کیا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قرارداد کے موافق برقرار رکھا، صدیق اکبر کی وفات کے بعد پھر وہ معاملہ زل زلا گیا وصارت الی الصدقة، یعنی اصل صدقہ قاعدہ کے مطابق جتنا بیٹھتا ہے اس پر آکر ٹھہر گیا۔

**ما استفید من الحدیث** | اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے صدقہ کے بارے میں ایک مقدار معین پر صلح فرمائی، حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اگر صدقہ

سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں آپ نے ایک مقدار معین پر مصالحت فرمائی، تو یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہوگی، آپ کے علاوہ کسی اور امام کے لئے زکوٰۃ مفروضہ کے بارے میں کسی مقدار معین پر صلح کرنا جائز نہیں، اور اگر صدقہ سے مراد یہاں پر زمین کی پیداوار کا عشر ہے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال نہیں، عشر میں گنجائش ہے (دوسرے کیلئے بھی) (بذل)

## باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کا مصداق | جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جس کے چاروں طرف پانی ہو، سرزمین عرب کے تین جانب پانی ہے مشرق، مغرب اور جنوب اور شمال میں آبادی ہے اسی لئے عرب کو جزیرہ نام سے تعبیر کرتے ہیں، جزیرۃ عرب کی تحدید اور اس کا مصداق آگے متن میں اس طرح آرہا ہے۔

جزیرۃ العرب ما بین الوادی الی اقصى الیمین الی تخوم العراق الی البحر، یعنی جنوب میں انتہائے یمن سے لے کر شمال میں عراق کے حدود تک اور وادی القری سے لیکر سمندر تک درمیان کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے یعنی شمال میں حدود عراق جنوب میں اتھوائے یمن، مغرب میں جدہ و ماحولہا یمین سے لیکر وادی القری تک اور مشرق میں خلیج فارس تک کا علاقہ جزیرۃ العرب کہلاتا ہے اور بادل میں حضرت نے علامہ شامی سے یہ نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب پانچ مناطق پر منقسم ہے، تہامہ، نجد، حجاز، عروص، یمن، تہامہ تو حجاز کا جنوبی حصہ ہے، اور نجد اس حصہ کا نام ہے جو حجاز و عراق کے مابین ہے، اور حجاز اس پہاڑ کے سامنے والے حصہ کو کہتے ہیں جو یمن سے لیکر شام تک مسلسل چلا گیا ہے اور عروص یمامہ کا علاقہ ہے جو بحرین تک ہے اور صحیح بخاری کتاب الجہاد باب جو انزالو فیہ میں ہے کہ مغیرہ بن عبد الرحمن سے سوال کیا گیا جزیرۃ العرب کے بارے میں فقال مکہ والمدینۃ والیمامۃ والیمین۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوصی بثلاثۃ فقال

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفاء بنحو ما کنت اجیزہم۔

شرح الحدیث | یعنی آپ نے وفات کے وقت تین چیزوں کی وصیت فرمائی ایک جزیرۃ العرب سے مشرکین کے اخراج کی مشرکین میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں، یہ دونوں مشرکین اہل کتاب ہیں لاہنم یقولون عنزیر ابن اللہ،

۱۔ بایں طور کہ یمن داخل اور عراق خارج ۱۲

۲۔ اب یہ کہ جزیرۃ العرب سے تمام جزیرہ عرب مراد ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے، اس کے بارے میں بادل میں یہ ہے قبل المراد بہا مکہ والمدینۃ ونقل الطیبی ان الشافعی خص ہذا حکم بالحجاز وهو عنده مکہ والمدینۃ والیمامۃ وحوالہا دون الیمین وغیرہ اھ و فی۔ العون۔ وقال مالک بن انس اراد بجزیرۃ العرب المدینۃ نفسها اھ و فی۔ العرف الشذی۔ الکافر لا یقیم فی جزیرۃ العرب، نعم يجوز له المرور واختلف فی ان حکم لجمع جزیرۃ العرب او لبعضہا، و اشار الی الاول الطحاوی فی مشکلی الآثار، و اختص محمد فی موطا اھ، اور موطا محمد میں ہے قال محمد ان مکہ والمدینۃ و ماحولہما من جزیرۃ العرب (ص ۳۷۳) مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ اس حدیث میں جزیرۃ العرب اپنے عموم پر ہے یا اس سے بعض مراد ہے، فلیفتش کتب الخفیۃ فی ذلک۔

والمسیح ابن اللہ، اول کے قائل یہود اور ثانی کے نصاریٰ ہیں، اور مجوس تو مشرک ہیں ہی حکم مذکور فی الحدیث یعنی اس اخراج کے بارے میں بدائع میں لکھا ہے کہ ارض عرب کے اندر کوئی کینسہ یا بیعہ نہ باقی رکھا جائے اور نہ وہاں بیع خمر اور خنزیر کی اجازت ہے، مصر کان او قریۃ اوما من میاء العرب ویمنع المشرکون ان یتخذوا ارض العرب سکنا ووطنا، کذا ذکرہ محمد تقضیلا لارض العرب علی غیرہا و تطہیر لھا عن الدین الباطل، للحدیث الذکور (بذل) اور دوسری وصیت یہ ہے کہ آنے والے وفود کو جائزہ دیا جائے یعنی عطیہ، یعنی ان کی آمد پر ان کا اہتمام کیا جائے، ہر طرح سے خیال رکھا جائے اور ان کو بدریہ بھی پیش کیا جائے، اس امر کا تعلق تو آپ کے بعد آنے والے ائمہ سے ہے کہ وفود تو امام المسلمین ہی کے ہمان ہوتے ہیں اور ویسے تو ہر مہمان ہی کے اعزاز و اکرام کا ہر مسلمان مامور ہے۔ قال ابن عباس وسکت عن الثالثة اذ قال فانسیہا، تیسری وصیت کے بارے میں ابن عباس تردد ظاہر کر رہے ہیں کہ یا تو آپ ہی نے اس سے سکوت فرمایا یا پھر میں بھول گیا، شرح نے لکھا ہے کہ اس امر ثالث کے مصداق

لہ اس جملہ کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اور آپ نے امر ثالث سے سکوت فرمایا، آگے شک راوی ہے کہ یا ابن عباس نے یہ فرمایا کہ امر ثالث کو آپ نے تو ذکر فرمایا تھا لیکن میں بھول گیا، چنانچہ صاحب العون نے یہی مطلب لکھا ہے، لیکن حضرت نے بذل میں اس عبارت کی تاویل فرمائی ہے اور اس کی یہ شرح کہ ہے کہ سعید راوی کہتا ہے ابن عباس نے صرف دو امر ذکر کئے اور تیسرے سے سکوت کیا، اور پھر آگے سعید کہتے ہیں: یا ابن عباس نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں اس کو بھول گیا، اس صورت میں قال کا فاعل ابن عباس ہوگا بلکہ ابن عباس سے روایت کرنے والا ان کا شاگرد، جو یہاں سند میں سعید بن جبیر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: ابن عباس ذکر امرین وسکت عن الثالثة الخ، اس صورت میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہوئے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور حضرت نے جو یہ تاویل فرمائی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اس جملہ کی نقل میں روایات مختلف ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد مقامات میں مذکور ہے نفی الجہاد فی باب جوائز الوفد: وأجیزد الوفد بنحو ما کنت اجیزہم، ونسیت الثالثة اھ یعنی یہاں قال ابن عباس نہیں ہے، وفی الحجریۃ فی باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب: بنحو ما کنت اجیزہم، والثالثة خیر، اما ان سکت عنہا واما ان قالہا فنسیہا، قال سفیان: هذا من قول سلیمان، یعنی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یہ قول (وسکت عن الثالثة الخ) میرے استاد سلیمان احوال کا ہے یعنی سلیمان کہتے ہیں کہ تیسری بات بھی بہتر ہی ہے یا تو میرے استاد یعنی سعید ہی نے سکوت کیا، یا انہوں نے تو ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، اور ابوداؤد کے ایک نسخہ میں جو کہ بذل کے حاشیہ پر ہے اس میں اس طرح ہے، قال سلیمان لا ادری اذکر سعید الثالثة فنسیہا او سکت عنہا، اس نسخہ والی عبارت کا حاصل اور اوپر بخاری والی روایت کا حاصل ایک ہی ہے کہ سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں، اور حضرت نے جو شرح فرمائی ہے اس میں سکوت کرنے والے ابن عباس ہیں، اور حافظ نے فتح الباری ج ۷ ص ۷۱ میں احتمالا اسی کو اختیار کر کے پھر بعد میں اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ قول سلیمان احوال کا ہے اور سکوت کرنے والے سعید بن جبیر ہیں لیکن اس قول میں حافظ نے حوالہ دیا ہے مسند حمیدی اور مستخرج ابی نعیم، جبکہ خود بخاری میں یہ موجود ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ جس طرح ابوداؤد میں ہے ←

میں دوسری احادیث میں جو چیزیں مذکور ہیں وہ ہو سکتی ہیں، مثلاً الوصیۃ بالقرآن، تجبیز جمیش اسامہ، لا تتخذوا قبری دشناً یعبدا، الصلۃ وما ملکت ایمانکم۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

یقول (جابر) أخبرنی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقول: لا أخرج من الیہود والنصارى من جزيرة العرب فلا أترك فیہا الا مسلماً۔  
یہ حدیث یہاں تو مطلق ہے اور مسلم کی روایت میں لثن عشت الی قابل کے ساتھ مقید ہے۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لا تكون قبلتان فی بلد واحد۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی شرح میں تین قول ہیں اول یہ کہ اس سے مراد اقامت فی دار الحرب ہے یعنی ایک شخص دار الحرب میں اسلام لے آیا تو اب اس کو چاہیے کہ وہاں سے منتقل ہو جائے (۲) اظہار شعار الکفر یعنی ذمی لوگ جو دارالاسلام کے اندر مقیم ہیں، دارالاسلام میں رہتے ہوئے شعار کفر کے اظہار کی ان کو اجازت نہیں، (۳) اخراج المشرکین من جزيرة العرب، نعلی الاول المراد من البلد دار الحرب وعلى الثاني دارالاسلام وعلى الثالث جزيرة العرب والحدیث أخرجه الترمذی وذكر انه روی مرسلًا، قال المنذری۔

قال ابو داود: قرئ علی عمار بن مسکین وانا شاهد الخ

یہاں بھی مصنف نے عمار بن مسکین سے طریق روایت وہی اختیار کیا جو ابھی قریب میں گذرا تھا۔

حدثنا ابن السرح نا ابن وهب قال قال مالك وقد اجلی عمر یہود نجران وفدك۔

نصاری نجران سے کیسے مصالحت ہوئی تھی اس کا بیان آئندہ باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔

**آئیوالے باب کے کتاب الخراج کی ابتدا ہے** | اس کے بعد بعض نسخوں میں یہ لکھا ہے: آخر کتاب الفی، بسم اللہ الرحمن الرحیم اول کتاب الخراج، اس سرخی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج والفی سے

→ قال ابن عباس الخ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ، سکت۔ کا فاعل حضور ہیں۔ مسجرح کسی کتاب میں نہیں ہے، اب یا تو اس کو مرجوح

اور وہم کہا جائے یا پھر اس کی تاویل کی جائے اسلئے کہ صحیح ہے کہ، سکت۔ کا فاعل سعید بن جبیر ہیں اور تاویل وہ ہے جو ہم نے اوپر بذل سے

ذکر کی، مگر اس میں بھی یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تاویل میں، سکت کا فاعل ابن عباس بننے ہیں حالانکہ راجح یہ ہے کہ اس سے بھی نیچے کاراوی ہے یعنی

سعید، گو حافظ نے احتمالاً اس کو بھی لکھا ہے جو بذل میں ہے۔

لیکرا بتک جو احادیث گزری ہیں ان کا تعلق فی سے تھا اور آنے والے باب سے خراج کی ابتداء ہو رہی ہے۔

## باب فی ایقاف ارض السواد وارض العنوة

اس باب میں خراج اور خراجی زمین ہی کا بیان ہے، ایقاف سے مراد جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ ترک القسمة بین الغائبین ہے بل ابقاؤھا علی حالھا و ضرب الخراج علیھا المصالح المقاتلین و المسلمین عامۃ، یعنی زمین کو فتح کرنے کے بعد بطور من و احسان کے اس کے ارباب (مشرکین) پر چھوڑ دینا اور ان زمینوں پر خراج یعنی ٹیکس مقرر کر دینا۔

**عشر اور خراج میں فرق** عشر اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج تو مشرکین سے لیا جاتا ہے اور اس کا وجوب فی الذمہ ہے چنانچہ خراج ہر حال میں واجب ہوتا ہے، خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، بخلاف عشر کے کہ وہ بغیر کاشت اور پیداوار کے نہیں لیا جاتا، نیز عشر میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں، اور خراج میں صغار اور ذلت کے (من البدائع)

ترجمہ الباب میں ارض السواد کے بعد و ارض العنوة ہے، یہ عطف العام علی الخاص کے قبیلہ سے ہے کیونکہ ارض السواد بھی ارض العنوة ہی ہے، سواد سے مراد سواد العراق ہے، عراق کی زمین چونکہ بہت سرسبز اور کثیر الاشجار و المزارع ہے اس لئے اس کو سواد سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ سبزی دور سے مائل بہ سیاحی معلوم ہوتی ہے، ارض عراق کو مسلمانوں نے خلافت فاروقی میں فتح کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی زمینوں کو وقف قرار دیا جیسا کہ حضرت عمر کا یہ مسلک پہلے بالتفصیل مع اختلاف ائمہ گذر چکا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منعت العراق قفیزھا و درہمھا و منعت الشام مذیہھا و دینارھا و منعت مصر اربہا و دینارھا و منعتھا من حیث بدأتہا۔

**شرح الحدیث** اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس پہلی حدیث میں ارض عنوة اور مال غنیمت کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں مال فی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے اس پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ مسلمان ان ممالک کو یعنی عراق شام اور مصر کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں پر یعنی مشرکین پر جو ان ملکوں میں آباد ہوں گے خراج مقرر کریں گے اور اس خراج میں آپ نے غلات اور درہم و دنانیر دونوں کو ذکر فرمایا جو نسا مکہ جس ملک میں رائج ہوگا اس حدیث میں آپ نے اسی کو ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے درہم، اور شام و مصر کے لئے آپ نے دنانیر کو ذکر فرمایا، اور غلات میں جو نسا پیمانہ جہاں رائج تھا اسی کو آپ نے حدیث میں ذکر فرمایا، چنانچہ عراق کے لئے قفیز اور شام کے لئے مذی اور مصر کیلئے اربہ۔



کو ذکر فرمایا، یہ سب مکیاں اور پیمانوں کے نام ہیں جو ان شہروں میں رائج ہیں، قیصر آٹھ ملکوں کا ہوتا ہے اور مذی پندرہ ملکوں کا ہوتا ہے اور اردب چوبیس صاع کا ہوتا ہے۔

یہ حدیث اعلیٰ نبوت میں سے ہے اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو پیشینگوئیاں بیان فرمائیں اول یہ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلام عراق شام مصر سب جگہ پہنچ جائے گا اور مسلمان ان کو فتح کرنے کے بعد ان کے باشندگان کفار پر خراج مقرر کریں گے، دوسری پیشینگوئی یہ کہ اسکے بعد پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ لوگ اس خراج کو دینے سے انکار کر دیں گے، دوبارہ ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ وقیل اولاجل اسلام والاول صوالا ص۔

شعبدتھ من حیث بدأتھ، پھر تم جہاں سے چلے وہیں لوٹ آؤ گے یعنی انحطاط اور تنزل کی طرف، شرح نے لکھا ہے کہ کافی مجمع البحار کہ یہ اشارہ اس حدیث کے مضمون کی طرف ہے۔ بدأ الاسلام غربا وسیعود کما بدأ، قالہا ذہیر ثلاث مرات یہ ضمیر آخری جملہ کی طرف راجع ہے، ثم عدم من حیث بدأتھ کہ زہیر راوی نے اس جملہ کو تین بار کہا شہد علی ذلک لحرابی ہریرۃ ودمہ، اس حدیث کے راوی جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد تاکیداً یہ فرما رہے ہیں گواہی دیتا ہے اس پر ابو ہریرہ کالم اور دم یعنی مجھے اس حدیث کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سننے پر کامل یقین ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے یہاں محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس پر میرا رُواں رُواں گواہی دیتا ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم قالہ المنذری۔

عن ہمام بن منبہ قال ہذا ما حدثنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کا تعارف | دراصل یہ حدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی احادیث میں سے ہے، اس صحیفہ کی تمام روایات متفق السند ہیں بسند واحد مروی ہیں جس کی سند اس طرح ہے۔

عبد الرزاق عن معمر عن ہمام بن منبہ، اسی لئے اس صحیفہ میں یہ سند صرف پہلی حدیث کے شروع میں مذکور ہے، اور چونکہ باقی احادیث جو ایک ستوائتالیس ہیں اسی سند سے مروی ہیں اس لئے بعد کی حدیثوں میں سند کو ذکر نہیں کیا گیا صرف ذکر متون پر اکتفا کیا گیا، اس صحیفہ کی جملہ روایات کو امام احمد بن حنبل براہ راست عبد الرزاق سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح شیخین امام بخاری و مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس صحیفہ سے بعض روایات لی ہیں، مسلم میں بہ نسبت بخاری کے زائد ہیں، امام ابو داؤد نے اس روایت کو اپنے استاد احمد بن حنبل کے واسطے سے لیا ہے اور امام مسلم بواسطہ محمد بن رافع و بواسطہ امام احمد روایت کرتے ہیں ہذا ما حدثنا ابو ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم یہی صحیفہ کی بالکل شروع کی عبارت ہے اس کے بعد پھر متون احادیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس کی نظر وہ روایات ہیں جو امام ابو داؤد نے مکتوب سمرہ سے لی ہیں جن کا ذکر الدر المنصور کے مقدمہ میں اور اصل کتاب میں بارہا گذر چکا، اور

یہاں مصنف نے جو حدیث اس صحیفہ سے لی ہے یہ اس صحیفہ کی آخری حدیث ہے۔

أَيُّمَا قَرِيبَةٍ أَتَيْتُمُوهَا وَقِمْتُمْ فِيهَا فَسَهْمُكُمْ فِيهَا وَإِيَّا قَرِيبَةَ عَصَتِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَإِنْ خَمَسَهَا لِلَّهِ  
وَرَسُولِهِ شَعْرَهُ لَكُمْ۔

شرح الحدیث | یعنی جس گاؤں یا بستی میں تم پہنچ جاؤ یعنی بغیر قتال کے اور وہاں جاگزیں ہو جاؤ تو اس قسم کے مال غنیمت میں تم سب کا حصہ ہے، اور جس بستی والے ایسے ہوں جو اللہ و رسول کے نافرمان ہوں یعنی اس میں تمہیں قتال کی ضرورت پیش آئی اور پھر قتال کے ذریعہ تم نے اس کو فتح کیا تو اس قسم کے مال کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے ایک خمس تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے باقی تمہارے لئے یعنی مقابلین کے لئے، کیونکہ یہاں قتال کی نوبت آئی ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ مال بغیر قتال کے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں تمام مسلمانوں کا حصہ ہے کیونکہ وہ مال فنی ہے اور یہ دوسرا مال، مال غنیمت اسی لئے اس میں تخمیس کی گئی اور باقی اربعہ اقسام مقابلین کے لئے ہوا، گویا اس حدیث میں مال فنی اور غنیمت دونوں کا حکم مذکور ہے، اور دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں مال غنیمت کے تقسیم کرنے کا ذکر ہے اور اس باب کی پہلی حدیث میں خراج کا ذکر تھا، خراج ہوتا ہی ہے ایقاف اور عدم تقسیم کی صورت میں، لہذا دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا ارض مفتوحہ کی تقسیم اور ترک تقسیم (ایقاف) دونوں جائز ہیں۔ فللمنہ در المصنف کہ اس ایک باب میں دونوں قسم کی حدیثیں لے آئے، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے نزدیک امام ارض مفتوحہ عنوة میں مختار ہے تقسیم اور ترک تقسیم دونوں کا۔ فتدبر و تشکر، ہر ہر حدیث کو بہت غور سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔  
والحدیث اخرہ مسلم قالہ المنذری۔

### باب فی اخذ الجزیة

جزیہ ان مشرکین کے نفوس کے ٹیکس کو کہتے ہیں جن کو دارالاسلام میں امن دے کر بٹھرنے کی اجازت دی گئی ہے اور خراج کہتے ہیں زمین کے ٹیکس کو، اور عشر کہتے ہیں زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو۔  
یہاں پر جزیہ میں دو اختلاف ہیں، اول یہ کہ جزیہ کن کافروں سے لیا جاتا ہے، صرف اہل کتاب سے، یا اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے، ثانیہ حنابلہ کے یہاں صرف اہل کتاب سے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک دونوں سے، لیکن عند الحنفیہ مشرکین عرب ستثنیٰ ہیں، اور دوسرا مسئلہ یہ کہ جزیہ کی مقدار واجب کیا ہے؟ یہ دونوں مسئلے کتاب الزکوٰۃ میں مع اختلاف ائمہ حضرت معاذ کی حدیث، ومن کل عالم دیناراً کے تحت۔ گزر چکے، پھر جانتا چاہئے کہ وجوب جزیہ کے لئے تین اوضاع شرط ہیں۔ شرائط وجوب جزیہ | قال ابن رشد: اتفقوا علی انہا انما تجب بثلاثہ اوصاف الذکورۃ والتبلیغ والحرۃ وانہا لا تجب علی النساء ولا علی الصبیان، پھر آگے انہوں نے اس کی وجہ لکھی ہے وہ یہ کہ جزیہ تو قتل کے عوض میں ہے اور قتل کا حکم صرف رجال بالغین کے حق میں ہے، چنانچہ جہاد میں نساء اور صبیان کے قتل کی ممانعت ہے،

و کذا اجمعوا علی انھا لا تجب علی العیdale ابن قدامہ نے بھی اسی پر جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے، فان عمر کتب الی امرار الاجناد ان اضربوا الحزبۃ ولا تضربوها علی النساء والصبیان ولا تضربوها الا علی من جرت علیہ الموائی، رواہ سعید وابو سعید والاثرم الح۔ نواری، موسیٰ کی جمع بمعنی استرہ، انبات کی طرف اشارہ ہے۔

وعن عثمان بن ابی سلیمان، یہ عن عاصم پر عطف ہے، یعنی محمد بن اسحاق اس حدیث کو عاصم سے بھی روایت کرتے ہیں اور عثمان سے بھی، لیکن عاصم کا طریق مسند ہے اور عثمان کا مرسل کیونکہ یہاں صحابی مذکور نہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بعث خالد بن الولید الی اکیدر دومة فاخذوه فاقوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزیة۔

دومة البجندل ایک قریہ کا نام ہے من بلاد الشام اور اکیدر اس کے حکمران کا نام ہے، دومة البجندل کی فتح کا واقعہ غزوہ تبوک کے سفر میں پیش آیا جس کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الجہاد میں آچکا ہے، فلا حاجة الی اعادتها۔

عن ابی وائل عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم لما وجهہ الی الیمن اخذ اس حدیث پر نیز اس کی تخریج پر کلام کتاب الزکوۃ میں گذر گیا۔

عن زیاد بن حدیر قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لئن بقیت لنصاری بنی تغلب لاقتلن المعاتلة

ولا سبین الذمیۃ الخ۔

شرح الحدیث المتعلق بمصالحہ نصاریٰ بنی تغلب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں کچھ دن اور باقی رہا تو بالفرض نصاریٰ بنو تغلب کے مردوں کو قتل کروں گا اور ان کی عورتوں بچوں کو قید کروں گا اسلئے کہ مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے درمیان اور

ان کے درمیان معاہدہ لکھوایا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ وہ اپنی پیدا ہونیوالی اولاد کو نصرانی نہیں بنائیں گے۔ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے نقض عہد کر دیا اور اپنی اولاد کو نصرانی بنایا۔

قال ابو داؤد: هذا حدیث منکر الخ۔

امام ابو داؤد اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر سخت کلام فرما رہے ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے ہے، اور آگے اس میں ہے کہ مصنف کے شاگرد نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی اس سنن کی قرارت و روایت کے وقت پہلی بار تو پڑھا تھا لیکن دوسری مرتبہ نہیں پڑھا، یعنی سنن سے خارج کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ نصاریٰ بنو تغلب کے ساتھ کچھ معاملہ ہوا تھا یا نہیں اور اس واقعہ کی کچھ اصل ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اصل ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نہیں، آپ کا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہوا تھا فانه صالحم علی تضعیف الصدقة بدل الجزیۃ یعنی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان پر جزیہ مقرر فرما رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جزیہ ہمارے حق میں موجب عار ہے کیونکہ ہم عرب ہیں، اور جزیہ دینا غمیوں کا کام ہے لہذا ہم سے جو چاہے لے لیجئے لیکن جزیہ کے نام سے نہیں اور معاہدہ میں یہ بات آئی تھی ان لای نصروا اولادھم، صاحب عون المعبود نے اس واقعہ کی یہ اصل متعدد کتب حدیث مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل اور فیصلہ کی وجہ سے جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ ان سے اس چیز کا دو گنا لیا جائے گا جتنا مسلم سے لیا جاتا ہے، نفی الرکاز الخسان وما فیہ العشر عشراں وما فیہ ربع العشر نصف العشر، وکذلک من نساہم، لیکن امام مالک کی رائے انہیں جمہور کے خلاف ہے ان کے نزدیک جو دوسرے اہل کتاب اور ذمیوں کا حکم ہے وہی بنو تغلب کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کا اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہے جس میں سب برابر ہیں، اور دوسرے علماء جیسے ابن قدامہ اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے فیصلہ پر کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہیں کی فصارا جماعا (ابن جریر، ص ۲۶۸)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال صالح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اهل نجران علی النبی حلة..... وعاریة ثلاثین درعا..... ان کان بالیمن کید ذات غدر۔

**آپ کی نصاریٰ نجران کیساتھ مصالحت** | اوپر یہ آیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ بنو تغلب سے مصالحت کی، وہ روایت تو خلاف واقعہ تھی لیکن یہ واقعہ کے مطابق ہے کہ آپ نے نصاریٰ نجران سے مصالحت فرمائی، نجران یمن میں ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دو ہزار حُلّوں پر مصالحت فرمائی تھی دو قسطوں میں، نصف ماہ صفر میں اور نصف ماہ رجب میں اور نیز اس بات پر کہ اگر یمن میں لڑائی اور غدر ہونے لگے تو یہ چیزیں عاریت پر دینی ہوں گی جو حدیث میں مذکور ہیں یعنی تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے سلاح میں سے تیس تیس، اگر مسلمانوں نے ان کے ذریعہ قتال کیا تو وہ ان سب چیزوں کے ضامن ہوں گے، یعنی اس سامان کی واپسی ضروری ہوگی، ان کان بالیمن کا تعلق عاریت سے ہے۔

علی ان لا یتھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قسّ، اس جملہ کا تعلق صالح سے ہے یعنی مصالحت اس بات پر ہوئی کہ مسلمان ان کے گرجا کو منہدم نہیں کریں گے اور نہ ان کے کسی عالم پادری کا اخراج کریں گے، اور نہ ان کو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا۔

مالہم یحد ثواحد ثا اویا کلا الربا، احداث حدّث سے مراد شرائط عہد میں سے کسی شرط کا توڑنا ہے۔ اس مصالحت میں جس جزیہ کا ذکر ہے چونکہ یہ جزیہ بطریق صلح تھا تو اس قسم کے جزیہ کو جزیۃ الصلح والتراتضی کہتے ہیں تو گویا جزیہ کی دو قسمیں ہوتیں، جزیۃ صلحیہ، جزیۃ جبریہ، جزیۃ صلحیہ کا کوئی ضابطہ نہیں جس چیز پر بھی صلح ہو جائے، اور دوسری قسم جو جزیہ کی ہے اس کا ایک ضابطہ ہے، یعنی مقدار کے لحاظ سے جس کی تفصیل کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو صلح نامہ نصاریٰ بخران کے بارے میں لکھا تھا وہ کافی مفصل اور طویل ہے، حضرت نے بذل میں اس کو نقل فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کو دیکھ لے۔

## باب فی اخذ الجزیۃ من المجوس

مجوس آتش پرست ہوتے ہیں یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے اصلین کے قائل ہیں یعنی دو چیزوں کو اصل مانتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جتنی بھی دنیا میں خیر ہے وہ فعل نور ہے اور جتنے شرور ہیں وہ ظلمت سے سرزد ہوئے ہیں، ان کے بارے میں اس طرح بھی مشہور ہے کہ یہ لوگ دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمین یزدان کو خالق الخیر، اور اہرمین کو خالق الشر مانتے ہیں (ان دونوں میں صرف تعبیر کا فرق ہے) اور بہر حال یہ مشرک ہیں، ان سے جزیہ تو بالا جماع لیا جاتا ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے مسلک پر یہ اشکال ہو گا کہ وہ تو جزیرہ کے بارے میں اہل کتاب کی تخصیص کرتے ہیں، مشرکین سے اخذ جزیرہ کے قائل نہیں، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ موجودہ حالت کے اعتبار سے تو مشرک ہیں لیکن ابتداء اور اصل کے اعتبار سے یہ اہل کتاب تھے جیسا کہ حدیث الباب میں آ رہا ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ان اهل فارس لمات نبیہم کتب لہم ابلیس المجوسیۃ۔ لیکن ان کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اہل کتاب کے ذباغ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے بخلاف مجوس کے کہ ان میں جائز نہیں۔ قال کنت کاتب الجزیر بن معاویۃ۔ عمار الاحنف بن قیس۔ اذ جاءنا کاتب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل موته بسنة۔

**شرح الحدیث** | بجالہ بن عبدہ کہتے ہیں کہ میں خزرج بن معاویہ جو احنف بن قیس کے چچا ہیں ان کا کاتب تھا، یہ خزرج بن معاویہ تابعی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے اھواز کے گورنر تھے بجالہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کی ایک تحریر ان کی وفات سے ایک سال قبل آئی جس میں یہ تھا کہ وہاں جتنے سباحر ہیں ان سب کو قتل کر دو اور مجوس میں سے ہر دو ذی رحم کے درمیان تفریق کر دو (اس لئے کہ وہ نکاح محارم کے قائل تھے) وانہوہم عن الزمرۃ اور یہ کہ ان کو زمرہ سے روکو، چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین ساحر قتل کر ڈالے اور اسی طرح اس قسم کے مجوسی اور اس کی حریم کے درمیان بھی تفریق کر دی اور تیسرے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ انہوں نے جتنے یہاں مجوسی تھے ان کے کھانے کا دعوت کی، جب سب لوگ کھانے پر بیٹھ گئے تو بیچ میں یہ خزرج بن معاویہ بھی بیٹھ گئے، اپنی ران پر تلوار رکھ کے اور ان حاضرین سے کہا کھانا شروع کرو اور ان کو زمرہ سے روکا، تلوار ان کے سامنے تھی۔ والقواد قریب غل او یغلین من الورق، یعنی انہوں نے زمرہ کی اجازت کے لئے اور اس کی خوشامدی میں دو خجروں کے بوجھ کے بقدر چاندی سامنے رکھی مگر وہ نہیں مانے اور ان کو زمرہ نہیں کرنے دیا، مجوس کی عادت کھانا

کھانے کے وقت زمزمہ کی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کھانا کھانے کے وقت منہ کے اندر اندر ناک سے کچھ گنگناتے تھے جس کو وہ آپس میں تو سمجھتے تھے، لیکن کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کیا بول رہے ہیں، نہ معلوم اس کی کیا وجہ تھی۔

ولم یکن عمر اخذ الجزیۃ من المجوس حتیٰ شہد عبد الرحمن بن عوف ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذھا من مجوس ہجرۃ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجوس سے جزیہ لینے میں تردد تھا، پھر جب حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا ہے تب انہوں نے لینا شروع کیا، وفی الموطا: لما تردد عمر فی امر المجوس قال لہ عبد الرحمن بن عوف سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: سئو اہم سئۃ اہل الکتاب، یعنی آپ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو، لیکن ہذا فی امر الجزیۃ لانی جواز النکاح بنسائہم واکل ذباہم۔  
والحدیث اخر جہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی متفقاً، قالہ المنذری۔

اس حدیث کی سند میں اس طرح ہے: عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے ایک اصولی مسئلہ صیغہ حدیث سے متعلق بحالہ سے وہ حدیث سنی جس کو وہ عمرو بن ادس اور ابوالشعثار سے بیان کر رہے تھے، پھر اگے اس حدیث کا ذکر ہے، یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ عمرو بن دینار نے یوں کیوں نہ کہدیا حدیثی بحالہ اس طوالت کی کیا ضرورت تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ راوی لفظ حدیث سے روایت اس وقت کر سکتا ہے جب کہ اس کے استاد نے اس سے وہ حدیث بالقصد بیان کی ہو، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ مقصود بالاسماع دوسرا شخص ہو تو جو شخص مقصود بالاسماع نہ ہو لیکن اس نے وہ حدیث اس سے سن لی ہو تو پھر اس صورت میں اس سامع کے لئے اس حدیث کو بصیغہ حدیث بیان کرنا درست نہیں، الحاصل جو شخص مقصود بالاسماع ہو اسی کیلئے بوقت روایت حدیث حدیث استعمال کرنا جائز ہے دوسرے کے لئے نہیں، لیکن عند الجہور جائز ہے، ومنہ بعضہم منہم الامام النسائی وطائفة قلیلہ، قالہ الحافظ فی الفتح (عون) الدر المنصور کے مقدمہ میں بھی انواع تحمل کے بیان میں ہم غالباً یہ قول بھی لکھ چکے ہیں۔ من ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال جاء رجل من الاسديين من اهل البحرين وهو مجوس اهل حبر الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اخذ۔

شرح الحدیث اسبزیوں مجوس میں ایک قوم ہے جو گھوڑے کی پرستش کرتے تھے، اس کا مفرد الاسبذی ہے متعرب من الاسب بمعنی الفرس۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اسبذی مجوس اہل ہجر میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



کی خدمت میں پہنچا، تھوڑی دیر آپ کے پاس ٹھہرا پھر باہر آگیا، میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا تو اس نے کہا بُرا فیصلہ، میں نے پوچھا کیا ہے وہ تو اس نے کہا، الاسلام والقُتل، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مجھ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، حالانکہ یہ عبدالرحمن بن عوف والی حدیث کے خلاف ہے اسی لئے آگے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں **وقال عبد الرحمن بن عوف قبل منهم الجزية**، آگے ابن عباس فرماتے ہیں کہ علماء نے عبدالرحمن والی حدیث کو اختیار کیا اور جو میں نے اسبندی سے سنی تھی اس کو ترک کر دیا، اسلئے کہ اسبندی کا قول معتبر نہیں روایت میں۔ یہ حدیث الغازی میں سے ہے یعنی چیتاں، یعنی یہ بتائیے کہ وہ کونسی حدیث ہے جس کو ایک صحابی مجوسی سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجوسی اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔

### باب التشديد في جباية الجزية

جبایٹ یعنی تحصیل و استخراج، یعنی جزیہ وصول کرنے میں تشدد برتنا۔

عن عروة بن الزبير ان هشام بن حكيم وجد رجلا وهو على حصن يشمس ناسا من القبط في اداء الجزية عروہ کہتے ہیں: حکیم بن حزام کے بیٹے ہشام نے ایک شخص کو جو کہ حص کا امیر تھا اس حال میں پایا کہ اس نے کچھ لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کر رکھا تھا ادائے جزیہ کے بارے میں، تو اس پر ہشام بن حکیم نے نیکری کی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور پھر حدیث سنائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عذاب دیں گے ان لوگوں کو جو دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں۔

اس روایت میں ناسا من القبط ہے، اور واقعہ ہے یہ ملک شام کا، قبعلی وہاں کہاں تھے وہ تو مصری ہوتے ہیں، ہذا روایت میں تحریف ہے اسلئے کہ مسلم میں اس کے بجائے **اناس من الأباط** ہے تو بجائے قبط ہو گیا، اور نبلی عجی کاشتکار کو کہتے ہیں۔ والحدیث اخری مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب في تعشير اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة

مسئلہ مذکورہ فی الباب کی تشریح و تنقیح | یعنی ذمی لوگ جب مال تجارت لیکر عاشر پر کو گزریں ان سے عشر لینے کے بیان میں۔ مع جانتا چاہیئے کہ ذمیوں کے حق میں نہ سونے چاندی میں زکاۃ ہے نہ زمین کی پیداوار میں عشر، بلکہ ان سے صرف جزیہ لیا جائے گا جس کے اندر پستی اور ذلت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لہ اختلاف بمعنی آمد و رفت، قال تعالیٰ ان فی اختلاف الليل والنهار لآیات لا دلی الا للہاب ۱۱ لہ ففی الموطا قال مالک: ولیس — ۱۲

وقال الله تعالى حتى يُعْطُوا الْهَجْرَةَ عَنْ يَدِهِمْ صَاعِرُونَ، اور زکاة و عشر صرف مسلمانوں سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادت ہیں، اور ان سے مقصود تطہیر ہے قال الله تعالى خذ من اموالهم صدقة تطهرهم، وقال صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الله لم يفرض الزكاة الا ليطهّر ما بقى من اموالكم، رواه ابو داؤد، اور کفار تطہیر کے قابل نہیں، قال الله تعالى انما المشرکون نجس، لیکن یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب تک یہ ذمی اسی مقام اور قریہ میں ٹھہرے رہیں جہاں ان کو ٹھہرنے کی اجازت دی گئی ہے اور جس پر صلح ہوئی ہے، اور اگر یہ لوگ اس شہر سے یا اس مقام سے کسی دوسرے ملک یا شہر میں مال تجارت لیکر سفر کریں اور آنا جانا رکھیں تو اس صورت میں ان سے ان کے اموال تجارت میں سے عشر لیا جائے گا، اس باب میں اسی کا بیان ہے کہ جب یہ لوگ اموال تجارت لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں جائیں تو ان سے اس صورت میں کیا لیا جائے عشر یا نصف عشر وغیرہ ذلك من الشرائط۔

ہدایہ میں ہے: باب فیمن یمر علی العاشر والعاشر من نصاب الامام علی الطريق لیاخذ الصدقات من التجار نیز ہدایہ میں ہے کہ جب تاجر عاشر پر کو مال تجارت لے کر گزرے اور وہ یہ کہے کہ ابھی حولان حول نہیں ہوا یا یہ کہ مجھ پر دین ہے اور اس پر وہ قسم کھالے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور ایسے ہی اگر وہ یوں کہے کہ میں نے اس کی زکوٰۃ مصر میں فقراء کو خود ادا کر دی ہے پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مسلم سے عاشر ربع عشر لے، اور ذمی سے نصف العشر اور حربی سے عشر نیز اس میں یہ بھی ہے کہ ذمی اور مسلم سے نصف العشر اور ربع العشر اس وقت لیا جائے جبکہ بقدر نصاب مال تجارت لے کر گزرے، اور حربی کے بارے میں یہ ہے کہ وہاں بھی نصاب کا اعتبار ہے الا یہ کہ وہ لوگ مسلمانوں سے مادون النصاب سے عشر لیتے ہوں تو پھر ہم بھی ان سے اسی طرح معاملہ کریں گے، ایسے ہی اگر وہ ہم سے عشر سے کم لیتے ہوں نصف العشر یا ربع العشر تب ہم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے، اگر وہ مسلمان سے کل مال لے لیتے ہوں تو پھر ہم ایسا نہیں کریں گے لانا غدر اور اگر وہ ہم سے بالکل نہیں لیتے تو پھر ہم بھی نہیں لیں گے لانا احق بمکارم الاخلاق (ہدایہ، ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ اور مذاہب اربعہ کا خلاصہ اس میں یہ ہے کہ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک نصف عشر لیا جائے گا بشرط النصاب مرة فی الحول، اور امام مالک کے نزدیک عشر لیا جائے گا کلام علی العاشر ولم یشرط الحول ولا النصاب، نیز امام مالک کے نزدیک عام اموال میں تو عشر ہی لیا جائے گا سب جگہ، البتہ صرف مکہ مدینہ میں بعض اطعمہ کے بارے میں (حنطہ اور زیت) ان کی ایک روایت یہ ہے کہ ان میں نصف عشر لیا جائے گا، چنانچہ موطا میں ہے امام مالک اپنی سند سے نقل کرتے ہیں ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

→ على اهل الذمة دلائل على المحوس في تخليهم ولا كروهم ولا زرعهم ولا مواشيهم صدقة لان الصدقة انما وضعت على المسلمين  
تطهير لهم ، ما كانوا يبلدهم الذي ما نحو اعليه الان يتجروا في بلاد المسلمين ويختلطوا فيهم فيؤخذ منهم العشر فيما يريدون من التجارات اه مخفاء او جز ٣٦٨

كان ياخذ من النبط من الحنطة والزيت نصف العشر يريد بذلك ان يكثر الحمل الى المدينة، وياخذ من القطنية العشر (ابو جرير)۔  
 یعنی حضرت عمر حنطہ اور زیت میں سے بجائے عشر کے نصف عشر لیتے تھے تاکہ تاجر لوگ ان کو بکثرت مدینہ میں لے کر آئیں اور  
 پھر وہاں ارزانی ہو، اور باقی جنوب سے یعنی ان غلوں سے جو پکائے جاتے ہیں جیسے مسور چنا لوبیا ان میں سے عشر ہی لیتے تھے  
 اور حنطہ اور زیت کی تخصیص اسلئے تھی لانہما معظم طعامہم یعنی چونکہ یہ دو چیزیں عام طور سے کھائی جاتی ہیں اور لوگوں کو  
 ان کی طرف احتیاج زائد ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اہل ذمہ سے سوائے جزیہ اور سوائے  
 اس کے جس پر ان سے مصالحت ہوئی صدقہ زکاۃ عشر کچھ نہیں لیا جائے گا یعنی مال تجارت میں، مگر یہ کہ غیر حجاز سے وہ  
 مال تجارت لیکر حجاز میں آئیں، تو اول تو ان کو حجاز میں داخلہ کی اجازت ہی نہ دی جائے، اور اگر دی جائے تو بغیر معاوضہ کے  
 نہیں عشر یا نصف العشر جو بھی امام کی رائے ہو، اور اجازت بھی حجاز میں آنے کی صرف تین دن کی دی جائے گی اس سے  
 زائد نہیں۔ (ابو جریر ج ۳ ص ۲۷۶)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انما العشر على اليهود والنصارى وليس على المسلمين عشر  
**شرح الحدیث** | عشر جمع ہے عشر کی اور اس کے بارے میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں پر عشر نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ  
 پر ہیں اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کتاب الزکاۃ میں یہ گذر چکا کہ صدقہ کی دو قسم ہیں، ایک وہ جو نقدین  
 (سونا چاندی) اور مال تجارت میں واجب ہوتا ہے جس کو زکاۃ کہتے ہیں جس کی مقدار ربع العشر ہے، اور قسم ثانی وہ جو  
 زمین کی پیداوار میں واجب ہوتا ہے جس کی مقدار عشر اور نصف العشر ہے، جس کو عشر کہتے ہیں، تو پھر یہاں عشر کی مسلمانوں  
 سے نفی کیسے کی جا رہی ہے، اس کا جواب یہ ہے مسلمانوں کے ذمہ جو عشر واجب ہوتا ہے اس سے مراد غلات ارض کا عشر ہے  
 یعنی زمین کی پیداوار کا، اور یہاں حدیث میں مال تجارت کا عشر مراد ہے جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے یا یہاں پھر یہ کہا جا  
 کہ عشر سے مراد خراج ہے جیسا کہ بعد والی حدیث میں آ رہا ہے، پھر کسی توجیہ ہی کی حاجت نہیں۔

اس حدیث کی سند میں شدید اختلاف واضطراب ہے جو خود ابو داؤد کی روایات میں بھی ہے جس کی تفصیل حضرت  
 نے بذل میں لکھی ہے، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس حدیث کا راوی صحابی، مجہول ہے۔

عن العریاض بن ساریۃ السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال نزلنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 خیبر ومعہ من معہ من اصحابہ وكان صاحب خیبر رجلاً مارداً منکراً فاقبل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم فقال یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) الخ۔

**مضمون حدیث** | مضمون حدیث یہ ہے کہ عریاض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کے ساتھ خیبر میں تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے تو ایک روز خیبر کے چودھری سے ملاقات

لہ بکمر القاف۔ وضمہا الف۔ کالعدس والنخس واللویا والارز والسمسم وغیر ذلک (ابو جریر ج ۳ ص ۲۷۶)

ہوئی جو بڑا سخت مزاج تھا وہ ہمیں دیکھ کر آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا تم لوگوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ہمارے مویٹیوں کو ذبح کر ڈالو، اور ہمارے باغات کے پھل جس طرح چاہے کھالو، اور ہماری غورتوں کی پٹائی کرو، (بعض مسلمانوں نے اس قسم کی حرکت اور ان کے مالوں میں بے احتیاطی کی ہوگی)، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات سن کر خاموش رہے اور گویا اس کے اعتراض کو برحق سمجھا اور ایسا کرنے والوں پر آپ کو بڑا غصہ آیا، اور آپ نے ایک صحابی (غالباً عبدالرحمن بن عوف) سے فرمایا کہ جاؤ گھوڑے پر سوار ہو کر یہ اعلان کرو۔ الا ان الجنة لا تغل الا المؤمن کہ جنت حلال نہیں ہے مگر اسی مسلمان کے لئے جو امانت دار ہو، اور یہ بھی اعلان کرنا کہ نماز کا وقت قریب ہے سب جمع ہو جاؤ، چنانچہ سب جمع ہو گئے آپ نے سب کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ میں یہ فرمایا ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ کیا تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اپنی مسہری پر تکیہ لگائے بیٹھ کر یہ کہتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام کی ہی نہیں سوائے اسکے جس کی حرمت قرآن میں مذکور ہے خبردار ہو جاؤ بخدا میں نے تم کو بہت سی چیزوں کا حکم کیا ہے اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے اور اس قسم کی چیزیں بھی قرآن میں مذکور کے برابر ہیں یا اس سے بھی زائد ہیں اور ایک روایت میں ہے وانما حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کما حرم اللہ یعنی جس چیز کی تحریم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ہو وہ حرمت میں مشل اس کے ہے جس کی تحریم قرآن میں ہے، اور پھر اس کے بعد آپ نے مثال کے طور پر ان چیزوں کو بیان فرمایا جن میں بعض لوگوں نے بے احتیاطی کی تھی جو احادیث الباب میں مذکور ہیں مسہری پر تکیہ لگانا کناہ ہے عیش پرستی اور آخرت سے غفلت پر۔

ان صفوان بن سلیم اخبر عن عدۃ من ابناء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ابائہم دنیۃ من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
یہ لفظ "دنیۃ" مصدر ہے بمعنی دُئِنُوْا، اور منصوب ہے بنا برحالیۃ کے، اور مطلب یہ ہے کہ چند صحابہ کے بیٹے روایت کرتے ہیں اپنے باپوں سے جن کے ساتھ وہ بیٹے متصل النسب ہیں، یعنی ان کی صلبی اولاد ہیں۔  
مضمون حدیث ذی کے بارے میں یہ ہے کہ جو اس پر ظلم و زیادتی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے گا یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی رضا مندی کے لے گا قانا حبیجہ یوم القیامۃ کہ اس ذی کی جانب سے اس شخص کے ساتھ خصومت کرنے والا میں خود ہوں گا۔

۱۔ دنی روایت کافی المشکاۃ: لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یا تیۃ الامر من امری مما یرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتباعناہ دنی روایت: الا یوشک رجل شعبان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن۔

## باب فی الذمی یسلم فی بعض لسنة هل علیہ جزیه؟

**شرح الحدیث و مذاہب ائمہ** | حدیث کا لفظ "یسلم علی مسلم جزیه" ہے، اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات تو بدیہی ہے کہ مسلمان پر جزیه نہیں ہوتا پھر اس کے ذکر سے کیا فائدہ، غالباً اسی لئے آگے روایت میں آرہا ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا اس حدیث کے معنی کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر ذمی درمیان سال اسلام لے آئے تو اب اس سے جزیه نہیں لیا جائے گا بلکہ ساقط ہو جائیگا گذشتہ مہینوں کا، اسی میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے امام شافعی کی بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن قول معتمد ان کا یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ لیا جائے گا۔ (لکافی الاذہن عن شرح الاقناع) بعض شراح شافعیہ (الخطابی فی العالم) نے اس حدیث میں جزیه سے خراج مراد لیا ہے، یعنی اگر ذمی اسلام لے آئے اور اس کے ہاتھ میں خراجی زمین تھی تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا، لیکن یہ دوسرا مسئلہ ہے، یہ خود مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک اسلام لانے سے زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، امام شافعی کے یہاں ساقط ہو جاتا ہے۔ و فیہ تفصیل عند ہم یأتی فی باب الدخول فی ارض الخراج۔ والحدیث اخبرنا الترمذی، قالہ المنذری۔

## باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین

حدثني عبد الله الهوزني قال لقيت بلالاً مؤذن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بجلب فقلت يا بلال حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ما كان له شيء كنت انا الذي اتي ذلك منه منذ بعثه الله تعالى حتى توفي صلى الله عليه وآله وسلم الحديث۔

**حضور کی معیشت اور گذران کے بارے میں ایک طویل حدیث** | یہ طویل حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عبد اللہ الهوزنی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری ملاقات شہر حلب میں ہوئی (حضرت بلال حضور کے وصال کے بعد مدینہ سے ملک شام چلے گئے تھے حتیٰ کہ وفات بھی وہیں ہوئی) میں نے کہا کہ آج تو آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کے اخراجات کی کیفیت بیان کر دیجئے، انہوں نے ان کی درخواست پر بیان کرنا شروع کر دیا، اور فرمایا کہ آپ کے پاس کچھ پیسے ویسے تو ہوا نہیں کریں تھے، اور ان کاموں کا ذمہ دار میں ہی تھا کہ انا الذی ائی یہ مشکلم کا صیغہ ہے ولایۃ سے یعنی آپ کی ضروریات کی لین دین اور خرید و فروخت کا، آپ کی نبوت سے لیکر وفات تک، آپ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی مسلمان

آپ کے پاس آتا اور آپ اس کو برہنہ دیکھتے تو آپ مجھ کو حکم فرماتے اس بارے میں، تو میں کسی سے قرض نہ کر اس کو چادر خرید کر دیدیتا اور کھانا بھی کھلا دیتا (یہ ایک دن کا واقعہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے یہاں یہی ہوتا رہتا تھا کہ میں قرض لیکر ضرورت مندوں کی ضرورتیں آپ کے فرمانے سے پوری کر دیتا کرتا تھا) ایک دن ایسا ہوا کہ ایک مشرک تاجر میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا کہ اے بلال کسی سے قرض مت لیا کر، میرے پاس کافی گنجائش ہے مجھ سے ہی لیا کر میں ایسا کرنے لگا، ایک روز کی بات ہے کہ میں وضو کر کے اذان کے لئے کھڑا ہو رہا تھا تو دیکھا کہ اچانک وہی مشرک چند تاجروں کو لیکر میرے سامنے آیا اور مجھ کو دیکھ کر کہنے لگا یا حبشی! قلت یا لبائہ (لبیک کی طرح ضمیر غائب کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے) یہ کہہ کر مجھے بہت سخت سست کہنے لگا، اور کہنے لگا کہ جانتا بھی ہے کہ مہینہ پورا ہونے میں کتنے روز باقی رہ گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں پورا ہونے والا ہے، کہنے لگا صرف چار دن باقی ہیں، اگر چار دن کے اندر ادا نہ کیا تو اس کے بدلہ میں، میں تجھ کو پکڑ لوں گا اور تجھ سے بکریاں چراؤں گا جس طرح تو پہلے چراتا تھا (آگے حضرت بلال فرماتے ہیں) کہ اس وقت میرے دل میں ایسی تنگی اور پریشانی ہوئی جو لوگوں کو ایسے موقع پر ہوا کرتی ہے، یہاں تک کہ جب میں عشاء کی نماز سے فارغ ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم - اپنے دولت کدہ پر پہنچ گئے، میں اجازت لیکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس سے میں قرض لیا کرتا تھا وہ مجھے آج ایسا ایسا کہہ کر گیا ہے، اور نہ تو آپ کے پاس ادا کرنے کو کچھ ہے اور نہ ہی میرے پاس، وہو فاجئعی یہ اسم فاعل ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو رہا ہے، یعنی وہ مجھے اور رسوا کرے گا (اگر وقت پر ادا کر لے کو کچھ نہ ہوا) لہذا مجھے اجازت دیجئے کہ مدینہ کے اطراف میں جو بعض قبیلے اسلام لے آئے ہیں وہاں بھاگ جاؤں جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائیں وہ چیز کہ جس سے قرض ادا ہو (آپ میری بات سن کر خاموش رہے) میں آپ کے پاس سے چلا آیا، اور میں نے اپنے گھر اگر سفر کا ضروری سامان تلوار، تھیلا، جوتے، اڈھال یہ سب چیزیں اپنے سر ہانے رکھ لیں، یہاں تک کہ جب صبح صادق ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ سفر میں چلوں، اسی دوران میں ایک آدمی دوڑا ہوا مجھ کو پکارتا ہوا آیا کہ حضور بلال رہے ہیں، میں آپ کی طرف چلا، راستہ میں میں نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی دیکھیں جن پر سامان لدا ہوا تھا، میں اجازت لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ خوش ہو جا، اللہ تعالیٰ نے تیرے دین کے ادا کا انتظام فرما دیا، اور فرمایا الْحَقُّ وَالْكَائِبُ الْمُنَاحَاتِ الْأَسْبَحُ کہ کیا تو نے چار اونٹنیاں بیٹھی ہوئی نہیں دیکھیں میں نے عرض کیا جی دیکھی ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹنیاں مع ان سامان کے جو ان پر ہیں تیرے حوالہ ہیں، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان اونٹیوں پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا ہے۔ أَهْدَاهُنَّ الْإِثْمَانُ عَظِيمٌ یہود فدک کے ایک بڑے آدمی نے یہ ہدیہ میرے پاس بھیجی ہیں، ان کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کر لے، وہ کہتے ہیں میں نے ایسا کر لیا، یعنی بعض سامان فروخت کر کے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد روایت میں ہے فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ



اور بھی مضمون تھا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں کثر العمال کے حوالہ سے اس حدیث کا بقیہ حصہ ذکر فرمایا ہے، پھر (یعنی اداۓ دین کے بعد) میں مسجد کی طرف چلا تو دیکھا آپ تشریف فرما ہیں، میں نے سلام عرض کیا، آپ نے دین کے بارے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا دین ادا کر دیا، آپ نے پوچھا کچھ مال بچا ہے؟ میں نے عرض کیا جی بچا ہے، آپ نے فرمایا دیکھ مجھے اس باقی سے راحت پہنچا دے، اسلئے کہ میں اس وقت تک اپنے گھر والوں میں سے کسی کے پاس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ تو مجھ کو اس سے راحت پہنچائے پھر جب شام ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے، آپ نے مجھ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ باقی مال کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا جی میرے پاس ہی ہے کوئی لینے نہیں آیا، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رات مسجد ہی میں گزاری، پھر جب دوسرے دن کی عشاء کی نماز سے آپ فارغ ہوئے تو مجھ کو بلا کر پھر دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے راحت پہنچا دی، آپ نے اس پر تکبیر اور اللہ تعالیٰ کی تحمید کی۔

شفقا من ان يدركه الموت وعند ذلك، یعنی آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو اس حال میں موت آئے کہ یہ مال میرے پاس ہو (اس کے بعد آپ مسجد سے ازواج مطہرات کے مکانات کی طرف چلے) میں بھی آپ کے پیچھے چلا تو آپ جملہ ازواج کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک زوجہ محترمہ کو سلام کرتے ہوئے اپنی باری کی جگہ پہنچ گئے (آخر میں سائل یعنی عبداللہ البوزنی سے فرماتے ہیں) فهذا الذي سألتني عنه یہ ہے اس کا جواب جو تو نے مجھ سے پوچھا تھا، اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے فسكت عني رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاختمت بها، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری ساری بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی یعنی شروع قصہ میں پس مجھے یہ حالت کچھ پسند نہ آئی، غالباً اشارہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت کی طرف ہے کہ آپ نے کوئی تسلی کا جملہ بھی نہ فرمایا، یہ بھی ان کے تعلق اور محبت ہی کی بات ہے جو کہہ رہے ہیں، اس حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے، اگرچہ عظیم فذک یہودی تھا، لیکن یہودی بھی مشرکین ہی کے حکم میں ہیں لقولہ تعالیٰ قالت اليهود عزير ابن الله اگرچہ بعض دوسرے احکام میں مشرکین اور اہل کتاب میں یقیناً فرق ہے۔

عن عياض بن حمار رضي الله تعالى عنه - قال اهديت للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ناقة

فقال اسلمت؟ قلت لا فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم افي نهيت عن زبيد المشركين -

قبول ہدیہ مشرکین و عدم قبول  
کے بار ہمیں دو مختلف حدیثیں

یہ حدیث گذشتہ حدیث کے بظاہر خلاف ہے جس میں آپ کا عظیم فذک کا ہدیہ قبول کرنا مذکور ہے، اور اس حدیث میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو مشرکین کا عظیم قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہی فرماتے ہیں کہ روایات

القبول صحہ اور وہ کہتے ہیں: اور یا یہ کہا جائے کہ منع کا تعلق مشرکین کے ہدایا سے ہے، اور قبول کی روایات میں اہل کتاب

کے ہدایا کا ذکر ہے، اور خطاب کرتے ہیں یہ منع کی روایت منسوخ ہے اس لئے کہ آپ نے بہت سے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ہیں۔ جیسے مقوقس نے ماریہ قبطیہ، اور بغلہ، اور ایسے ہی آگیدر دومہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا ہے اھ مختصر امن البذل، ایسے ہی باب احیاء الموات میں ملک ایلہ کے ہدیہ کا ذکر ہے فاتینا تبوک فاہدی ملک ایلہ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بغلہ بیضاء، امام ترمذی نے بھی اس تعارض پر کلام فرمایا ہے، انہوں نے نسخ کے بارے میں دونوں احتمال لکھے ہیں یعنی ان دو میں سے کسی ایک کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہا جائے، کتاب الجہاد کے اخیر میں باب فی حمل السلاح الی ارض العدو، اس میں جو حدیث گزری ہے اس میں ہدیہ مشرک کا رد مذکور ہے۔ فت ذکر۔

الحديث اخبره الترمذی وقال حسن صحيح، قاله المنذری۔

## باب فی اقطاع الارضین

بعض نسخوں میں اس باب کے پہلے کتاب القطائع لکھا ہوا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کتاب الخراج اس پر آخر ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے۔ احیاء الموات کا، یہاں مصنف نے ترجمہ قائم کیا۔ اقطاع الارضین۔ یعنی ارض کو مطلقاً ذکر کیا اور احیاء کی اضافت موات کی طرف کی، جس کی وجہ یہ ہے کہ احیاء بالاتفاق ارض موات ہی کا ہوتا ہے، موات یعنی ارض مباحہ غیر ملوکہ اور وہ بنجر زمین جو کسی کی ملک نہ ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ موات وہ زمین ہے جو کسی کی ملک نہ ہو خارج بلد ہو، نیز مرا فق بلد سے نہ ہو یعنی اہل شہر کی کوئی ضرورت و منفعت اس سے وابستہ نہ ہو۔ بخلاف اقطاع کے کہ وہ اکثر تو ارض موات ہی کا ہوتا ہے اور کبھی ارض ملوکہ کا بھی، یعنی امام اپنی ملوکہ زمین میں سے اقطاع کرے یا ملوکہ للخیر ہو اور اس کی اجازت سے امام اقطاع کرے، یہ خفیہ کا مسلک ہے، امام شافعی کے نزدیک امام کے لئے ارض ملوکہ بسیت المال کا اقطاع بھی جائز ہے، صرح بہ النووی۔

اقطاع کہتے ہیں خلیفہ وقت کی جانب سے زمین کا ایک رقبہ کسی کے لئے نامزد کر دینا، قطیعہ بمعنی جاگیر جس کی جمع

ملہ چنانچہ آگے جن ہدایا کا ذکر خطاب وغیرہ کے کلام میں آرہا ہے وہ سب ہدایا اہل کتاب کی طرف سے تھے ۱۲۰

ملہ بدائع الصنائع میں زمینوں کے اقسام اور احکام کے ضمن میں لکھا ہے کہ امام کو اقطاع موات کا حق اس لئے ہے کہ یہ سبب ہے عمارت بلاد کا کیونکہ اقطاع کے بعد جب وہ زمین رعایا میں سے کسی ایک کی ملک ہو جاتی ہے تو وہ اس کی خدمت کر کے اس کو آباد اور کار آمد بناتا ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اقطاع کے بعد اس زمین کی خدمت کر کے اس کو کار آمد نہ بنائے تو تین سال تک اس سے تعرض نہ کیا جائے، تین سال کے بعد سے

قطاع آتی ہے، کتاب القطیعة یعنی جاگیر نامہ، جو کسی کے لئے امام لکھ کر دئے، اقطاع اور احیاء میں فرق واضح ہے، اسلئے کہ اقطاع فعل امام کا نام ہے وہ کسی اور چیز پر موقوف نہیں، بخلاف احیاء کے کہ وہ خدمت ارض کا نام ہے، پس جو شخص کسی ارض مباحہ غیر مملوکہ کی خدمت کر کے اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس میں اختلاف ہے کہ احیاء میں اذن امام شرط ہے یا نہیں، امام صاحب کے نزدیک ضروری ہے، امام شافعی و احمد اور صاحبین کے نزدیک غیر ضروری ہے، اور امام مالک کے نزدیک موات قریب میں اذن شرط ہے بعید میں نہیں، یعنی جو آبادی سے زیادہ دور ہو۔  
عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقطع ارضا بحضرة موت۔  
حضرت موت یمن کا مشہور علاقہ ہے جس میں بہت سے شہر ہیں، حضرت موت میں اقطاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص شہر میں ہو اذلا يجوز الاقطاع عندنا في المصر كما سألني قريبا۔  
والحدیث اخرجه الترمذی، قاله المنذری۔

عن فطر قال حدثني ابي عن عمرو بن حريث قال خطبني رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم دارا بالمدينة بقوس وقال ازيدك ازيدك۔

**شرح الحدیث** | عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے کمان کے ذریعہ سے نشان ڈالا مدینہ میں ایک مکان کی زمین کا، یعنی کمان کے ذریعہ زمین پر نشان ڈال کر فرمایا کہ اتنا حصہ تمہارے لئے ہے، اسی فعل امام کا نام اقطاع ہے، اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے ان صحابی کو ایک مکان کے بقدر زمین شہر میں عطا کی، حنفیہ کے نزدیک اقطاع فی المصر جائز نہیں کیونکہ شہر میں جو زمین ہوگی لاسالہ کسی کی ملک ہوگی، والجواب: الحدیث ضعیف ضعیف الاثمتہ یرویه فطر بن خلیفہ عن ابیہ، والوہ مجہول، یا حدیث کی تاویل کی جائے یعنی اقطع برضا المالك، اور ضاملكها هو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
اس حدیث کے آخری جملہ کی شرح میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ استفہام ہے آپ کی جانب سے کہ آپ نے اس زمین کو تاپتے وقت ان سے فرمایا کہ اتنی مقدار کافی ہے یا اور اضافہ کروں، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں ان صحابی کو کہ دیکھ میں تجھ کو بڑھا کر دے رہا ہوں، اور تیسرا مطلب یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت تو اتنا ہی دے رہا ہوں بعد میں اس میں اضافہ کر دیں گے۔

عن ربيعة بن ابي عبد الرحمن عن غيظ واحد ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقطع بلال بن الحارث المزني معادن القبليّة وهي من ناحية الفراء فتلك المعادن لا يؤخذ منها الا الزكاة الى اليوم۔

— بھی اگر وہ کچھ نہ کرے تو اس سے واپس لے لی جائے گی وہ زمین پھر سے موات بن جاتی ہے لہذا اب امام اس کا اقطاع کسی دوسرے شخص کیلئے کر سکتا ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن الحارث کے لئے مقام قبل کی معادن (کانیں) اقطاع فرمائیں یعنی بطور جاگیر عطا فرمائیں، قبل ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ میں نواحی فرع میں واقع ہے۔ اور فرع کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک قریہ ہے نواحی ریزہ میں، اس کے اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (بذل)

**معادن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا خمس** | آگے روایت میں ہے کہ ان معادن سے اس وقت سے لیکر اب تک صرف زکوٰۃ ہی لی جا رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ ربع العشر لیا جا رہا ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک معادن میں خمس واجب ہوتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک معادن میں مثل کنز کے خمس واجب ہوتا ہے، بخلاف جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے کہ ان کے نزدیک خمس صرف کنز یعنی دینیۃ جاہلیہ میں ہے اور معادن میں زکوٰۃ ہی واجب ہوتی ہے، حنفیہ کی دلیل آگے کتاب انخراج ہی میں اس کے اواخر میں باب ما جاز فی الرکاز و ما فیہ میں آرہی ہے، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث "وفی الرکاز الخمس" دراصل رکاز کے مصداق ہی میں اختلاف ہو رہا ہے، جمہور اور ائمہ ثلاث کے نزدیک رکاز کنز کے مرادف ہے، کنز بالاتفاق دینیۃ جاہلیہ کا نام ہے اور معادن بالاتفاق اس کان کا نام ہے جو مخلوق للہ تعالیٰ ہو، حنفیہ کے نزدیک معادن کا مقابل کنز ہے اور رکاز ان کے نزدیک دونوں کو شامل ہے، پس استدلال تو ہر دو فریق کا اسی حدیث "وفی الرکاز الخمس" سے ہے لیکن چونکہ رکاز کے مصداق میں حنفیہ اور ائمہ ثلاث کا اختلاف ہو گیا، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا۔

**معادن قبلیہ والی حدیث کے حنفیہ کی طرف سے جوابات** | لیکن حدیث الباب سے ظاہر ہے کہ جمہور کی تائید ہو رہی ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں، اول یہ کہ اس حدیث میں یہ جملہ فتک المعادن الخ متکلم فیہ ہے، حضرت شیخ نے اس پر اوجزیب میں تفصیلی کلام

فرمایا ہے اور پھر اخیر میں خلاصہ کے طور پر اس حدیث کے چھ جواب ذکر فرمائے ہیں، و فیہ، واستدل من قال بوجوب الزکاة فی المعادن بحديث بلال المذكور، واجیب عنه بوجوه الاول ما تقدم من كلام الحافظ ان زيادة وجوب الزکاة لا توجد فی الروایة الموصولة (یعنی یہ اصل حدیث تو مشہور اور صحیح ہے) لیکن اس کا آخری جملہ وہ متکلم فیہ ہے روایات موصولہ میں مذکور نہیں

۱۔ ریزہ تو مدینہ منورہ سے مشرق میں طریق عراق قدیم پر واقع ہے تقریباً دو سو سے زائد کلومیٹر کے فاصلہ پر، اور فرع مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً تین سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، مکہ مکرمہ کے طرق اربعہ معروفہ میں ایک طریق فرعی بھی ہے جو کتاب الحج میں گذر چکا۔ لہٰذا کنز اور معادن میں بالاتفاق مفہوم کے لحاظ سے تباین کی نسبت ہوئی الاول مدفون والثانی مخلوق، اور جمہور کے نزدیک رکاز اور معادن میں بھی تباین ہی کی نسبت ہے کیونکہ رکاز ان کے نزدیک مرادف ہے کنز کے اور حنفیہ کے نزدیک رکاز اور باقی دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہوئی۔ رکاز عام ہے دونوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں میں خمس ہی واجب ہوگا ۱۲

صرف روایات مرسلہ میں ہے، والثانی ما تقدم من كلام الامام الشافعي، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ ٹکڑا ثابت نہیں،  
الثالث ما اشار اليه الامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی موطأہ اذ قال بعد ذکر حدیث الباب: قال محمد: الحدیث المعروف ان النبي  
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: في الركاز الخمس الخ وهو اشارة الى ان حدیث الباب یخالف الحدیث المعروف فهو شاذ  
والرابع والخامس ما فی التزیلی: قال ابو عیسیٰ فی کتاب الاموال: حدیث منقطع ومع انقطاعه لیس فیہ ان النبي صلى الله تعالى  
عليه وآله وسلم امر بذلك، وانما قال یؤخذ منها الزكاة الى اليوم، قال ابن الہمام یعنی فیوز کون ذلك من اهل الولايات اجتهاداً  
منہم، والسادس ما اجاب به صاحب البدائع: یحتمل انه انما لم یأخذ منه ما زاد علی ربع العشر لما علم من حاجته وذلك جائز  
عندنا، یعنی ان صحابی کی حاجت اور فقر کی وجہ سے آپ نے ان سے صرف زکاة لینے پر اکتفا فرمایا بجائے خمس کے اھ۔  
ایک اور بھی جواب دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ حوالان حوال کے بعد آپ نے ان سے زکاة لی، وامانی الحال فانخس۔

حدثنا العباس بن محمد بن حاتم وخیوه الخ۔

اس معادن قبلہ والی حدیث کو مصنف نے متعدد طرق سے ذکر کیا، اس میں پہلا طریق جو گذر چکا وہ مرسل ہے  
اور یہ دوسرا طریق اور اس کے بعد جو طریق آ رہا ہے وہ مسند ہے، مگر طریق مسند ضعیف ہے کیونکہ اس کے اندر کثیر بن عبد اللہ  
ابن عمرو بن عوف المزنی ہے جو کہ منکر الحدیث ہے، بلکہ ان کی تکذیب بھی کی گئی ہے، قال ابو زرعة واهی الحدیث، وقال النسائی  
والدارقطنی متروک الحدیث، وقال ابن عبد البر یجمع علی ضعفہ (بذل) بظاہر مصنف نے طریق مسند کو مؤخر اسی لئے کیا کہ وہ ضعیف  
جلسی تھا وغیرہ۔ جلسی بلند زمین اور غوری پست زمین، یعنی جملہ معادن قبلہ چاہے وہ بلند زمین میں ہوں یا پست  
میں، اس طریق میں کتاب القطیعة بھی مذکور ہے۔

قال ابن النضر وجرحها، یعنی ابن النضر نے بجائے جلسیہا کے جرحیہا کہا، مگر یہاں اس لفظ کے کچھ معنی  
ہتے نہیں کہ: اقل، ذات النصب مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور قدس ایک معروف پہاڑ کا نام ہے یا ہر وہ  
جگہ جہاں زراعت کی صلاحیت ہو۔

عن ابيض بن حمال انه وفد الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاستقطعه الملح۔

یعنی ان صحابی نے آپ سے نمک کی کان کا اقطاع طلب کیا جو مقام مارب میں ہے۔

قال رجل من المجلس اتدري ما قطعت له انما قطعت له الماء العذب

شرح الحدیث | یعنی جب آپ نے ابیض بن حمال کے لئے نمک کی کان کا اقطاع کر دیا تو حاضرین مجلس میں سے  
ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ نے اس کے لئے کس چیز کا اقطاع  
فرمایا ہے؟ آپ نے اس کے لئے ایسے پانی کا اقطاع فرمایا ہے جو تیار شدہ نمک ہے، اس پر آپ نے اس اقطاع کو  
واپس لے لیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو چیز ظاہر العین اور حاضر النفع ہو، یعنی جس سے بلا محنت اور کد و کاوش کے آمدنی اور وصولیابی ہو سکے اس کا اقطاع جائز نہیں بظاہر اس لئے کہ اس پر موات ہو نا صادق نہیں آتا۔

قال: وسأله عما يَحْصِي مِنَ الْأَرَاكِ، قَالَ مَا لَمْ تَنْلَهُ خَفَافًا۔

یہاں پر جمی سے مراد احیاء ہے کیونکہ جمی کی تو ہماری شریعت میں اجازت نہیں کہ سیائی الحدیث، اراک یعنی پیلو کا درخت، یعنی اس شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اراک کے کون سے درخت ایسے ہیں جن کا احیاء کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا ان درختوں کا جہاں اونٹ چل کر نہ پہنچ سکیں یعنی جو آبادی سے زیادہ فاصلہ پر ہوں، ایسے اراک کا احیاء جائز ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ درختوں کا احیاء مطلقاً جائز ہی نہیں کیونکہ اونٹ تو بھی جگہ پہنچ سکتا ہے، یعنی احیاء تو ارض موات کا ہوتا ہے اشجار کا نہیں، اور تیسرے معنی اس جملہ کے خود نفس روایت میں آرہے ہیں۔ یعنی ان الابل تا کل منتهی رؤسها ویحسی ما فوقہ، یعنی درختوں کا جتنا حصہ ایسا ہے جہاں تک اونٹوں کی گردن پہنچ سکتی ہے اسکو چھوڑ کر اس سے اوپر کے حصہ کا جمی جائز ہے فقلاً اراکۃ فی حظاری یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اراک و اشجار میں جمی نہیں ہوتا تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں ان اراک کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو میری زمین کے اعلیٰ میں ہیں، بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے جس موات کا احیاء کیا تھا اور اس پر اپنا نشان وغیرہ ڈال کر اس کو محفوظ کر لیا تھا تو اس زمین میں کچھ درخت اراک کے پہلے سے قائم تھے، تو وہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں ایسے درختوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کے جواب کا حاصل یہ ہو گا کہ تو اس زمین کا تو مالک ہو گیا احیاء کی وجہ سے، مگر اس احیاء کی وجہ سے درختوں کا مالک نہیں ہو گا، لیکن اگر کوئی شخص ارض موات کا احیاء کرے اور پھر اس کے امیاء کے بعد اس میں درخت پیدا ہو جائیں اس کا حکم یہ نہیں ہے، ان کا وہ مالک ہو جائے گا۔ (بذل)

حدثني عثمان بن ابي حازم عن ابيه عن جده صخران رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم غزا ثقيفا۔

**شرح الحدیث** | یہ صخر بن عیلمہ الاحمسی ہیں ان کی حدیث کا یہ شروع کا حصہ ہم غزوہ طائف کے بیان میں لکھ چکے ہیں اس کو دیکھ لیا جاتے، اس کے اگلے حصہ کی شرح لکھی جاتی ہے یہ حدیث ذرا طویل ہے، نیز محتاج

شرح ہے۔ فکتب الیہ صخران ما بعد! فان ثقیفا قد نزلت علی حکمک یا رسول اللہ۔

یعنی صخر بن عیلمہ نے جب اس حصہ طائف کو فتح کر لیا تو اس کی اطلاع انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کی، فدعا لاجمیس عشر دعوات اللهم بارک لاجمیس فی خیلہا ورجالہا، یعنی آپ نے صخر بن عیلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کارنامے پر خوش ہو کر ان کی قوم اجمیس کو دس دعائیں دیں جس میں سے ایک دعا تو یہاں مذکور ہے باقی غیر مذکور اور ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ آپ نے یہی دعا دس بار فرمائی۔

واتاة القوم فتكلم المغيرة بن شعبه فقال يا بني، الله ان صخر اخذ عمتي ودخلت فيما د خل فيه المسلمون۔



قوم سے مراد قبیلہ ثقیف ہے، یہ تو ادبر آبی چکا کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے تھے تو ان میں سے بعض نے یعنی مغیرہ بن شعبہ جو کہ ثقیفی ہیں انہوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ صخر بن عیلہ نے میری پھوپھی کو پکڑ رکھا ہے حالانکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی، مغیرہ کی یہ بات سن کر آپ نے صخر کو بلایا اور فرمایا۔ ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمائہم واموالہم فادفع الی المغیرۃ عمتہ۔ کہ جب کافر لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، لہذا عمہ مغیرہ کو واپس کر دو، انہوں نے واپس کر دیا، وسأل نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ماء لنبی سلیم قد ہربوا عن الاسلام وترکوا ذلک الماء یعنی عمہ مغیرہ کو واپس کرنے کے بعد صخر بن عیلہ نے آپ سے قبیلہ بنو سلیم کے قریہ کا سوال کیا جو اسلام لانے سے ہجرت فرار ہو گئے تھے اور اس قریہ کو چھوڑ گئے تھے اور درخواست یہ کی کہ انہیں انا و قومی کہ اس میں مجھے اور میری قوم کو بے سنے اور ٹھہرنے کی اجازت دیدیجئے، آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرما کر ان کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ پھر بعد میں یہ لوگ یعنی بنو سلیم اسلام لے آئے اور صخر کے پاس آئے اور ان سے کہا ہمارا قریہ واپس کرو، انہوں نے انکار کیا، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور صورت حال بیان کی، آپ نے پھر صخر کو بلایا اور فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمائہم واموالہم فرمایا کہ اس قریہ کو واپس کر دو، انہوں نے کہا بہت اچھا۔ فرأیت وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یتغیر عند ذلک خیرۃ حیاء من اخذہ الجاریۃ واخذہ الماء۔ راوی کہہ رہا ہے کہ اس موقع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا تھا صخر کے ساتھ اس معاملہ سے شرمناک کہ ان سے جاریہ بھی لے لی گئی اور وہ قریہ بھی، اگرچہ صخر کو کوئی تامل نہ ہوا تھا آپ کے فیصلہ پر، لیکن آپ خود شرمناک تھے۔

**حدیث پر ایک قوی اشکال اور اس کا جواب** | یہاں پر دو باتیں پائی گئیں اول عمہ مغیرہ کا رد، دوسرے مار بنو سلیم کا رد، اور یہ رد آپ نے یہ کہہ کر گرایا کہ کفار جب اسلام لے آتے ہیں تو وہ قیدی ہوں یا غیر قیدی تو اسلام لانے کے بعد ان کی جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، یہاں عمہ مغیرہ کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے وہ اخذ صخر سے پہلے اسلام لا چکی ہوں اس صورت میں ان کو رد کرنا قاعدہ کے مطابق ہے لیکن مار بنو سلیم کے بارے میں تو روایت میں تصریح ہے کہ وہ اسلام سے روگردانی کر کے اپنے چشمہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اسلام ان کا اس کے بعد پایا گیا پھر وہ اپنے قریہ کی واپسی کے مستحق کہاں تھے؟ آپ نے دونوں کے بارے میں یہی قاعدہ ارشاد فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا دمائہم واموالہم، کافر قیدی اگر بعد میں اسلام لے آئیں تو ان کی جان و مال غنیمت ہونے سے بھڑا ہی خارج ہوتی ہے یہ تو اجماعی مسئلہ ہے۔ یہ بڑا کھٹن مقام ہے، شرح نے اس کی توجیہ

۱۲ وہ اگر آپ یہ جملہ ارشاد نہ فرماتے تو ہم اس حدیث کی تاویل یہ کرتے کہ یہ واقعہ حال لا عموم لہا کے قبیل سے ہے ۱۲

یہ کہ ہے کہ دراصل بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مار بنو سلیم اسی طرح عمدہ میغرہ دونوں کو واپس کرانا مقصود تھا کسی مصلحت کی بنا پر اس لئے آپ نے یہ جملہ جو ارشاد فرمایا ان القوم اذا اسلموا احرزوا الخ اس میں آپ نے تو یہ اختیار فرمایا، یعنی گول مول بات فرمائی، اصل مراد کو ظاہر نہیں فرمایا مقام کی مصلحت کے پیش نظر، اس جملہ کے معنی حقیقی و مرادی تو یہ ہیں کہ کفار اگر قبل الازد و قبل القید اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کی جائیں اور مال مامون و محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن مخاطب اور سامع کے سامنے آپ نے اس معنی مرادی کو واضح نہیں فرمایا قصداً بلکہ اس جملہ کو اطلاق اور عموم کے ساتھ فرمایا تاکہ وہ یعنی صحابہ بن عیلمہ مار بنو سلیم کو خود ہی واپس کر دیں، چنانچہ انہوں نے واپس کر دیا ایک واقعہ آگے ابوداؤد میں اسی قسم کا اور آرہا ہے وہاں آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ واضح فرمایا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ قید ہونے کے بعد کافر قیدی اگر اسلام لائے تو پھر اس کو چھوڑا نہیں جائے گا وہ غلام اور مملوک ہی رہے گا، یہ واقعہ کتاب الایمان والنذور باب النذر فی مال الیملک میں آرہا ہے۔ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال كانت العضباء لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج الخ۔

**آپ کی ناقہ عضباء کا واقعہ** | اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور اونٹنی عضباء بنو عقیل میں سے ایک کافر شخص کی تھی اس اونٹنی کو اور اس کے مالک کو قید کر لیا

گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر کو گذر ہوا جبکہ وہ شخص قید میں تھا تو اس نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے مجھے اور میری اونٹنی کو کیوں پکڑ رکھا ہے، آپ نے اس کو الزامی جواب دیا کہ ناخذک بخریرۃ حلفانگ ثقیف قال وكان ثقیف قد اسروا رجلین من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آگے راوی کہتا ہے کہ اس شخص نے یہ بھی کہا، وانا مسلم، آپ آگے بڑھ کر چلے گئے اس نے آپ کو ننداری یا محمد یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ لوٹ کر واپس اس کے پاس آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا انی مسلم اس موقع پر آپ نے اصل ضابطہ شرعیہ اس کے سامنے بیان کیا اور فرمایا لو قلتها وانت تملك امرک اقلحت کل الفلاح، یعنی اگر تو قید ہونے سے پہلے یہی بات کہتا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جانا، قید ہونے کے بعد اسلام لانے سے جان نہیں بچی غلام ہی رہتا ہے۔

عن ابیہ عن جده ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نزل فی موضع المسجد تحت ذؤمیرۃ

فاقام ثلاثا ثم خرج الی تبوک۔

**شرح الحدیث** | مضمون حدیث یہ ہے: ربیع بن سبرۃ الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ لیکن روایت کے بعض الفاظ اس توجیہ سے کچھ اتفاق نہیں رکھتے واللہ تعالیٰ اعلم ہر ادبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، باقی یہ بات طے شدہ ہے جس پر ہم سب کا ایمان ہے کہ آپ کی زبان بلکہ اسے کوئی ناخق بات نہیں نکل سکتی۔ لہ دیکھئے یہاں آپ نے صریح ضابطہ کی بآرشاد فرمائی۔

غزوہ تبوک کے سفر میں ایک جگہ راستہ میں جہاں بعد میں مسجد بھی بن گئی ہے ایک بڑے درخت کے نیچے اترے اور وہاں تین دن تک قیام فرمایا اور پھر آگے تبوک کی طرف تشریف لے چلے، راستہ میں آپ جبکہ ایک کھلے میدان میں تھے قبیلہ جہینہ والے آپ سے ملاقات کے لئے آئے وہاں قریب میں ایک بستی تھی جس کا نام ذوالمرہ تھا، آپ نے دریافت فرمایا کہ ذوالمرہ میں بسنے والے کون لوگ ہیں، حاضرین میں سے بعض نے جواب دیا کہ قبیلہ جہینہ کی شاخ بنو رفاعہ ہیں آپ نے فرمایا، قد اقطعتم البنی رفاعۃ کہ اس بستی کا میں اقطاع کرتا ہوں بنو رفاعہ کے لئے (یعنی ان ہی کے لئے جو اس میں رہتے ہیں) آگے روایت میں ہے کہ آپ کے اس فرمان کے بعد ان لوگوں نے اس بستی کو آپس میں باقاعدہ تقسیم کر لیا بعض نے اپنا حصہ فروخت کر دیا اور بعض نے نہیں کیا، یہ ذوالمرہ وادی القرئی میں ایک بستی ہے جس کا آپ نے اس میں بسنے والوں کے لئے اقطاع فرمایا۔

عن هشام بن عروۃ عن ابيه عن اسماء بنت ابی بکر ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقطع الزبير بن عجل - حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کے شوہر) زبیر کے لئے کھجوروں کے ایک باغ کا اقطاع فرمایا۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** | شائعہ کے مسلک پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اقطاع ارض مملوکہ کا بھی جائز ہے، حنفیہ کے یہاں جائز نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا اقطاع اور احیاء کی تعریف میں، بذل میں ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ نخل چونکہ ایسا مال ہے جو ظاہر العین اور حاضر النفع ہے جس کا اقطاع جائز نہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ اس کا اقطاع آپ نے اپنے حصہ خمس میں سے کیا جو آپ کی ملک تھا فلا اشکال فیہ، اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نخل از قبیل موات ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ روایت یہاں مختصر ہے دوبارہ دو حدیثوں کے بعد تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

نا عبد الله بن حسان العبدي قال حدثني جدتي جدتاي صفية ودحيبة ابنتا عليبة - وكانت ابنتي قبيلة بنت مخزومة - وكانت جدتا ابهما - انها اخبرتها -

**مضمون حدیث مع الشرح** | عبد اللہ بن حسان عبدي کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میری دودادیوں نے صفیہ بنت علیؓ اور دحیہ بنت علیؓ نے یہ دونوں تو آپس میں بہنیں ہیں، ہو سکتا ہے ایک ان میں سے عبد اللہ بن حسان کی دادی ہو اور دوسری نانی ہو، یا ہو سکتا ہے ان میں سے ایک کو اخت جدہ ہونے کی حیثیت سے جدہ کہا ہو، رادی کہتا ہے یہ دونوں قبیلہ بنت مخزومہ کی رہنمائی تھیں یعنی ان دونوں نے قبیلہ کی گود میں پرورش پائی تھی اور پھر آگے یہ ہے کہ یہ قبیلہ ان دونوں کے باپ کی دادی تھی، گویا خود ان دونوں کی پردادی یہ دونوں کہتی ہیں کہ ہم سے قبیلہ نے بیان کیا۔ وہ واقعہ جو آگے حدیث میں آرہا ہے۔

قد منع علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالت تقدم صاحبی تعنی خزیمہ بن حنظل  
وافند بکون وائل۔ قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا رہی تھی تو جو شخص اس  
سفر میں میرے ساتھ تھا یعنی حریش بن حسان وہ آپ کے دربار عالی میں پہنچ کر مجھ سے پہلے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ  
پر اس نے اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے بیعت علی الاسلام کی، شرعاً یا رسول اللہ اکتب بیننا و بین بنی تمیم  
بالدھناء ان لا یجاءوزھا الینا منهم احد الا مسافرا و مجاؤنہ یہ قیلہ جو واقعہ بیان کر رہی ہیں قبیلہ بنو تمیم سے  
ہیں اور یہ دھنار دیار بنو تمیم میں ایک علاقہ کا نام ہے، تو حریش نے اسلام لانے کے بعد آپ سے یہ درخواست کی کہ  
یہ مقام دھنار ہمارے لئے مخصوص کر دیا جائے، اور یہ کہ بنو تمیم اس سے منتفع نہ ہوں، اور یہ کہ یہ اس زمین میں نہ  
آئیں الا یہ کہ کوئی مسافر ہو راستہ عبور کرے تو یہ امر آخر ہے، حریش کی درخواست پر آپ نے کسی لڑکے سے جو  
وہاں موجود ہوگا فرمایا کہ اس مقام دھنار کو حریش کے نام لکھ دو، یعنی اس کا اس کے لئے اقطاع کر دو، فلما راۓتہ  
قد امر لہ بہا شخص بی وہی وطنی و داری۔ یہ قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس لڑکے کو مقام دھنار  
کے بارے میں حریش کے لئے لکھنے کو فرما دیا ہے تو میں گھبرا گئی میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی، کیونکہ یہ مقام دھنار ہمارے  
گھر اور وطن کے بالکل متصل تھا (لہذا اس کے حق دار تو ہم تھے) فقلت یا رسول اللہ! انہ لم یسئلک السویۃ  
من الارض اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اس شخص نے ایسی زمین کی فرمائش آپ سے نہیں کی جس میں  
ہمارا اور اس کا استحقاق برابر ہوتا، یعنی یہ زمین تو خالص ہمارا حق بیٹھتی ہے ایسی بھی نہیں جس کو مشترک مان لیا  
جائے (یعنی اول تو مشترک ہونے کی صورت میں بھی اس کا اپنے لئے اس کو لکھوانا درست نہ تھا چہ جائیکہ اس صورت  
میں کہ وہ خالص ہمارا حق ہے) (۲) سوئے سے مراد عدل و انصاف یعنی اس زمین کے سوال کرنے میں اس نے  
عدل و انصاف کو سامنے نہیں رکھا آگے قیلہ اس زمین کی نوعیت آپ سے بتا رہی ہے، انما ہذا الدھناء  
ہند لک مقلید الجمل و مرغی الغنم و نساء بنی تمیم و ابناؤھا و راء ذلک۔ جزاں نیست کہ یہ مقام دھنار  
تو آپ کے قریب ہی ہے (زیادہ دور نہیں، آپ خود دیکھ کر اس کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں) یہ تو ہمارے یعنی  
بنو تمیم کے اونٹوں کے بندھنے کی جگہ اور ان کی بکریوں کی چراگاہ ہے اور قبیلہ بنو تمیم کی عورتیں بچے بالکل اس کے پیچھے  
آباد ہیں، فقال امسک یا غلام صدقت المسکینۃ المسلمۃ اخو المسلم یسحہر الماء و المشجج۔ جب آپ  
نے قیلہ کی یہ ساری بات سنی اور آپ کے علم میں مقام دھنار کی نوعیت آگئی جو پہلے سے نہیں تھی، اس پر آپ نے  
اس غلام سے فرمایا کہ بس اب، لکھنا یہ مسکینہ سچی معلوم ہوتی ہے اور پھر آپ نے فرمایا: مسلمانوں کو آپس میں  
بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے، ایک ہی پانی اور ایک ہی چراگاہ سب کو کافی ہو سکتی ہے یعنی اگر بھائی بھائی بن کر رہیں  
اور ایسی مشترک چیز کی تخصیص اپنے لئے کرنا غلط ہے، گویا آپ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا، ویتعاونون علی الفتان

فان اگر بالفتح ہے تب تو صیغہ مبالغہ ہے اور اگر بالضم ہے جمع ہے فاتن کی ایک نسخہ میں ہے مسئل ابوداؤد عن الفتان فقال: الشيطان، یعنی مسلمانوں کو آپس میں شیطان کے مقابلہ میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیے، اس جملہ میں بظاہر فعل حریش پر تعریض ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی مختصراً قال المنذرى۔

عن ابیہا اسم بن مضرب قال ائیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فبايعته فقال من سبق الى ماء لم یسبقه الیہ مسلم فهو له قال فخرج الناس یتعادون یتخاطون۔

**مضمون حدیث** | اسم بن مضرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ اسم بن مضرب طائی ہیں، طے ایک معروف قبیلہ کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اپنے وطن بلاد طے سے آپ کی خدمت میں آئے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رجوع کے وقت جب یہ اپنے وطن واپس جانے لگے فرمایا کہ ہماری طرف سے جا کر وہاں یہ خوشخبری سنا دینا کہ تم میں سے جو شخص بھی جس غیر آباد چشمہ پر جو پہلے سے کسی کی ملک نہ ہو پہنچکر اس کو اختیار کر لے گا تو وہ اسی کے لئے ہے، چنانچہ جب انہوں نے یہ بات آپ کی وہاں پہنچائی تو سب لوگ اپنے گھروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس قسم کے چشموں پر پہنچے اور جس کو جو چشمہ پسند تھا اس پر اس نے اپنا خط اور نشان کیس لیا۔

یہ بھی اقطاع کی ایک صورت ہے جو آپ نے اختیار فرمائی، یہ باب بھی اقطاع ہی کا چل رہا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقطع الزبیر خضوفرسہ فاجری فرسہ حتی قام شعر رمی بسوطہ فقال اعطوه من حیث بلغ السوط۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کے لئے زمین کے ایک رقبہ کا اقطاع فرمایا اور مقدار تطیعہ خضوفرس کو قرار دیا یعنی گھوڑے کی ایک مرتبہ کی دوڑ کو، چنانچہ انہوں نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا پھر اس ایک دوڑ میں وہ جہاں جا کر رکا اس جگہ سے انہوں نے اپنا کوڑا اور آگے پھینکا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہاں سے جہاں سے گھوڑا دوڑایا تھا وہاں تک جہاں تک کوڑا پہنچا دیدیا جائے، یعنی دونوں مقداروں کا مجموعہ، یہ روایت اقطاع زبیر والی بھی قریب میں مختصراً گذر چکی، اور اس پر کلام بھی وہاں گذر چکا۔

## باب فی احیاء الموات

اس باب پر کلام گذشتہ باب میں گذر گیا۔

من احق ارضاً میتة نہی له ولیس لہ قیظا لم حق۔

اس حدیث سے احیاء کی مشروعیت اور اس کا سبب ملک ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور نفس مسئلہ بھی متفق علیہ ہے

گو بعض شرائط و تفصیل میں اختلاف ہے جس کا بیان پہلے گذر چکا۔  
 عرق ظالم کی تفسیر آگے خود متن میں آ رہی ہے، اس کو اضافت اور صفت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے۔  
 والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن یحییٰ بن عروۃ عن امیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
 پہلی روایت جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام ہیں موصولہ تھی، وہاں صحابی مذکور تھے اور اس طریق میں  
 جس کو عروہ سے روایت کرنے والے ہشام کے بھائی یحییٰ ہیں مرسل ہے۔

قال قلقد خبرنی الذی حدثنی هذا الحدیث ان رجلین اختصما الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم غریس احدہما نخلًا فی ارض الآخر۔

**شرح الحدیث** | اس قال کے قائل عروہ ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ جس شخص نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی تھی اس نے  
 مجھ کو اس بات کی خبر دی، الذی حدثنی کا مضداق جو باب کی پہلی حدیث میں گذرا ہے وہ سعید  
 بن زید صحابی ہیں اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں پودا لگا دیا، بعد میں ان میں اختلاف  
 ہوا اسی بات پر کہ دوسرے کی زمین میں تو نے کیسے پودا لگایا، یہ دونوں اپنا مسئلہ لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی خدمت میں آئے تو آپ نے زمین کا فیصلہ مالک زمین کے حق میں فرمایا، اور جس نے درخت لگایا تھا اس کو حکم  
 دیا کہ اس کی زمین سے اپنا درخت خارج کر دے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے میں نے ان درختوں کو دیکھا کہ ان کی جڑوں  
 پر کلہاڑیاں چلائی جا رہی تھیں اور وہ بہت لایمے لایمے درخت تھے، یہاں تک کہ وہ سب نکال دیئے گئے اس  
 زمین سے (لفظہ ثم تشدید میم کے ساتھ جمع ہے عیم یا عیمہ کی)

حدثنا احمد بن سعید یہ دوسری سند ہے اس میں بچائے الذی حدثنی کے یہ عبارت ہے فقال  
 رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور پھر عروہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے  
 کہ وہ صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں عروہ نے  
 اپنے استاد کی تعیین نہیں کی تھی اور اس دوسری روایت میں بطریق نقل کے اس کی تعیین ابو سعید خدری سے  
 کر رہے ہیں، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہاڑی چلانے والے کئی اشخاص تھے اور  
 اس دوسری روایت میں یہ ہے کہ کلہاڑی چلانے والا خود صاحب نخل تھا۔

عن عروۃ قال اشہد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الارض ارض اللہ۔  
 عروہ تابعی ہیں انہوں نے شروع میں یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کی بغیر ذکر سند کے پھر  
 بعد میں جاءنا بهذا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ سے مروی عنہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت



سے صحابہ کرام ہیں، لہذا اب یہ حدیث مسند کے حکم میں ہو گئی۔ مراد ارض سے مطلق زمین نہیں بلکہ موات ہے یعنی ارض موات کسی انسان کی ملک نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور ایسے ہی سب لوگ اللہ کے بند ہیں۔ لہذا اسکا احیاء کر کے مالک بنادیتا ہے۔

عن الحسن بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من احاط حائطا

على ارض فهو له۔

**شرح الحدیث** | یعنی جو شخص کسی ارض موات پر دیوار وغیرہ کے ذریعہ سے احاطہ کر لے تو وہ اس کے لئے ہو گئی، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ارض موات کے نفس احاطہ سے احیاء کا تحقق ہو جاتا ہے، امام احمد کا مذہب یہی ہے کہ ان کے نزدیک نفس احاطہ اور تحجیر کافی ہے، اور عند الجمہور نفس تحجیر (چاروں طرف پتھر رکھ دینے) سے احیاء کا تحقق نہیں ہوتا جب تک زمین کی کمائی اور خدمت اور سکنی اختیار نہ کیا جائے، لہذا عند الجمہور اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا یعنی من احاط حائطا للسنن۔

اخبرني مالك قال هشام العرق الظالمات يغرس الرجل في ارض غيره فيستحقها بذلك۔  
باب کی پہلی حدیث جسکے رواۃ میں ہشام بھی ہیں، ہشام اسکی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ عرق ظالم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی زمین میں درخت لگائے اس نیت سے کہ پھر وہ اس زمین کا مستحق ہو جائیگا۔

عن ابی حمید الساعدي رضي الله عنه قال غزوت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

تبوكا فلما اتى وادي القرى ائوا۔

**شرح الحدیث** | ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، جب اثنا سفر میں وادی القرنی پہنچے تو وہاں ایک عورت اپنے باغ میں تھی، آپ نے اس باغ کو دیکھ کر اس کے بارے میں خرص فرمایا، خرص کی مقدار دس وسق آپ نے بیان کی، آپ نے جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے ان سے بھی فرمایا کہ تم بھی اس کا خرص کرو، اور اس باغ سے نکلتے وقت آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ خیال رکھنا اس باغ میں کتنی پیداوار ہوتی ہے (تاکہ معلوم ہو کہ کس کا خرص صحیح ہے) چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ سفر سے واپسی میں آپ نے اس عورت سے پھلوں کے بارے میں سوال کیا کہ کتنے اترے، اس نے وہی دس وسق بتائے، آپ کے خرص کے موافق۔

اس حدیث کا ذکر کتاب الزکاة کے باب انخرص میں بھی گزرا ہے۔

فأتينا تبوك فاهدي ملك ايلة الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بغلة بيضاء۔

۱۔ خرص یعنی اپنے انداز سے یہ متعین کرنا کہ اس باغ میں جو درخت ہیں ان سب پر پھلوں کی اتنی مقدار ہے ۱۲

راوی کہتا ہے کہ جب ہم تبوک پہنچ گئے تو وہاں کے دوران قیام ایلمہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں بغلہ بیضار کا ہدیہ پیش کیا، اور آپ نے (اس کے عوض میں) اس کو ایک بہت قیمتی شال عنایت فرمائی۔

وکتب لہ یعنی بیحورہ، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملک ایلمہ کے لئے اس کا قریہ اس کو لکھ دیا۔

بذل القوة میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ میں یحتمہ کی طرف دعوت الی الاسلام کا والانا مہ بھیجا جو کہ ایلمہ کا بادشاہ تھا اور نصرانی تھا، تو آپ کے تبوک کے زمانہ قیام میں یہ بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اسلام تو نہیں لایا لیکن جزیرہ دینا قبول کر لیا تین سو دینار سالانہ، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ لکھ کر دیدیا اھ۔ یہ کتاب بذل القوة فی حوادث سنی النبوة علامہ مخدوم محمد ہاشم عسکری کی بے نظیر تالیف ہے جس کا اردو ترجمہ محمد نبوت کے ماہ رسالہ از مولانا محمد یوسف لدھیانوی، شائع ہو چکا ہے۔

**مناسبة الحديث للترجمة** | اس حدیث میں مصنف کی غرض وکتب لہ بیحورہ سے متعلق ہے اسی کی وجہ سے مصنف یہ حدیث یہاں یعنی احیاء الموات میں لائے ہیں، — کذا فی البذل من تقریر المحدثہ للکھوئی

لیکن اولیٰ یہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ مصنف اس واقعہ کو بجائے باب الاحیاء کے باب الاقطاع میں ذکر فرماتے اور صاحب عون المعبود نے حدیث کی باب سے مناسبت اور طرح لکھی ہے وہ یہ کہ اس عورت نے ارض موات میں درخت لگا کر اس کا احیاء کیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آنے کے بعد خود آپ نے اس عورت کو اس کے باغ پر برقرار رکھا اور اس سے چھینا نہیں اسی لئے اس احیاء کی وجہ سے وہ مالک ہو گئی تھی معلوم ہوا کہ احیاء موات اس کی ملک کا سبب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم اھ۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اني متعجل الى المدينة فمن اراد منكم ان يتعجل معي فليقبل يعني تبوك سے واپسی میں آپ نے فرمایا کہ میں مدینہ جلدی پہنچنا چاہتا ہوں تم میں سے بھی جو شخص بوجلت وہاں پہنچنا چاہے تو وہ بھی میرے ساتھ آجائے، اس کی شرح یہ لکھی ہے کہ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو وہاں سے مدینہ کے اندر داخل ہونے کے لئے آپ نے طریق غراب کو اختیار کیا کیونکہ وہ مدینہ کا اقرب ترین راستہ تھا اور دوسرے راستہ کو آپ نے ترک کر دیا، پورا لشکر تو دوسرے ہی راستہ سے گیا جو دور کا تھا آپ نے اور آپ کیساتھ بعض صحابہ نے یہ قریب والا راستہ اختیار فرمایا، والحدیث أخرجه البخاری ومسلم قاله المنذرى، قلت أخرجه البخاری فی مواضع الزکوة والحج والجهاد وغيرها۔

عن ام كلثوم عن زينب رضي الله تعالى عنها انها كانت تقلى رأس رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وعندها امرأة عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنها ونساء من المهاجرات وهن يشكين من أزلهن انها تضيق عليهن۔

**مضمون حدیث** | حضرت زینب ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو سہلارہی تھیں اور اس وقت آپ کے پاس حضرت عثمان

کی اہلیہ بیٹھی تھیں اور بھی بعض مہاجر عورتیں جو آپ سے اپنے گھروں کے بارے میں شکایت کر رہی تھیں کہ اس بارے میں ان پر تنگی ہے یعنی ورثہ کی جانب سے بلکہ ان سے نکال دی جاتی ہیں، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ مہاجرین کی وفات کے بعد ان کے گھروں کا ان کی بیویوں کو وارث بنایا جائے، چنانچہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کی بیوی ہی ان کے گھر کی وارث ہوئی جو مدینہ منورہ میں تھا۔

**حدیث پر ایک اشکال اور اسکی توجیہ** | اس پر یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ مکان ترکہ میں داخل ہے اور ترکہ کے مستحقین تو قرآن کریم میں مخصوص ہیں تو صرف بیویاں کیسے وارث ہو جاتی تھیں ان کے مکانوں کی؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) یہ نساء مہاجرین کی خصوصیت ہے شائع علیہ السلام کی طرف سے (۲) اس سے مراد سکنی ہے زمانہ عدت میں تملیک دار مراد نہیں یعنی میت کے ورثہ کو چاہئے کہ اس کی زوجہ کو اس کے گھر میں چین سے عدت گزارنے دیں اس کو پریشان نہ کریں (۳) یا مراد یہ ہے کہ تقسیم ترکہ کے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ گھر میت کی بیوی کے حصہ میں آئے، والاظہر هو المعنی الاخیر، امام خطاب نے پہلے جواب کو اختیار کیا یعنی خصوصیت اس لئے کہ مہاجرین کی زوجات مدینہ میں پر دیسی تھیں ان کا کنبہ قبیلہ وہاں نہ تھا، فی الحاشیہ (ولعلہ من السیوطی) میں نے اس مسئلہ کو بطور چیستان ایک شعر میں کہا ہے۔

سلم علی مفتی الانام وقل لہ ۛ ہذا سوال فی الفرائض مبہم ۛ قوم اذا ما تواخوز دیا رحم ۛ زوجا ہتم دلغیرھا لا تقسم  
وبقیۃ المال الذی قد خلفوا ۛ یجری علی حکم التوارث منہم ۛ وجوابہ قلت ۛ  
ہم المہاجرین ذاک بطبیۃ ۛ صلی علی ذیہا الکریم المعلم ۛ اھ من البذل۔

## باب ماجاء فی الدخول فی ارض الخراج

یعنی خراجی زمین خرید کر اس کا مالک بنایا مار خراج سے اپنی زمین کو سیراب کرنا۔

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال من عقد الجزیۃ فی عنقہ فقد برئ مما علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

**الکلام علی الحدیث شرھا وفتحھا** | جو شخص اپنے گلے میں جزیہ کا ہار پہنے تو وہ بعید ہو گیا اس طریق سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے، حدیث میں جزیہ سے جزیۃ الارض یعنی خراج مراد ہے، اس حدیث سے دو باتیں مفہوم ہو رہی ہیں۔ اول مسلمان کے لئے خراجی زمین کی خریداری کا ممنوع

ۛ اسکے ظاہر معنی تو بہت سخت ہیں یعنی اسلام سے اعراض و کفر، لیکن مقصود زبردستی ہے، حقیقت کلام مراد نہیں ۛ

ہونا، دوسرے یہ کہ اگر کسی ذمی سے کوئی مسلم خراجی زمین خریدے اور وہ زمین ذمی سے منتقل ہو کر مسلم کی ملکیت میں آجائے تو اس صورت میں اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا، حنفیہ کے نزدیک مسلم کے لئے خراجی زمین کا خریدنا تو جائز ہے باقی خراج کے بارے میں وہ یہی کہتے ہیں کہ وہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث الباب سے سمجھ میں آ رہا ہے، اور شافعیہ کے یہاں مسئلہ میں تفصیل ہے زمینوں کی مختلف قسموں کے لحاظ سے جیسا کہ خطابی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، سر دست یہ مسئلہ ان کی فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملا، لیکن مسئلہ اولیٰ میں یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، فنی الہدیٰ، و يجوز ان يشتري المسلم ارض الخراج من الذمی و يؤخذ منه الخراج لما قلنا، وقد صح ان الصحابة اشتروا اراضی الخراج و كانوا يؤدون خراجها فدل علی جواز الشراء و اخذ الخراج و ادائه للمسلم من غیر کراهۃ (ہدایہ ص ۳۲۳) وفی البذل: والجواب عن الحدیث ان الحدیث غیر محتج بہ لان فی سندہ مجہولاً اھ اس لئے کہ پہلی حدیث کی سند میں محمد بن عیسیٰ ہے وہ متکلم فیہ ہے قیل لا یصحجہ، اور دوسری حدیث میں عمارۃ بن ابی الشعار ہے جو کہ مجہول ہے۔

حدثنی ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اخذ ارضاً بجنیتھا فقد استقال ہجرتہ۔

آپ نے فرمایا جس شخص نے کسی زمین کو لیا اس کے خراج کے ساتھ۔ مراد شراب ہے۔ تو اس نے اپنی ہجرت کو باطل کر دیا۔ اور اس کے بعد والا جملہ بھی اسی کے ہم معنی اور اسی کی تاکید ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جس شخص نے کافر کی ذلت کی چیز کو اس کے گلے میں سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا، تو اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت پھیر لی۔

کتب الشیخ فی البذل: وهذا علی سبیل التغلیظ والتشدید۔

قال نسیع مبنی خالد بن معدان هذا الحديث فقال لی: أشیب حدیثك؛ فقلت نعم۔

**شرح الحدیث**

سنان بن قیس کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث خالد بن معدان نے سنی، سننے کے بعد پوچھا: کیا یہ حدیث تم سے شیب نے بیان کی؟ میں نے کہا ہاں (ہماری اس سند میں سنان کے استاد شیب ہی ہیں) اس پر انہوں نے کہا کہ جب تمہارا ان کے پاس جانا ہو تو ان سے درخواست کرنا کہ وہ اس حدیث کو میرے پاس لکھ کر بھیج دیں، سنان کہتے ہیں میں نے ان سے یہ حدیث لکھوالی پھر جب میرا آنا ہوا خالد کے پاس تو انہوں نے مجھ سے وہ کاغذ طلب کیا جس پر حدیث لکھی ہوئی تھی، سنان کہتے ہیں کہ جب خالد نے اس حدیث کو پڑھا تو ان کے پاس جو خراجی زمین تھی اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

خالد بن معدان کا عمل چونکہ بوجہ عدم علم کے اس حدیث کے خلاف تھا، اس لئے انہوں نے اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے یہ تحقیق کرائی تاکہ حدیث کے محقق ہو جائیکے بعد اس پر عمل آسان ہو جائے، یہ دونوں حدیثیں حنفیہ کے خلاف ہیں اس کا جواب اوپر گزر چکا، صحابہ کرام سے اراضی خراج کا شرع ثابت ہے یہ حدیثیں ضعیف ہیں۔

قال ابو داود: هذا يزيد بن حمير البزني، ليس هو صاحب مشعبه۔

مصنف فرما رہے ہیں کہ یہ یزید بن خمیر جو حدیث کو ابو الدرداء سے روایت کر رہے ہیں یہ یزید بن خمیر البزنی ہیں، اور یہ وہ یزید نہیں ہیں جو مشعبہ کے شاگرد ہیں، اس لئے کہ وہ دوسرے یزید، یزید بن خمیر الرحبی ہیں، یہ اسما و رجال سے متعلق ایک علمی افادہ ہے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

## باب فی الارض یحییہا الإمام والرحیل

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن الصعب بن جشمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال لا حی حی الا لله ولرسوله۔

### شرح الحدیث

حیی لفظاً مصدر ہے جس کے معنی حفظ کے ہیں، یہاں اسم مفعول یعنی حیی کے معنی میں ہے، زمانہ جاہلیت میں رؤساء قوم کی یہ عادت تھی کہ ایسی جگہ کو جو گھاس سے ہری بھری ہو اپنے لئے اس کو رکوا لیتے تھے، رعایا میں سے کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی اپنے جانوروں میں سے کسی کو وہاں چرانے کی، اسلام نے اگر اس عادت کا ابطال کیا، لیکن اس میں رسول اللہ کا استثناء کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا نام و برکت کے لئے ہے، چنانچہ یہ مسئلہ علماء کے مابین اتفاقی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی امام کیلئے بھی حیی کا جواز نہیں یعنی اپنی ذات کے لئے، اور اگر مصلحت عامہ کے لئے ہو کھیل الجہاد و ابل الصدقة اس کے جواز میں اختلاف ہے اور گو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حیی کے جواز کی خود اس حدیث میں تصریح ہے لیکن آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی حیی کا انتخاب نہیں کیا اور آگے جو روایت میں آرہا ہے کہ نقیع کا آپ نے حیی کیا وہ اپنے لئے نہ تھا۔

حیی اور احیاء میں فرق | یہ احیاء الموات کی کتاب چل رہی ہے جس میں مصنف نے حیی کو ذکر کیا، احیاء الموات کی تو شریعت نے اجازت دی ہے اور حیی سے منع کیا ہے اگرچہ دونوں کا تعلق ارض مباحہ غیر ملوکہ سے ہے لیکن وہ موات جس کے احیاء کی اجازت ہے اس سے مراد بیکار اور بنجر زمین ہے اور حیی کا تعلق اس موات سے ہے جو سبزہ زار ہو، لوگوں کی منفعت جس دہستہ بنی اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے کہ اس میں غلام کا ضرر و نقصان ہے یہ نقیع نون کے ساتھ ہے ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے بیس فرسخ پر واقع ہے، ایک نقیع وہ بھی ہے جس کا ذکر بالجہاد فی القرئی میں آیا ہے یعنی نقیع الخضات وہ دوسری جگہ ہے (بذل) والحدیث اخرجه البخاری والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب ما جاء فی الرکاز وما فیہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال: فی الرکاز الخمس۔

**الكلام على الحديث من حيث الفقه ومذاهب العلماء** | اس حدیث پر کلام معادن قبلہ والی حدیث میں گزر چکا

جس کا خلاصہ من حیث الفقه و اختلاف الائمة یہ ہے کہ کانیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک مخلوق للہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ پیدا فرمایا جس کو معدن کہا جاتا ہے، دوم مدفون دفینۃ جاہلیہ یعنی انسانوں کا زمین میں گاڑا ہوا مال اس کا نام کنز ہے، حنفیہ کے نزدیک ان دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی وجوب الخمس، اور جمہور علماء و منہم الائمة الثلاثة۔ دونوں میں فرق کے قائل ہیں، یعنی معدن میں زکوٰۃ اور کنز میں خمس، اور منشأ اختلاف کی بحث پہلی جگہ گزری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے وفی الرکاز الخمس اور حنفیہ کے نزدیک رکاز کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک دونوں میں خمس ہے اور جمہور کے نزدیک رکاز کا مصداق صرف کنز ہے اس لئے ان کے نزدیک معدن میں خمس نہیں بلکہ زکوٰۃ ہے۔

دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ کانیں تو مختلف اشیاء کی ہوتی ہیں، کونسی کانوں میں خمس واجب ہوتا ہے اس میں شافعیہ، مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف تقدیر (ذہب و فضہ) کی کان میں، اور امام احمد کے نزدیک ہر قسم کی کان میں، اور حنفیہ کے نزدیک کل جامد منقطع، یعنی ایسی بچھ اور خشک چیز میں جو آگ پر رکھنے سے پگھلتی ہو، جیسے سونے چاندی اور دوسرے دھات کے اقسام، اور معادن میں نصاب عند الجمہور شرط نہیں، قلیل و کثیر سب میں خمس واجب ہوتا ہے الا فی روایۃ للشافعی، ولا یعتبر فیہ التحول اجماعاً۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مطولاً ومختصراً قالہ المنذری۔

قال الزمعی عن عمته قریبۃ بنت عبد اللہ بن وہب عن امہا کریمۃ بنت المقداد عن ضباعۃ بنت

الزبیر بن عبد المطلب انہا الخبر تھا، قالت ذهب المقداد لعاجتہ بنقیع الخبیجۃ۔

**شرح الحدیث وتوضیح المسئلۃ الثابتۃ بالحدیث** | اس حدیث کو قریبہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں کریمہ سے اور کریمہ روایت کرتی ہیں اپنی ماں ضباعہ سے اور ضباعہ اپنے

شوہر مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بیان کر رہی ہیں وہ یہ کہ ضباعہ کہتی ہیں مقداد بن الاسود اپنے کسی کام سے مقام نقیع الخبیجہ گئے تو وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ایک بڑے چوہے کو دیکھا کہ ایک بھٹ میں سے ایک دینار کھینچ کر لا رہا ہے اور لا کر بھٹ سے باہر چھوڑ رہا ہے، وہ چوہا بار بار اس بھٹ میں جاتا ہے اور ہر مرتبہ ایک دینار کھینچ کر لاتا ہے، اسی طرح وہ سترہ دینار ہو گئے، اور پھر اخیر میں ایک سرخ پھلی کھینچ کر لایا جس میں ایک دینار تھا، اب یہ کل اٹھارہ دینار ہو گئے، ضباعہ کہتی ہیں کہ مقداد ان دنانیر کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور



عرض کیا اس میں جو صدقہ واجب ہو وہ لے لیجئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا، هل هويت اني الجحر قال لا فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بارك الله لك فيها۔  
 اس قصہ میں جو فقہی بحث ہے وہ یہ ہے کہ ان دنیا کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں یا تو ان کو نقطہ قرار دیا جائے یا رکاز اگر یہ از قبیل نقطہ تھے تو ان کی تعریف واجب تھی، اور حدیث میں تعریف کا ذکر ہے نہیں لیکن تعریف کی نفی بھی نہیں ہے، لہذا تعریف واجب ہے، اور یا یہ کہا جائے سقط التعریف لاجل عدم محل التعریف وعدم امكانه، یعنی یہ جس جگہ کا واقعہ ہے وہ راستہ عام گذر گاہ نہیں تھا، تعریف کی جائے تو کیسے کی جائے اور اگر ان کو از قبیل رکاز قرار دیا جائے تو پھر ان میں خمس واجب تھا، لیکن خمس لینے کا اس حدیث میں ذکر نہیں بلکہ باریک النظر فیہا میں اشارہ اس کے خلاف ہے، تو ہو سکتا ہے خمس کو آپ نے مقدار کے حق میں معاف فرمادیا ہو لاجل فقرہ وجاہۃ۔  
 والحديث اخرجه ابن ماجه، قال المنذرى۔

### باب نبش القبور العادية

عادیہ بمعنی قدیمہ، عرب لوگ عادیہ بول کر قدیمہ مراد لیتے ہیں کیونکہ قوم عاد کا زمانہ ہمارے اعتبار سے بہت قدیم ہے یعنی پرانی قبروں کو بوقت ضرورت اکھاڑ دینا، عند الجمہور جائز ہے صرح بہ الشامی من غیر کراہۃ، وعند المالکیۃ مع الکراہۃ سمعت عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول حين خرجنا معه الى الطائف فمررنا بقبر فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هذا قبر ابى رغال وكان بهذا الحرم يدفع عنه۔

شرح الحدیث اور ابو رغال کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ ہم آپ کے ساتھ طائف کی طرف جا رہے تھے اور ہمارا گزر ایک قبر پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ابو رغال کی قبر ہے، اور حرم مکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہاں چلا گیا تھا عذاب کو اپنے سے ہٹانے کے لئے پھر جب حرم سے باہر نکلا تو اس کو بھی اس عذاب نے آپکڑا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا اسی جگہ تو وہ یہاں دفن کر دیا گیا تھا، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

لہ قال الخطابی: يدل على انه لو اخذها من الجحر كان ركازا يجب فيها الخمس اه  
 لہ ابن العربی نے شرح ترمذی میں اس احتمال کو اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے چونکہ ان سے یہ پوچھا هل هويت اني الجحر تو گویا اس سے اشارہ ہوا اس طرف کہ اگر صوی پائی جاتی تو رکاز ہوتا، لہذا اس کو نقطہ قرار دیا گیا۔

علامت اس کی یہ ہے کہ اسکے ساتھ ایک سونے کی شاخ دفن کی گئی تھی اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو اس کو اسکے ساتھ پاؤ گے یہ سن کر صحابہ اس قبر کی طرف دوڑے اور اس قبر کو کھود کر اس میں سے وہ سونے کا سر پہ نکال لیا، کہا گیا ہے کہ یہ سونے کا سر پہ بیس رطل وزن کا تھا۔

ترجمۃ الباب پر تو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ باب یہاں کا نہیں ہے کتاب الجنائز جو شروع ہونے والی ہے اس میں ہونا چاہیے تھا لیکن مضمون حدیث سے اس باب کو یہاں لانے کی مناسبت ظاہر ہو گئی، مضمون رکاز کا چل رہا ہے اس کی قبر میں بھی چونکہ سونا دبا ہوا تھا جس کو نکالا گیا تو یہ قبر بمنزلہ رکاز ہو گئی قللہ در المصنف، اور قال کے بارے میں لکھا ہے ابو ثقیف یعنی قبیلہ ثقیف کا جد اعلیٰ یہی تھا اور قوم ثمود سے تھا حضرت صالح علیہ السلام کا عامل تھا، اس کی تاریخ بہت تاریک ہے قیل کان دلیل الحبشہ صین جاؤ الھدم الکعبۃ یعنی حبشہ کی فوج جو ابرہہ کی امارت میں ھدم کعبہ کیلئے آئی تھی اس کا سر یہی تھا، ظلم اور نخوست میں ضرب المثل تھا حاجی لوگ اس کی قبر کا رجم ہمیشہ کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ جریر شاعر کہتا ہے اپنے حریف فرزدق کے حق میں

اذا مات الفرزدق فارجموه ۛ کما ترمون قبرابی رغال

اس کا ذکر سنن ترمذی میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے جو قبیلہ ثقیف کا تھا اس نے اپنی سب بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دیدی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا لتراجعن لسا رک اولار جمعن قبرک کما رجم قبرابی رغال اھ یہ حدیث اعلام نبوت سے ہے اور اخبار بالمغیبات کے قبیل سے ہے۔

یہ ابواب القطائع و احیاء الموات کتاب الخراج ہی کے ملحقات میں سے ہیں لہذا یہ سمجھئے کہ یہاں اگر کتاب الخراج پوری ہو گئی۔ فللہ الحمد والممنۃ۔

## اقوال کتاب الجنائز

اس کتاب کی مناسبت کتاب الخراج والغبی سے اس طرح سمجھئے کہ خراج کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ وہ متعلقات و ملحقات جہاد سے ہے اور جہاد اور جنائز میں مناسبت ظاہر ہے اذا الجہاد ینبئ عن الموت یعنی جہاد موت کو یاد دلانے والی چیز ہے اور اس کے بہت قریب ہے، جہاد میں اپنی جان کی بازی ہوتی ہے، اور صحیح بخاری اور مسلم میں کتاب الجنائز کتاب الصلاۃ کے بعد متصلاً مذکور ہے صلاۃ الجنائزہ کی مناسبت سے جو کہ احکام میت میں سے ہے، اور جامع ترمذی میں یہ کتاب کتاب الحج کے بعد متصلاً ہے یعنی ارکان اربعہ سے فارغ ہونے کے بعد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ آدمی کا مقصود ان عبادات اور ارکان اسلام کے ادا کرنے سے آخرت کی تیار ہے صلاۃ الجنائز کی مشروعیت جیسا کہ اوپر میں لکھا ہے سلمہ سے ہے لہذا جن صحابہ کی وفات قبل البجۃ مکہ مکرمہ میں ہوئی

ان پر نماز نہیں پڑھی گئی، کذا فی ہامش البذل۔

**فائدہ تاریخیہ بذل المجہود سے متعلق** | نیز حضرت شیخ نے حاشیہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مہار پوری نور اللہ مرقدہ کا جو آخری سفر حجاز بہ نیت ہجرت و تکمیل بذل ————— ہوا تو مدینہ منورہ

میں پہنچنے کے بعد بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۲۲ھ یوم السبت میں ابوداؤد کی شرح کا باقی حصہ یہاں (کتاب الجنائز) سے لکھنا شروع ہوا، اہ اور بذل المجہود کے آخر میں خود حضرت مہار پوری نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس شرح کی تسوید مدینہ منورہ روضۃ من ریاض الجنۃ میں سید ولد آدم بلکہ سید الخلق و العالم کی قبر کے قریب بتاریخ ۲۱ شعبان ۱۳۲۵ھ میں پوری ہوئی اہ یعنی کتاب الجنائز سے اخیر تک تقریباً ڈیڑھ سال میں۔

جنائز جنازہ کی جمع ہے اور جنازہ میں دو لغت ہیں بفتح الجیم و بکسر الجیم، بفتح الجیم میت کو کہتے ہیں اور بکسر الجیم اس نعش یعنی سہر کا نام ہے جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے، وقیل بعکس ذلک، یہ مشتق ہے جنز سے بمعنی الستر جو کہ باب ضرب سے ہے، بظاہر مجنوز کے معنی میں ہے بمعنی مستور، کیونکہ میت کو مستور رکھا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کا جب انتقال ہو جائے تو اس کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا جائے، ویسے بلا ضرورت بھی اس کے چہرہ کو کھولنا مناسب نہیں، غسل وغیرہ میں بھی پورے پردہ کا لحاظ ضروری ہے۔

## باب الامراض المکفرة للذنوب

امراض چونکہ عام طور سے مقدمۃ الموت ہوتے ہیں اس لئے کتاب الجنائز کی ابتداء اس باب سے فرمائی۔

عن عامر الرامی الخضری قال النضلی هو الخضر و لکن کذا قال۔

**مضمون حدیث** | ابو منظور شامی راوی کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا عامر رام سے روایت کرتے ہوئے جو خضر کے بھائی ہیں، آگے مصنف کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد عبداللہ بن محمد النضلی کہتے ہیں کہ یہ لفظ صحیح خضر ہے لیکن میرے استاد یعنی محمد بن مسلمہ نے اسی طرح کہا تھا، یہ عامر رام جن کو عامر رامی بھی کہتے ہیں ان کا شمار صحابہ میں ہے کما فی التہذیب، قال ابن۔ لیبلادنا اذ رفعت لنا رایات والوۃ۔ مضمون حدیث یہ ہے : عامر فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر میں تھا تو اچانک چند جھنڈے بلند ہوتے ہوئے میں نے دیکھے میں نے کہا یہ کیا ہے تو لوگوں نے کہا یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا ہے تو میں فوراً آپ کی خدمت میں گیا، اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے ایک چادر بچھی ہوئی تھی جس پر آپ بیٹھے تھے، آپ کے چاروں طرف صحابہ کرام تھے میں بھی ان میں بیٹھ گیا تو اس وقت آپ بیمار یوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مؤمن کو جب کوئی بیماری پہنچتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس سے شفاعت فرماتے ہیں تو یہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتی ہے، اور آئندہ کے لئے موجب عبرت، اور اس کے بالمقابل جب منافق آدمی بیمار ہوتا ہے پھر اس کو شفا پاتا ہے تو اس کا حال بمنزلہ اس اونٹ کے ہوتا ہے جس کو اس کا مالک ایک وقت میں باندھتا ہے اور پھر دوسرے وقت میں کھول دیتا ہے تو وہ اونٹ یہ نہیں سمجھتا کہ کیوں اس کے مالک نے اس کو باندھا تھا اور کیوں اب کھول دیا (قال تعالیٰ) اونٹ کا لانعام بل ہم اضل

آگے روایت میں یہ ہے کہ اس موقع پر حاضرین میں سے ایک شخص نے بے پرواہی کے ساتھ یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ امراض کیا ہوتے ہیں واللہ میں تو کبھی بیمار ہوا نہیں، تو آپ کو اس کے اس طرز پر ناگواری ہوئی اور فرمایا تم منا فلست منا کہ اٹھ یہاں سے تو ہماری صحبت کے قابل نہیں، فبینا نحن عندہ اذا قبل رجل علیہ کساء و فی یدہ شئی قد التفت علیہ۔ راوی کہتا ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس پر چادر تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر چادر کا پلہ ڈال رکھا تھا اس نے آپ سے عرض کیا کہ جب میری آپ پر نظر پڑی تھی تو میں فوراً آپ کی طرف چل پڑا تھا تو میرا گدرا ایک جھاڑ پر کو ہوا (درختوں وغیرہ کا مجموعہ) تو اس جھاڑ میں سے میں نے پرند کے چوزوں کی آواز سنی تو میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کو رکھ لیا تو ان چوزوں کی ماں آئی اپنے بچوں کی وجہ سے اور بالکل میرے سر پر گھومنے لگی اڑتی ہوئی، میں نے ان چوزوں پر سے کپڑا ہٹا دیا تو وہ ان پر فوراً بیٹھ گئی ان پر سے ہٹتی نہیں تھی یہاں تک کہ میں نے ان سب پر چادر ڈھانک دی، اور کہا کہ وہ سب چوزے وغیرہ میرے ساتھ ہیں، آپ نے فرمایا ان کو یہاں نیچے رکھ میں نے ان کو نیچے آپ کے سامنے رکھ دیا پھر بھی ان کی ماں ان پر سے ہٹ نہیں رہی تھی، سارے صحابہ اس منظر کو دیکھ کر متعجب تھے۔ اس لئے کہ پرندہ تو آدمی کے قریب نہیں ٹھہرتا۔

حق تعالیٰ شانہ کی اپنے بندوں پر بے پایاں رافت و رحمت

تو اس پر آپ نے فرمایا اتعجبون لرحمۃم الافراخ فراخھا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر ترس کھانے کی وجہ سے تعجب کرتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا فالذی بعثنی بالحق لکھ ارحم بعبادہ من ام الافراخ بغراخھا، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہیں بہ نسبت چوزوں کی ماں کے اپنے چوزوں پر، اور پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جاد ان کو جہاں سے اٹھا کر لائے ہو سب کو وہیں رکھ آؤ۔

عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غیر مریۃ ولا مرتین۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بارہا سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی آدمی کسی عمل صالح کو کیا کرتا ہو اور پھر کسی سفر یا مرض کی وجہ سے اس کو نہ کر سکے تو اس کے نامہ اعمال میں وہ عمل صالح بہت عمدہ کر کے لکھا جاتا ہے جس کو وہ صحت اور اقامت کی

حالت میں کرتا تھا۔ والحدیث اخرجه البخاری، قال المنذری۔

یہاں پر حاشیہ بانی میں ابو داؤد کے کسی دوسرے نسخہ (ابن العبد اور ابن داسہ) سے ایک حدیث اور نقل کی ہے،

عن محمد بن خالد عن ابیہ عن جدہ وکانت له صحبة من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخ۔

**مضمون حدیث** جس کا مضمون یہ ہے: محمد بن خالد اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جب کسی بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ایسی منزلت اور مرتبہ ہوتا ہے کہ جس تک وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا مال یا اولاد کی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کو اس پر صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ اس کو اس کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں جو اس کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

اس حدیث سے مصائب کا رفع درجات کا باعث ہونا واضح ہو رہا ہے، اور دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ کوئی الواقع بندہ کو سب کچھ ملتا تو ہے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے لیکن دنیا دار العمل والاسباب ہے اللہ تعالیٰ نے صورۃ ثواب عقاب ہر دو کو عمل کے ساتھ مربوط فرما رکھا ہے، قال تعالیٰ: الذی خلق الموت والحیاة لیسئلکم انکم احسن عملاً۔

## باب فی عیادة النساء

ای عیادة الرجال النساء فالاضافة الی المفعول، چنانچہ حدیث الباب میں ہے ام العلاء فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری عیادت فرمائی وانا مریضة اور عیادت کے وقت آپ نے فرمایا اے ام العلاء خوش ہو جا اسلئے کہ مسلمان کی بیماری اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو اس طرح زائل فرما دیتے ہیں جس طرح آگ سونے پاندی کے میل کو، یہ ام العلاء حضرت حکیم بن حزام کی پھوپھی تھیں۔

بن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت یا رسول الله انی لاعلم انشد آیت فی کتاب الله عز وجل الخ۔ مضمون حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن کریم میں جو آیت سب سے زیادہ سخت ہے (گنہگار دینے والی) وہ میں جانتی ہوں، آپ نے پوچھا کونسی آیت ہے وہ تو انہوں نے عرض کیا۔ من یعمل سورۃ یحزبہ کہ جو شخص جو بھی برائی کرتا ہے اس کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے فرمایا کہ اے عائشہ تمہیں خبر نہیں ہے کہ مسلمان کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے

لہ والحدیث رواہ ابو داؤد ورواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والادسط، کذا فی کتاب من روی عن ابیہ عن جدہ للعاسم بن قطلوبغا، وفی تعلیقة وقال فی مجمع الزوائد ۲۹۷ ومحمد بن خالد وابوہ لم یعرفها واورده البیهقی کذا لک فی مجمع البحری ۹۹۹ مختصراً وفی هذا التعلیق تفصیل بن شاذلی رجع الیہ۔

یا کاٹا بھی جیتتا ہے تو یہ اس کے برے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہو جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ آیت میں جزاء سے مراد صرف عذاب آخرت ہی نہیں ہے مطلق جزاء مراد ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں چنانچہ بہت سے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اس پر مطالبہ نہیں ہوتا) ومن حوسب عذاب البتہ جس سے وہاں حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا، اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے، فسوف يحاسب حسابا يسيرا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حساب آسان بھی ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں حساب سے مراد نفس عرض ہے، یعنی ائمہ اعمال کا صرف پیش ہونا، اور میری مراد حساب سے مناقشہ فی الحساب تھا جس کو جرح کہتے ہیں، یعنی حساب کے وقت یہ پوچھ لیا جائے ایسا کیوں کیا تھا۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم (من قوله) اليس يقول الله الى آخر الحدیث، قال المنذرى۔  
وكتب في هذا الحدیث لا مناسبة له بباب عيادة النصارى بل له مناسبة بالباب الذى قبله۔

## باب فى العیادة

**شرح الحدیث** | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی رئیس المناقیہ کے مرض الموت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے اس کو دیکھ کر اس میں علامات موت کو پہچان لیا، اور فرمایا آپ نے اس سے فتدکنت انھاک من حب یہود میں تجھ کو حب یہود سے منع کیا کرتا تھا (اور حب یہود ہی نے تجھ کو اس نفاق میں مبتلا کیا تھا اور اب نفاق کی حالت میں مر رہا ہے، صرف زبانی اسلام لانا تو مفید نہیں) اس نے آپ کی یہ بات سن کر کہا فتد ابغضہم اسعد بن زرارہ قمتہ کہ اسعد بن زرارہ تو یہود سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے بغض رکھتے تھے پس کیا کام آیا اس کے یہ بغض یہود۔ یہ انارثی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہی نہ سمجھا آپ کا اشارہ تو عذاب آخرت کی طرف تھا، اس نے سمجھا کہ اصل نفع موت سے بچنے میں ہے اسی لئے کہا کہ اسعد بن زرارہ ہی کون سے بچ گئے موت سے۔

عبد اللہ بن ابی نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بغض یہود کو ثابت کیا، ان کے بغض کا کوئی خاص واقعہ تو ملا نہیں اصابہ وغیرہ میں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بغض اس طرح ثابت ہے کہ یہ اول من اسلم من الانصار علی الاطلاق ہیں، یعنی مدینہ جہاں بکثرت یہود بستے تھے وہاں اسلام کی ابتداء ان ہی سے ہوئی علی رغم انہ یہود اور ظاہر ہے کہ مدینہ سے یہود کی جڑ اہل اسلام ہی نے کاٹی ہے نیز ان کی اور بھی بعض خصوصیتیں ہیں فانہ اول من جمع الجمع فی المدینہ قبل ہجرۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام، کما فی کتاب الصلوٰۃ فی باب الجمعۃ فی القری۔

اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ جب وہ مر گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے بیٹے جن کا نام بھی



عبداللہ تھا اور اسلام لاچکے تھے انہوں نے آکر آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ اپنا قمیص مجھے عنایت فرما دیجئے تاکہ اپنے باپ کی تکفین اس میں کروں، آپ نے اپنا قمیص اتار کر ان کو دیدیا، الوداؤد کی اس روایت میں تو اتنا ہی ہے اور صحیحین کی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کو قبر سے نکلوا یا اور اس کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا اور اس پر آپ اپنے دھن کی رین مبارک کو ٹپکایا، اور اپنا قمیص اس کو پہنایا۔

بذل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قمیص دینا اسکے بیٹے کی دلاری کیلئے تھا (کیونکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا) باوجود اسکے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا قمیص نفاق کے ساتھ کچھ نفع بخش نہیں ہو سکتا، اور کہا گیا ہے کہ آپ کا یہ قمیص عطا کرنا اس کے اس احسان کے بدلہ میں تھا کہ اس نے آپ کے عم محترم حضرت عباس کو اپنا قمیص دیا تھا، اس لئے کہ حضرت عباس جنگ بدر میں قید کئے گئے تھے اور ان کا قمیص پھٹ گیا تھا ان کے لئے قمیص کی ضرورت تھی تو ابن ابی نے اس وقت اپنا قمیص دیدیا تھا کیونکہ طویل القامت ہونے کی وجہ سے کسی اور کی قمیص ان کو نہیں آتی تھی، پھر اسلام تو وہ بعد میں لائے قبل فتح خیبر علی قول۔

## باب فی عیادۃ الذمی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غلاما من الیہود۔

مضمون یہ ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا، آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کی جانب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ اسلام لے آ، اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی کھڑا تھا، اس نے کہا ہاں ابو القاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کر چنانچہ وہ اسلام لے آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا حمد و ثناء کرتے ہوئے چلے آئے کہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس کو جہنم سے نجات دیدی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے فی باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ وهل یعرض علی الصبی الاسلام اس کے شروع میں اس طرح ہے عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان غلام یہودی یخدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فمرض الحدیث مصنف نے اس حدیث سے عیادت ذمی کا جواز ثابت کیا ہے، حاشیہ بذل میں ہے: ویجوز عیادۃ الذمی عندنا بالاجماع کذا فی الشامی، وعن احمد فیہ روایان کما فی الشرح الکبیر۔

والحدیث اخریہ البخاری والنسائی، قالہ المتذری۔

## باب المشی فی العیادۃ

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعود فی لیس براكب بغلاً ولا یردنا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لاتے تھے (یعنی پیادہ) آپ

سوار نہوتے تھے نہ خچر پر نہ ترکی گھوڑے پر۔

مصنف نے حدیث کے وہی معنی لئے جو ہم نے ترجمہ کے اندر لکھے، یعنی مطلقاً رکوب کی نفی، حضرت شیخ کے حاشیہ میں ہے، ما ترجم بہ المصنف علیہ حمل الجہور الحدیث، وحملہ بعضهم علی انہ کان راكباً علی غیر البغل والبرذون اھ مختصراً، حافظ منذری فرماتے ہیں حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ کی عیادت فرمائی راكباً علی حمار اور ایک حدیث جاہر میں ہے انا ابی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودنی وابوبکر دھما ماشیان، لہذا مریض کی عیادت راكباً و ماشیاً دونوں طرح مسنون ہے۔

والحدیث اخری البخاری والترمذی قالہ المنذری۔

## باب فی فضل العیادة

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے العیادة افضل من العبادۃ لفظاً ومعنی، اس باب میں مصنف نے اولاً حضرت انس کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے محض ثواب کی نیت سے تو وہ شخص جہنم سے ستر سال کی مسافت کے بعد دور کر دیا جاتا ہے، اور ثانیاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے صبح کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے شام کے وقت تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لئے صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں، اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہو جاتا ہے۔ طریف بمعنی بستان جس کو مخرف بھی کہتے ہیں، اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے من حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یزل فی خرفۃ الجنۃ، اور اسی روایت کے ایک دوسرے طریق میں یہ زیادتی ہے قیل ما خرفۃ الجنۃ قال جنناھا، یعنی جنت کے پھل، نو اکہ۔ ہمارے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو پھر جس زمانہ میں دن بڑا ہوتا ہے اس وقت عیادت صبح کے وقت کرنی چاہیئے اور جب رات بڑی ہو تو اس وقت عیادت کرنی چاہیئے شام کے وقت۔

## باب فی العیادة مراراً

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما اصیب سعد بن معاذ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یوم الخندق

رماء رجلی فی الاکحل الخ۔

شرح الحدیث | یعنی حضرت سعد بن معاذ کے غزوہ خندق میں کسی کافر نے تیرا مارا اکحل میں تو آپ نے حضرت سعد کو

مسجد میں ٹھہرا کر ان کے لئے خیمہ نصب کرایا اور مسجد میں اس لئے ان کو ٹھہرایا تاکہ قریب ہونے کی وجہ سے عیادت میں میں سہولت ہو اس پر مصنف نے ترجمہ قائم کیا العیادۃ مرآۃ، مصنف نے گویا اس میں حضرت سعد کو مسجد میں ٹھہرانے کا فائدہ اور مصلحت بیان کیا تاکہ بار بار عیادت کی جاسکے۔

اکھل ایک رگ کا نام ہے جو وسط ذراع میں ہوتی ہے، اور غلیل نے لکھا ہے کہ اکھل عرق حیات کی وہ شاخ ہے جو ہاتھ میں ہوتی ہے، اور جو شاخ اس کی کمر میں ہوتی ہے اس کو ابھر کہتے ہیں اور جو ران میں ہوتی ہے اس کو نشا کہتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہر عضو میں عرق حیات کی ایک شاخ ہوتی ہے اس رگ کا اگر منہ کھل جائے تو خون رکنا نہیں اکھل کو فارسی میں رگ ہفت اندام کہتے ہیں۔

یہ حدیث یہاں پر تو مختصر سی ہے طویل اور مفصل حدیث بخاری کی کتاب المغازی میں ہے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

### باب العیادۃ من الرمد

غرض المصنف من الترجمة | رمد یعنی آشوب چشم، آنکھ دکھنا، اس تخصیص کے ساتھ ترجمہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک حدیث ہے جس میں تین چیزوں کو عیادت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے "ثلاثہ" لیس ہم عیادۃ النعین والدثیل والفرس اخرجه البیهقی، کہ تین بیماریاں ایسی ہیں کہ ان میں عیادت نہیں، ایک یہ آشوب چشم، دوسری دثیل پھوڑا پھنسی تیسرے ڈاڑھ کا درد، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں، اور حدیث الباب جس کو مصنف نے ذکر کیا وہ اصح ہے، یا یہ کہ اس حدیث میں تاکد کی نفی ہے لیکن بعض کتب فقہیہ میں بھی ان تینوں میں عیادت کی نفی مذکور ہے، اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ تاکد کی نفی مقصود ہے مطلق سنت کی نہیں۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عادی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من وجع

کان بعینی۔ حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ظاہر ہے۔

### باب الخروج من الطاعون

طاعون ایک مشہور بیماری کا نام ہے جو بدن کے مختلف حصوں مثلاً کہنیوں بغلوں یا انگلیوں میں یا سارے ہی بدن میں کچھ پھنسیاں اور زخم سے ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ درم بھی ہوتا ہے اور سخت قسم کی بے چینی اور سہوش، اور ان زخموں کے ارد گرد جگہ سرخ ہو جاتی ہے یا سبزی مائل، جس کے ساتھ دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے اور قی بھی ہوتی ہے

نیز اس کا اطلاق اس وبا اور مرض عام پر بھی ہوتا ہے جس سے فضا فاسد ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اثر بدن میں سرایت کرتا ہے  
اذ اسمعتم بارض فلا تقدموا عليه واذا وقع بارض وانتم معها فلا تخرجوا فرا امنه۔

**شرح الحدیث** | اس بیماری کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس بستی میں  
اس کا ہونا معلوم ہو تو وہاں مت جاؤ، اور اگر اسی جگہ میں پائی جائے جہاں تم ہو تو پھر وہاں سے  
نکل کر نہ بھاگو یعنی اس بیماری سے بچ کر معلوم ہوا اگر کسی ضرورت سے جائے تو امر آخر ہے اس لئے کہ پہلی صورت  
میں جرأت اور استغفار کے معنی پائے جاتے ہیں اور دوسری صورت میں فرار عن القدر کا شبہ ہوتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کفار کے حق میں عذاب الہی ہے اور مؤمنین کے حق میں رحمت ہے، اگر اس  
پر صبر کرے فلہ اجر شہید، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے۔ فضل من مات بالطاعون جس میں یہ آرہا ہے، المطعون  
شہید حضرت نے بذل میں طاعون کے بارے میں یہ روایات ذکر کی ہیں ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی  
حدیث کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا ناخبری انہ عذاب میعشہ اللہ علی  
من یشار وان اللہ عز وجل جعلہ رحمۃ للمؤمنین الحدیث، واخرجه الشیخان من حدیث اسامہ بن زید مروفا الطاعون  
رحمۃ رسول علی طائفة من بنی اسرائیل اذ علی من کان قبلکم الحدیث، اھ مختصراً۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم مطولاً، قال المنذری۔

## باب الدعاء للمریض بالشفاء عند العیادة

عن عائشة بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان اباہا قال اشتکیت بمکة۔  
سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جبکہ مکہ میں تھا بیمار ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری  
عیادت کے لئے تشریف لائے اور میری پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھا اور سینہ اور پیٹ پر بھی پھیرا اور یہ دعا دی  
اللہم اشف سعداً و احمہ لہ ہجرتہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کی پیشانی پر اپنا  
ہاتھ رکھے (یا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے) اور اس کو دعا بھی دے، جیسا کہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔  
آپ کی دعا حضرت سعد کے حق میں قبول ہوئی اور وہ شفا یاب ہوئے اور اسلام کی بہت خدمت کی فمات بعد  
ذلک بالمدينة المنورة ۵۵ھ بعد ما فتح العراق، حضرت سعد کی یہ حدیث کتاب الوصایا میں گزر چکی جس میں یہ تھا  
قلت یا رسول اللہ اتخلف عن ہجرتی انی وہاں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے فتذکر۔ والحدیث اخرجه البخاری اتم منه قال المنذری

أَطْعَمُوا الْجَائِعَ وَنَوَذُوا الْمَرِيضَ وَفَكَرُوا الْعَالِي قَالَ سَفِيَانُ: وَالْعَالِي الْأَسِيرُ  
یعنی بھوکوں کو کھانا کھاناؤ اور مریضوں کی عیادت کیا کرو، اور جہاں تک ہو سکے قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش  
کرو، اے المسلم المجوس عند الکفر، وکذا المجوس ظلماً فوجب علی المسلمین اتقاه بالقدیر (بذل) اس حدیث کا حوالہ اور  
ذکر کتاب الفرائض میں بھی گزرا ہے۔ وَاَفَلَا مَنَّةً۔ الحدیث کے تحت فتمذکر۔

## باب الدعاء للمریض عند العیادة

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من عاد مریضاً  
لم یحضر اجله اثم۔ جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کا ابھی وقت نہیں آیا اور وہ عیادت کرتے والا  
اس کے پاس بیٹھ کر یہ دعائیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتے ہیں: اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان  
یشفیہ۔ والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً مروی ہے اس میں عیادت کے وقت اس  
دعا کا پڑھنا مذکور ہے اللہم اشف عبدک ینکأ لک عدواً ویمشی لک الی جنازة، اور ایک نسخہ میں، الی صلاة، ہے  
اے اللہ اپنے اس بندہ کو شفا عطا فرما یہ صحت کے بعد تیرے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرے گا ان کو زخمی کرے گا  
اور تیرے لئے جنازہ کے ساتھ جائے گا، اس حدیث میں لک لک بار بار ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل  
معتبر ہے جو فالس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، نیز اس حدیث سے جنازوں کے ساتھ جانے کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے۔

## باب کراہیۃ تمنی الموت

لا یدعوق احدکم بالموت لضیّر نزل بہ۔

یعنی آدمی کو موت کی تمنا ہرگز نہیں کرنی چاہیے کسی دنیوی ضرر سے پریشان ہو کر، اور اگر ضرر دینی ہو تو اس سے  
بچنے کے لئے جائز ہے کذا قال العلماء، اب یہ کہ پھر کیا دعا کرنی چاہیے ایسے موقع پر وہ حدیث میں مذکور ہے۔ اللہم  
آحیی ما کانت الحیاة خیر الی وتوفی اذا کانت الوفاة خیر الی۔

زندگی مسلمان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کسی مصیبت سے گھبرا کر اپنے لئے موت کی ہمدردی کرنا اس نعمت کی ناقصی ہے  
حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کے لئے تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے مصیبت کی حالت ہو یا راحت کی، مصیبت میں اگر صبر  
کرتا ہے تو اس کے لئے اجر ہے، اور اگر راحت کی حالت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تبھی اس کیلئے اجر ہے  
آدمی کی یہی دو حالتیں ہوتی ہیں تو گویا اس کے لئے ہر حال میں نفع اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ الحمد للہ الذی ہدانا وجعلنا

من المسلمین۔ والحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

## باب فی موت الفجاءة

فجاءة میں رولفت ہیں بعض الفار والمدا، اور یفتح الفار واسکان الجیم بلامد۔

موت الفجاءة اخذت اسف، اسف میں سین کا فتح اور کسرہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، پہلی صورت میں اس کے معنی غضب کے ہیں اور دوسری صورت میں صفت کا صیغہ ہوگا بمعنی غضبان، یعنی موت فجائی اور اچانک کی موت غصہ کی پکڑ ہے یا غضبان کی پکڑ ہے، لیکن یہ کافر کے حق میں ہے، اور مؤمن کے حق میں ایسا نہیں بلکہ رحمت ہے اس لئے کہ مؤمن کامل ہمیشہ آخرت کے لئے مستعد اور تیاری میں رہتا ہے، (بذل) وفی ہامش البذل: وورد ایضا موت الفجاءة راحة المؤمن، وقد توفی فجاءة ابراهیم وداؤد وسليمان علی نبینا وعلیہم الصلوة والسلام (تفريخ الاذکيار فی تاريخ الانبياء)

## باب فی فضل من مات بالطاعون

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم جاء يعوذ عبد الله بن ثابت فوجدته قد غلب الغم۔

مضمون حدیث | یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن ثابت کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ وہاں پہنچے تو ان کو دیکھا کہ غشی طاری ہے، آپ نے ان کو پکارا آواز دی تو وہ اس پر کچھ نہیں

بولے، آپ نے انا اللہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم تیرے بارے میں مغلوب ہو گئے، یعنی قضا و قدر غالب آگئی اور انتقال کا وقت آچکا، جو عورتیں اس گھر میں تھیں وہ آہ وزاری کرنے لگیں، جابر بن عتيك ان کو خاموش کرنے لگے، آپ نے ان سے

فرمایا چھوڑ ان عورتوں کو یعنی رونے دے، ہاں جب انتقال ہو جائے گا پھر کوئی نہ روئے۔ اس کے بعد روایت میں یہ ہے کہ ان کی بیٹی کہنے لگی افسوس کے ساتھ واللہ ہم تو یہ امید رکھتے تھے کہ تم شہید ہو گے اس لئے کہ تم اسباب جہاد تیار

کر چکے تھے اس پر آپ نے فرمایا ان اللہ عزوجل قد اوقع اجرہ علی قدر نیتہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا اجر عطا فرمادیا ہے اس کی نیت اور ارادہ کے موافق وما تعدون الشهادة؟ اور آپ نے پوچھا تم شہادت کس چیز

کو سمجھتے ہو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہو جانے کو، اس پر آپ نے فرمایا اسباب شہادت اسکے علاوہ سلت اور یں المطعون شہید، والغرق شہید وصاحب ذات الجنب شہید والمبطون شہید وصاحب

الحريق شہید والذی مات تحت الھدم شہید والمرأة ماتت بجمع شہید۔

مطعون یعنی جو مرض طاعون کے اندر ہلاک ہو، ذات الجنب ایک مشہور شہادت کے اسباب سے کی تشریح | بیماری ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک عرفی حقیقی تو بہت خطرناک



مرض ہے جس میں پسلیوں میں اندر کی جانب درم اور زخم ہو جاتے ہیں اور کھانسی بخار اس کے لئے لازم ہوتا ہے، اور دوسری قسم یہ سمجھئے کہ پسلیوں میں جو ریاحی درد ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، ترمذی کی کتاب الطب میں اس کا بہت کثرت سے ذکر آیا ہے اور اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات میں لزد و کا ذکر جو آپ کے گھر والوں نے آپ کو ذات الجنب کا مرض سمجھ کر کیا تھا، اور متبطون سے مراد جو پیٹ کے مرض میں مرے یعنی استطلاق البطن (دستوں اور اسہال کا مرض) بذل، وفي العون: ای من اسہال اور استسقاء اور وجع بطن و صاحب الحرق یعنی آگ میں جل کر مر جانا تحت الحدم، یعنی دیوار کے نیچے، قال لقاری المحدث بفتح الدال و لیکن، والکرامۃ تموت بجمع بضم الجیم و یکسر سکون المیم قالہ لقاری، قال الخطابی معناه ان تموت وفي بطنها ولداه وقال فی النہایۃ ای تموت وفي بطنها ولد وقیل التي تموت بکرا، و الجمع بالضم بمعنی المجموع، کالذخیر بمعنی المذخور، و کسر الکسائی الجیم والمعنی انہما ماتت مع شئی مجموع فیہا غیر منفصل عنہا من حمل او بکارۃ اھ قال النووی ضم جیمہ اشہر الثلاثۃ (بذل، عون) یعنی جو عورت حمل کی حالت میں مر جائے یا شادی سے پہلے بکارت کی حالت میں مر جائے، یا حالت نفاس میں بچہ کی پیدائش کے بعد جیسا کہ آگے مسند احمد کی روایت سے آ رہا ہے اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ جس کا انتقال مزدلفہ میں ہو (اس لئے کہ مزدلفہ کا دوسرا نام تجنح بھی ہے) و هو خطأ ظاہر کذا فی ہامش البذل۔

یہ حدیث مختلف الفاظ اور سیاق کیساتھ وارد ہوئی ہے، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے "ان فی القتل شہادۃ وفي الطاعون شہادۃ وفي البطن شہادۃ وفي العرق شہادۃ وفي النفسار یقتلہا ولدہا جمعا شہادۃ۔" اس حدیث میں اسباب شہادت کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ سات ہیں، امام مالک نے موطا میں عنوان قائم کیا ہے "الشہادۃ فی سبیل اللہ" حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اوجز میں اس کے تحت لکھتے ہیں: و تقدم فی ابواب الجنائز ان اسباب الشہادۃ الوارده فی الاماثل ترتقی الی قریب من الستین و تقدم ذکرہا ومع ذلک فالشہید الحقیقی هو قتیل المعرکہ او من قتلہ اهل البغی او اهل الحرب قتل الطریق

اسباب الشہادۃ بالتفصیل | لہ فہی تحت حدیث جابر بن ہنیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فالمدکور فی حدیث جابر ہذا ثمانیۃ انواع مع الشہادۃ الحقیقیۃ و بخص الزرقانی تہذا شرح البخاری وغیرہا الروایات التي اطلق فیہا اسم الشہادۃ فزاد علی ہذا الثمانیۃ، البیت علی فراشہ فی سبیل اللہ، و صاحب السبل بکسر المہملۃ و تشدید اللام، و من قتل دون مالہ، او دینہ، او دملہ، او دودن مظلمہ، و من قتلہ فرسہ، او بجرۃ فی سبیل اللہ، او لدغہ ہائتہ او مات علی فراشہ علی آتی حنفی شامہ اللہ کما فی روایۃ ابی مالک الاشعری مرفوعاً عن ابی داؤد و الحاکم والطبرانی، و ثبت الغریب و الشریک و الذی یفرسہ السبع، و الخازن عن دایۃ، و المائتہ فی البحر الذی یغیرہ القتل لاجر شہید و من طلب الشہادۃ بنیۃ صادقۃ یکتب شہیداً، و من تردی من روس الجبال، و فی البخاری من حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لیس من امد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ —

ونحو ذلك، وتقدم حكمه في الجنازة من انه لا يغسل ويدفن بدمه، واختلف في وجه تسمية الشهيد شهيدا على احوال تقدم ذكرها في باب العتمة والصحة وبسطها النوى في شرح مسلم اه علامه سيوطي كى يحي اس من مستقل ايك تاليف هـ، ابواب السعادة في اسباب الشهادة، جس من انهنون نے اسباب شهادة کو ستر تک پہنچا دیا ہے۔  
والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

ما برأحتسبها يعلم انه لا يصيبه الا ما كتب الله له الا كان له مثل اجر شهيد۔ فبذہ سبع وعشرون فصلة سوى القتل في سبيل الله، ذكره الحافظ ان طرقها جيدة، وانه وردت خصال اخرى في احاديث لم اعرج عليها لضعفها اه زاد الزرقاني، صاحب المحمى، والميت في السجن وقد جس ظلم، والميت عشقا، او طامها للعلم، وزاد العين، من حبسه السلطان ظالما، او ضرب به فمات فهو شهيد، والمرابط يموت في فراشه وحكى عن ابن العربي، وصاحب النظره وهو الميعين والغريب شهيدان قال وحيد شهاب حسن، ومن مات مريضاً مات شهيداً، والنفساء ومن احتسب نفسه على الله، ومن عشق وعف وكرم ومات، مات شهيداً، وعند الترمذى وقال حسن غريب: من قال حين يهجع ثلاث مرات اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم وقرأ ثلاث آيات من آخر سورة الاحقراق مات شهيداً، وعند غيره من آخر سورة الاحقراق فمات من ليلة مات شهيداً، وعند الآجرى يا نفس ان استطعت ان تكون ابدى على وضوء فافعل فان ملك الموت اذا قبض روح العبد وهو على وضوء كتب له شهادة، وعن ابن عمر من صلى الغنى وهلم ثلاثة ايام من كل شهر ولم يترك الوتر كتب له اجر شهيد، وورد من مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة اجر من عذاب القبر وجار يوم القيامة وعليه طابع الشهيد، قال ابو نعيم غريب من حديث جابر، ومن خرج به خراج في سبيل الله كان عليه طابع الشهيد، وزاد القارى عن ابواب السعادة، على بعض المذكورين صاحب السل اي الدق، والمسافر والمرعوب على فراشه في سبيل الله، وعن ابى عبيدة بن الجراح رضى الله تعالى عنه قلت يا رسول الله اى الشهيد اكرم على الله؟ قال: رجل قام الى امام جائر فامر به معروف ونجاءه عن منكرك فقتله، وعن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه مرفوعاً ان الله كتب الغيرة على النساء والجهاد على الرجال فمن صبر منهن كان لها اجر شهيد، وورد من قال في كل يوم خمسا وعشرين مرة اللهم بارك لى في الموت وفيما بعد الموت ثم مات على فراشه اعطاه الله تعالى اجر شهيد، ومنها المتمسك بالسنة عند فساد الامة، والمؤذن المحتسب، ومن عاش مديراً، ومن جلب طعاماً الى المسلمين، ومن سعى على امراته وولده، وملكته يمينه، وغير ذلك مما يطول ذكره، فكل من كثر اسباب شهادته زيد له في فتح ابواب سعادته اه قلت، وزاد ابن عابدين، من قال في مرضه اربعين مرة لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين فمات، ومن يقرأ كل ليلة سورة يس ومن مات على طهارة فمات ومن صلى على النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم مئة مرة، وسئل الحسن عن رجل افلس بالشئ فاصابه الهرم فمات فقال يا لها من شهادة، وهذا كما رأيت ترى الشهيد الى قريب من ستين، وذكر صاحب مظاهر حق، بعض انواع اخرى، وكذا في اكثر العمال وفيه تامل العين، وفي التوضيح: الشهيد ثلاثة اقسام شهيد في الدنيا والآخرة وهو المحتول في حرب الكفار بسبب من الاسباب، وشهيد في الآخرة دون احكام الدنيا، وهم من ذكرنا آتفا، وشهيد في الدنيا دون الآخرة وهو من غل في الغنمة ومن قتل مدبراً او ماني معناه اهـ۔

## باب المريض يؤخذ من اظفارہ وعانتہ

یعنی مریض کو چاہیے کہ وہ اپنے اظفار اور زیر ناف بالوں کا خیال رکھے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ابتاع بنو الحارث بن عامر بن نوفل خبیبا انہ  
**حضرت خبیب بن عدی کے قتل کا قصہ** | اس باب میں مصنف نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کے قتل کا قصہ ذکر کیا ہے، یہ قصہ کتاب الجہاد میں باب فی الرجل یستسر  
 میں بالتفصیل گزر چکا اس کو دیکھ لیا جائے، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے واقعہ قتل سے پہلے بڑے اطمینان  
 کے ساتھ قاتلین ہی سے استرہ طلب کر کے اپنے زیر ناف بال صاف کئے تھے، جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔  
 والحديث اخرجه البخاری والنسائی مطولا، قال المنذری۔

## باب ما يستحب من حسن الظن بالله عند الموت

عن جابر بن عبد الله - رضي الله تعالى عنهما - قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله  
 وسلم يقول قبل موته بثلاث لا يموت احدكم الا وهو يحسن الظن بالله۔  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے اپنی وفات سے تین روز قبل یہ فرمایا کہ موت کے وقت آدمی کو خاص طور سے اللہ تعالیٰ  
 سے حسن ظن رکھنا چاہیے، یعنی یہ خیال کرے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے اور  
 اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی توقع رکھے، نیز ایسے وقت میں مریض کو چاہیے کہ ان آیات اور احادیث میں غور و تدبر کرے  
 جو اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو و رحمت کے بارے میں ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی الحدیث الصبح القدسی  
 انا عند ظن عبدي بي، قال النووي هذا هو الصواب في معناه وقاله جمهورهم، وشذ الخطابي وذكره تاديلات اخر الخ (بذل)  
 خطابي کی رائے اس میں یہ ہے کہ حسن ظن سے مراد حسن عمل ہے اس لئے کہ حسن ظن باللہ بغیر حسن عمل کے حاصل نہیں  
 ہوتا، امام نووی نے اس کو رد کیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا، پس صحیح یہی ہے کہ ایسے وقت میں حاضرین اور تیمار داروں کو  
 چاہیے کہ جن آیات میں رحمت و عفو کا ذکر ہے وہ اسکے سامنے پڑھیں، نیز اس کے سامنے اس کے اعمال حسنہ کو بھی  
 یاد دلایا جائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا ہونے کی اس نازک وقت میں یہی آسان صورت ہے، رزقنا اللہ  
 تعالیٰ حسن الظن به تعالیٰ فی هذا الوقت :  
 والحديث اخرجه مسلم وابن ماجه، قال المنذری۔

## باب ما يستحب من تطهير ثياب الميت عند الموت

یعنی بہتر یہ ہے کہ انتقال کے وقت آدمی کے بدن کے کپڑے پاک صاف ہوں۔

حضرت شیخ اور والد صاحب کا حال عند الوفات | ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا جس روز انتقال ہوا، انتقال تو بعد العصر ہوا تھا انتقال والے دن صبح کے وقت میں اپنے

خادم سے خلاف معمول یہ سوال فرمایا ابوالحسن میرا بستر پاک ہے اس نے کہا جی پاک ہے، پھر دوسرے وقت میں بھی ایک بار یہی سوال فرمایا، اور میرے والد نور اللہ مرقدہ جن کو ہمیشہ عمر بھر طہارت اور پاکی کا بڑا اہتمام رہا اخیر تک چنانچہ استنجار میں اولاً استنجار با کچر اور اس کے بعد استنجار بالماء اپنے اختیار و اہتمام سے فرماتے رہے، تقریباً اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا، ایک رات اور نصف یوم غفلت کی حالت میں گذرا، اس سے قبل اپنے ہاتھ سے وضو اور استنجار وغیرہ کرتے رہے، انتقال کے بعد جب بستر پر سے نعش کو اٹھایا گیا تو میں نے قصداً دیکھا کہ بستر کا کیا حال ہے اس لئے کہ تقریباً ۲۴ گھنٹے غفلت کی حالت میں گذرے تھے، دیکھا تو بستر بالکل صاف تھا کسی قسم کا کوئی نشان تک نہیں تھا، تموتون کما تحیون و تحشرون کما تموتون الحدیث۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لما حضرہ الموت دعا بثیاب جدد فلبسھا... المیت

یبعث فی ثیابہ الّتی یموت فیہا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میت کو قبر سے اس کے ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے۔

دو حدیثوں کے درمیان تطبیق | یہاں پر ایک مشہور اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے: "یحشر الناس خفاة غراة" اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ

ان میں سے ایک حدیث میں بعث کا ذکر ہے اور دوسری میں حشر کا، اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، بعث تو کہتے ہیں قبر سے اٹھنے کو اور حشر میدان حشر میں جمع ہونے کو، اور ان دو وقتوں میں کافی فاصلہ ہوگا، اس لئے کہ یہ بہت لمبا چوڑا دن ہوگا، ہزار برس کے برابر اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث الباب میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں کہ آدمی اپنے اعمال کو لے کر قبر سے اٹھتا ہے وہ جیسے بھی ہوں، لیکن ان صحابی نے اس حدیث میں ثیاب کو ظاہری معنی پر محمول کیا فلا تعارض بین الحدیثین، یہ دوسرا جواب ہی رائج ہے، ایسے ہی کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ "و ثیابک فطرہ" میں ثیاب سے مراد اعمال ہیں، اور علامہ قرطبی کہتے ہیں (فی التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الاخرۃ) کہ ہو سکتا ہے

کہ حشر فی الکفان شہدار کے ساتھ خاص ہو (عون) وہی ہامش البذل وخصہ فی الفادی الحمد بیثیہ صلا یا شہید۔  
جامع ترمذی میں ہے: قال ابن المبارک احب الی ان یکفن فی ثیابہ الی کان یصلی فیہا، اور اس کی شرح تحفۃ الاحوذی  
میں ہے بحوالہ فتح الباری کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میری تکفین میرے ان دو کپڑوں میں کرنا جن کو  
پہن کر میں نماز پڑھتا ہوں، اور تذکرۃ الحفاظ سے یہ نقل کیا ہے زہری کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کا جب وقت قریب  
آیا تو انہوں نے اپنا پرانا جبہ صوف منگایا اور فرمایا کہ مجھ کو اسی میں کفنانا اس لئے کہ جنگ بدر میں میں نے اس کو پہنا تھا  
اور میں نے اس کو اسی وقت کے لئے چھپا کر رکھا تھا، اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفن کے بارے  
میں آئندہ ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں ایک آپ کا وہ قمیص تھا  
جس میں آپ کا وصال ہوا، فی ثلاثۃ اثواب بخرانیۃ، الحکمۃ ثوبان، و قمیصہ الذی مات فیہ۔ لیکن آپ کے بارے میں روایات  
میں اختلاف ہے۔

### باب ما یقال عند المیت من الکلام

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
**شرح الحدیث** حضرت ام سلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ جب تم کسی میت کے گھر جاؤ تو وہاں جا کر  
اچھی سی بات زبان سے نکالو، اس لئے کہ اس وقت وہاں پر فرشتے موجود ہوتے ہیں اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر وہ آمین  
کہتے ہیں، لہذا وہاں جا کر بہت احتیاط سے بولنا چاہیے، وہ فرماتی ہیں کہ جب میرے سابق شوہر ابو سلمہ کا انتقال  
ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں کیا پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا یہ پڑھو  
اللہم اغفر لہ واعقبنا عقبہ فی صالحۃ، اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا نعم البدل عطا فرما، وہ کہتی ہیں  
اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمایا۔  
یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اس کا سیاق کچھ اس سے مختلف ہے اور اس میں کچھ زیادتی بھی ہے، ولفظہ سمعت  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: ما من مسلم تصیبه مصیبة فیقول ما امرہ اللہ ان اللہ وانا الیہ راجعون اللہم  
اجرنی فی مصیبتی وأخلف لی خیرا منہا، الا خلف اللہ لہ خیرا منہا، قالت قلما مات ابو سلمہ قلت اے المسلمین خیر من ابی سلمہ؟  
اول بیت ہاجر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ثم انی قلتہا، اس روایت میں آگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے انکے پاس پیغام نکاح بھیجنے کا ذکر ہے،

یعنی وہ یوں فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پڑھنے کے لئے مجھے فرمایا تو میں یہ سوچتی تھی کہ  
ان سے بہتر کون ہوگا، لیکن پھر بھی میں نے اس پر پڑھا، اس روایت کا کچھ حصہ باب فی الاستسجاع میں بھی آرہا،  
والحدیث اخر جہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال الترمذی۔

## باب فی التلقین

تلقین عند الجہور مستحب ہے اور تلقین سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر۔ کلمہ کو پڑھا جائے نہ یہ کہ اس کو پڑھنے کے لئے کہا جائے، البتہ میت کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ پاس والے آپس میں یہ کہیں کہ اللہ کا نام مبارک ہے اُوہم سب اللہ کا ذکر کریں، اور ظاہر حدیث کا تقاضا وجوب تلقین ہے چنانچہ ایک جماعت وجوب ہی کی قائل ہے، بلکہ بعض مالکیہ نے تو وجوب پر اتفاق نقل کیا ہے (بذل عن القاری) و فی الدر المختار: یلقن ندبا و قبل وجوباً بذكر الشهادتين عنده من غير امره بها، ولا یلقن بعد تلمیذہ وان فعل لا ینہی عنه، و فی الجوهرة انه مشروع عند اہل السنۃ (ہامش البذل) یعنی تلقین بعد الدفن اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کرے تو اس کو منع نہ کیا جائے عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرفوعاً) من كان اخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة۔

یہ باب کی پہلی حدیث ہے اور باب کی دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً عامی ہے لقنوا موتاكم قول لا اله الا الله۔

پہلی حدیث لاکر مصنف نے اشارہ کیا تلقین کے فائدہ اور غرض کی طرف کہ مقصد یہ ہے کہ مرنے والے کا آخری کلام دنیا سے رخصت ہوتے وقت کلمہ توحید ہو اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ جب ایک مرتبہ وہ کلمہ پڑھ لے تو پھر تلقین نہ کی جائے الا یہ کہ اس کے بعد وہ کوئی دینوی کلام کرے اور دوسری حدیث میں موتی سے مراد مختصر ہے مجازاً یہ بحار مایول کے قبیل سے ہے، کذا قال الطیبی کما فی البذل، والا امام النووی فی شرح مسلم، و کذا فی مغنی المحتاج ۲۳۳ (فی فقہ الشافعی) اور بعض شافعیہ نے میت کو حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے حدیث کو تلقین بعد الدفن پر محمول کیا ہے لیکن بذل میں ہے کہ تلقین بعد الدفن امر محدث ہے سلف میں معروف نہ تھی لہذا حدیث کو اس پر محمول کرنا درست نہیں، اس پر حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے لکنہ وارد فی الروایات العدیة کما فی منتخب کنز العمال ۲۱۶، نیز علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں کے کلام میں یہ ہے کہ لا اله الا الله سے پورا کلمہ مراد ہے، قال الکرمانی: والمراد صیغہ تمجید محمد رسول اللہ زین ابن المنیر کہتے ہیں لا اله الا الله شرعاً شہادتین کا لقب ہے (عون) اور یہی اوپر در مختار سے گذرا لیکن مغنی المحتاج میں محمد رسول اللہ کی زیادتی کے مسنون ہونے اور نہ ہونے پر بحث کی ہے، ان کا میلان عدم زیادتی کی طرف ہے حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب تخميض الميت

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت دخل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم





## باب فی المیت یسجی

یعنی آدمی کے انتقال کے بعد اس پر چادر ڈھانک دینی چاہیے اس کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے ظاہر ہے کہ غسل میں تو دیر لگے گی لیکن یہ عمل اسی وقت کر دینا چاہیے، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سجد فی ثوب حبرة۔  
حبرة بروزن عسبة، اس کو وصف اور اضافت دونوں کیساتھ پڑھا گیا ہے یعنی یمنی چادر جو دھاری دار ہوتی تھی،  
حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا  
صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم، قال المنذری۔

## باب القراءة عند المیت

اقتداء یسین علی موتا کرم

یہاں پر موتی سے مراد مختصر ہے، اکثر علماء کی رائے یہی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ سورہ یسین اس کے پاس بیٹھ کر اس کی موت کے بعد پڑھی جائے جبکہ اس پر چادر ڈھکی ہوئی ہو، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یقرأ علیہ عند القبر، علماء نے اس سورہ کی قرأت کی حکمت میں لکھا ہے کہ اس وقت آدمی میں تلفظ کی تواناقت رہتی نہیں انتہائی ضعف کیوجہ سے اس وقت وہ اپنی کسی حاجت کو ظاہر نہیں کر سکتا، لیکن مومن آدمی کا قلب ایسے وقت میں بالکلیۃ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر یسین اس وقت میں اس لئے پڑھی جاتی ہے تاکہ اس کے ایمان اور قوت قلبیہ میں اضافہ ہو، اس لئے کہ اس سورہ میں شریعت کے اُتہات اصول اور وہ بڑے بڑے مسائل جن کو علماء نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا، مختلف امتوں کے احوال، تقدیر کا اثبات اور یہ کہ بندوں کے افعال کا استناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور اثبات توحید نفی شرک اور احوال قیامت، حشر و نشر کا منظر، حساب کتاب، ثواب و عقاب وغیرہ چیزیں مذکور ہیں، نیز حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے قلب ہو قلب ہے اور قلب قرآن سورہ یسین ہے لہذا اس سورت کو اس کے سامنے پڑھنے سے اس کو روحانی قوت اور تسلی ہوگی اور ایمانیات کا استحضار ہوگا (بشرطیکہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ سمجھتا ہو)

ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر پر | اور سورہ یسین کے عند القبر پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث میں ہے جس کو  
جا کر سورہ یسین پڑھنا | ابن عدی وغیرہ نے روایت کیا، من زار قبر والد یہ او احدہما فی کل جمعة فقرأ  
عندہما یسین غفر لہ بعد کل حرف ہنہا (من البذل) والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ قال المنذری

لے لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہاء نے میت کے قریب بیٹھ کر قبل الغسل تلاوت قرآن سے منع کیا ہے۔

## باب الجلوس عند المصيبة

**شرح الحدیث** یعنی موت جیسی کسی مصیبت کے وقت اگر آدمی تھوڑی دیر کے لئے سکون و وقار اور سکوت کیساتھ بیٹھ جائے جس میں آثار حزن ظاہر ہو رہے ہوں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شہید ہو جانے کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ مسجد میں بیٹھے آپ کے چہرہ انور سے آثار حزن نمایاں تھے، علامہ طبری لکھتے ہیں: یعنی آپ اپنے رنج و غم کو پی رکھا تھا تو فطری طور پر اس کا جو اثر چہرے پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہوا، علماء نے لکھا ہے کہ اس میں اعتدال کی تعلیم ہے کہ جملہ احوال میں اعتدال مسلک مستقیم ہے، لہذا اگر کسی کو کوئی عظیم مصیبت پہنچے تو اس کو چاہیے کہ نہ تو اظہار حزن میں افراط کرے نہ علم و شوق اور فزع و غیرہ جو کہ ناجائز اور ممنوع ہیں، اور نہ اس بارے میں تعریض کرے کہ بے پرواہی اور بہادری دکھائے جو علامت ہے قسوت و قلب کی، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا چاہیے، اور اس وقت آپ کے جلوس فی المسجد کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کا یہ مسجد میں بیٹھنا حسب معمول اور عادت شریفہ کے مطابق تھا، یعنی اس نیت سے نہیں تھا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لئے آئیں، لہذا یہ آپ کی مجلس مجلس ماتم و سوگ نہیں تھی۔

آگے روایت میں ہے و ذکر القصة یہ قصہ مفصلاً بخاری میں مذکور ہے فی باب من جلس عند المصيبة یعرف فیہ الحزن (بذل) جس کا مضمون یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ان تینوں حضرات کی شہادت کی اطلاع پر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے چہرہ سے حزن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور میں حجرہ کے اندر سے اپنے دروازہ کے درز میں سے دیکھ رہی تھی تو اس وقت آپ کے پاس ایک شخص آیا کہ جعفر کے گھر والے چیخ چلا رہے ہیں، آپ نے اس سے فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو، وہ گیا اور پھر آیا کہہا کہ وہ تو مان نہیں رہے ہیں، آپ نے پھر فرمایا کہ جا کر ان کو منع کر دو وہ گیا اور پھر آیا کہنے لگا یا رسول اللہ وہ تو ہماری سن نہیں رہیں، آپ نے فرمایا جا پھر ان کے منہ میں خاک ڈال دے حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے اس کو بلا کر کہا تیرا ناس ہو، نہ تجھ سے وہ کام ہو رہا ہے جو حضور فرما رہے ہیں اور نہ تو حضور ہی کو مشقت میں ڈالنے سے چھوڑ رہا ہے، مطلب یہ تھا کہ تجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کر دینا چاہیے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، میں اس کو انجام نہیں دے سکتا لہذا آپ کسی اور کو بھیج دیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب التعزية

تعزية عزائے مشتق ہے جس کے معنی صبر ہیں، لہذا تعزیت کے معنی ہوئے کسی کو عزاء یعنی صبر پر ابھارنا اور اس کی تلقین کرنا، صبر دلانا، یعنی اس کو اجر و ثواب کی دعا دینا تاکہ اس کو اس سے تسلی ہو اور صبر آجائے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه قال قال قبيص مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
يعني ميتا، فلما فرغنا الحديث۔

اس حدیث کا مضمون ہمارے یہاں باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔  
قال لم یبلغت معهم الکدی فذکر تشدید فی ذلک۔

امام ابو داؤد کی ایک خاص | امام ابو داؤد کی اس عادت شریفہ اور ادب پر ہم پہلی جگہ لکھ چکے ہیں، یہاں پر  
عامة شریفه سلوک ادب میں | علامہ شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں: وفي الکناية عن بقية  
الحديث ادب من الامام ابی داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ مع بضعة البني صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم رضي الله تعالى عنها ينبغي الاقتدار به، قال السخاوي رحمه الله تعالى في اواخره بذي الجهور في ختم سنن ابی داؤد وهو  
يعد مناقب الامام ابی داؤد بن وفور ادب به لما اورد الحديث في رواية النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابنة فاطمة  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا في الطريق، وقالت له انها كانت تعزي انا سانی ميت لهم، لم يذكر الكلام الاخير بل اشار اليه بقوله: فذكر  
تشديدا في ذلك، وهذا يذكرنا بأدب ائمة آخرين في حديث سركة المرأة المخزومية وقوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لو ان  
فاطمة بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فقد رواه ابن ماجه بسنده قال محمد بن ربح سمعت الليث بن سعد يقول:  
قذا عاذها الله ان تسرق، وكل مسلم ينبغي له ان يقول هذا، اور اس کے بعد حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام  
شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث سركة کو ذکر کیا تو انہوں نے بھی اس طرح فرمایا: فذكر عضوا شريفا من امرأة شريفة  
آپ کے والدین کا حکم اخروی | حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان و عدم ایمان کے  
بارے میں علماء کا اختلاف حضرت سہارنپوری نے بذیل میں اس جگہ اور آئندہ

”باب فی زیارة القبور“ میں اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر امہ فیکي وابکی من حوله کے تحت  
اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذیل میں بہت سی کتابوں کے حوالے اور مختصر مختصر عبارات تحریر فرمائی ہیں نیز اہل فترۃ کے بارے

لے حاشیہ بذیل میں علامہ سیوطی کی دشمنی الیہ بالحق علی صحیح مسلم بن الحجاج سے نقل کیا ہے سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں ←

میں اختلاف علماء کا ذکر فرمایا ہے جو دیکھنا چاہے اس کی طرف رجوع کرے، اور یہ احقر اپنے سبق میں یہ کہا کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق تو چاہیے جو ہو لیکن سچی بات یہ ہے آپ کے ایک امتی کے دل کی خواہش یہی ہوتی چاہیے کہ کسی طرح ان کا ایمان اور اسلام ثابت ہی ہو تو بہتر ہے، یعنی جب کبھی ان کا ذکر یا خیال آئے۔ آپ کے والدین کے بارے میں تفصیل جلد سادس برآ رہی ہے۔

### باب الصابر عند المصيبة

عن انس رضي الله تعالى عنه انه قال اتى نبي الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على امرأة تهاكي اخا-  
يعني آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک عورت پر ہوا جو اپنے بچہ پر رو رہی تھی، آپ نے اس کو صبر اور تقویٰ کی تلقین فرمائی (وہ چونکہ آپ کو اس وقت شدت رنج کی وجہ سے پہچان نہ سکی تھی اس لئے) اس نے الٹ کر جواب دیا کہ تم کو میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے، اس پر میں نے بعد میں اس سے کہا کہ اری یہ حضور تھے تو وہ فوراً آپ کے دولت کدہ پر پہنچی، راوی کہتا ہے کہ اس نے آپ کے دروازہ پر دربانوں اور چوکیداروں کو نہیں پایا، یعنی جیسا کہ دیوی امرار کے درباروں پر ہوا کرتا ہے۔ تو اس عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ نے اس کی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ یہ فرمایا، انما الصبر عند الصدمة الاولى، کہ صبر تو وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں حاصل ہو (بعد میں تو صبر سب کو آ ہی جاتا ہے)۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب في البكاء على الميت

عن اسامة بن زيد رضي الله تعالى عنهما ان ابنة لرسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
ارسلت اليه وانامحه وسعدوا حسب آبائهم-  
مضمون حدیث حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ایک صاحبزادی نے (زینب) آپ کی خدمت میں ایک قاصد کو بلانے کے لئے بھیجا، اور اس وقت آپ کے ساتھ میں اور سعد بن عبادہ اور ابی بن کعب مجلس میں بیٹھے تھے، قاصد ان کا پیام لایا کہ میرا بیٹا یا بیٹی۔ شک راوی ہے۔ کا آجری

→ سات رسائل تصنیف کئے ہیں اور انہوں نے حدیث الباب استاذت ربی تعالیٰ ان استغفر لیا قلم یا ذن لی، پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مسلم کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو جائے تو منسوخ ہے الی آخرانی الحاشیہ، نیز اس بارے میں امام برزنجی کا بہت مشہور رسالہ سداد الدین و سداد الدین فی اثبات النجاة والدعوات للوالدین ہے اس کو دیکھنا چاہیے، خاص اسی موضوع پر فضل اور مدال تصنیف

وقت ہے ہمارے پاس تشریف لے آئیے، آپ نے قاصد سے فرمایا: جا کر میرا سلام کہنا اور یہ کہدینا اللہ ما اخذ ولہ ما اعطى وکل شیء عندہ الی اجل، قاصد نے جا کر آپ کی بات پہنچا دی۔ انہوں نے دوبارہ قاصد کو آپ کی خدمت میں قسم دے کر بھیجا اس پر آپ وہاں تشریف لے گئے، اس بچہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا گیا جبکہ اس بچہ کی روح پھر دک رہی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، اس پر حضرت سعد نے آپ سے عرض کیا کہ یہ رونا کیسا ہے، آپ نے فرمایا یہ آنسو رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے قلب میں چاہتے ہیں ودیعت فرمادیتے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں میں سے اسی پر رحم فرماتے ہیں جو رحم دل ہوتا ہے، حضرت سعد یہ سمجھتے تھے کہ شاید صرف آنسوؤں سے رونا بھی ممنوع ہے اس پر آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ بکلا بکاتے ہنسی عنہ میں داخل نہیں بلکہ یہ تو پسندیدہ ہے رحمدلی کی علامت ہے، علماء نے لکھا ہے کہ کمال تو اعطاء کل ذی حق حقہ میں ہے، اور وہ جو بعض صوفیہ اور زہاد سے منقول ہے کہ جب ان کو ان کے کسی عزیز کی موت کی اطلاع کی گئی تو رضا بقضار کے طور پر ہنس دیتے، یہ کمال کی بات نہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولدت فی

اللیلۃ غلام فسمیۃ باسم ابی ابراہیم ف ذکر الحدیث۔

مضمون حدیث یہ ہے: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام اپنے باپ (جد اعلیٰ) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ آگے اس روایت میں کچھ اور ہو گا جس کو مصنف نے اختصاراً حذف کر دیا، پھر آگے حدیث میں یہ ہے کہ میں نے آپ کے اس فرزند کو جان دیتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تھا، آپ کے آنسو بہنے لگے اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور قلب غمگین ہے اور ہم زبان سے وہی کہیں گے جس قول کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ انابک یا ابراہیم لمحزونون کہ اسے ابراہیم ہمیں تیرے جانے کا غم ہے۔

یرضی یا یرضی، پہلی صورت میں ربنا فاعل ہونے کی بنا پر اور دوسری صورت میں ربنا بالنصب، حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت و وفات اور مدت عمر کا بیان کتاب الکسوف میں گذر چکا ہے اور آئندہ یہاں ”باب فی الصلاة علی الطفل کے متن میں بھی آ رہا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم واخرجه البخاری تعلیقا، قال المنذری۔

### باب فی النوح

نوح اور نیاۃ مجاہدین میں بیان کر کے رونا یا چیخ پکار کیسا تھ رونا، دونوں تفسیریں کی گئی ہیں اور دونوں ممنوع ہیں



بغیر ذکر محاسن کے آنسوؤں سے رونا ثابت ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم النائحة والمستمعة۔

یعنی نوحہ کرنے والی عورت اور اس نوحہ کو سننے والی دونوں پر اپنے لعنت فرمائی ہے، نائحة میں تار اگر تائید کے لئے ہے تو عورت کی تخصیص اسلئے ہے کہ زیادہ تر یہ نوحہ عورتوں ہی میں پایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں تار مباغہ کیلئے ہو اس صورت میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جو شخص بکثرت ایسا کرے وہی مستحق لعن ہے، اور جس سے اتفاقہ کبھی اس کا صدور ہوا ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان الميت ليعذب

ببكاء اهله عليه فذكر ذلك لعائشة رضي الله تعالى عنها فقالت وهل۔ یعنی ابن عمر۔ انما من النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم علی قبرہ

المیت یعذب بیکامراہلہ علیہ | ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کی یہ حدیث نقل کی کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب اس حدیث کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو

وہم ہوا ہے اور نقل کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور صحیحین کی روایت میں ہے اما نہ لم یكذب ولكنہ نسی ادا خطا۔ اور پھر انہوں نے اپنی طرف سے صحیح حدیث بیان کی کہ اصل حدیث تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا گدرا ایک مرتبہ ایک یہودی کی قبر پر ہوا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس صاحب قبر کو عذاب دیا جا رہا ہے یعنی اس کے کفر اور فسق کی وجہ سے۔ اور حال یہ کہ اس کے گھر والے اس پر درہے ہیں۔ یعنی پھر یہ اس قابل کہاں کہ اس کو روایا جائے۔ پھر اس کے بعد حضرت عائشہ نے ابن عمر والی حدیث کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی، ولا تزر وازرة وزر اخری۔ امام خطابی فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ بات اسی طرح ہو جس طرح حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ یہ حدیث ایک یہودی کے بارے میں اپنے فرمائی تھی، والنخب المفسر اولیٰ من المجمل، اور ہو سکتا ہے ابن عمر کی روایت بھی صحیح ہو لیکن وہ آیت کریمہ کے خلاف نہیں اور یہ اس لئے کہ اہل جاہلیت وصیت کیا کرتے تھے بیکار اور نوحہ کی اور اس صورت میں جو عذاب ہوگا اس کی وصیت کی بنا پر ہوگا جو اس نے زندگی میں کی تھی، اور علامہ سندھی۔ فتح البود و ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طرق اور متعدد صحابہ سے ثابت ہے، اور اس کے معنی بھی صحیح اور درست ہیں اس توجیہ کے بعد جو اوپر گزری لہذا اس حدیث پر انکار کی کوئی وجہ نہیں، یہی بات ملا علی قاری نے بھی لکھی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ اور متعدد روایات سے ابن عمر اور غیر ابن عمر سے ثابت ہے، لہذا حضرت عائشہ کا اعتراض اپنے اجتہاد کے اعتبار سے ہے امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تاویل جمہور نے یہی کی ہے کہ یہ وصیت پر محمول ہے کہ ایسے شخص کو عذاب ہوتا ہے اس کی وصیت کی

وجہ سے اور جس میت پر اس کے اہل بغیر اس کی وصیت کے نوحہ کریں (اور بغیر اس کی رضا مندی کے) تو اس کو عذاب نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ ولا تزروا زرة وزر اخری، اہ اس حدیث کی اور بھی توجیہات کی گئی ہیں۔ حضرت شیخ نے اوخر المسالک میں لکھا ہے کہ علامہ عینی نے اس میں علماء کے آٹھ قول لکھے ہیں، اور سیوطی نے شرح الہدور میں نوا قول، اور حضرت نے دوسری شرح حدیث سے انکے علاوہ بھی لکھے ہیں جنکا مجموعہ چودہ اقوال تک پہنچ جاتا ہے ہم ان میں سے یہاں چند لکھواتے ہیں (۱) المیت یعذب بما یخ علیہ میں بار سبب یہ نہیں ہے بلکہ حال کے لئے ہے ای یعذب فی حال بکار اہلہ علیہ مطلب یہ ہے کہ میت کو عذاب دیا جاتا ہے (کسی گناہ کی وجہ سے) اس حال میں کہ اس کے گھر والے اس پر بکار کرتے ہوئے ہوتے ہیں یعنی میت کا تو حال وہاں قبر میں یہ ہے کہ اس کے عصبیاں کی وجہ سے اس کی پٹائی ہو رہی ہے اور یہاں یہ ہو رہا ہے کہ اس کے فراق کی وجہ سے گھر والے رو رہے ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ بکار کی وجہ سے اس کو تعذیب ہوتی ہے (۲) یہ تعذیب خاص ہے کافر کیساتھ مسلم اس میں داخل نہیں (۳) یہ اس میت کے حق میں ہے جس کا معمولی اور طریق زندگی میں نوحہ ہو، امام بخاری نے بھی اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے جیسا کہ ان کی تبویب سے معلوم ہوتا ہے۔ باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعذب المیت بکار اہلہ علیہ اذا کان النوح من سنۃ (۴) یہ محمول ہے اس شخص پر جو اہلہ کی وصیت کر کے مرا ہو، جمہور نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے (۵) یہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے ترک نوح کی وصیت نہ کی ہو، اس قول کی بنا پر ترک نوح کی وصیت کرنا واجب ہوگا، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کی رائے یہی ہے (۶) مطلب یہ ہے حدیث کا کہ میت کو ان صفات اور احوال کی وجہ سے تعذیب ہوتی ہے جن صفات اور احوال کو بیان کر کے وہ روتے ہیں، کیونکہ وہ شرعاً مذموم اور ناجائز ہوتے ہیں مثلاً وہ یہ کہا کرتے تھے نوح کے وقت یا مریل النساء، یا مینتم الاولاد، یا مخرب الدور، یعنی رونے والیوں کے کلام میں جن اوصاف کی طرف اشارہ ہے جو اس میت کے اندر موجود تھے اصل عذاب تو ان صفات کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور یہ رونے والیاں جو قوف ان اوصاف مذمومہ کا مفاخر کے طور پر بیان کر رہی ہیں یعنی میت کی وہ سیادت اور شجاعت اور تمول جن کو وہ ناحق چیزوں میں استعمال کرتا تھا اور جن کی وجہ سے اس کو کبر عذاب ہو رہا ہے یہ ان ہی اوصاف کو بیان کر کے رو رہی ہیں، ورنج هذا القول الاسما علی وهو اختیار ابن حزم وطائفہ (۷) تعذیب سے مراد عذاب اخروی نہیں ہے بلکہ بلائیکہ کی توزیع اور ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ میت کے جن اوصاف کیساتھ وہ ندبہ کیا کرتے تھے مثلاً آتا ہے روایت میں کہ جب ناکھ کہتی ہے واعضداه وانا مرہاہ واکاسیاء تو فرشتہ اس میت کے چوکا مانتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے انت عضدھا انت ناصرھا انت کاسیھا، کیوں رے تو کیا ایسا ہے اور ایسا ہی ہے (۸) میت سے مراد محض مجازاً، اور تعذیب مراد تعذیب فی الدنیا یعنی اسکو گھر والوں کے

لے عورتوں کو آزمائش یعنی بیوہ بنانے والا، بچوں کو یتیم کر دینے والا، اور گھروں کو ویران کر دینے والا یعنی جس کے مرنے سے یہ مصائب پیش آئے۔

رونے کی وجہ سے الم اور تکلیف پہنچتی ہے، ان سب اقوال میں سب سے زیادہ معروف چوتھا جواب ہے اسی کو اختیار کیا ہے در مختار اور شرح اقناع میں، اور لکھا ہے کہ یہ چیز اہل جاہلیت میں معروف تھی کہ وہ بسا اوقات مرتے وقت نوحہ کی وصیت کرتے تھے، چنانچہ طرفہ بن العبد کہتا ہے۔

اذا میت فالتعنی بما انا اھلہ ۛ و شقی علی الجیب یا ابنہ متعب

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب ان کی کتب فروع سے اور جز میں نقل کئے ہیں مجموعی طور پر سبھی مذاہب میں یہ ہے کہ نفس بکار میں کوئی مضائقہ نہیں نہ قبل الموت نہ بعد الموت، البتہ نذوبہ حرام ہے یعنی محاسن میت بیان کر کے رونایا بلفظ التذاریع زیادۃ الالف والہا جیسے واسیدہ و اخلیلہ، اور لکھا ہے کہ نیاہ حرام ہے یعنی چیخنا چلانا، اور اظہار جزع و فزع، والحديث اخرجه مسلم والنسائي، قال المنذري۔

لیس منا من حلق ومن سلق ومن خرق، یعنی ہمارے طریق پر نہیں ہے وہ شخص جو مصیبت کے وقت میں حلق شعر کرائے گا ہو عادیۃ الکفار من الہنود اور جو چیخے اور چلائے اور ایسے ہی جو مصیبت کے وقت اپنے کپڑے چاک کرے والحديث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

عن امرأة من المبیعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی

المعروف الذی اخذ علینا ان لا نعصیہ فیہ ان لا نخمش وجہا ولا ندعو ویلا ولا نشق جیباً ولا ننشر شعرنا۔  
**شرح الحدیث** | اسید بن ابی اسید اس صحابیہ سے روایت کرتے ہیں جو کہ مبیعات میں سے ہیں (قال الحافظ لم اقف علی اسمہا) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن جن چیزوں پر ہم سے بیعت لی تھی اس میں جو یہ بات تھی کہ وہ عورتیں کسی نیک خصلت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی مجملہ ان نیک خصلتوں کے یہ بھی ہیں کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں گی اور اسی طرح داویلا نہیں کریں گی اور ایسے ہی گریبان چاک نہیں کریں گی اور نہ بال بکھیریں گی۔

ان مہاجر عورتوں سے آپ نے جس مضمون پر بیعت لی تھی وہ سورہ ممتحنہ کی آیت میں مذکور ہیں، یا یہا النبی اذا جاءک المؤمنات یمایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا ینینن ولا یقتلن اولادھن ولا یتینن ببہتان یضربنہ بین یدہن واسجلھن ولا یعصینک فی معروف، اس حدیث میں اس آخری جز کا ذکر ہے جس کا مصداق انہوں نے اس حدیث میں بخش وجہ اور دُعابا لویل اور شقی جیب اور نشر شعر کو قرار دیا ہے۔

اے شاعر اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے اور وصیت کر رہا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میری خبر مرگ کو اس طرح نشر کرنا جس کا میں اہل ہوں، اور میرے مرنے پر رورہ کر گریبان چاک کر لینا۔

## باب صنعة الطعام لاهل الميت

الکلام علی الحدیث شرعاً و فقہاً | یعنی میت کے گھر والوں کے لئے پہلے دن صبح اور شام کے کھانے کا انتظام کرنا اقرباء آبائید (دور کے رشتہ دار) اور جیران کے لئے مستحب ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور حدیث الباب ہی سے استدلال کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کھانے کا انتظام تین دن تک ہونا چاہیے جو کہ مدت تعزیت ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ کھانا بھیجنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ باصرار ان کو کھلائیں ایسا نہ ہو کہ فرط جزع یا شرم کی وجہ سے وہ کھانا چھوڑ دیں (بذل) حدیث الباب کا مضمون یہ ہے: حضرت جعفر بن ابی طالب جو غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تھے ان کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اصنعوا لذل جعفر طعاماً فانہ قد اتلہ امریش غلہم یعنی آل جعفر کے لئے کھانے کا انتظام کرو اس لئے کہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس نے ان کو اپنے میں مشغول کر لیا ہے اور کھانا بنانے کے لئے فارغ نہیں ہیں، اس سے مراد رنج و غم ہے، تجہیز و تکفین نہیں کیونکہ ان کی شہادت تو موتہ میں ہوئی جو ملک شام میں ہے۔ یہ کھانا جو دوسروں کی طرف سے ہوتا ہے صرف اہل میت کے لئے ہوتا ہے، عام دعوت کا کھانا نہیں ہوتا لہذا دوسرے لوگوں کو اپنے اپنے گھر کھانا چاہیے، اور ایسے ہی خود میت کے گھر والوں کی طرف سے ضیافت کا ہونا یہ تو قلب موضوع ہے اور بدعت مستقیمہ ہے قالہ ابن الہمام۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الشہید یغسل

غسل شہید کا مسئلہ تو تقریباً اتفاقی ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، اس میں حسن بصری کا اختلاف ہے وہ غسل شہید کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ لکھی ہے لان الغسل کرامۃ لبنی آدم والشہید مستحق الکرامۃ وانما لم تغسل شہداء احد تخفیفا علی الاحیاء لکون اکثرهم مجروحین فلم یقدروا علی غسلهم، اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا زملوہم بکلوہم ودمائہم فاہنم یبعثون یوم القیامۃ واوداجہم تشب دماء اللون لون الدم والریح ریح المسک الی آخرہ فی البدائع۔

البتہ صلاۃ علی الشہید کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اس کے قائل نہیں، اور حنفیہ صلاۃ علی الشہید کے قائل ہیں اور امام احمد سے ایک روایت میں تخیر ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں شہداء احد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، والصواب فی المسئلۃ انہ مخیر بین الصلاۃ علیہم وترکہما لبحی الآثار بکل واحد من الامرین، وهذا احدی الروایات عن الامام احمد (عون مختصراً) صلوۃ علی الشہید کی بحث آگے اسی باب میں آ رہی ہے۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رمی رجل بسحر في صدره او في حلقه فمات فادرج في ثيابه كما هو.  
یعنی ایک شخص کو جس کے تیر لگا تھا سینہ میں یا حلق میں جس سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی تو اس کو اسی طرح اس کے  
کپڑوں میں دفن دیا گیا، یعنی بدون غسل کے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقتل احد ان ينزع  
عنہم الحديد والجلود الخ۔

یعنی شہدار احد کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا کہ ان کے بدنوں سے ہتھیار وغیرہ اتار لئے جائیں اور ایسے ہی پوسٹین  
بھی، اور ان کو ان کے دماغ اور ثیاب میں دفن کیا جائے، یعنی زائد کپڑوں کو اتار کر باقی میں دفن دیا جائے۔ جمہور کا مسلک  
تو یہی ہے اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک سلاح تو اتارے جائیں گے لیکن زائد کپڑے پوسٹین وغیرہ  
نہیں اتارے جائیں گے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شهداء احد لم يغسلوا ولم یصل علیہم۔  
**صلوۃ علی الشہید کی بحث** | صلوۃ علی الشہید کا مسئلہ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا مختلف فیہ ہے، آگے ایک مستقل باب  
کتاب الجنائز کے اواخر میں آ رہا ہے۔ باب الصلاۃ علی القبر بعدین میں یہ  
حدیث ہے۔ عن عقبۃ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج یوماً فصلی علی اهل احد صلاۃ  
علی المیت۔ اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے۔ صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین کالمودع للاحیاء والاموات  
امام بخاری نے۔ باب الصلوۃ علی الشہید میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہی عقبۃ بن عامر والی اور دوسری حضرت جابر بن  
عبد اللہ کی، جس کے اخیر میں یہ ہے: وامر بدفنہم فی دماہم ولم یغسلوا ولم یصل علیہم، ابن قدامہ نے ان دو حدیثوں میں سے  
ایک کو اپنے مسلک کی دلیل ٹھہراتے ہوئے دوسری حدیث یعنی حدیث عقبۃ کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مخصوص ہے شہدار  
احد کے ساتھ، اس لئے کہ آپ کی یہ صلاۃ شہدار احد پر صلاۃ علی القبر تھی اور آٹھ سال کے بعد تھی، اور حنفیہ صلاۃ علی القبر

لہ قال الموفق، وینزع من ثیابه ما لم یکن من عامۃ لباس الناس من الجلود والفرار والحدید قال احمد: لا یرک علیہ فرو ولا خف ولا جلد و  
بہذا قال الشافعی والوحیفۃ، وقال مالک لا ینزع عنہ فرو ولا خف ولا محشوی عموم قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ادنؤہم بثیابہم، واما  
اخض فکان اولیٰ اھ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب تو یہی ہے کہ عام لباس کے علاوہ پوسٹین وغیرہ موزے اور  
خفین اتار دیئے جائیں۔ البتہ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے ان کے یہاں پوسٹین اور خفین یہ چیزیں نہیں اتاری جائیں گی۔ اسی  
طرح دسوقی میں بھی ہے، چنانچہ اس میں ہے مع خف وقلنسوة ومنطقة قلی ثمنہا وغائم فضۃ قلی نمہ ای قیمۃ لا بآلۃ حرب من درع وسلاح  
معلو، ہوا کہ ہتھیار وغیرہ اور زر ہیں ان کے یہاں بھی اتاری جائیں گی۔

کے قائل ہی نہیں، اور جمہور بھی ایک ماہ کے بعد صلاۃ علی القبر کے قائل نہیں، لہذا یہی کہا جائے گا کہ وہ شہدار احد کے ساتھ خاص ہے، نیز انہوں نے کہا کہ ابن عباس کی یہ حدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی قتلی احد، ضعیف اس لئے کہ اس کے راوی حسن بن عمار ہیں جو کہ ضعیف ہیں وقد انکر علیہ شعبۂ روایت هذا الحدیث اھ اور قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ صلاۃ علی الشہید بھی حسن ہے اور ترک صلاۃ بھی حسن ہے، اور انہوں نے استدلال کیا بخاری کی ان ہی دو حدیثوں سے، وقال لیس بخزان یتراک احد الاثرین المذكورین للآخر بل کلاهما حق مباح و لیس هذا مکان نسخ لان استعمالهما معا ممکن اھ وقال العینی: ذہب ابن ابی لیلیٰ والحسن بن حی وعبد اللہ بن الحسن وسلمان بن موسیٰ وسعید بن عبد العزیز والادزاعی والثوری والوصیفة والیوسف محمد واحمد فی رلیة واحاق فی رلیة الی انہ یصلی علیہ وهو قول اهل الحجاز ایضا واحتجوا فی ذلک بحدیث عقبہ عند البخاری، وقوله فیہ صلاۃ علی المیت یرد قول من قال ان الصلاۃ فیہ محمولة علی الدعار ومن قال یہ ابن حبان والبیہقی والنووی، امام نووی فرماتے ہیں کہ صلاۃ علی المیت کا مطلب یہ ہے کہ جو دعار آپ اموات کے لئے مانگتے تھے وہی دعا ان کے لئے مانگی، اور یہ مطلب نہیں کہ ان کے لئے نماز پڑھی، یہی تاویل ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے، قال العینی: وهذا عدول عن المعنی الذی یتضمنہ هذا اللفظ لاجل تمشیة مذہبہ فی ذلک، وهذا لیس بانصاف، واحتجوا فی ذلک ایضا بما رواہ ابن ماجہ بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة وحمزة وهو کما هو یفون، وهو کما هو موصوع، یعنی دس دس پر نماز پڑھی جاتی اور حمزہ پر نماز کے بعد حمزہ کا جنازہ تو وہیں رکھا رہتا باقی کو اٹھالیا جاتا، الی آخر ما فی الادجز، وفيہ ایضا: ویسط الزلیعی فی نصب الرایة، طرق الصلاۃ علی الشہدار ونخصها الحافظ فی الدرایة فارجع الیہما لو شئت۔

اس سلسلہ کی بعض روایات حافظ ابن قیم نے بھی تہذیب السنن میں ذکر کی ہیں، ومنہا: حدیث انس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ، وحدیث ابی مالک الغفاری قال کان قتلی احد یوتی ہنم بتسعة وعاشرہم حمزہ فیصلی علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم یحلمون ثم یوتی بتسعة فیصلی علیہم حمزہ مکانہ، وهذا مرسل صحیح ذکرہ البیہقی، وقال هو اصح ما فی الباب، اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ حضرت حمزہ پر سات بار نماز پڑھی گئی باقی سب پر ایک ایک بار ومنہا وقد روی ابن اسحاق عن رجل من اصحابہ عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی حمزہ فکبر سبع تکبیرات ولم یؤت بقتیل الاصلی علیہ معہ حتی صلی علیہ اثنتین وسبعین صلاۃ، ولكن هذا الحدیث لہ ثلاث علل الی آخر ما ذکر، یہ آخری روایت اس سے پہلی روایت کے بھی خلاف ہے جو کہ مرسل قوی ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مر علی حمزہ وقد مثل بہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لولا ان تعبد صلیة فی نفسها لترکته حتی تأکل العافیة حتی یحشر من بطونہا۔



## شرح الحدیث

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر ہوا اس حال میں کہ ان کے ساتھ مثلہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کی بہن صفیہ کے رنج کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو اسی حال میں یہاں چھوڑ دیتا تاکہ درند اور پرند ان کی نعش کو کھا جاتے اور پھر آخرت میں ان حیوانات کے شکم سے ان کے اجزاء کو جمع کر کے حشر کیا جاتا۔

یہ آپ نے اس لئے چاہا تاکہ ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو، اور ان کی شہادت اللہ تعالیٰ کے یہاں خوب نمایاں ہو اگے روایت میں ہے کہ چونکہ کپڑوں کی قلت تھی اور مقتولین کی کثرت اس لئے دو دو اور تین تین اموات کو ایک ایک کپڑے میں کفنایا گیا، اور پھر ان سب کو ایک ہی قبر میں دفنایا جاتا تھا، قبر میں رکھنے کے وقت آپ دریافت فرماتے کس کو قرآن زیادہ محفوظ ہے پس اسی کو قبلہ کی طرف بڑھاتے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ ثوب واحد میں دو اور تین کی تکفین کی جاتی تھی، لیکن اس صورت میں ایک کا بدن دوسرے سے مس کرے گا جو جائز نہیں، لہذا اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ مثلاً ایک بڑی چادر ہے اس کے دو یا تین ٹکڑے کر کے ہر ایک میت کو الگ الگ ٹکڑوں میں کفنایا جاتا تھا تاکہ الصاق بشرتین نہ ہو، اور یا پھر اس کو ضرورت اور مجبوری پر محمول کیا جائے (بذل) اور مظہر شارح مصابیح نے ثوب واحد کی تاویل قبر واحد سے کی ہے ممکن ہے یہ تاویل دوسری بعض روایات میں چل جائے لیکن ہماری اس روایت میں نہیں چل سکتی اس لئے کہ یہاں اس کے بعد روایت میں آرہا ہے ثم یدنون فی قبر واحد۔

حدیث الباب پر امام ترمذی کا نقد | اس کے بعد آپ یہ سمجھتے کہ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس میں اخیر میں یہ زیادتی ہے قال فدفنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولم یصل علیہم

امام ترمذی نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے اور یہ کہ اس حدیث کی سند میں اسامہ بن زید سے خطا واقع ہوئی وہ اس کو اس سند سے روایت کرنے میں متفرد ہیں، اسامہ کے علاوہ زہری کے دوسرے تلامذہ نے اس کو دوسری طرح روایت کیا ہے فروی اللیث بن سعد عن ابن شہاب عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک عن جابر بن عبد اللہ، اور اسی طرح معمر نے اس کو روایت کیا عن الزہری عن عبد اللہ بن ثعلبہ عن جابر یعنی اسامہ نے اس حدیث کو مسانید انس سے قرار دیا اور اسامہ کے علاوہ لیث بن سعد اور معمر نے مسانید جابر سے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مر بحمزة وقد مثل بہ ولم یصل علی احد من الشهداء غیرہ۔

اس روایت میں "لم یصل علی احد" کے بعد غیرہ کا لفظ ہے جس سے حضرت حمزہ کا استثناء ہو رہا ہے کہ ان پر پڑھی ان کے علاوہ کسی پر نہیں پڑھی، امام دارقطنی نے اس زیادتی پر کلام کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ورواہ عثمان بن عمر عن اسامہ عن الزہری عن انس وزاد فیہ حرفا لم یات بہ غیرہ فقال "لم یصل علی احد من الشهداء غیرہ" ولین محفوظ، لیکن حافظ منذری کو

جیسا کہ ان کے کلام کے دیکھنے سے مستفاد ہوتا ہے دارقطنی کے نقد پر الشرح نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دارقطنی کا نقد نقل کرنے کے بعد لکھ رہے ہیں فاما اسامة بن زيد فقد اُتبع به مسلم واستشهد به البخاری، واما عثمان بن عمر فقد اتفق البخاری ومسلم على الاحتجاج بحديثه، اور پھر آگے چل کر انھوں نے صلوٰۃ علی حمزہ جو طریق عثمان میں ہے اس کی تاویل بعض علماء سے یہ نقل کی ہے کہ یہ صلوٰۃ بمعنى الدعاء ہے۔

فائدة :- یہ حدیث جس میں شہداء اور حضرت حمزہ کے لئے اس کا ثبوت مذکور ہے، امام دارقطنی وغیرہ کا اس پر نقد کرنا اور حافظ منذری کا بجائے روکے اس کی تاویل کرنا کہ اس میں صلوٰۃ علی حمزہ سے دعاء مراد ہے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حضرات محدثین جو صلوٰۃ علی الشہید کے قائل نہیں ہیں انہیں بعض حضرات حمزہ کا بھی استثناء نہیں تسلیم کرتے ہیں بلکہ علی العموم نفی کے قائل ہیں، وکنت اظن قديماً ان الاختلاف انما هو في غير حمزة لاني حمزة فقه من هذا خلافة۔

حدثنا قتيبة بن سعيد ويزيد بن خالد بن موهب ان الليث حدثهم عن ابن شهاب عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك ان جابر بن عبد الله اخبره انـ

یہ وہی طریق ہے جس کو امام ترمذی نے ترجیح دی ہے طریق اسامة بن زيد پر، اور طریق اسامة کو دہم قرار دیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک ہر دو طریق درست ہیں اس لئے کہ انہوں نے حدیث دونوں طریق سے ذکر کی اور سکوت اختیار کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## باب فی سترۃ المیت عند غسلہ

اور بعض نسخوں میں، فی ستر المیت۔ ہے وهو الاوضح۔

عن علي رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: لا تبرز فخذك ولا تنظر الى فخذ حتى ولا ميت اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ستر عورت کے مسئلہ میں میت مثل حی کے ہے، لہذا غسل کے وقت ستر میت کا اہتمام واجب ہے کافی ترجمہ الباب۔ والحدیث اخرجه ابن ماجه، قاله المنذري۔

سمعت عائشة رضي الله تعالى عنها تقول: لما ارادوا غسل النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قالوا والله ما ندرى انجز رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من ثيابه كما نجز موتانا ام نغسله وعليه ثيابه۔

شرح الحدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین نے جب آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپس میں کہنے لگے اور سوچنے لگے کہ کیا آپ کے کپڑے اتار کر آپ کو غسل دیا جائے جیسا کہ ہم عام اموات کے ساتھ کرتے ہیں یا آپ کے لباس اتار سے بغیر آپ کو غسل دیا جائے، ابھی تک کوئی رائے قائم نہیں ہوئی تھی کہ یکایک ان سب پر اللہ تعالیٰ نے نوح طاری فرمادی جس کی وجہ سے ہر ایک کی ٹھوڑی

سینہ سے مل گئی، پھر حجرہ شریفہ کے ایک گوشہ سے کسی بولنے والے کی آواز آئی جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون ہے، اس نے یہ کلام کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دو، اس کے بعد پھر سب نے ایسا ہی کیا۔ فغسلوه وعليه قميصه يصبون الماء فوق القميص کہ پانی بہاتے تھے قمیص کے اوپر ہی سے اور آپ کے جسم مبارک کو اس قمیص ہی سے ملتے تھے ہاتھوں سے نہیں، اس پر بزل میں لکھا ہے ویستدل بہذا الحدیث ان المیت اذا غُسل یجب ان لا یمس عورتہ الا بلطف الثوب علی یدہ۔

کمانہ جرد موتانا: اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ بزل میں لکھا ہے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاث کے یہاں مستحب طریقہ یہی ہے کہ میت کو اس کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے میں اس کو غسل دیا جائے، اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ غسل میت اس کے سابق کپڑوں ہی میں ہونا چاہیے، اور عند الجمہور یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے۔

**صدیق اکبر نہیں قدرۃ آثار خلافت کا پایا جانا** | حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر صحابہ کو کئی مسئلوں میں الجھن پیدا ہوئی کہ اس میں کیا کیا جائے۔ اور انھیں کا پیش آنا قرین قیاس بھی تھا اس لئے کہ اصل معلم اور مفتی صحابہ کرام کے لئے سب کچھ آپ ہی تھے، اب پوچھیں تو کس سے پوچھیں، اسلئے اس پہلے مسئلہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد ہوئی، اس کے علاوہ اس کے بعد صحابہ کرام کو جس بات میں بھی تردد ہوا اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری پوری رہنمائی فرمائی جس پر صحابہ کرام کو تشفی ہوتی رہی، چنانچہ صحابہ کو آپ کی نماز جنازہ کے بارے میں بھی تردد ہوا، اور اسی طرح دفن کے بارے میں بھی تردد ہوا، جیسا کہ شمائل ترمذی کی روایت میں موجود ہے، ان سب امور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کن جواب دیا اور صحابہ کرام اس کے مطابق عمل کرتے رہے، سچ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے وہ خود بخود سامنے آجاتا ہے اور لوگوں کو اس پر اتفاق ہو جاتا ہے۔

وكانت عائشة تقول لو استقبلت من امری ما استقبلت ما غسله الانساؤۃ۔

**شرح الحدیث** | راوی کہتا ہے کہ اماں جی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرمایا کرتی تھیں کہ جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل آپ کی بیبیاں ہی دیتیں نہ کہ صحابہ، شراح نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد تعلق نکاح کا باقی رہنا ہے مدت العدت میں، یا نکاح کا منقطع نہ ہونا ازواج مطہرات کے حق میں خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے، یہ دونوں مطلب تو قریب ہی قریب ہیں، یہاں اس جملہ کے مطلب میں دو احتمال اور ہیں جو حضرت شیخ نے سبق میں بیان فرمائے تھے، اول یہ کہ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ بعض لوگ عدم غسل ازواج سے استدلال کریں گے اس پر کہ زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں تو پھر ہم ہی آپ کو غسل دیتے، دوسرا احتمال یہ فرمایا کہ حضرت عائشہ کو علم ہوا ہوگا کہ بعض علوی حضرات طعن دیتے ہیں

کہ جس طرح اباجان یعنی ابوبکر استخلاف کے مسئلہ میں پڑ گئے تھے، آپ کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر اسی طرح صاحبزادی صاحبہ (عائشہ) بھی اس میں مشغول ہوں گی، تو اس پر حضرت عائشہ فرما رہی ہیں کہ اگر یہ پہلے سے معلوم ہو جاتا تو پھر آپ کی ازواج ہی آپ کو غسل دیتیں اھ

**احد الزوجین کا آخر کو غسل دینا و مذاہب الائمہ فیہ** | اب رہا مسئلہ یہ کہ زوجین میں سے ایک دوسرے کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو دونوں طرف سے جائز ہے یعنی احد الزوجین آخر کو غسل دے سکتا ہے زوج ہو یا زوجہ، اور حنفیہ اس میں فرق کے قائل ہیں ان کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز ہے اس لئے کہ عدت میں فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، اور اس کا عکس جائز نہیں، جمہور کا استدلال غسل علی سے ہے فاطمہ کو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے انتقال کے بعد حضرت علی نے غسل دیا تھا، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ متفق علیہ امر نہیں ہے کہ فاطمہ کو علی نے غسل دیا تھا فقد قیل غسلتہا ام یمن، ولو سلم فقد انکر ابن مسعود علی علی (بذل)

مذاہب میں صحیح اسی طرح ہے اور وہ جو بذل میں شوکانی سے منقول ہے کہ امام احمد کے نزدیک زوجہ کے لئے غسل زوج جائز نہیں یہ سہو ہے، حضرت شیخ نے او جز میں حنابلہ کی کتب سے اس کا جواز ہی نقل فرمایا ہے، بلکہ او جز میں شوکانی کے نقل پر نقد بھی کیا ہے کہ یا تو وہ صحیح نہیں یا ہو سکتا ہے امام احمد کی کوئی روایت ہو، او جز میں یہ مسئلہ موطا کی اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے جس میں یہ ہے ان اسماء بنت عمیس امراة ابی بکر الصدیق غسلت ابابکر الصدیق حین توفی (او جز ص ۲۸)

والحدیث اخرج ابن ماجہ من قول عائشہ لو استقبلت الی، واخرج ابن ماجہ من حدیث بریدۃ بن الحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما اخذوا فی غسل الی، قال المنذری۔

من ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حین توفیت ابنتہ فقال اغسلنہا ثلاثا وخمساً او اکثر من ذلك ان رأیتن ذلك معاً وسدساً۔

**شرح الحدیث** | حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی (اور ان کو غسل دیا جا رہا تھا تو) حضور ہمارے پاس تشریف لائے اور غسل کے بارے میں چند ہدایات آپ نے فرمائیں کہ غسل تین بار یا پانچ بار یا اس سے زائد جیسی ضرورت سمجھیں ویسا کریں، نیز ہیری کے ہتھوں میں دین اور آخری مرتبہ پانی میں کافور ملائیں۔ اس صاحبزادی کون سی مراد ہیں؟ بذل میں زینب لکھا ہے اور شیخ کے حاشیہ بذل میں یہ ہے بسط الحافظ فی الفتح ص ۸۳۔ الکلام علی مسمی البنت ہذہ، وکذا فی الادب، والاكثر علی انها زینب، وقیل ام کلثوم و مال ابو الطیب فی شرح الترمذی الی الجمع بینہما اھ، وقال المنذری ہی زینب زوج ابی العاص ابن الزبیر وحی اکبر بنائہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہذا هو اکثر

المروی و ذکر بعض اہل السیر انہا ام کلثوم وقد ذکرہ ابو داؤد فی ما بعد فی اسنادہ مقال الصحیح الاول ان ام کلثوم توفیت  
ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غائب بیدر ۱۱۔

اغسلن امر حاضر جمع ٹونٹ کا صیغہ ہے جسکی اصل مخاطب تو ام عطیہ ہیں کیونکہ غسل میت میں یہی بڑی ماہر تھیں۔  
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں، حتیٰ کہ آگے کتاب میں آرہا ہے کہ محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی غسل  
میت کا طریقہ ام عطیہ ہی سے سیکھتے تھے، زر قانی فرماتے ہیں کہ یہ امر ام عطیہ اور جوان کے ساتھ انکی معاون تھیں انکو ہے۔  
ہماء و سدر پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے: وهل الغسلات کلہا بمار السدر او مرتین فقط کما رجہ ابن الہمام لروایۃ  
ابی داؤد الاتیۃ قریباً، او الواحدة فقط کما اختارہ شیخ الاسلام وصاحب البدائع مختلف فیہا، کما فی الشامی ۶۲۲ والکبریٰ ۵۴۵  
والبحر الرائق ص ۱۲۔

نیز یہاں ایک مسئلہ اور مختلف فیہ ہے جو کتاب الطہارۃ میں گذر چکا، یعنی طہارۃ بمار مخلوط بشی طاهر جس کے  
ائمہ ثلاث عدم جواز کے قائل ہیں اور حنفیہ جواز کے، گویا حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے اس مسئلہ میں، والبسط  
فی الاوجز (ہامش بذل) جمہور کی طرف سے اسکے جوابات باب فی تفصیل المیت میں آرہے ہیں۔

فاذا فرغتن فاذا نخی آپ نے غسل دینے والیوں سے فرمایا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو خبر دینا ہم نے  
فارغ ہونے کی خبر کی تو آپ نے اپنا تہبند ہمیں دیا اور فرمایا کہ شروع میں اس کو اس میں لپیٹنا، اور اس کو اس کا شمار  
بنانا، شمار اسی کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن کے بالوں سے لگا رہے، اور یہ اس لئے تاکہ اس کی برکت ان کو پہنچے۔

استبراک باثار الصالحین کا ثبوت واستحباب اس پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے: فیہ استبراک باثار الصالحین  
دیونیدہ ایضا حدیث البخاری فی استعداد الکفن (اوجز)

حدیث بخاری کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کی خدمت میں ایک چادر لائی آپ نے اس کو قبول فرمایا  
اور آپ کو اس کی احتیاج بھی تھی، آپ نے اس کو لنگی کی جگہ استعمال فرمایا آپ اس کو باندھ کر نکلے ہی تھے کہ ایک صحابی  
کو وہ پسند آگئی اس نے آپ سے درخواست کی کہ یہ مجھے دیدیجئے آپ نے اس کو دیدی لوگوں نے ان صحابی سے کہا کہ یہ تم  
نے اچھا نہیں کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس کی حاجت تھی پھر بھی تم نے آپ سے اس کا سوال کر لیا جبکہ  
ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے، انہوں نے جواب دیا کہ واللہ میں نے اس کو پہننے کے لئے  
نہیں لیا۔ اس کو تو میں نے اپنے کفن کے لئے لیا ہے، راوی کہتا ہے کہ پھر وہ ان کے کفن ہی میں کام آئی (اوجز ص ۲۲)  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب کیف غسل المیت

عن ام عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت وضفرتا رأسہا ثلاثہ قرون ثم القیناھا خلفھا مقدم رأسہا وقرنینھا۔

یہ حدیث بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے جو اوپر گزری تھی۔ اس میں یہ ہے ام عطیہ فرماتی ہیں ہم نے ان کے بالوں میں کنگھی کر کے ان کے بالوں کیساتھ کیا کیا جائے؟ تین حصے کر لئے اور پھر پیچھے یعنی کمر کی طرف ان کو ڈال دیا، آگے روایت میں ان بالوں کے تین حصوں کی تفسیر مذکور ہے، پیشانی کے بال اور جانبین کے دائیں جانب اور بائیں۔

عورت کے بالوں میں کنگھی کرنا اور چوٹی کی طرح اس کو بل دے کر کمر کے پیچھے ڈالنا یہ سب کچھ حنفیہ کے یہاں نہیں ہے امام شافعی و احمد اور ابن حبیب مالکی اسی کے قائل ہیں، ابن القاسم نے اس کا انکار کیا ہے (کذا فی ہامش البذل عن الابی) اور حضرت نے بزل میں لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں باب زینت سے ہیں اور یہ وقت زینت کا نہیں ہے اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ام عطیہ کا فعل ہے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں اور نہ یہ کہ آپ کو اس کا علم بھی ہوا یا نہیں، وفی الہدایۃ: ولا یسرج شعر المیت ولا یحیمہ، ولا یقص ظفرہ ولا یشعرہ لقول عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: علام تنصون میتکم؟ وفی حاشیۃ السنن للسنن من نصوت الرجل اذا مددت ناصیۃ، والاثار رواہ عبد الرزاق عن الثوری عن حماد عن ابراہیم عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا رأی امراة یکدون رأسہا بمشط فقال علام تنصون میتکم، وفیہ ایضا: وتلبس المرأة الدرع اولاً ثم یجعل شعرها ضفیرتین علی صدرہا فوق الدرع۔

عن ام عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لهن۔ فی غسل ابنتہ ابدان بسمیامنہا وواضع الوضوء منہا۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غسل دینے والیوں کو فرمایا کہ وہ ابتداء کریں میا من سے اور اعضاء وضوء سے یعنی اعضاء وضوء سے ابتداء کریں اور اس کے ساتھ ابتداء بالیمین کا بھی لحاظ رکھیں تمام غسل میں۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الکفن

فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیل لا فزجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یقبر الرجل باللیل۔  
مضمون حدیث یہ ہے: ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیا اور اس خطبہ میں آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کا ذکر



کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور جس کو گھٹیا سے کفن میں کفنایا گیا تھا اور رات میں دفن دیا گیا تھا، آپ نے اپنے اس خطبہ میں رات میں دفن کرنے پر نکر فرمائی مگر یہ کہ کوئی سخت مجبوری پیش آرہی ہو، اور فرمایا آپ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کفن لئے تو اس کو اچھے کپڑے میں کفنائے۔

اس حدیث میں دفن باللیل سے منع کیا گیا ہے، حسن بصری کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک مکروہ ہے، عند الجمہور بلا کراہت جائز ہے، آگے اس پر مستقل باب آرہا ہے باب الدفن باللیل، جمہور کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ نہی ترک صلوٰۃ کی وجہ سے ہے اولقلہ المصلین، اولاجل اسارۃ الکفن اوللجمیع۔  
والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ادرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فی ثوب حبرۃ شمر  
اخر عنہ، یہ روایت مختصر ہے آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

اذا توفي احدکم فوجد شمیثا فلیکفن فی ثوب حبرۃ۔

یعنی تم میں سے جب کسی ایسے شخص کا انتقال ہو جس کے اندر مالی گنجائش ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسکو مینے چادروں میں کفنایا جائے

عن ہشام قال اخبرنی ابی قال اخبرتنی عائشۃ قالت کفن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

فی ثلاثۃ اثواب یمانیۃ بیض لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ۔

یعنی آپ کو خالص سفید مینے تین کپڑے میں کفنایا گیا، اور اس کے بعد والی روایت میں "زاد من کوسف"

کہ وہ تینوں کپڑے سوتی تھے، قال فذکر عائشۃ قولہم فی ثوبین وبرد حبرۃ فقالت قد اتی بالبرد ولکہم  
ردۃ ولہم یکفونہ فیہ۔

یعنی حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ کو کفنایا گیا دو سفید  
کپڑوں میں اور ایک دھاری دار مینے چادر میں (اور آپ فرما رہی ہیں تین سفید کپڑوں میں)  
حضرت عائشہ کی رائے تو انہوں نے جواب دیا: بیشک دھاری دار چادر لائی گئی تھی لیکن کفننے والوں

نے اس کو واپس کر دیا تھا اس میں کفنایا نہیں تھا، اور موطا کی روایت میں ہے "کفن فی ثلاثۃ اثواب بیض بحولہ  
ضم سین کیساتھ اور اس کے اندر فتح بھی آیا ہے نسبت ہے محول کی طرف جو مینے میں ایک قریہ ہے، علامہ زرقانی نے  
ابوداؤد کی اسی روایت کے تحت جس کی حضرت عائشہ نے تردید فرمائی ہے حنفیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک  
کفن میں مستحب یہ ہے کہ اس میں ایک ثوب جبرہ یعنی مینے چادر ہو، لیکن یہ ان کی نقل صحیح نہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی  
بیاض ہی کو ترجیح ہے نفی البدائع الافضل ان یکون التکفین بالثیاب البیض لروایۃ جابر مرفوعا حب الشیاب  
الی اللہ تعالیٰ البیض فلیلبسہا احیاء وکم وکفونہا فیہا موتا کم (اوجز ص ۴۳)

## کفن الرجل کے مصداق میں ائمہ اربعہ کے مسالک

پھر جانتا چاہیے کہ اس حدیث میں یہ آیا لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ، یہ باب فی الکفن جل رہا ہے جس میں کفن الرجل کا بیان ہے اس لئے کہ باب فی کفن المرأة آگے مستقل آرہا ہے کفن رجل ائمہ ثلاث حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک تین کپڑے ہیں حنفیہ کے نزدیک قمیص ازار لفافہ، اور امام شافعی واحد کے نزدیک ثلاث لفائف، یعنی تین چادریں یہ دونوں قمیص کے تامل نہیں، اور امام مالک کے نزدیک مرد کا کفن مسنون بجائے تین کے پانچ کپڑے ہیں، حنفیہ کی طرح وہ قمیص کے قائل ہیں، اور لفافے ان کے نزدیک دو ہیں، اور پانچویں چیز عمامہ ہے۔ یعنی قمیص ازار لفافیتین عمامہ۔

## حدیث عائشہ میں سے کس کی دلیل ہے

یہ حدیث عائشہ میں ہے فی ثلاثۃ اثواب لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ، ائمہ ثلاث کے مسلک کے عدد ثلاث کے

اعتبار سے تو موافق ہے لیکن چونکہ اس میں قمیص کی نفی ہے اس لئے یہ شافعیہ حنابلہ کی دلیل ہوئی اور حنفیہ مالکیہ کے خلاف۔ حنفیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ قمیص سے مطلق قمیص کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ جدید یا مخیط کی نفی مراد ہے اس لئے کہ آگے ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے کفن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ثلاثۃ اثواب نجرانیۃ، الحکمۃ ثوبان و قمیصۃ الذی مات فیہ، لہذا اب یہ حدیث عائشہ ہمارے خلاف نہیں، اور یہ حدیث عائشہ عدد کفن کے اعتبار سے مالکیہ کے خلاف ہے، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ ان تین میں یہ دو داخل نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ہیں لہذا کل پانچ ہوئے۔

امام ترمذی نے باب قائم کیا، باب ماجاء فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور پھر اس میں یہی حدیث عائشہ فی ثلاثۃ اثواب بیض یمانیۃ لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: قال ابو عیسیٰ حدیث عائشہ حدیث حسن صحیح، وقد روی فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روایات مختلفہ، وحدیث عائشہ اصح الاحادیث الی رویت فی کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، والعمل علی ہذا عند اکثر اهل العلم، وقال سفیان الثوری: یکفن الرجل فی ثلاثۃ اثواب، ان شئت فی قمیص ولفافیتین وان شئت فی ثلاث لفائف ویکبر ثوب واحد ان لم یجدوا ثوبین، والثوبان یجزان، والثلاثۃ لمن وجدوا حب الیہم، وهو قول الشافعی واحمد واسحاق، وقالوا لکفن المرأة فی خمسۃ اثواب اور پھر آگے فرماتے ہیں فی الباب عن علی وابن عباس وعبد اللہ بن مغفل وابن عمر اہ تحفۃ الاحوذی میں حدیث علی کے بارے میں لکھا ہے: اخرجه ابن ابی شیبہ واحمد والبخاری قال کفن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سبعۃ اثواب، و فی استادہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل، وهو یؤی الحفظ لا یصلح الاحتجاج بحدیثہ اذا خالف الثقات کما هنا، کذا فی النیل اہ حضرت علی کی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کو سات کپڑوں میں کفایا گیا، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، یہ حدیث عائشہ جس کے بارے میں امام ترمذی فرما رہے ہیں: حدیث حسن صحیح، یہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے اخرجه الجماعة۔

**کفن کے تین درجات ہیں** | جانتا چاہیے کہ کفن کے تین درجات ہیں کفن السنۃ وہ جو اوپر مذکور ہوا یعنی تین کپڑے، اور کفن الکفایہ یعنی دو کپڑے، اور تیسری قسم کفن الضرورۃ، وہ صو ناوَجِدَ، یعنی مجبوری کی حالت میں جو بھی کچھ مل جائے۔

عن مقسوع بن عباس ..... وقميصه الذي مات فيه۔

یہ حدیث ابھی اوپر ہمارے کلام میں گذر چکی، ورواہ ابن ماجہ، قال المنذری، لیکن اس سے قبل باب فی ستر المیت، عند غسلہ میں جو حدیث گذری ہے اس میں یہ گزرا ہے فغسلوه وعليه قميصه يصبون المار فوق القميص الخ۔ ان دونوں میں منافات ہے کہ جس قمیص میں غسل دیا جائے اسی میں پھر کفنایا جائے نیز حدیث ابن عباس ضعیف بھی ہے، بنظر التعلیق المجذبیہ دلیل الخفیہ۔

### باب کراہیۃ المغالاة فی الکفن

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ۔ قال لا تغالی فی کفن۔

**حدیث کے ایک مشکل لفظ کی تحقیق** | لا تغالی اس لفظ کے بارے میں ہذل میں یہ ہے کہ بصیغۃ الجہول من المغالاة لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ تانیث کی کیا وجہ ہے، لا یغالی ہونا چاہیے اور ہمارے استاد مولانا سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے، لعل لا تغالی، یعنی باب تفاعل سے مصدر اور مصری نسخوں میں یہ لفظ اس طرح ہے، لا تغالی فی کفن، اس صورت میں یہ نہی کا صیغہ ہوگا برائے مخاطب مغالاة سے، اور بعض نسخوں میں ہے، لا یغالی، قال الشیخ محمد عوامہ، وهو اظهر لیکون کلاما عامنا لیس خاصا لمخاطب معین فی حق شخص معین، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں، کفن میں مغالاة نہیں ہونا چاہیے، یعنی گراں قیمت اختیار کرنا، اس لئے کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ کفن گراں قیمت نہ بناؤ اس لئے کہ وہ میت سے بہت جلد سلب کر لیا جاتا ہے، یعنی مٹی اس کو کھا جاتی ہے پھر کیا فائدہ قیمتی بنانے میں۔

عن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل یوم احد ولم

یکن له الا نمرۃ ۶۱۔

یعنی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور کفن کے لئے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ان کی ایک دھاری دار مختصر سی چادر کے جس میں ان کو کفنایا جا رہا تھا، اگر اس کو سر کی جانب کرتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں کی جانب کرتے تو سر کھل جاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اذخر کے پتے ڈال دیئے جائیں یہی ہے وہ جس کو فقہار نے کفن الضرورہ کہا ہے۔

**مصعب بن عمیر کا ذکر** | یہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا یہ واقعہ ہے قرشی میں، فضلاء صحابہ میں سے ہیں قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں، اسلام لانے سے پہلے یحییٰ بن یزید سے

ناز پروردہ تھے، نہایت خوش عیش اور خوش پوشاک، لکھا ہے کہ ان کے والدین کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی والدہ ان کو بہتر سے بہتر لباس پہنایا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ احد میں شہید، جیسا کہ اوپر روایت میں مذکور ہے، ترمذی میں ان کے بارے میں حضرت علی کی یہ روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مصعب بن عمیر سامنے آگئے جبکہ ان کے جسم پر صرف ایک چادر اور وہ بھی پیوند کا رہتی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا تو آپ روپڑے ان کی سابقہ حالت اور موجودہ حالت کا تفاوت دیکھ کر الحدیث (اسد الغابہ) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

خير الكفن الحلة، وخير الاضحية الكبش الاقرب۔

حله تو دو کپڑے ہوتے ہیں ازار و رداء حالانکہ مسنون بالاتفاق تین کپڑے ہیں، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حله کی خیریت و افضلیت ثوب واحد کے اعتبار سے ہے، نیز بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے یہ کہا ہے کہ کفن میں بہتر یہ ہے کہ وہ یمنی چادریں ہوں جو دھاری دار ہوتی ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: لیکن اصح یہ ہے کہ ابيض افضل ہے حدیث عائشہ کی وجہ سے، اس کے بعد حدیث میں ہے بہترین قربانی کا جانور سینگوں والا مینڈھل ہے، یہ لکھا ہے کہ شاید وجہ فضیلت یہ ہے کہ کبش اقرن عامۃ سمین وجسم ہوتا ہے، یا حسن صورت کے اعتبار سے فرمایا گیا کہ سینگوں والا زیادہ حسین و خوبصورت معلوم ہوتا ہے (بذل) والحدیث اخرجه ابن ماجہ مقتصر امہ علی ذکر الکفن، قال المنذری۔

## باب فی کفن المرأة

عورت کے کفن کی تفصیل عند الائمتہ الاربعہ | عورت کا کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں عند الجمهور ومنہم الائمتہ الثلاثہ وہ پانچ امام شافعی و احمد کے نزدیک یہ ہیں: ازار، قمیص، خمار، لفافۃ، اور امام مالک کے نزدیک سات ہیں ان کے نزدیک لفافۃ بجائے دو کے چار ہیں، ہمارے فقہاء نے ان پانچ کپڑوں کو اس طرح تعبیر کیا ہے ازار، قمیص، لفافہ، خمار (سر بند) اور خرقة (سینہ بند) جس کے ذریعہ اس کے ثد بین کو ڈھانپا جائے، اور خمار جو سر پر باندھا جائے اور پھر اس کے ذریعہ بالوں کو چھپایا جائے جو سینہ پر پڑے ہوتے ہیں جس کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ اولاً سر پر لفافہ بچھایا جائے اس کے اوپر ازار، اس کے اوپر خرقة، اس کے اوپر خمار اور سب سے اوپر قمیص، اولاً قمیص پہنایا جائے گا بغیر استین کا، اس کے بعد خمار سے سر کو باندھا جائے گا اور سینہ پر جو بال ہیں ان کو چھپایا جائے گا، اس کے بعد خرقة سے سینہ کو باندھا جائے گا پھر اس کے بعد ازار لپیٹا جائے گا،

پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے گا اس کے بعد دائیں جانب سے تاکہ دایاں پہلو اوپر رہے پھر اس کے بعد اسی طرح لفافہ لپیٹا جائے گا۔

عن رجل من بنی عروکہ بن مسعود یقال له داؤد - قد ولدته ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی قبیلہ بنو عروہ کا ایک شخص جن کا نام داؤد ہے جس کو ام حبیبہ نے جوایا تھا یعنی جس کی دایہ جو پیدائش کے وقت پاس ہوتی ہے وہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان تھیں، یہ شخص مذکور روایت کرتے ہیں لیلی بنت قائف سے جو کہ صحابیہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، وہ فرماتی ہیں کہ غسل کے بعد تکفین کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ آپ دروازہ پر تشریف فرما تھے کفن انے کے لئے کفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے اولاً حقہ یعنی ازار پھر قمیص پھر خمار پھر ملحفہ (لفافہ) پھر ایک اور کپڑے میں ان کو لپیٹا گیا (لفافہ ثانیہ) وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھ ام کلثوم کا کفن تھا ایک ایک کپڑا ہمیں ترتیب وار دیتے رہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تو ظاہر ہے عورت کو غسل اور تجہیز و تکفین کرتی تو ہیں عورتیں ہی، لیکن مردوں کو اپنی نگرانی میں عورتوں سے یہ سب کام کرانے چاہئیں۔

### باب فی المسک للمیت

اور امام بخاری نے باب قائم کیا، باب المحنوط للمیت، اور اس میں ابن عباس کی وہ حدیث ذکر فرمائی جس میں یہ ہے کہ حجۃ الوداع والے سال ایک صحابی عرفات میں اپنی اوشنی پر سے گر کر جاں بحق ہو گئے تھے ان کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا، ولا تحنظروہ ولا تحذرارأسہ، کہ ان کے حنوط یعنی خوشبو نہ لگانا اور نہ سر ڈھانپنا یہ شخص قیامت کے دن احرام کی حالت میں اٹھے گا۔

گویا امام بخاری نے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے میت غیر محرم کے لئے حنوط ثابت فرمایا، چنانچہ فتح الباری<sup>۱۶۲</sup> میں ہے قال البیہقی فیہ دلیل علی ان غیر المحرم یحنط کما یحذر رأسہ اھ، اور امام ابو داؤد نے حدیث الباب، اطیب طبیکم المسک، کو لا کر گویا عموم حدیث سے استدلال کیا کہ اس میں حی اور میت دونوں برابر ہیں۔

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں اختلاف علماء ذکر کی اور پھر آگے فرمایا: والعمل علی ہذا عند بعض اهل العلم وهو قول احمد واسحاق، وقد کرہ بعض اهل العلم المسک للمیت، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے: لم اقف علی وجہ الکراہۃ والحق هو الجواز اھ حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے مختلف شراح سے اس کے بارے میں

نقل کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز ہے وہیہ قال مالک والشافعی واجمداً وسحاق، وکرہہ عطاء والحسن ومجاہد، وقالوا انہ میتۃ الخ نیز شیخ نے ازالۃ الخفار ص ۹۸ سے نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے مشک کی خوشبو استعمال نہ کرنا، لا تحتطونی بمسک، قال الشیخ لعلمہ کرہ لان فیہ دلیل الابیاتۃ والحرمۃ، لیکن اسی ازالۃ الخفار میں دوسری جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر زندگی میں تو مشک کو استعمال فرماتے تھے لیکن وصیت یہ فرمائی کہ میرے بعد میرے لئے اس کو استعمال نہ کرنا، وكان الحسن یکرہہ للمیت لا للحي اہ مشک کی حقیقت چونکہ دم بخود ہے تو شاید اس وجہ سے بعض لوگوں کو مرنے کے بعد اس کے استعمال میں تردد ہو، حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو پھر اس کے حکم میں میت اور حی دونوں یکساں ہونے چاہئیں تھے کوئی اور ہی وجہ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم (ہامش بذل)

والحدیث اخر جہ مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی تعجیل الجنازۃ

ایک باب چند باب کے بعد اور آ رہا ہے۔ باب الاسراع بالجنازۃ۔ دونوں میں فرق ہے، اس باب میں تعجیل سے مراد تعجیل فی التجهیز والتکفین ہے اور آئندہ باب میں اسراع سے مراد اسراع فی الشی جیسا کہ دونوں بابوں کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ان طلحة بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مرض فأتاہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعودہ فقتال انی

لا أری طلحة الا قد حدث فیہ الموت الخ

یعنی حضرت طلحہ بن البراء جب بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے، پس مجھ کو ان کی خبر دیدینا اور جلدی کرنا، یعنی ان کی تیاری میں۔ اس لئے کہ مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان میں روکا جائے۔

**تعجیل میں مصلحت** | اس پر علامہ طبری فرماتے ہیں کہ مومن آدمی عند اللہ اور عند الناس بھی قابل اکرام اور معزز ہوتا ہے لیکن روح نکلنے کے بعد جب وہ جسم بے جان ہو جاتا ہے تو اس حیثیت سے طبائع اس سے متوحش اور متغیر ہوتی ہیں اس وقت وہ ان کی نگاہوں میں مانوس اور مرغوب فیہ نہیں رہتا، اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو جھٹ پٹ چھپا دیا جائے، سبحان اللہ! احکام شرعیہ کے مصالح دیکھئے۔

### باب فی الغسل من غسل المیت

یعنی جو شخص میت کو غسل دے تو کیا وہ خود بھی بعد میں غسل کرے؟



عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يغتسل من اربع من

الجنابة ويوم الجمعة ومن الحجامة، وغسل الميت۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ باب غسل الجمعة میں گزر چکی ہے، اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجامت کیوجہ سے غسل فرماتے تھے اور غسل میت سے بھی، لیکن حجامت کے بعد آپ کا غسل کرنا ثابت نہیں، صرف غسل محاجم ثابت ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے مصعب بن شیبہ کی وجہ سے، نیز آپ کا کسی میت کو غسل دینا بھی ثابت نہیں، اول تو یہ حدیث ضعیف ہے یا پھر اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ غسل سے مراد امر بالغسل ہے۔

**مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء** | خطابی فرماتے ہیں: میرے علم میں نہیں یہ بات کہ کسی فقیہ کے نزدیک غسل میت سے غسل واجب ہوتا ہو، اور اسی طرح نہ حمل میت سے وضو، اور ظاہر یہ ہے

کہ امر اس میں استحباب کے لئے ہے، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میت کو غسل دینے والا چھینٹ سے مامون و محفوظ نہیں ہوتا اور بسا اوقات میت کے بدن پر نجاست بھی ہوتی ہے تو اس لحاظ سے غاسل کو غسل کا حکم دیا گیا، اور وہ جو حدیث میں ہے ومن حملہ فلیتوضا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حامل میت یعنی جنازہ برداروں کو چاہیے کہ وہ پہلے سے با وضو ہیں نماز کی تیاری میں، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں اس میں تین مذاہب لکھے ہیں مطلقاً وجوب، یہ مسلک ہے ابن السیب اور ابن سیرین کا، مطلقاً عدم وجوب یہ مسلک ہے ائمہ اربعہ کا، ثبوت کافر کے غسل سے غسل کا واجب ہونا، یہ ایک روایت ہے امام احمد کی اہ چنانچہ آگے ایک مستقل باب آرہا ہے "باب الرجل يموت له قرابة مشرك" جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے موافق ابوطالب کو دفن کر کے آیا تو آپ نے مجھ کو غسل کا حکم دیا لیکن اس واقعہ میں غسل من غسل الميت الکافر نہیں ہے بلکہ غسل من دفن الميت الکافر ہے۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام احمد کے نزدیک غسل میت سے غسل سنت ہے کافی الروض المربع، اور امام مالک سے دو روایتیں ہیں وجوب اور استحباب، امام شافعی کے بھی دو قول ہیں ایک استحباب وهو القول الجدید والقیدم الوجوب، اور ایک روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ ان صحیح الحدیث لقلت بوجوبہ، اور حنفیہ کے نزدیک اصالۃً تو مستحب نہیں ہے البتہ خروجا عن الخلاف مستحب ہے، اور ترمذی میں ہے: وقد اختلف اهل العلم في الذي يغسل الميت فقال بعض اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وغيرهم اذا غسل ميتا فغسلوه وقال بعضهم عليه الوضوء وقال مالك بن انس استحباب الغسل من غسل الميت ولا اري ذلك

لہ اس لحاظ سے تعقب کیا ہے حیث قال کانہ مادی ان الشافعی فی البوطی علی القول بوجوب الحدیث والخلاف فیہ ثابت عند المالکیۃ وصار

الیہ بعض الشافعیۃ اھ من الادرز ۲۶۹۔ عہ کیونکہ بعض کے نزدیک واجب ہے ان کی رعایت میں ۲۷۰

واجبا، وھكذا قال الشافعی، وقال احمد من غسل میتا رجوان لا یجب علیہ الغسل، واما الوضوء فاقبل ما قبل فیہ، وقال اسحاق لا بد من الوضوء، وروی عن عبد اللہ بن المبارک انہ قال لا یغتسل ولا یتوضأ من غسل المیت اھ امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں بعض صحابہ کے نزدیک غسل واجب ہے جیسے ابو ہریرہ کما قبل اور بعض علماء جیسے اسحاق بن راہویہ ان کے نزدیک وضوء واجب ہے اور بعض علماء جیسے ابن المبارک ان کا مسلک مطلقاً عدم استحباب ہے لا الغسل ولا الوضوء۔

قال ابو داؤد ادخل ابوصالح یسینہ و بین ابی ہریرۃ فی هذا الحدیث یعنی اسحاق مولی زائدہ۔ مصنف یہ فرما رہے ہیں کہ اس سند میں ابوصالح نے اپنے اور ابو ہریرہ کے درمیان اسحاق مولی زائدہ کا واسطہ ذکر کیا ہے یعنی اگرچہ وہ ان کے شاگرد ہیں لیکن اسکے باوجود واسطہ ہے، اسکے بعد جانتا چاہیے کہ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اس میں ابوصالح اور ابو ہریرہ کے درمیان یہ واسطہ نہیں ہے، عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ، بسند یہ ترمذی والی سند منقطع ہوئی، اور امام شافعی کے کلام میں یہ ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک قوی اس بنا پر نہیں ہے کہ یہ حدیث اس طرح مروی ہے عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ اور بعض حفاظ نے اس سند میں ابوصالح اور ابو ہریرہ کے درمیان اسحاق کو داخل کر دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ابوصالح نے یہ حدیث ابو ہریرہ سے نہیں سنی ہے، کذا فی تہذیب السنن لابن القیم۔ حافظ ابن القیم نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

قال وحدیث مصعب فیہ خصال لیس العمل علیہ۔ و فی البذل: و فی حاشیۃ الکافور فی روایۃ ابن داسہ: حدیث مصعب ضعیف اھ اور ضعف کی وجہ خود ہی مصعب بن شبیبہ راوی ہے، اس پر کلام اور جرح کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ میں گذرا ہے، امام مسلم کے نزدیک یہ ثقہ اور قوی ہیں اور امام بخاری اور نسائی کے نزدیک ضعیف، مصنف فرما رہے ہیں کہ اس حدیث پر علماء کا عمل نہیں ہے یعنی اس حدیث کے بغض اجزاء پر کا غسل من غسل المیت ورنہ بعض تو اجماعی ہیں۔

## باب فی تقبیل المیت

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقبل عثمان

بن مظعون وھو میت حتی رأیت الدموع تسیل۔

یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رضاعی بھائی تھے ہجرت سے تیس ماہ بعد ان کا مدینہ میں انتقال ہوا وھو اول من دفن بالیقبع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کی تقبیل فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی۔ وفات

کے بعد بالکل آپ پر جھک کر آپ کی تقبیل فرمائی۔

**غسل میت کی علت میں علماء کے اقوال** | یہاں پر ایک بحث یہ ہے کہ غسل میت کی علت کیا ہے؟ فقہل تبعدی، وقیل للتطہیر من الحدث أو النجاسة، وقیل للتطہیر، کتاب الطہارة

میں یہ مسئلہ گذرا ہے کہ مار مخلوط بشی طاهر، یعنی جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو جیسے صابون استنان یا اس کے علاوہ کوئی چیز، جس کی وجہ سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہو گیا ہو اس سے ازالہ حدث جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے وھو روایۃ عن احمد کافی المغنی، حنفیہ کے دلائل میں ایک دلیل غسل میت بماء وسدر والی روایات بھی ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ مار سدر مار مخلوط ہے اور جمہور کے نزدیک اس سے تطہیر جائز نہیں اسی لئے یہ حضرات اس حدیث کی مختلف توجیہات کرتے ہیں، ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ غسل میت تنظیف کے لئے ہے تطہیر کے لئے ہے ہی نہیں، زین ابن المنیر نے یہی کہہا ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کا استعمال تمام غسلات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک مرتبہ شروع میں یا اخیر میں مار قراح (سادہ پانی) استعمال کرنا مراد ہے، ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سدر کو پانی میں ڈال کر استعمال کرنا مراد نہیں بلکہ اس کے استعمال کی ایک شکل یہ بھی تو ہے کہ پیری کے پتوں کو پانی میں تر کر کے ان سے بدن کو مل لیا جائے اور پھر بعد میں خالص پانی استعمال کیا جائے وخذ لك من التوجیہات اب اگر غسل کو تنظیف کے لئے مانا جائے تب تو تقبیل میت میں کوئی اشکال ہے نہیں اور اگر تطہیر کے لئے ہے تب اشکال ہو سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب حاشیہ لامع ۱۹۱ میں بدائع سے یہ نقل کیا ہے کہ اس میں محمد بن شجاع بلخی نے تو یہ فرمایا ہے کہ آدمی موت سے بچس نہیں ہوتا کرامۃ لہ اس لئے کہ اگر وہ بھی عام حیوانا کی طرح موت کی وجہ سے ناپاک ہو جاتا تو پھر غسل سے پاکی کا حکم نہ دیا جاتا، لیکن ہمارے اکثر مشائخ سے یہ منقول ہے کہ موت کی وجہ سے آدمی بھی ناپاک ہو جاتا ہے لما فیہ من الدم المسفوح جس طرح اور حیوانات ناپاک ہو جاتے ہیں جن میں دم مسفوح ہے لیکن فرق دیگر حیوانات اور آدمی کے درمیان یہ ہے کہ آدمی بعد الموت غسل دینے سے پاک ہو جاتا ہے کرامۃ لہ، چنانچہ امام محمد سے منقول ہے کہ میت کنوس میں واقع ہو جائے قبل الغسل تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے بخلاف بعد الغسل کے۔

## باب فی الدفن باللیل

سمعت جابر بن عبد اللہ - رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأی ناس ناراً فی المقبرة فاتواھا فاذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی القبر واذا هو یقول "ناولونی صاحبکم فاذا هو الرجل

الذی کان یرفع صوته بالذکر

ایک ذکر جہری کرینوالے کی خوش نصیبی | مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رات کے وقت لوگوں کو دور سے قبرستان میں روشنی نظر آئی لوگ وہاں پہنچے، پہنچنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس ایک قبر میں اترے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ لائے میت کو دیجئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان صحابی کو خود اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا، اور چونکہ رات کا وقت تھا اسی لئے روشنی کی ضرورت پیش آئی جس کا روایت میں ذکر ہے، راوی کہتا ہے (ہم نے جو غور سے دیکھا تو) یہ میت وہی شخص تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، راوی کے اس کلام سے استفادہ ہو رہا ہے کہ یہ صاحب ذکر جہری میں معروف تھے، اور ہو سکتا ہے ان کو یہ سعادت اسی خصلت کی وجہ سے نصیب ہوئی ہو، دفن باللیل پر کلام اور اختلاف وغیرہ ابھی قریب میں باب فی الکفن کی ایک حدیث کے ذیل میں گذر چکا۔

رات میں دفن کا قصہ چند صحابہ کے ساتھ پیش آیا چنانچہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو رات ہی میں دفنایا، اسی طرح حضرت عثمان و عائشہ کی تدفین بھی رات ہی میں ہوئی، ایسے ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین اخیر شب میں ہوئی، (ابن القیم) اور بھی اس کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کی تدفین رات میں ہوئی اور جس روایت میں دفن لیل کی ممانعت آئی ہے اس کی علت میں کہا گیا ہے کہ لڑاۃ الکفن اور ترک الصلاة علی المیت اوشفقہ علی الدافنین، حدیث الباب ہی کے قریب ترمذی کی ایک روایت میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر لیلًا فاسرج له بسراج فاخذہ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لا واثق تلاء للقرآن۔

نزولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر بعض اصحابہ للدفن | ابن القیم فرماتے ہیں: وقد نزل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی قبر ذی البجادین لیلًا اھ اور حاشیہ بذل میں ہے کہ حافظ نے اصحابہ کے اندر ذوالبجادین کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پانچ صحابہ کی قبر میں نزول ثابت ہے۔

### باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض

اسی قسم کا باب آگے بھی آرہا ہے کتاب الجنائز کے اواخر میں۔ باب فی تحویل المیت من موضعہ للامر یحدث، ظاہر یہ ہے کہ اس پہلے باب میں تحویل میت قبل الدفن مراد ہے، اور آئے والے باب میں تحویل بعد الدفن۔  
نقل میت کے بارے میں مذاہب ائمہ | تحویل میت قبل الدفن وبعده امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے کسی مصلحت کی وجہ سے کجوار الصالحین یا تقدس ارض کی وجہ سے جیسے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبض روح کا واقعہ | چنانچہ امام بخاری نے باب قائم فرمایا، باب من احب الدفن فی الارض المقدسة او کوحا۔

مکہ اور مدینہ، لیکن بشرط عدم صتک حرمتہ المیت، ولم یوجد فیہ مسلک احمد، اور حنفیہ کے نزدیک یجوز النقل قبل الدفن میلا او میلین، واما بعد الدفن فلا یجوز الا العذر شرعی، کالدفن فی الارض المغصوبہ، نیز فقہار نے لکھا ہے کہ عدم غسل یا عدم صلاۃ علی المیت کی وجہ سے نبش قبر جائز نہیں ہے اگر میت کو غیر مستقبل القبلہ دفن دیا گیا تو استقبال قبلہ کیلئے بھی نبش قبر جائز نہیں۔  
عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا حملنا القتلی یوم احد لندفنہم الخ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں بعض شہداء احد کو ان کے اعزہ بقیع میں دفن کرنے کے لئے منتقل کرنے لگے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک منادی نے آکر ندادی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ مقتولین کو ان کی شہادت گاہ ہی میں دفن کیا جائے پس ہم نے ان کو ادھر لوٹا دیا۔  
اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے نقل میت کے مسئلہ میں، شافعیہ وغیرہ جو جواز کے قائل ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حکم مختص ہے شہداء کے ساتھ، یا یہ کہ یہ حکم ابتداء تھا اس لئے کہ منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے

اور اس میں انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی قال ارسل ملک الموت الی مونی فلما جاءہ مکہ ففقا عینہ فرجع الی ربہ فقال ارسلنی الی عبد لایرید الموت فرد اللہ علیہ عینہ وقال ارجع نقل لہ لضع یہ علی متن ثور فلہ بكل ما غطت بہ یدہ لکل شجرة سنہ، قال ای رب ثم ماذا قال تم الموت، قال فالآن تسأل اللہ تعالیٰ ان یدنیہ من الارض المقدسة رمية بحجر، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فلو کنت ثم لایرید قبرہ الی جانب الطريق عند الکشیب الاحمر یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو آدمی کی صورت میں حضرت مونی علی نبینار علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجا قبض روح کیلئے (تو اس نے جا کر ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے اس کو پہنچانا نہیں) اس پر آپ نے اس کو ایک طمانچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی وہ فرشتہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور اس نے جا کر عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کر کے فرمایا کہ اب اس سے جا کر یہ کہہ کہ وہ اپنا ہاتھ پل کی پشت پر رکھے تو جتنے ہال اس کے ہاتھ کے نیچے آئینگے ہر ہال کے بقدر ایک سال کی زندگی بڑھادی جائیگی (چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس پر) حضرت مونی نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اسکے بعد پھر کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر موت آئیگی، انہوں نے عرض کیا پھر ابھی لے لیجئے اور یہ دعا فرمائی کہ ان کو بیت المقدس کے قریب کر دیں (اس وقت مونی علیہ السلام وادی تیبہ میں تھے) اتنا قریب کر دیجئے کہ اگر ان کی قبر سے کوئی پتھر پھینکنے والا ہاتھ سے پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچے، اسکے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں ان کی قبر تم کو دکھا دیتا راستہ کی جانب سرخ ریت کے ٹیلہ کے قریب، اس واقعہ پر ایک مشہور اشکال ہے کہ مونی علیہ السلام نے فرشتہ کے تعظیم کیسے مار دیا، اس کا جواب جو حاشیہ بخاری میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ فرشتہ آپ کی خدمت میں بصورت آدمی پہنچا تھا اور جاتے ہی کہہ دیا کہ میں تو قبض روح کے لئے آیا ہوں، جبکہ مونی علیہ السلام کے ذہن میں یہ تھا کہ مجھ کو موت کے وقت اختیار دیا جائے گا اس لئے وہ مجھ نہ سکے کہ یہ فرشتہ ہے اس لئے ایسا ہوا، اور بھی اس کی توجیہات کی گئی ہیں۔ بخاری کا یہ ترجمہ الباب اور یہ قصہ ہم نے یہاں اس حیثیت سے ذکر کیا ہے کہ تقدس ارض ہی ایک امر مطلوب ہے، لاسیما حیث اصل المسئلة اعنی نقل المیت۔

اپنے والد کو جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے احد سے بقیع کی طرف چھ ماہ بعد منتقل کیا تھا یہ روایت خود اگے اسی کتاب میں آ رہی ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب فی الصف علی الجنازۃ

اور بعض نسخوں میں ہے الصفوف علی الجنازۃ، مضمون حدیث یہ ہے کہ جس میت پر نماز پڑھنے والوں کی تین صفیں ہوں تو وہ شخص مستحق جنت ہو جاتا ہے۔ — اس حدیث کے راوی مالک بن عبیدہ ہیں۔ فكان مالک اذا استقل اهل الجنازۃ جزاھم ثلاثۃ صفوف للحدیث۔ یعنی حضرت مالک بن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حدیث کے پیش نظر جب دیکھتے تھے کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان کی تین صفیں بنا دیتے تھے، مثلاً اگر نماز پڑھنے والے کل چھ آدمی ہیں تو دو دو آدمیوں کی تین صفیں بنا دیتے تھے۔

صفوف جنازہ کے بارے میں امام بخاری نے باب قائم کیا ہے، من صف صفین او ثلاثۃ، اس باب کے بارے میں حضرت شیخ نے حاشیہ لامعہ میں اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ ممکن ہے امام بخاری کی غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہو جو یوں کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی تو

بس ایک صف ہونی چاہیے، چنانچہ ابن العربی نے امام مالک سے نقل کیا انہ اسحب ان یكون المصلون علی الجنازۃ سطرًا واحدًا، قال ولا اعلم لذلک وجہا اھ اور پھر آگے حضرت شیخ نے ابن قدامہ سے نقل کیا کہ مستحب یہ ہے کہ جنازہ پر تین صفیں قائم کی جائیں اسی۔ مالک بن عبیدہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، امام ترمذی نے امام احمد سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ مصلین کی اگر قلت ہو تو تین صفیں بنائی جائیں، لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اگر نماز پڑھنے والے صرف چار ہوں تو پھر کیسے کیا جائے تو فرمایا پھر اس صورت میں صرف دو صفیں بنائی جائیں فی کل صف رجلین، اور تین بنانے کی اجازت نہیں دی کہ اس صورت میں ایک صف میں صرف ایک ہی آدمی رہ جائے گا۔ والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب اتباع النساء الجنازۃ

عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: نہینا ان نتبع الجنائز ولم یُعزَمْ عَلینا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں۔ یعنی عورتوں کو منع کیا گیا ہے جنازوں کے ساتھ جانے سے لیکن سختی کے ساتھ نہیں منع کیا گیا۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ امام نووی فرماتے ہیں یعنی آپ کی جانب سے اس میں تنزیہاً منع ہے نہ کہ تحریماً،



اور پھر کہا انہوں نے ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں عند الجہور منع ہے لیکن علماء مدینہ نے اس کو جائز رکھا ہے واجازہ مالک وکرہہ للشائبة، اور حنفیہ کا مسلک در مختار میں لکھا ہے ویکرہ خروجهن تحریماً لقوله عليه الصلاة والسلام ارجعن ما زورات غير ما جورات رواه ابن ماجه بسند ضعيف، لکنہ بعضہ المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی اشارت الیہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقولہا لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رأى ما حدث النساء بعده لمنعن کما منعت نساء بنی اسرائیل، وھذا فی نساء زمانہا فما ظنک بنساء زماننا، واما ما فی الصحیحین عن ام عطیہ (یعنی حدیث الباب) فینبغی ان یختص بذلک الزمن حیث یباح لهن الخروج الی المساجد والاعیاد (ہ) (بذل) حاشیہ بذل میں ہے علامہ عینی نے کراہۃ تنزیہہ کو ترجیح دی ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم وابن ماجه، قال المنذری۔

## باب فضل الصلاة على الجنائز

من تبع جنازة فصلى عليها فله قيراط اخر۔

یعنی جس شخص نے جنازہ کے ساتھ جا کر اس پر صرف نماز پڑھی اور قبرستان تک نہیں گیا تو اس کا اجر بقدر ایک قیراط ہے، اور جو نماز پڑھنے کے بعد اس کے ساتھ قبر تک جائے اور دفن تک وہیں رہے تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے اور آپ نے فرمایا کہ ایک قیراط کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہے، ایک قیراط کی مقدار لغۃً تو نصف دانق ہے، اور دانق سدا درہم کو کہتے ہیں لہذا ایک قیراط درہم کا بارہواں حصہ ہو اگر یہاں حدیث میں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ بہت بڑی مقدار مراد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے احد پہاڑ کے برابر، و فی البذل تحت قولہ فصلی علیہا، فرجع ولم یمش معها الی القبر حتی یدفن، فی ہامشہ: وقال الطحاوی فی مشکل الآثار ان هذا الاجرمع المشی لا لجر الصلاة اخر۔ فیلیرجع الی مشکل الآثار۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

الاتسمع ما يقول ابو هريرة انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول اخر۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی ایک قیراط اور دو قیراط والی تو انہوں نے اسکی تحقیق کیلئے حضرت عائشہ کے پاس آدمی بھیجا جس پر انہوں نے ابو ہریرہ کی تصدیق کی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اور ترمذی میں اس پر یہ زیادتی ہے، فقال ابن عمر لقد فرطنا فی قرار یط کثیرۃ۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں مزید براں یہ ہے، عن سالم بن عبد اللہ قال کان ابن عمر یصلی علی الجنائز ثم ینصرف فلما بلغ حدیث ابی ہریرۃ قال قد کرہ، یعنی حضرت ابن عمر کا معمول شروع میں صرف نماز جنازہ پڑھنے کا تھا اس کے ساتھ قبرستان جانے کا نہیں تھا، جب ان کو حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث پہنچی اور پھر حضرت عائشہ نے بھی اس کی تصدیق فرمادی تو انہوں نے اپنے عمل پر اظہار افسوس فرمایا کہ ہم نے اپنے بہت سے قرار یط کا نقصان کر دیا (تختہ) یہ صحابہ کرام کے یقین کی بات ہے

یہی تو سب سے بڑی دولت تھی ان کے پاس کمال یقین کی ذخیرہ الفی فی القلوب الیقین۔  
والحدیث اخرجه مسلم بمعناه اتم منه، قال المنذری۔

ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته اربعون رجلاً

یعنی جس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے تو ان کی یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاتی ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں بیسغون ممتہ ہے، اور اس سے پہلے مالک بن سیرہ کی روایت میں ثلاثہ۔ صفوف آیا ہے جس میں نہ سو کی قید ہے نہ چالیس کی، اس اختلاف عدد کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف سوال سائلین پر محمول ہے یعنی یہ حدیثیں آپ نے سائلین کے جواب میں ارشاد فرمائیں کسی سائل نے سو کے عدد کے بارے میں سوال کیا اور کسی نے چالیس کے بارے میں، دونوں کے جواب میں آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے یعنی اس عدد کی تحدید ابتداء آپ کی جانب سے نہیں ہے ممکن ہے اگر اس سے کم کے بارے میں سوال کیا جاتا تو اس پر بھی آپ یہی فرماتے دنی ہامش البذل: وجع بینہما ای بین الممتہ والاربعمین الطحاوی فی مشکل الآثار علیہ۔  
بجملہ اربعین، علی آخر الزمان اھ ان شئت التفصیل فارجع الیہ۔  
والحدیث اخرجه مسلم اتم منه، واخرجه ابن ماجہ بخو، قال المنذری۔

## باب فی اتباع المیت بالنار

لا تتبع الجنازة بصوت ولا نار ولا یشتی بین یدیهما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے اس کے ساتھ نہ آواز ہونی چاہیے اور نہ آگ۔ آواز سے مراد نام ہے کہ بکار کی وجہ سے ہو یا ذکر و تلاوت کی وجہ سے، اور آگ سے مراد دھونی کی آگ ہے، قبر کو دھونی دینے کے لئے جیسا کہ اہل کتاب کیا کرتے تھے، اور منہ دو وجہ سے ہے لاجل التفاؤل وھولان النار آلہ العذاب اور مخالفت اہل کتاب، اور اگر روشنی کے لئے آگ ساتھ لی جائے اس میں کچھ مضائقہ نہیں، وہ تو ثابت ہے ابھی قریب میں حدیث گزری ہے، اور آگے اس روایت میں ہے کہ جنازہ سے آگ نہ چلا جائے اس پر آگے مستقل باب آ رہا ہے۔

## باب القیام للجنازة

اذا رايتم جنازة فقوموا لها حتى تغلظكم او توضع۔

یہاں پر دو مسئلے ہیں اور دونوں سے متعلق جو حدیثیں ہیں ان دونوں کو مصنف نے اسی باب میں ذکر فرمایا ہے

ان میں ایک مسئلہ تو وہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، دوسرا مسئلہ وہ ہے جو باب کی آخری حدیث میں ہے۔ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقوم فی الجنائزۃ حتی توضع فی اللحد فمر بہ حبر من الیہود فقال هكذا ففعل فجلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال اجلسوا خالفوہم، اسی لئے امام ترمذی نے دو باب الگ الگ قائم کئے ہیں۔ باب ماجاء فی المجلس قبل ان توضع اور دوسرا باب ماجاء فی القیام للجنائزۃ، ابوداؤد کی آخری حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے یہ وہی مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب اول میں بیان کیا ہے، اور باب کی پہلی حدیث جو ہم نے شروع میں نقل کی اس میں وہ مسئلہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ثانی میں ذکر فرمایا، مگر امام ابوداؤد نے دونوں قسم کی حدیثوں کو ایک ہی ترجمۃ الباب کے تحت ذکر فرمایا پھر دوسرا باب کے بعد امام ترمذی نے ایک تیسرا باب قائم کیا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

(مہتمم مسلمان) **المسئلۃ الاولیٰ** | باب کی اس پہلی حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ جس شخص کے قریب میں جنازہ گذرے اس کو چاہیے کہ اس کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے، یعنی یہ نہیں کہ اپنے کام میں اسی طرح مشغول رہے اور جنازہ گذرنے کی کوئی پرواہ نہ کرنے کیونکہ حدیث میں ہے ان الموت فزع جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث میں ہے، جس کا مضمون یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک جنازہ ہمارے قریب کو گذرا تو آپ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تاکہ اس کے اٹھانے میں شریک ہوں تو معلوم ہوا وہ یہودی کا جنازہ ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا: ان الموت فزع فاذا راہ یتیم جنازۃ فقوموا، کہ موت گھبراہٹ کی چیز ہے۔ یعنی دوسرے کے جنازہ کو دیکھ کر اپنی موت یاد آنی چاہیے اور فرمایا کہ جب تم جنازہ کو دیکھا کرو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

لیکن یہ حدیث عند الجمہور منسوخ ہے، البتہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن حبیب مالکی اور بعض شافعیہ جس میں امام نووی بھی ہیں، ان حضرات کے نزدیک مرد و جنازہ کے وقت قیام مستحب ہے، عند الجمہور یہ منسوخ ہے، چنانچہ اس باب کی چوتھی حدیث میں آرہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے قام فی الجنائزۃ شعر قد بعد کہ آپ شروع میں تو کھڑے ہوتے تھے بعد میں چھوڑ دیا تھا کھڑا ہونا، جمہور کا مسلک یہی ہے وہ اس میں نسخ کے قائل ہیں اور فریق مخالف جو استحباب قیام کا قائل ہے حنابلہ وغیرہ انہوں نے اس دوسری حدیث کو یعنی نفی کی حدیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے، یعنی آپ کبھی قیام نہیں کرتے تھے بیان جواز کے لئے، چنانچہ امام ترمذی نے باب ماجاء فی القیام للجنائزۃ کے بعد دوسرا باب باب الرخصۃ فی ترک القیام لہا قائم کیا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث علی کے بعد: والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم، قال الشافعی: و ہذا الصحیح شی فی ہذا الباب، و ہذا الحدیث

ناسخ للحديث الاول (اذا رايتهم يجنازة فتوما) وقال احمد ان شارقا قال وان شارق لم يعم، وهكذا قال اسحاق بن ابراهيم اه وفي تحفة الاحوذى  
ف عند احمد حديث علي بن ابيس بناسخ للحديث الاول. پھر انہوں نے حازی سے بیان مذاہب کے ذیل میں نقل کیا: وقال  
احمد بن حنبل ان قام لم اعبه، وان تعد فلایأس به وبه قال اسحاق المختلطی، وقال اکثر اهل العلم لیس علی احد القيام للجنازة الى اخر  
ما ذکر، امام ترمذی اور حازی کے کلام سے معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں تحجیر ہے، ہم نے اوپر انکا مسلک استحباب قلم  
لکھا ہے، ذکرہ شیخ فی البذل عن الشوکانی اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے: هذا القيام منسوخ عند الائمة الاربعة  
وما حکى اهل الشروح عن الامام احمد انه لیس بمنسوخ عنده یا باه کتب فروعه نعم یندب عند ابن حزم وغیره، قلت، نعم النودی کما سبق۔  
**المسئلة الثانية** | اور دوسرے مسئلہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس جنازہ کے ساتھ جاتے تھے تو  
قبرستان پہنچ کر بیٹھتے نہیں تھے حتیٰ توضع فی اللحد جب تک میت کو قبر میں نہ رکھ دیا  
جاتا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ علماء یہودی میں سے ایک شخص گذر رہا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر کہا ہکذا انفعّل کہ ہاں  
آپ ٹھیک کر رہے ہیں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا اور فرمایا، اجلسوا  
خالصوہم یعنی وضع فی اللحد سے پہلے بیٹھ جایا کرو۔

اس مسئلہ کے جمہور بھی قائل ہیں کہ وضع فی اللحد سے پہلے جلوس میں کوئی حرج نہیں ہے بیٹھ سکتے ہیں، البتہ  
وضع عن اعناق الرجال سے قبل جلوس مکروہ ہے عند الجمہور خلافا للما لکیۃ فیجوز عند ہم، ان دونوں مسئلوں کو الگ  
الگ اسی طرح سمجھنا چاہیے، بسا اوقات ان دونوں کے سمجھنے میں بلکہ بیان کرنے میں بھی جیسا کہ آپ دیکھیں گے غلط ہو جاتا ہے  
حدثنا احمد بن یونس بن یونس، وفیہ۔ قال ابو داؤد: ردی الثوری هذا الحديث عن سهیل بن ابیہ  
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال فیہ: حتی توضع بالارض، ورواہ ابو معاویۃ عن سهیل، قال:  
حتى توضع فی اللحد، وسفیان احفظ من ابی معاویۃ۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو سهیل سے روایت کرنے والے تین ہیں، اول زہیر بن کی روایت شروع میں  
ہے، دوسرے ثوری، تیسرے ابو معاویہ، زہیر کی روایت میں تو حتی توضع مطلقاً ہے اور ثوری کی روایت میں  
حتى توضع بالارض ہے اور ابو معاویہ کی روایت میں حتی توضع فی اللحد ہے، مصنف فرما رہے ہیں کہ سفیان  
احفظ ہیں ابو معاویہ سے لہذا حتی توضع بالارض اصح ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اب اس باب کی جملہ روایا  
پر مشترک طور پر کلام آگیا، ان احادیث کی تخریج اس طرح ہے، حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری  
ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی من حدیث ابی سلمہ بن  
عبد الرحمن بن عوف عن ابی سعید بخوہ، اخرجہ مسلم من حدیث ابی صالح السمان عن ابی سعید

وحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی ولبس فی حدیثہم، فلما ذهبنا لنخل،  
وحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ۔  
وحدیث عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب الركوب فی الجنازة

جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا بلا عذر کے خلاف اولیٰ ہے اور واپسی کے وقت سوار ہونے میں کچھ حرج نہیں،  
شافعیہ کے یہاں کراہت کی تصریح ہے وہی مغنی المحتاج ص ۲۵۱ دلائل بالركوب فی الرجوع ہنالانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
رکب فرسامعروذ الماربع من جنازة ابی الدرداح رواہ مسلم من حدیث جابر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامانی الذہاب فتقدم  
انہ یکرہ الا لعذر کبعد المكان او ضعف اہ وھکذا قال النووی۔

عن ثوبان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُتی بدابة وهو مع الجنازة فابی ان یرکب فلما  
انصرف اُتی بدابة فركب اخ۔

یعنی آپ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لیجا رہے تھے لوگوں نے سواری پیش کی آپ نے رکوب سے انکار فرمایا، اور  
واپسی میں جب سواری پیش کی گئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے، کسی صحابی کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ جنازہ کے ساتھ ملائکہ  
پیدل چل رہے تھے اس لئے میں نے اس وقت رکوب کو مناسب نہ سمجھا، اب جبکہ وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔  
اور باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابن الدرداح پر نماز جنازہ پڑھی  
(وینقال: ابوالدرداح) پھر گھوڑا لایا گیا آپ اس پر سوار ہو گئے، جو آپ کو لے کر دوڑ پڑا، اور ہم آپ کے پیچھے پیدل دوڑتے تھے۔  
یہ آپ کا سوار ہونا واپسی ہی میں تھا۔ ابو داؤد کی روایت تو گو اس سے ساکت ہے لیکن ترمذی کی روایت میں رجوع  
کی تصریح ہے، لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہ سمجھا جائے۔

حدیث الباب سے کراہت رکوب خلف الجنازہ کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے  
جو آئندہ باب میں آرہی ہے، میغرہ بن شعبہ کی حدیث: «الراکب یسیر خلف الجنازة والماشی یشی خلفھا واما مہا، الحدیث۔  
کیونکہ اس سے رکوب خلف الجنازہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے اس کے بدل میں علامہ شوکانی سے دو جواب نقل کئے  
ہیں، اولیٰ یہ کہ یہ دوسری حدیث عدم کراہت پر دال نہیں ہے زائد سے زائد جواز پر دلالت کرتی ہے، پس ہو سکتا ہے  
کہ رکوب جائز مع الکراہۃ ہو، اور یا یہ کہا جائے کہ آپ نے جس رکوب پر نگیہ فرمائی ہے وہ مشی ملائکہ کے ساتھ معلیٰ ہے  
اور ملائکہ کی یہ مشی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں تھی، پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملائکہ کی معیت  
اور شرکت ہر جنازہ میں ہو اھ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میغرہ معذور کے حق میں ہے، اور حدیث الباب غیر معذور کے حق میں۔

حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البزار.

وحدیث جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری

## باب المشی امام الجنائزۃ

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | اس میں علماء کے پانچ مذاہب ہیں امام اشاعری کے نزدیک مشی امام الجنائزہ مطلقاً مستحب ہے، اور امام مالک و احمد کے نزدیک راکب اور ماشی میں فرق ہے، راکب کے لئے پیچھے چلنا افضل ہے اور ماشی کے لئے آگے چلنا، اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک التحییر بلا ترجیح، یعنی دونوں برابر ہیں، والیہ میل البخاری، اور پانچواں مذہب یہ ہے ان کا مع الجنائزۃ سارفاً لا فضل امامہا والا فخلفہا (ہا مشی البذل) یہ پانچواں مذہب براہیم غنی کا ہے کافی الادجز، یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے اور جواز میں کوئی کلام نہیں فجوز فی الجہات الاربع بالاتفاق کافی التعلیق المجد، حنفیہ کی دلیل ایک تو وہ ہے جو ہمارے یہاں باب اتباع المیت بالنار میں گذر گئی جس میں ہے ولا یمشی بین یدیهما اور ایک وہ ہے جو آئندہ باب کے آخر میں آ رہی ہے الجنائزۃ متوعدہ ولا تتبع لیس معہا من تقدّمہا، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ابو ماجہ راوی کی وجہ سے، قال ابو داؤد ابو ماجہ هذا لا یعرف، اور شافعیہ کی دلیل باب کی پہلی حدیث سے، عن سالم عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وابا بکر وعمر یمشون امام الجنائزۃ، لیکن مصنف عبد الرزاق میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور سلام کے بعد ان سے یہ سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے تو اس پر وہ ترش رو ہوئے اور فرمایا: سبحان اللہ! تم جیسا آدمی یہ سوال کرتا ہے، اور پھر فرمایا ————— قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کی فضیلت آگے چلنے والے پر ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل پر، اس پر حضرت ابوسعید خدری نے عرض کیا کہ میں نے تو حضرت ابوبکر و عمر و فلان انصاری کے جنازہ کے ساتھ آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا، اس پر حضرت علیؓ مسکرائے اور فرمایا کہ کیا واقعی ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے تم نے ان کو؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ پیچھے چلنے کی فضیلت اسی طرح جانتے تھے جو میں نے بیان کی، لیکن بات یہ ہے کہ اگر وہ جنازہ کے پیچھے چلیں گے تو جنازہ لے جانے والے تنگی میں پڑ جائیں گے ان کے ادب اور احترام میں اس لئے وہ آگے چلتے تھے لوگوں کی سہولت کی رعایت میں اھ مختصراً (مصنف عبد الرزاق ص ۲۴۷) بذل الحمد میں یہ روایت مختصر ابدال کے حوالہ سے بھی لکھی ہے۔

وحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔



الراكب يسير خلف الجنازة والماشي يمشي خلفها وامامها وعن يمينها وعن يسارها قريب منها والسقط يصلي عليه ويضع يده بالمغضرة والرحمة،

**صلوة على الطفل میں مذاہب ائمہ** | مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ترمذی شریف میں لفظی تغیر کیساتھ

اس طرح ہے: الراكب خلف الجنازة والماشي حيث شاء منها، والطفل يصلي عليه قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح، امام ترمذی نے اس حدیث کو ما جار فی الصلوة علی الاطفال میں ذکر کیا ہے، اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ بیان کیا کہ انکے نزدیک طفل پر نماز پڑھی جائے گی اگرچہ پیدائش کے وقت استہلال یعنی آثار حیات نہ پائے گئے ہوں، بعد ان یعلم انه خلق یعنی بشر طیکہ نفخ روح اس میں ہو چکا ہو جس کی مدت علمائے چار ماہ دس دن لکھی ہے اس کے بعد امام ترمذی نے دوسرا باب قائم کیا، باب فی ترک الصلوة علی الطفل حتی يستهل، اور پھر اس کے تحت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی: الطفل لا یصلی علیہ ولا یرث ولا یورث حتی يستهل، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کی سند میں اضطراب بیان کر کے اس کے وقف کو رفع پر ترجیح دی ہے، لیکن جمہور علماء اور بقیہ ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے، قال السندی: اخذ الجمهور بحديث جابر ترجیحاً للحرمۃ علی الحل عند التعارض اس مسئلہ کی طرف ہمارے یہاں اشارہ کتاب الفرائض میں "اذا استحل المولود وورث" حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ..... و حدیث ابن ماجہ مختصر قالہ المنذری۔

## باب الاسراع بالجنازة

اور اس سے پہلے "باب تعجیل الجنازة" گذر چکا اور ان دونوں میں فرق بھی، قال الحافظ: المراد بالاسراع ما فوق المشی المعتاد ویکرہ الاسراع الشدید اھ عون۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ امر بالاتفاق استحباب کیلئے ہے، اور ابن حزم کے نزدیک وجوب کے لئے، قال صاحب البدایہ: ویمشون بہا مسرعین دون الخنب اھ بذل، چنانچہ آگے ابن مسعود کی حدیث مرفوعہ میں آ رہا ہے: فقال: ما دون الخنب، اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اسراع سے مراد اسراع فی التجهیز ہے قال القسطلی والاول اظہر، وقال النووی: الثاني باطل مردود بقولہ فی الحدیث: تضرعون عن رقایم (بذل) اور مصنف کے نزدیک تو گویا یہ متعین ہے کہ ان احادیث میں اسراع سے مراد اسراع فی المشی ہے جیسا کہ احادیث الباب سے ظاہر ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ اسراع فی التجهیز کا باب اس سے پہلے "باب تعجیل الجنازة" میں گذر چکا۔

آگے اس حدیث میں اسراع کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ میت نیک اور صالح آدمی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے وہاں عالم آخرت میں خیر و خوبی ہے تو اس کا تعاضل ہی ہے کہ اس کو خیر کی طرف جلدی پہنچایا جائے اور اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو پھر وہ شر ہے جس کو اپنے کندھوں سے جلد اتارنا ہی بہتر ہے۔

وکنانمشى مشيا خفيفا فلحقنا ابو بكرة. رضى الله تعالى عنه. ترفع سوطه  
یعنی ہم جنازہ میں آہستہ چل رہے تھے تو پیچھے سے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کوڑا اٹھائے ہمارے  
پیچھے دوڑے، تنبیہ کیلئے، اور فرمایا کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے  
تو خوب تیز چلتے تھے۔

وحدیث ابی بکرۃ اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

والجنازة متبوعة ليس معها من تقدمها۔ اس حدیث پر کلام ہمارے یہاں پہلے گزر چکا، اخرجه الترمذی وابن  
ماجرہ، وحدیث ابن ماجہ مختصر، قالہ المنذری۔

## باب الامام یصلی علی من قتل نفسه

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | یعنی جو شخص خودکشی کر کے مرا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی یا نہیں؟  
جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک پڑھی جائے گی، امام مالک کی ایک  
روایت کراہت کی ہے اور امام احمد کی ایک روایت اہل علم و فضل کیلئے کراہت کی ہے یعنی صرف عوام کو پڑھنی چاہیئے،  
اور بعض علماء جیسے امام اوزاعی اور عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ مطلق صلوٰۃ کے قائل نہیں، حضرت نے بذل میں  
یہی تحریر فرمایا ہے کہ کبار ائمہ اور علماء کو نہ پڑھنی چاہیئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گو بنفس نفیس اس پر  
نماز نہیں پڑھی لیکن دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں فرمایا، چنانچہ یہاں روایت میں ہے قتال اذا لا اصلی علیہ  
اور نسائی کی روایت میں ہے اما انا فلا اصلی علیہ۔

حدثني جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال مرض رجل فصيح عليه فجاء جارة الى رسول الله صلى الله تعالى  
عليه وسلم فقال انه قد مات قال وما يدريك؟ قال انا رأيتہ قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انه لم يموت۔  
مضمون حدیث | یہ ہے کہ حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مریض تھا اس پر  
رودیا اور چیخا جانے لگا، اس کا جو ایک پڑوسی تھا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی خدمت میں پہنچا اور آپ کو اس کے مرنے کی خبر دی، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ مر گیا، اس نے کہا کہ میں تو ایسا ہی  
سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا وہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص آپ کے پاس سے لوٹ آیا، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ رونے کی آواز سنائی  
دی، وہ شخص پھر آپ کے پاس آیا یہی کہتے کہتے کہ وہ مر گیا، آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں مرا، یہ شخص لوٹ آیا اس کے بعد  
پھر رونے اور چیخنے کی آواز سنائی دی، تو اس مریض کی بیوی نے اس پڑوسی سے کہا کہ حضور کو جا کر اطلاع کر دے  
تو اس پڑوسی نے اولاً تو اس مرنے والے کو بد دعا دی اللهم العنه پھر وہ پڑوسی اس مرنے والے کے گھر گیا اور اس کو

جا کر دیکھا کہ اس نے خود کشتی کی ہے تیر کے دھار دار حصہ سے، اس کے بعد وہ پڑوسی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس کے ہلاک ہوجانے کی خبر دی، اور آپ کے سوال پر اس نے عرض کیا کہ میں نے خود دیکھا ہے اس کی خود کشتی کو، آپ نے تاکید اس سے پھر دریافت کیا کہ کیا تو نے ایسا دیکھا ہے اس نے کہا ہاں، اس پر آپ نے فرمایا ایسی صورت میں اس کی نماز ہمیں پڑھوں گا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً بمعناه۔

## باب الصلاة على من قتلة الحدود

یعنی جو شخص حد شرعی میں مارا جائے اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک ہوگی اور زہری کے نزدیک مرجوم کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قصاص کی صورت میں پڑھی جائے گی، اور امام مالک و احمد سے یہ مردی ہے کہ امام خود نماز نہ پڑھے اس کی؛ البتہ حنفیہ کا مذہب قطاع الطريق اور بغاۃ کے بارے میں یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ مطلقاً نہ پڑھی جائے۔ عن ابی ہریرۃ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یصل علی ماعز بن مالک ولم ینہ عن الصلاة علیہ۔

ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے رجم کا قصہ مشہور ہے ان کی نماز جنازہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں اثبات ہے بعض میں نفی، نفی تو حدیث الباب میں ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے بروایت جابر: فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر اوصی علیہ۔ قال البخاری: لم یقل یونس وابن جریج عن الزہری: فصلی علیہ اور مسلم کی روایت میں ہے: "فما استغفر لہ ولا سبہ" اور اسی کی ایک روایت میں ہے: "قال استغفر الماعز بن مالک فقالوا غفر اللہ لناعز بن مالک، حافظ نے فتح الباری میں جمع بین الروایتین اس طرح کیا ہے کہ آپ نے پہلے دن ان پر نماز نہیں پڑھی اور دوسرے دن پڑھی جیسا کہ سنن ابی قرہ میں ہے، اس میں ہے فقیل یا رسول اللہ فصلی علیہ؟ قال: لا، قال فلما کان من الغد قال صلوا علی صاحبکم فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس وقیل المراد بالصلاة الدعاء فائدہ: ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے کے بارے میں تو روایات مختلف ہیں، لیکن امرأۃ غابدیہ، جہنمیہ جس پر مستقل باب کتاب الحدود میں آئے گا، اس پر نماز پڑھنے کے بارے میں سب روایات متفق ہیں کہ آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اس فرق کی وجہ یہ ہے؛ اس پر امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ امرأۃ جہنمیہ اپنے اوپر حد جاری کرنے کے قصد سے آئی تھی، ان کی روایت میں تصریح ہے کہ مجھے اپنے اوپر حد جاری

لہ یہ ترجمہ مشقص کا ہے جس کو پیکان بھی کہتے ہیں، تیر کی نوک۔

کرانی ہے اس گناہ کی وجہ سے، بخلاف حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ انکے بارے میں یہ آتا ہے کہ ان سے جب اس گناہ کا صدور ہوا اور انہوں نے اس کا ذکر اپنے بعض لوگوں سے کیا تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ تم اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کرو پس وہ آپ کی خدمت میں اس نیت سے گئے تھے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم توبہ واستغفار کا طریقہ بتلادیں گے، لیکن جب باقاعدہ ان کے اقرار کی وجہ سے زنا کا ثبوت شرعی ہو گیا اور آپ نے رحم کا فیصلہ فرمادیا اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا تو وہ کہنے لگے غرتی قوی، کہ مجھے مشورہ دینے والوں نے غلط مشورہ دیا وغیرہ وغیرہ، امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس صورت میں ان کی توبہ کا تحقق نہیں ہوا، یہی سبب ہوا دونوں کے بارے میں اختلاف روایت کا۔

## باب الصلاة على الطفل

نوملود کی نماز جنازہ کس صورت میں پڑھی جاتی ہے اور کس میں نہیں یہ مسئلہ بالتفصیل مع اختلاف ائمہ اس سے قبل باب المشی امام الجنازة میں السقط یصلی علیہ کے تحت گزر چکا۔

آپ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نماز پڑھی یا نہیں؟ اس باب میں تو مصنف نے صرف ایک ہی مضمون کی حدیث ذکر کی ہے یعنی حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت مات ابراهيم ابن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهو ابن ثمانية عشر شهرا فلم يصل عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

اس کے بعد مصنف نے دو روایتیں اور ذکر کیں: سمعت البهي قال: لما مات ابراهيم ابن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم صلى عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في المقاعد، اور دوسری روایت یہ:

عن عطاء ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم صلى على ابنه ابراهيم وهو ابن سبعين ليلة، ان روایات میں باب کی حدیث اول یعنی حدیث عائشہ جو کہ موصو لا ہے اس میں نماز کی نفی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ پر نماز

نہیں پڑھی اور بعد کی دو روایتیں یعنی مرسل نہیں اور مرسل عطار ان دونوں میں صلاۃ کا اثبات ہے کہ آپ نے ان پر نماز پڑھی، علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اثبات صلاۃ کے بارے میں متعدد احادیث مسندہ و مرسلہ بیان کی ہیں،

وہ فرماتے ہیں: فیہ احادیث مسندہ و احادیث مرسلہ، فالسندۃ عن ابن عباس، والبرابر بن عازب والنس والخدری، اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کو بسندہ ذکر کیا، چنانچہ ابن عباس کی روایت کو ابن ماجہ سے، اور حدیث البرابر کو مسند احمد

اور بیہقی سے، اور حدیث النس کو مسند ابویعلیٰ سے، اور حدیث ابو سعید خدری کو مسند بزار سے، اور روایات مرسلہ

کے ذیل میں شروع میں یہ ابو داؤد کی دو سرسل روایتیں ذکر کی ہیں اور پھر آگے لکھا ہے: ورواھا البیہقی وقال ہذہ الآثار مرسلۃ وھی تشدد الموصول، وروایات الاثبات اولیٰ من روایات الترحک، اس کے علاوہ اور بھی روایات مرسلہ انہوں نے ذکر کی ہیں، اس کے بعد احادیث الترحک میں ابو داؤد کی حدیث عائشہ ذکر کی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ ذکر الخطابی مرسل عطار وقال ہذا اولیٰ الامرین وان کان حدیث عائشہ احسن ایصالاۃ امام بیہقی، خطابی اور امام زیلعی ان حضرات کا میلان ترجیح اثبات کی طرف ہے، اس کے بعد علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ترک صلاۃ کو تسلیم کرتے ہیں انہوں نے اس کی بعض علل ضعیفہ بیان کی ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس روز صلوۃ الکسوف میں مشغول تھے، اور ایک یہ کہ وہ نبوۃ نبی (نبی کا صاحبزادہ ہونا) کی فضیلت کی وجہ سے نماز سے مستغنی تھے جس طرح شہداء فضیلت شہادۃ کی وجہ سے مستغنی ہوتے ہیں، اور یہ کہ نبی نبی پر نماز نہیں پڑھتا چونکہ ان کے بارے میں یہ آیا ہے: "لو عاش لکان نبیا" اور یہ کہ مراد یہ ہے کہ انہ لم یصل علیہ بنفسہ وصلی علیہ غیرہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (زیلعی ص ۲۸)

**حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر میں اختلاف روایات**  
 دوسری بات احادیث الباب میں حضرت ابراہیم کی مدۃ العمر کے بارے میں ہے پہلی حدیث میں اٹھارہ ماہ ہے اور دوسری حدیث میں سبعین لیلۃ، یعنی تقریباً سوادواہ، اس میں پہلی روایت صحیح ہے اور ایک قول اس میں سولہ ماہ کا بھی ہے اور وہ اس لئے کہ ان کی پیدائش ذی الحجہ ۸۷۰ھ میں ہے اور وفات دس ربیع الاول ۹۰۷ھ میں، اس صورت میں ماہ ولادت و وفات دونوں کو مستقل شمار کرنے کی صورت میں پورے سولہ ماہ بن جاتے ہیں، و قد مر فی کتاب الصلاۃ فی باب صلاۃ الکسوف۔

### باب الصلاۃ علی الجنائزۃ فی المسجد

یہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے بلا کراہت، اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک مسجد جماعت میں مکروہ ہے تحریمًا، وقیل تنزیہًا۔ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: واللہ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی مہیل ابن البیضاء الا فی المسجد۔ اور اس کے بعد کی روایت میں ہے: علی ابنی بیضاء فی المسجد۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں واللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہیل بن بیضاء اور اسکے بھائی کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھی تھی۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے اور صحیح مسلم میں مفصلاً ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کے بارے میں یوں فرمایا کہ اس کو مسجد میں لے آئیں تاکہ وہ بھی ان پر نماز پڑھ سکیں، لوگوں کو اس پر اشکال ہوا، اس پر انہوں نے فرمایا: ما اسرع الناس، ماصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی مہیل ابن البیضاء الا فی المسجد۔

شافعیہ جنابہ کا استدلال باب کی اس پہلی حدیث سے ہے، اور حنفیہ مالکیہ کی دلیل باب کی دوسری حدیث ہے  
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازۃ  
فی المسجد فلا شیء لہ۔

شافعیہ وغیرہ نے اس کے دو جواب دیئے اول یہ کہ وہ ضعیف ہے تفرد بہ صاحب مؤلی التوامة، دوسرا یہ کہ ایک روایت میں فلا شیء علیہ ہے، لیکن اگر اس حدیث کا ضعف تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حدیث عائشہ جو کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے وہی کون سی شافعیہ کے موافق ہے بد و وجہ، اول یہ کہ روایت میں ہے: فانکر الناس علیہا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے صحابہ کے ذہنوں میں اس کی کراہت تھی، آخر وہ کیوں تھی، دوسرے اس لئے کہ حضرت عائشہ صلاۃ فی المسجد کے بارے میں جو نظیر پیش کر رہی ہیں وہ صرف ایک دو جنازہ کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ معمول نہیں تھا، خلاف معمول غالباً کسی عارض کی بنا پر یہ نماز مسجد میں پڑھی ممکن ہے اعتکاف وغیرہ کی حالت ہو یا زائد سے زائد بیان جواز جو کراہت کے منافی نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اور نیز میں اس پر تفصیلی کلام حضرت شیخ نے کیا ہے اس کو نیچے حاشیہ میں دیکھئے لہ

سہیل ابن بیضاء میں، بیضا سہیل کی والدہ کا لقب ہے، اور نام اس کا دغذ ہے اور سہیل کے باب کا نام وہب بن بریۃ القرشی ہے، قال النووی وکان سہیل قديم الاسلام هاجر الى الحبشة ثم عاد الى مكة ثم هاجر الى المدينة وشهد بدر وغيرها

لہ قال ابن رشد وسبب الخلاف فی ذلک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الآتی عند مالک فی الموطا و حدیث ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ، و حدیث عائشہ ثابت و حدیث ابی ہریرۃ غیر ثابت او غیر متفق علی ثبوتہ لکن انکار الصحابۃ علی عائشہ يدل علی اشتہار العمل بخلاف ذلک عندهم، وشہد لذلک بروزہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم للمصلی لصلاۃ علی النجاشی لہ قلت حدیث ابی ہریرۃ اخرجه البوداد والطحطاوی وابن ماجہ وابن ابی شیبہ، قال الجلی رواه البوداد وابن ماجہ عن ابن ابی ذئب عن صاحب مؤلی التوامة، و صاحب قال ابن معین ثقہ لکنہ اختلط قبل موته فمن سمع منه قبل ذلک ثبت حجة، وکلم علی ان ابن ابی ذئب سمع منه قبل الاختلاط قلت و حدیث ابی ہریرۃ عند ابن ابی شیبہ فیہ زیادۃ ونقص، قال وکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا قضوا من بہم المکان رجعوا ولم یصلوا وبسط ابن الترمذی فی الجوزہ النقی ان صاحبنا تکلم فیہ لاختلاط، ولا اختلاف فی عدالتہ، وابن ابی ذئب سمع منه قبل الاختلاط، الی آخر فی الاوجز ص ۵۹، وفيه ايضا قال محمد بن موطا: وموضع الجنازة بالمدينة خارج المسجد وهو الموضع الذي كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يصلي على الجنازة فيه، وقال الحافظ في الفتح ان مصلي الجنازة بالمدينة كان لاصقا بمسجد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من ناحية جهة المشرق ودل حدیث ابن عمر علی انہ کان للجنازۃ مکان معد للصلاۃ علیہا فقد استقامتہ ان ما وقع من الصلاۃ علی بعض الجنازۃ فی المسجد کان لاضرار علیہا اذ لیمان الجواز اھ



## تونی سلسلہ، نیز امام نووی فرماتے ہیں کہ بتو بیضارتین ہیں سہیل، سہیل اور صفوان ۱۵

### باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبها

انہ سمع عقبہ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ينها نانا ان تصلى فيهن او تقبر فيهن موتانا الخ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے سے اور میت کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے  
طلوع شمس، عند الاستوار، وعند الغروب، اوقات منہیہ مکروہہ کا بیان کتاب الصلاة باب الصلاة بعد العصر میں الدر المنصور۔  
جلد ثانی صفحہ ۵۲ پر بالتفصیل گزر چکا۔

اوقات منہیہ میں صلوٰۃ جنازہ میں مذاہب اربعہ | صلوٰۃ جنازہ کے بارے میں وہاں یہ گزرا ہے کہ بعد العصر اور بعد الفجر  
تو بالاجماع جائز ہے، اور ان اوقات ثلاثہ مذکورہ فی الحدیث

کے بارے میں — حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر جنازہ خاص ان ہی اوقات میں پہنچا ہے تب تو ان اوقات میں پڑھنا  
جائز ہے بلکہ افضل ہے اور تاخیر نہ کی جائے۔ کما فی الطحاوی علی المراقی، ورنہ منہی، اور امام شافعی کے نزدیک ان تینوں  
اوقات میں بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ نماز جنازہ ذات السبب ہے اور نوافل ذات السبب ان کے یہاں مطلقاً  
تمام اوقات میں جائز ہیں، اور امام احمد کے نزدیک ان تینوں اوقات میں ناجائز ہے اور امام مالک کے نزدیک ان تین  
میں سے دو میں ناجائز ہے اور عند الاستوار جائز ہے اس لئے کہ یہ وقت ان کے یہاں اوقات منہیہ میں سے نہیں ہے۔

اوقات منہیہ میں دفن میت میں اختلاف ائمہ | دوسرا جزر اس حدیث کا دفن فی ہذہ الاوقات ہے، اس کے  
بارے میں یہ ہے کہ دفن عند الجہور ان اوقات میں مکروہ نہیں

یہی حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے، البتہ امام احمد کے یہاں مکروہ ہے کما فی المغنی والروض المربع، اور امام شافعی کا مسلک  
امام خطاب نے یہ لکھا ہے: وكان الشافعي يرى الصلاة على الجنازة اى ساعة شاء من ليل او نهار، وكذلك الدفن اى وقت  
كان من ليل او نهار، یعنی امام شافعی کے نزدیک صلوٰۃ اور دفن دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی مطلقاً جواز فی جمیع الاوقات،  
لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ دفن فی ہذہ الاوقات عند الجہور ومنہم الائمة الشافعية والمالكية والشافعية جائز ہے اور ائمہ میں  
سے صرف امام احمد کے یہاں مکروہ ہے، لہذا یہ حدیث حنا بلکہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر رہی، چنانچہ امام ابو داؤد  
چونکہ حنبلی ہیں انہوں نے اس حدیث کو ظاہر پر رکھ کر باب الدفن قائم کیا، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مؤول ہے کہ  
دفن سے مراد صلوٰۃ علی الجنازہ ہے، اور شافعیہ کے ہر حال میں خلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں دونوں جائز ہیں ان کے  
زید کے اس کو صلوٰۃ جنازہ پر محمول کرنا مفید نہیں اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور راہ اختیار کی وہ یہ کہ قبر

سے مراد تو دفن ہی ہے، لیکن مطلق دفن مراد نہیں بلکہ بعد الدفن فی هذه الاوقات یعنی قصداً تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنا، کما صرح صوبہ فی شرح مسلم فی شرح ہذا الحدیث، لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صلاۃ پر محمول کرتے ہوئے ترجمہ قائم کیا، ما جاز فی کراہیۃ صلاۃ الجنائزۃ عند طلوع الشمس وعند غروبہا، امام ترمذی کے بارے میں مشہور تو یہی ہے کہ وہ شافعی المسلك ہیں لیکن ان کے اس ترجمہ سے مسلک شافعیہ کی تو کوئی موافقت ہو نہیں رہی ہے، ہاں جمہور کی تائید یہی ہے۔ والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب اذا حضر جناز رجال ونساء من يقدم

یعنی اگر مردوں اور عورتوں دونوں کے جنازہ ایک وقت میں جمع ہو جائیں تو کس کو مقدم کیا جائیگا یعنی امام کے قریب؟ حدیثی عمار مولى الحارث بن نوفل انه شهد جنازة ام كلثوم وابنها فجعل الغلام ممایلی الامام فانكرت ذلك الخ۔ یعنی ام کلثوم بنت علی، زوجہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان کا بیٹا زید بن عمر ان دونوں کا جنازہ لایا گیا اور زید کے جنازہ کو امام کے قریب رکھا گیا، عمار کہتے ہیں میں نے اس پر اشکال کیا، اس وقت جماعت میں حضرت ابن عباس ابو سعید خدری اور ابو قتادہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے فقالوا هذا السنة یعنی ان سب نے فرمایا کہ مسنون طریقہ یہی ہے، فی الادب والعلی هذا اکثر العلماء وقول النسائی ہی السنة۔ لہ حکم الرفع، وقال الحسن وسالم والقاسم النسائی ممایلی الامام والرجال ممایلی القبلة، قالہ نزدقانی، یعنی ان حضرات کے نزدیک ترتیب بالعکس ہے کہ عورت کے جنازہ کو امام کے قریب اور مرد کے جنازہ کو قبلہ کے قریب لیا جائے اور ابن رشد نے اس میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے وہ یہ کہ دونوں کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، مردوں کی الگ، عورتوں کی الگ، والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

### باب ین یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ

یعنی امام کو جنازہ کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہونا چاہیئے۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ اس میں مذاہب ائمہ یہ ہیں کہ اگر مرد کا جنازہ ہے تو جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک عند صدرہ، اور امام مالک کے نزدیک عند وسطہ، اور اگر جنازہ عورت کا ہے تو اس میں حنفیہ کا مسلک وہی ہے جو مرد کے حق میں ہے یعنی عند صدرہ اور باقی ائمہ ثلاث کے نزدیک اس طرح ہے، عند الشافعی حیال عجیز تھا، وعند احمد عند وسطہا، وعند مالک حیال منکبھا۔

عن نافع ابی غالب قال کنت فی صیحة المربید فمررت جنازة معہا ناس کثیرین قالوا جنازة عبد اللہ بن عمیر سکتہ المربید بصوہ میں ایک جگہ کا نام ہے، ویسے مربید بکری اور اونٹ کے باڑے کو کہتے ہیں، ابو غالب کہتے ہیں کہ میں

سکتا المرید میں تھا تو میرے سامنے ایک جنازہ گذرا جس کے ساتھ بڑا مجمع تھا لوگ کہتے تھے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے تو میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا، اچانک میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس نے باریک سی چادر اوڑھ رکھی تھی جو ایک ترکی گھوڑی پر سوار تھا، جس نے اپنے سر پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا دھوپ بچنے کیلئے، تو میں نے پوچھا کہ یہ چودھری صاحب کون ہیں، لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں پس جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر نماز پڑھانے کیلئے اس کے قریب کھڑے ہوئے جس میں انہوں نے چار تکبیرات کہیں، نماز سے فارغ ہو کر جب وہ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ایک انصاری عورت کا جنازہ ہے اس پر بھی نماز پڑھ دیجئے وعلیہا نعلش اخصی جس پر سبز رنگ کا گہوارہ تھا مقام عند عجیز تھا لوگوں نے پوچھا کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح نماز جنازہ پڑھاتے تھے، یعنی چار تکبیریں اور مرد کے جنازہ میں سر کے قریب اور عورت کے جنازہ میں سرین کے قریب؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں ایسے ہی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد پھر روایت میں حضرت انس نے غزوہ حنین کا ایک خاص واقعہ سنایا جس میں یہ ہے کہ غزوہ حنین میں شروع میں مسلمان بھاگ پڑے تھے اور کفار میں ایک شخص ایسا تھا جس نے بہت ہی مسلمانوں میں خونریزی کر رکھی تھی جس کے بارے میں ایک صحابی نے یہ نذرمان لی کہ اگر ہم نے اس کافر پر قابو پالیا تو میں اس کی گردن اڑاؤں گا، پھر جب آخر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ان کافروں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جا رہا تھا بیعت علی الاسلام کے لئے تو ان میں یہ کافر بھی آپ کے پاس آیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا ارادہ کیا مگر آپ قصداً اس کی بیعت سے رکے رہے تاکہ وہ صحابی اپنی نذر پوری کر لیں، مگر وہ صحابی اس انتظار میں رہے کہ آپ ان کو اس کے قتل کا حکم فرمائیں، اور بغیر آپ کی اجازت کے اس کو قتل کرنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی، اس میں کچھ وقفہ بھی ہو گیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صحابی ویسے ہی کھڑے ہیں اپنی نذر پوری نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے اس کو بیعت فرما کر اسلام میں داخل فرمایا، اس پر وہ صحابی عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میری نذر کا کیا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ اسی لئے تو روکا تھا بیعت سے تاکہ تو اپنی نذر پوری کر لے، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میری طرف آنکھ سے اشارہ کیوں نہ فرمادیا، تو آپ نے فرمایا کہ نبی اپنی آنکھ سے اس قسم کا اشارہ نہیں کیا کرتا جس میں ظاہر اور باطن کی مطابقت نہ ہو۔ اس قسم کا واقعہ کتاب الجہاد، باب قتل الایسر ولا یعرض علیہ الاسلام، میں عبداللہ بن ابی سرح سے متعلق گذر چکا ہے وہاں پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گذرا ہے انہ لا ینبغی لنبی ان یتکون لہ غانۃ الایمن۔ اور یہاں پر روایت کے الفاظ یہ ہیں انہ لیس لنبی ان یومض۔

اس پر ایک سوال اور جواب بھی وہاں گذر چکا۔ یہاں آگے روایت میں ہے: ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت انس کے اس عمل کے بارے میں۔ یعنی عورت کے جنازہ میں اس کے سرین کے قریب کھڑا ہونا۔ تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ اس زمانہ میں عورتوں کے جنازوں پر گہوارے نہیں ہوا

کرتے تھے اس لئے امام اس کے سرین کے قریب کھڑا ہو جایا کرتا تھا پردہ کے لئے۔ اس پر حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے جنازہ میں امام کا قیام حیا عجیز تھا خلاف اصل اور عارض کی وجہ سے ہے، اور اصل محل اس کا صدر ہی ہے، لیکن چونکہ صدر اور راس دونوں قریب قریب ہیں تو ہو سکتا ہے دور سے دیکھنے والا یہ سمجھا ہو کہ سر کے قریب کھڑے ہوں اس لئے اس نے عند رائدہ کہہ دیا، لیکن — لوگوں کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ یہاں پر تو روایت میں تصریح ہے گہوارہ ہونے کی ذلیعہ انعش اخضر، تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اصل بات تو وہی ہے جو لوگوں نے بیان کی لیکن حضرت انس چونکہ مطلقاً قیام حیا عجیز تھا کے قائل تھے اس لئے انہوں نے باوجود گہوارہ کے ایسا کیا۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن سمرة بن جندب رضى الله تعالى عنه ..... فقام عليها المصلاة وسطها۔

ہمارے استاد مولانا امیر احمد کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں اس لئے کہ سینہ بھی وسط ہی ہے اس لحاظ سے کہ سینہ کے نیچے بھی دو عضو ہیں بطن اور رکتبتین (ٹانگیں) اور اوپر بھی دو عضو ہیں سر اور منکبین، اور اگر کوئی پیمائش کے اعتبار سے اشکال کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ دونوں ہاتھوں کو سر کی جانب اٹھا کر پھیلا دیا جائے پھر پیمائش میں بھی برابری ہو جائے گی۔ یہ جواب تو بس ایک لطیفہ ہی ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب التكبیر علی الجنائزۃ

نماز جنازہ میں عدد تکبیرات میں روایات مختلف ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں، صحابہ کے ہمارے اس میں تین سے لیکر نو تک ہیں، لیکن بعد میں چار کے عدد پر فقہاء اور اہل فتویٰ کا اجماع منعقد ہو گیا احادیث صحیحہ کی بنا پر، اور میرے علم میں نہیں کہ کسی فقیہ کے نزدیک اس میں پانچ تکبیرات ہوں سوائے ابن ابی لیلیٰ کے (بذل) حدیث الباب میں صلاۃ علی القبر کا ذکر ہے، صلاۃ علی القبر پر آئندہ مستقل ایک باب آ رہا ہے۔

عن ابن ابی لیلی قال کان زید یغنی ابن ارقم یكبر علی جنازة ناریعاً، وأنه کبر علی جنازة خسراناً۔

ابن ابی لیلیٰ جن کا مسلک اوپر قاضی عیاض کے کلام میں گذرا اس کا ماخذ یہی روایت ہوگی، اور اوپر یہ گذری چکا کہ اس میں اختلاف شروع میں رہا ہے بعد میں چار تکبیرات پر اجماع ہو گیا تھا۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب ما یقرأ علی الجنائزۃ

صلیت مع ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی جنازۃ فقرأ بفاتحة الكتاب، فقال انهما من السنة۔  
نماز جنازہ میں حنفیہ والکیہ کے نزدیک قراۃ فاتحہ نہیں ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک ہے، ہمارے فقہاء  
فرماتے ہیں: والآثار فی عدمہا اکثر، یعنی بہ نسبت ثبوت کے نفی قرار میں آثار زیادہ ہیں، حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ  
بہ نیت شمار پڑھی جاسکتی ہے بہ نیت قرار میں نہیں۔

صلوۃ جنازہ کے ارکان ائمہ اربعہ کے نزدیک کیا گیا ہیں اس کی تفصیل اوپر میں مذکور ہے، حنفیہ کا مذہب  
اس میں یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک صرف دو رکعت ہیں تکبیرات اربعہ اور قیام، لہذا قاعدۃ بلا عذر جائز نہیں صرف  
تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کیا جائے اور شمار پڑھی جائے، اور دوسری تکبیر کے بعد صلوۃ علی البنی پڑھا جائے اور تیسری  
کے بعد دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام کذا فی الدر المختار، وقال ابن الہمام: اما رکعہا فالذی یفہم من کلامہما انہما الدعاء  
والقیام والتکبیر الی آخرہ باسقاط اور قرار فاتحہ کو کتب شافعیہ و حنبلیہ میں ارکان میں شمار کیا ہے۔  
والحدیث أخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قال المتذری۔

## باب الدعاء للمیت

اذا صلیت علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔  
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی میت پر نماز پڑھو تو تم اس کے لئے  
اخلاص تام کیساتھ دعا کرو۔ اب یہ کہ کیا دعا پڑھی جائے ان کا ذکر آئندہ آنے والی روایات میں آرہا ہے،  
والحدیث أخرجه ابن ماجہ، قال المتذری۔

شہادت مروان سأل ابا هريرة رضي الله تعالى عنه كيف سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه

واله وسلم يصلي على الجنائزۃ؟ قال امع الذي قلت، قال: نعم، قال: كلام كان بينهما قبل ذلك۔

علی بن شہماخ کہتے ہیں کہ میں مروان امیر مدینہ کے پاس موجود تھا جبکہ اس نے سوال کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
سے کہ تم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھتے ہوئے سنا؟ اس سوال کا جواب آگے  
آ رہا ہے، لیکن جواب دینے سے پہلے حضرت ابو ہریرہ نے اس سے فرمایا کہ کیا باوجود اس کے تو مجھ سے سوال کرتا؟  
جو میں نے کہا تھا، اور ہو سکتا ہے یہ خطاب کا صیغہ ہو، یعنی باوجود اس کے جو تو نے کہا تھا، اس کی تشریح راوی  
یہ کر رہا ہے کہ ان دونوں کے درمیان اس سے قبل کوئی بات پیش آئی تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے تو حضرت ابو ہریرہ

کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جو بات میرے اور تیرے درمیان پیش آئی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تو مجھ سے سوال نہ کرتا، مردان نے جواب دیا کہ ہاں باوجود اس کے سوال کر رہا ہوں، جو ہونا تھا ہوا عند الاستیاج تو رجوع کرنا ہی پڑتا ہے نماز جنازہ میں جو دعائیں وارد ہیں آگے اس دعا کا بیان ہے: اللہم انت ربہا وانت خلقتها وانت

ہدیتہا للاسلام وانت قبضت روحہا وانت اعلم بسرہا وعلانیہا جثنا شفعا فاغفرلہ۔ اور موطا کی روایت میں ہے ابو سعید خدری نے حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے چلتا ہوں پھر جب وہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر اولیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور دوسری تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی پر صلاۃ و سلام اور تیسری تکبیر کے بعد یہ پڑھتا ہوں اللہم عبدک وابن عبدک وابن آدمک کان یسئذ ان لا الہ الا انت وانت وان محمد عبدک ورسولک وانت اعلم بہم اللہم ان کان فحشنا فزنی احسانہ وان کان مسیئنا فنجنا وذن عن سبیئنا، اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تغننا بعدہ۔ اس دعا کے بارے میں ابو جریز میں لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اس دعا ابو ہریرہ کو پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ انکی کتابوں میں تصریح ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں جو دعا مذکور ہے وہ آئندہ روایت میں قدرے تفاد سے آرہی ہے، و فی الاداء جرم ۲۵۵ وروی هذا الدعاء (یعنی جو کتب حنفیہ میں ہے) عن ابی ہریرۃ مر فوعا عند احمد والترمذی وابن داؤد وابن حبان والبیہقی اہ اور شرح اقناع ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ کامل دعایہ ہے۔ اور پھر اس کی ابتداء انہوں نے اسی دعا سے کی جو حنفیہ کی کتابوں میں ہے۔ اس کے بعد کچھ اور دعائیں ہیں جو اسی دعا کے ساتھ شامل کر کے ان کے یہاں پڑھی جاتی ہیں، اور صحیح مسلم ۲۱۱ میں عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ایک نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا اللہم اغفرلہ وارحمہ دعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وقلہ من الخطایا کما کفیت الثوب الابيض من النّس، وابذلہ دار خیرا من دارہ واهلا خیرا من اھلہ وزد جاخرا من زوجہ وأدخلہ الجنة وأعدک من عذاب القبر ومن عذاب النار، آگے وہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا سن کر میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش یہ جنازہ میرا ہوتا، اور حنابلہ کے نزدیک جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے یہ دعا ہے: اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشارھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذرنا انک تعلم منقلبنا ومثوانا وانت علی کل شیء قدیر، اللہم من احمیۃ منا فاحیہ علی الاسلام والسنة ومن توفیۃ فتوفہ علیہما اللہم اغفرلہ وارحمہ۔ اور اس کے ساتھ وہ دعا جو صحیح مسلم سے گزری۔ (العدہ شرح العمدة ۱۱)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم علی جنازۃ فقال اللہم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبیرنا الخ وذآخہ اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تغننا بعدہ۔ حدیث شملخ اخرجه النسائی فی اليوم واللیلۃ، وحدیث ابی سلمۃ اخرجه الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔



عن واثله بن الاسقع رضى الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم على رجل من المسلمين فسمعت يقول: اللهم ان فلان ابن فلان في ذمتي وخيل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحق اللهم فاغفر له وارحمه انك انت الغفور الرحيم.

اخرجه ابن ماجه قال المنذرى -

## باب الصلاة على القبر

اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ | صلاۃ علی القبر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مالکیہ کے نزدیک علی المشہور ناجائز ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے کما فی الشرح، فقی الادجز عن الزرقانی: واما الصلاۃ علی القبر فقال بمشروعیۃ النجور منہم الشافعی و احمد و ابن وہب، و مالک فی روایۃ شاذۃ، و المشہور عنہ منہ، و یہ قال ابو حنیفہ و النخعی و جماعۃ، و عنہم ان دفن قبل الصلاۃ شرع و الا فلا و قال الآبی فی الاکمال: مشہور قول مالک المنع، و الشاذ جوازہا فین دفن بغیر صلاۃ اھ امام مالک کا جو قول شاذ ہے وہی حنفیہ کا مذہب ہے فقی الہدایۃ ان دفن المیت و لم یصل علیہ صل علی قبرہ لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلم و سلم صلی علی قبر امرأۃ من الانصار و یصلی علیہ قبل ان یتفنیخ، و المعبر فی معرفۃ ذلک اکبر الراوی ہواصحیح، لا اختلاف فی الحال و الزمان و الدکان، و فی ہامشہ احقر از عمار و ی فی الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ۔ انہ یصلی علی المیت فی القبر الی ثلاثۃ ایام اھ گویا مالکیہ کا مشہور قول لایہ ہوا کہ مطلقاً ناجائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک صلاۃ علی القبر اس صورت میں جائز ہے جبکہ میت کو بغیر صلاۃ کے دفن کر دیا گیا ہو، اب یہ کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ تین دن تک، اور دوسرے قول جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا مالم یتفنیخ و لم یتفنیخ یعنی جب تک ظن غالب ہو کہ میت کا جسم پھولا ہوا نہیں اکتونیک پڑھ سکتے ہیں جو لوگ مطلقاً جواز کے قائل ہیں ان کے یہاں بھی اس میں اختلاف ہے کہ کب تک پڑھی جاسکتی ہے، امام احمد و اسحق کے نزدیک الی شہر، اور شافعیہ کی اس میں مختلف روایتیں ہیں، منہا کقول احمد، و منہا الی ثلاثۃ ایام، و منہا مالم یبیل جسدہ او جزاء من ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امرأۃ سوداء اور جلا کان یفکر المسجد فقذا النبی صلی اللہ

تعالى عليه وآله وسلم نسأل عنه. ففعل مات، فقال ألا اذنتوني به، قال دلو في علي قبره فدلوه ففعل عليه.

**حدیث الباب میں اختلاف روایات** حاشیہ بذل میں حضرت شیخ لکھتے ہیں قال الحافظ فی الفتح ص ۳۷۱ ان الشیخ من ثابت والصواب امرأة اسمها خرقار وكنيتها ام محسن الخ. وقال ايضا ص ۳۷۲

المذكور في حديث ابن عباس بلفظ مات انسان كان صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يعوره وهو طلحة بن البراء رضى الله تعالى عنه  
ووهم من قال بالاول لتغاير القصتين وكذا قال العيني اهـ اور موطا کی روایت میں ہے۔ من حديث ابى امامة سهل بن  
صنيف ان مسكينه مرضت فاجبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بمرضها، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

اذا ماتت فاذا نزل بها فخرج بجنازتها ليلدا فلو ان يوقظوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فلما أصبح رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اخبر بالذي كان من شأنها بعد سؤاله عنها لكان في رواية ابن ابي شيبه) فقال ألم امركم ان تؤذوني بها فقالوا يا رسول الله كرهنا ان نخرجك ليلدا ووقظك الحديث قال ابن عبد البر هذا الحديث روى من وجوه كثيرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كلها ثابتة من حديث ابي هريرة وعامر بن ربيعة وابن عباس رضي الله تعالى عنهم اهـ وكتب الشيخ في الادب: قوله ان مسكينة في حديث ابي هريرة في الصحيحين وغيرهما ان رجلا اسوداد امرأة سودا وكان يقوم المسجد الى آخره باسط.

مضمون حدیث یہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت سیاہ رنگ، یامرد (شک راوی ہے) جو مسجد میں جھاڑو لگایا کرتا تھا۔ تم یقیناً مراد ہے کنس کنس کے، تمہارے کہتے ہیں کُناسہ کو یعنی وہ کبار جو جھاڑو سے اکٹھا کیا گیا، ایک روز جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں سوال فرمایا، تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا تورات انتقال ہو گیا تھا۔ یعنی دفن دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے کیوں نہ خبر کی تم نے اس کی اور پھر فرمایا کہ مجھ کو اس کی قبر بتاؤ کہ کہاں ہے۔ صحابہ نے آپ کو اس کی قبر کی خبر دی، آپ نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

اوپر یہ موطا کی روایت سے گزر چکا کہ آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس کی موت کی خبر مجھے کرنا، مگر صحابہ کرام نے اسی خیال سے آپ کو اطلاع نہیں کی تاکہ رات میں آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے، بہر حال یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے، اس حدیث پر مکمل کلام میری ایک تقریر میں اس طرح لکھا ہوا ہے، مفید ہونے کی وجہ سے اس کو نقل کیا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے: شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک قبر پر نماز مطلقاً پڑھی جاسکتی ہے، اب یہ کہ کب تک؟ اس میں روایات مختلف ہیں، امام احمد کے نزدیک زائد سے زائد — ایک ماہ تک، اور شافعیہ کے اس میں متعدد اقوال ہیں، منجملہ ان کے ایک تو یہی ہے، اور ایک قول ہے الی ثلاثہ ایام، وقیل: مالم یبل البجۃ، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ مدت دراز گزرنے کے بعد نہیں پڑھی جائیگی لیکن ایک قول یہ بھی ہے۔ بحوالہ الابد۔

حنفیہ کی طرف سے | حنفیہ و مالکیہ کی طرف سے اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے اور جن صحابہ نے آپ کے ساتھ پڑھی انہوں نے تبعاً پڑھی، اور دلیل خصوصیت یہ ہے کہ حدیث الباب کی توجیہ صحیح مسلم کی روایت میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا: ان هذه القبور مملوءة ظلمة وان الشر یؤثرها بصلاتی علیہا، یعنی یہ قبور بالکل تاریک ہوتی ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ میری ان پر نماز کی وجہ سے ان کو روشن کر دیتا ہے، صحیح جواب یہی ہے، ویسے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے صحابہ کو اطلاع کرنے کا حکم فرمایا تھا اور انہوں نے اطلاع کی نہیں تو گویا وہ پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی، اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا تھا سو یہ بمنزلہ نذر کے ہو گیا، یہ جواب اُبی نے شرح مسلم میں دیا ہے، اول کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک جواب حنفیہ کی طرف سے بعض نے یہ بھی دیا ہے کہ عموم بلوی میں اخبار آحاد معتبر نہیں۔ نیز امام مالک نے جواب دیا کہ اس پر عمل اہل مدینہ نہیں، ابن الہمام نے کہا کہ یہ حدیث ہمارے خلاف ہے مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ اس کو بغیر نماز کے دفن کر دیا گیا ہوگا، لیکن یہ بات صحابہ کرام سے مستبعد ہے اھ من الادجز۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم وابن ماجہ، قاله المنذری۔

## باب الصلاة على المسلم يموت في بلاد الشرك

اور امام ترمذی نے باب قائم کیا باب صلاة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی النجاشی، مصنف کا اشارہ بھی گواہی دیتا ہے لیکن وصف عام کے ساتھ تاکہ نجاشی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے، گویا اس باب میں مصنف صلاة علی الغائب کا حکم بیان کر رہے ہیں، اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو پہلے باب میں تھا، شافعیہ حنابلہ کے نزدیک یہ جائز ہے، حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ناجائز، ابن تیمیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ جس مسلم کا انتقال دار الحرب میں ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ دار الاسلام میں پڑھی جاسکتی ہے اور یہی قید وہ ہے جس کو مصنف نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، اور بعض علماء (ابن حبان) کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے جبکہ میت جہۃ قبلہ میں ہو اور اگر بلد میت قبلہ کی جانب نہ ہو تب جائز نہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نعی للناس النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بہم الی المصلی فصفا بہم وکبر اربع تکبیرات۔  
نجاشی کا نام اصحہ تھا، ویسے نجاشی لقب ہے ہر ملک حبشہ کا ان کی وفات ۳۵ھ میں ہوئی کما فی الخمسین والتمت وقال ابن الاثیر: اسلم فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وتوفی ببلاذہ قبل فتح مکہ اھ مختصر اعمون، ان کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین میں گذر چکا ہے۔

حدیث الباب میں یہ ہے کہ جس روز نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اسی دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے انتقال کی خبر دی، اور آپ صحابہ کرام کو لیکر مصلی کی طرف تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کی باقاعدہ صف قائم کر کے نماز جنازہ آپ نے ادا فرمائی چار تکبیرات کے ساتھ۔

مصلی سے مراد حدیث میں مصلی عیدین نہیں ہے بلکہ وہ جگہ مراد ہے جو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے معین تھی

یقع الغرق میں، یہ حدیث حنفیہ مالکیہ کے خلاف ہے جو صلاۃ علی الغائب کے قائل نہیں، مختصر اس کے دو جواب ہیں (۱) یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حجاب آپ کے سامنے سے ہٹا دیئے گئے تھے اور گویا جنازہ بالکل آپ کے سامنے تھا، اور ظاہرات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ یہ چیز کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی (۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ کسی اور میت غائب پر نماز پڑھنا ثابت نہیں، والحدیث اخرہ البخاری، مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی بردۃ عن امیہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ننطق الی ارض النجاشی فذکر حدیثہ۔

ابو بردہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا ہجرت الی الحبشہ کا یعنی مکہ مکرمہ سے۔ اس کے بعد ان کے والد نے ان سے اس ہجرت کی تفصیل بیان کی ہوں گی جو مصنف کی غرض سے علیحدہ ہیں اسی لئے مصنف نے حدیث کو مختصر کرتے ہوئے فرمادیا: فذکر حدیثہ ان نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات مسلمانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کے تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہیں۔ حدیث الباب میں ان کے اسلام لانے کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی، اور اسلام لانے کے وقت یہ بھی کہا: ولولا ما نافیہ من الملک لاتیۃ حتی اخیل نعلیہ۔ اس میں انہوں نے اپنے ترک ہجرت الی المدینہ کا عذر بیان کیا ہے کہ اگر جس ملک اور بادشاہت میں میں اس وقت ہوں اگر اس کے عوارض اور لوازم میں مبتلا نہ ہوتا تو میں ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوتا یہاں تک کہ آپ کے نعلین شریفین کو اٹھا کر (سر پر رکھنے کی) سعادت حاصل کرتا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه و جعل النجاشی مثلاً جو بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح مدح سرائی کر رہا ہو اور ان پر جان نثار ہو رہا ہو ہمیں بھی اس سے محبت ہونی چاہیے، اگرچہ آپ کو کسی بادشاہ یا مخلوق کی مدح اور منقبت کی حاجت نہیں اس لئے کہ آپ کے مدح خواں تو خود اللہ رب العالمین ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وشرقہ کرم ووقرہ عظم۔

لہ کذا تذکر من بعض الاسانید لکن ذکر حدیث عن المعبود: روایہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی علی اربعۃ من الصحابۃ الاول النجاشی۔ وقصۃ فی الکتاب الستہ وغیرھا۔ والثانی معاویۃ بن معاویۃ المزی والثلث والرابع زید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب، ثم بسط الروایات فی ذلک۔ وفيہ بعد ذکر الروایات والکلام علیہا، والحاصل ان الامر كما قال الحافظ ابن عبد البر والبيهقي والذهبي ان اسانید هذه الأحادیث لیست بالقویۃ لکن فیہ تفصیل وهو۔ الی آخر ما ذکر۔

## باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر ینعلم

اس باب میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی اس کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا جو کہ آپ کے رضاعی بھائی تھے، تو جب ان کو دفن دیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم فرمایا کہ کوئی بڑا سا پتھر اٹھا کر لائیں، وہ گئے لیکن ان سے اٹھ نہ سکا، اس پر آپ خود بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی دونوں آستینیں چڑھا کر اس پتھر کو اٹھایا اور عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کو میں بطور علامت کے رکھ رہا ہوں، اور یہ بھی فرمایا: اور اسی کے قریب اپنے دوسرے اعزہ کو دفن کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ قبر کے سرہانے نشانی کے طور پر کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا مناسب ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک خاندان اور گھرانے کے لوگ اگر ایک ہی جگہ اور ایک ہی قبرستان میں دفنائے جائیں تو یہ بہتر ہے۔ ترجمۃ الباب میں دو جزر تھے، اعلام قبر یعنی قبر پر کوئی علم اور نشان لگادینا، اور دوسرا جزر جمع الموتی فی قبر ہے، حدیث الباب سے جزر ثانی تو ثابت ہو رہا ہے، جزر اول کے ثبوت میں اشکال ہے، مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ ترجمہ میں قبر سے مراد قبرستان اور مقبرہ ہے، چنانچہ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے فلا اشکال حینئذ۔

## باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکذک المکان؟

یعنی اگر گورکن کوئی قبر کھود رہا ہو اور پھر اس جگہ میں کسی میت کی ہڈی نکل آئے تو کیا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودے؟ کسر عظم المیت ککسرہ حیناً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میت کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی برا اور گناہ ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہو رہا ہے کہ گورکن کو چاہیے کہ اس ہڈی کو توڑے نہیں لیکن پورا ترجمہ الباب اس حدیث سے ثابت نہیں ہو رہا ہے، لیکن اس حدیث کا جو سبب ہے یعنی جس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اس سے ترجمۃ الباب کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ روایت یہ ہے جس کو حضرت نے بذل میں، درجات مراقاة الصعود سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھ گئے، گورکن نے قبر کھودتے ہوئے ایک ہڈی نکال کر دکھائی جس کو وہ توڑنے لگا، آپ نے اس کو توڑنے سے منع فرمایا و ذکر مافی حدیث الباب، اور نیز فرمایا آپ نے اس ہڈی کو

اسی قبر میں ایک طرف کو دیادے، اس سے ترجمۃ الباب کا حکم معلوم ہو گیا کہ دوسری جگہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہیں اس بڑی کو چھپا دیا جائے، لیکن احترام کے ساتھ توڑا پھوڑا نہ جائے۔  
والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی اللحد

اللحد لنا والشق لغيرنا۔ قبر کی دو قسمیں ہیں تحد اور شق۔ شق تو وہی جو ہمارے دیار میں رائج ہے یعنی سیدھی قبر اور لحد بغلی قبر یعنی زمین شق کرنے کے بعد قبلہ کی جانب میں ایک غار گڈھا سا اور کھودتے ہیں اور پھر میت کو اسیں رکھتے ہیں، پیچھے کی طرف سے اس کو پاٹ دیتے ہیں، جہاں کی زمین سخت ہو وہاں یہ قبر بن سکتی ہے، جائز دونوں قسمیں ہیں، صحابہ کرام میں ایک صحابی لا حد تھے یعنی لحد بناتے تھے۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک صحابی شقاق تھے وہ شق بناتے تھے یعنی ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لنا سے مراد مومنین اُمت محمدیہ اور غیرنا سے مومنین اُمم سابقہ، اور مطلب یہ ہے کہ ہم لحد کو اختیار کرتے ہیں وہ ہمارے لئے اونی ہے شق کے مقابلہ میں، اس صورت میں اس سے مقصود فضیلت لحد کو بیان کرنا ہے ہنہ عن الشق مقصود نہیں اس لئے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنی جلالت شان کے دین اور امانت میں یہ کام کرتے تھے، نیز اگر شق ممنوع ہوتی تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں فیصلہ نہ فرماتے کہ لا حد اور شقاق ان دونوں میں سے جو پہلے آئے گا اسی کو اختیار کیا جائے گا۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ”اللحد لنا والشق لغيرنا من اهل الكتاب“ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مراد لنا سے مسلمین اور لغيرنا سے یہود و نصاریٰ ہیں تب تو اس صورت میں لحد کی فضیلت بلکہ کراہیت شق پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور اگر مراد لغيرنا سے اُمم سابقہ ہیں تو اس میں صرف اشارہ ہے فضیلت لحد کی طرف (ظن) اور کہا گیا ہے کہ لنا میں ضمیر جمع سے مراد خود متکلم کی ذات ہے یعنی لی یعنی آپ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میں اپنے لئے لحد کو پسند کرتا ہوں اور غیرنا سے مراد دوسرے لوگ، نفی الا وجزء۔ قال الطیبی لیکن ان یکون علیہ الصلاۃ والسلام عنی بنمیر جمع نفسه ای اوثر لی اللحد وہو اخبار عن الکائن فیکون معجزۃ، قال السید هذا التوجیہ بعید جد القول علیہ السلام الشق لغيرنا، اور اس کے بعد ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ لنا سے مراد معاشر الانبیاء یعنی اللحد لنا معاشر الانبیاء والشق جائز لغيرنا اھ۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب کھرید دخل القبر

یعنی میت کو قبر میں رکھنے کے لئے گئے آدمی قبر میں اتریں۔



عن عامر قال غسل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم علي والفضل واسامة بن زيد  
 وهو ادخلوه قبرة، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے والے یہ تین حضرات تھے علی، فضل بن  
 عباس، اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور ان ہی نے آپ کو قبر میں اتارا تھا۔ اور آگے ایک روایت میں ہے  
 کہ ان تینوں نے اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شامل کر لیا تھا۔ یعنی اصل تو یہ تین  
 آدمی تھے جو گھر کے تھے اور ان ہی نے ضرورۃً حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بھی شامل کر لیا تھا، قال علی انما بی الرجل  
 اہلہ، یعنی جب آپ کی تدفین سے یہ حضرات فارغ ہوئے تو چونکہ اور بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام جاں نثار  
 کھڑے ہوئے تھے جو اس عمل میں شریک نہیں تھے یعنی غسل اور قبر کے اندر اتارنے میں تو اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ  
 نے بطور معذرت یہ جملہ فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والے ہی دفنایا کرتے ہیں، مطلب تو ظاہر ہے کہ وہ یہ فرمانا چاہ رہے  
 ہیں کہ اس کام کو کرنے والے ہم اس لئے نہیں ہیں کہ ہم اوروں سے افضل ہیں بلکہ وجہ یہ ہے جو انہوں نے فرمائی،  
 دراصل یہ مقام، مقام تنافس تھا اور بڑے شرف کی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب فرمائی اہل بیت میں سے  
 ہونے کی وجہ سے۔

چار آدمیوں کا قبر کے اندر اترنا جو ہمارے یہاں رائج ہے یعنی شق اس میں تو مشکل ہے لیکن یحییٰ گنجائش ہوتی ہے

### باب کیف یدخل المیت قبرة

یعنی میت کو قبر میں اتارنے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اس میں دو مذہب ہیں ایک وہ جس کو حنفیہ نے اختیار  
 کیا، وہ یہ کہ میت کو قبر میں قبلہ کی جانب سے اتارا جائے یعنی سر پر میت کو قبر کی دائیں جانب اس کے عرض میں رکھا  
 جائے اور پھر اس کے پورے جسم کو ایک ساتھ اس میں داخل کر دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے جس کو شافعیہ اور حنابلہ نے  
 اختیار کیا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ میت کو قبر کے پائتانہ سے داخل کرنا اولیٰ ہے اس صورت میں سر پر میت  
 کو طولاً قبر کے نیچے کی طرف رکھا جائے گا اور پھر بتدریج اس کو قبر میں سر کی جانب سے داخل کیا جائے گا اور اس میں  
 ایک تیسرا طریقہ ہے جو حضرت امام شافعی کا ایک قول ہے کہ میت کو قبر میں قبر کے سرہانے کی جانب سے داخل کیا جائے  
 لہذا یہ تین قول ہو گئے، کذا فی العون عن سبل السلام، علامہ شوکانی وغیرہ نے حنفیہ کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ انہی سے  
 کہ یہ طریقہ داخل کرنے کا زیادہ آسان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اتباع السنۃ اولیٰ من الرای، لیکن صاحب سبل السلام  
 نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں تلت بل ورد بہ النص فانہ اخرج الترمذی عن حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما هو  
 نص فی ادخال المیت من قبل القبلة وانہ حدیث حسن فیستفاد من المجموع انہ فعل بخیر فیہ اھ حاشیہ ہدایہ میں حضرت  
 مولانا محمد حسن سنہلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تخیر کو امام مالک اور ظاہر یہ کا مذہب لکھا ہے، یعنی ان کے نزدیک اختیار ہے

اور دونوں برابر ہیں۔ یہ حدیث ابن عباس جس کی طرف صاحب السبل نے اشارہ کیا ہے وہ ہے جس کو امام ترمذی نے باب ماجاء فی الدفن باللیل میں ذکر فرمایا ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل قبر الیلا فانرج له سراج فاحذہ من قبل القبلة وقال رحمک اللہ ان کنت لا دأیا تلاء للقرآن وکبر علیہ اربعاء قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن وقد ذهب بعض اهل العلم الی هذا وقال یدخل المیت القبر من قبل القبلة، وقال بعضهم یسئل سلا اب رہایہ مسئلہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرف سے داخل کیا گیا؟ سو اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں چنانچہ یہ بھی ہے بروایت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہم ادخلوا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قبل القبلة، لکن ضعف البیہقی، اور مسند شافعی میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سل من قبل رأسه، اور مر اسیل ابی داؤد میں ہے عن النخعی انه علیه السلام ادخل من قبل القبلة ولم یسئل سلا زر یلعی ۲۹۹، وفی الہدایہ: ویدخل المیت ما علی القبلة خلافا للشافعی فان عنده یسئل سلا، لما روی انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سئل سلا ولما ان جانب القبلة معظم فیستحب الادخال منه، واضطربت الروایاتی ادخال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو ایک قول ہے سل کا اس کا ایک جواب ہمارے بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ حجرہ شریفہ میں جس جگہ آپ کو دفنایا گیا اس میں قبلہ کی جانب قرب حائط کی وجہ سے گنجائش نہیں تھی کہ سریر کو اس جانب رکھا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، اس موضوع پر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل تالیف ہے، کشف الستار عن ادخال المیت فی القبر۔

اوصی الجارث ان یصلی علیہ عبد اللہ بن یزید فصری علیہ ثم ادخلہ القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة۔ امام ترمذی نے اس مسئلہ پر مستقل باب قائم نہیں کیا بلکہ ”باب ماجاء فی الدفن باللیل“ کے ذیل میں حدیث ابن عباس جو ہمارے یہاں اوپر گزر چکی ذکر فرما کر اس مسئلہ کو ضمنا اسی باب میں بیان کر دیا ہے، اور ابن ماجہ میں اس مضمون کی دو روایتیں مذکور ہیں، عن ابی رافع قال سل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سجد اور ش علی قبرہ مار اور دوسری عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذ من قبل القبلة واستل سلا، اور ایک نسخہ میں ہے ”واستقبل استقبالاً“

## باب کیف یجلس عند القبر

یعنی اگر قبر تیار ہونے میں دیر ہو وہ کھودی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں لوگوں کو کیا کرنا چاہیے، عام طور سے بات چیت میں اور فضولیات میں لوگ لگ جاتے ہیں، اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں قبرستان گئے، قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رو قبلہ ساکت بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ اسی طرح بیٹھ گئے۔ بذل میں ہے کہ نسائی کی روایت میں یہ زیادتی ہے: وجلسنا حوله کان علی رؤسنا الطیر

بہتر یہ ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کی جائے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی ایک صاحبزادی شادی شدہ جس کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور حضرت شیخ جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے تھے، قبر کھودی جا رہی تھی لوگ ایک سائبان کے نیچے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ احقر بھی حضرت شیخ کے پاس ہی بیٹھا تھا تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ سورۃ یسین پڑھ، اور حضرت خود بھی مسلسل پڑھتے رہے، یغفر اللہ تعالیٰ لنا ولہا، والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

### باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبره

یعنی میت کو قبر میں رکھتے وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے، حدیث الباب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول مذکور ہے کہ آپ اس وقت بسم اللہ و علیٰ سترہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ والحديث اخرجه النسائي مسندا وموقوفا، قال المنذري۔

### باب الرجل يموت له قرابة مشرك

یعنی اگر کسی مسلمان کا کافر عزیز و قریب مر جائے تو کیا کیا جائے؟

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان عمک الشیخ الضال قد مات او حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ آپ کے بوڑھے گرامی چچا کا انتقال ہو گیا، اس پر آپ نے فرمایا: تو پھر جا اپنے باپ کو مٹی میں دبا دے، اور یہ بھی فرمایا بطور اتمام کے کہ دبائے کے بعد کسی اور کام میں نہ لگ جانا فوراً مجھ کو آکر اطلاع کرنا (ثم لا تشد ثوبا شیئا) یہ احداث سے ہے جس کے معنی کوئی کام کرنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فوراً گیا اور ان کو دبا کر آپ کے پاس آگیا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا، اور آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ والحديث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

### باب فی تعمیق القبر

یعنی قبر کتنی گہری ہونی چاہیے، قالت المحنفیہ: ان یعمق الی الصدر والافالی السرة (بذل) و فی۔ نور الایضاح۔ ویحفر القبر نصف قامۃ او الی الصدر، وان یزدکان حسنا، اور امام شافعی کے نزدیک بقدر القامۃ، وقال مالک لاحد لا عماقہ (عون)

من هشام بن عامر قال جاءت الانصار الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم احد فقالوا اصابنا قرح وجهدنا

یعنی جنگ احد میں آپ کی خدمت میں بعض انصار آئے، اور اگر عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ زخمی اور مشقت میں ہیں تو اب کیا کیا جائے، یعنی ستر قبر میں کھودنا بڑا مشکل کام ہے تو اس پر آپ نے فرمایا کہ قبریں خوب گہری اور وسیع کھود لو اور دو تین تین کو لیکر ایک قبر میں دفن کرو، ہشام کہتے ہیں کہ میرے باپ عامر بھی اس روز شہید ہو گئے تھے جن کو دو کے درمیان دفنایا گیا تھا یا ایک کے ساتھ۔ اور نسائی کی روایت میں ہے "فکان ابی ثالث ثلاثہ فی قبر، بغیر شک کے، یعنی جس قبر میں میرے والد دفنائے گئے تھے تو اس میں دو ان کے علاوہ تھے۔  
والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المستذری۔

## باب فی تسویۃ القبر

عن ابی ہشام الاسدی قال بعثنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لی ابشاک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لا ادع قبراً مشرفاً الا سویتہ ولا تمثالاً الا ملستہ۔

ابو ہشام اسدی کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں جس کام کے لئے مجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا اور پھر آگے وہ کام بتلایا کہ کیا ہے۔ کہ نہ چھوڑوں میں کسی قبر کو جو اونچی ہو مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں یعنی زمین کے۔ مراد قریب ہے۔ اور نہ چھوڑوں کسی تصویر کو مگر یہ کہ اسکو مٹا دوں، اس حدیث میں ارتفاع قبر سے روکا گیا ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ بنائی جائے، یہ امر تو مجمع علیہ ہے کہ قبر زیادہ اونچی نہ ہونی چاہیے، زمین کے قریب رفع یسر کے ساتھ ہونی چاہیے، قال النووی یرفع نحو شبر۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ تسویۃ القبر ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے، اب یہ کہ تسویہ سے کیا مراد ہے؟ چہرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عدم الرفع الزائد ہے کہ نامزد اونچی نہ ہو، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد تسطیح ہے، یعنی قبر کو مسطح بنانا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قبر میں تسنیم اولیٰ ہے یا تسطیح؟ ائمہ ثلاثہ ومنہم الحنفیۃ تسنیم قبر کے قائل ہیں یعنی قبر مستقیم اور کوہان نما ہونی چاہیے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبر کا مسطح ہونا اولیٰ ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بدایہ میں ہے: وسم القبر ولا یسطح ای لا یربع، لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن ترزیع القبور، ومن شاهد قبرہ اخبر انہ ستم، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ مستقیم ہے، قال الحافظ فی الدراریۃ: ویعارضہ ماروی من عدۃ طرق من انہا کانت مسطحہ، ثم قال: وجمع بینہما الحاکم باہنما کانت اولاً کذا لک ای مسطحہ ثم لما سقط الحدیث سمت، یعنی حاکم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے بارے میں اختلاف روایات میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ شروع میں تو وہ مسطح ہی تھی (لما قال الشافعی) پھر جب کسی زمانہ میں (فی خلافتہ مولید بن عبد الملک و فی امارۃ عمر بن عبد العزیز) حجرہ شریفہ کی دیوار

ساقط ہو گئی تھی تو اس وقت اس کو قسم بنا دیا گیا تھا، قلت واخرج البخاری فی صحیحہ عن سفیان التمار انہ رأى قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سنماہ (عون)

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

کنا عند فضالہ بن عبید بن روضہ بن بارض الروماني۔

ابو علی ہمدانی کہتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے مقام روزس میں جو ملک ۷۰۰  
میں ہے، ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا تو حضرت فضالہ نے ان کے لئے قبر بنوائی جس کو زمین سے زیادہ  
اونچا نہیں رکھا گیا (علی قول الجہور) یا مسطح بنایا گیا غیر مسنم اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا  
کہ آپ اسی کا حکم فرماتے تھے۔

آگے مصنف فرماتے ہیں کہ روزس ایک جزیرہ ہے بحر روم میں، روزس کے ضبط میں بھی کافی اختلاف ہے کہ  
بضم الراء ہے یا بفتح الراء، نیز واو کے بعد دال مہملہ ہے یا ذال معجمہ، ویسے یہ وہی جگہ ہے جو "روزس" کے ساتھ  
مشہور ہے یورپ کے علاقہ میں۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

عن القاسم قال دخلت علی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا أمہ اکتفی لی عن قبر رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وصاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فکشفت لی عن ثلاثہ قبور لا مشرقیہ ولا لا طغیہ مبطوحہ  
بیطحاء العرصۃ الحمراء۔

**شرح الحدیث** حضرت عائشہ کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عائشہ کے یہاں گیا  
(اور چونکہ ان ہی کے حجرہ شریفہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کی قبریں  
ہیں جن کی طرف پردہ پڑا رہتا تھا) اور ان سے عرض کیا کہ اماں جی! مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے  
صاحبین کی قبریں کھول کر دکھلا دیجئے، انہوں نے پردہ ہٹا دیا تو میں نے تین قبریں ایسی دیکھیں جو نہ اونچی تھیں نہ بالکل  
زمین سے لگی ہوئی تھیں، جن پر مقام عرصہ کی سرخ کنکریاں بچی ہوئی تھیں مبطوحہ بمعنی مفروشہ، اور عرصہ جگہ  
کا نام ہے، اور بطحاء بمعنی حصار اور الحمراء بطحار کی صفت ہے۔

قال ابو علی: یقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقدم وابو بکر عند رأسہ وعمر عند

رجلیہ، رأسہ عند رجلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

لہ یہ تو اس زمانہ کی بات ہے کہ قبور کی جانب ایک پردہ پڑا ہوا تھا بعد میں اس حجرہ شریفہ میں مختلف زمانوں میں تعمیری تغیرات ہوتے رہے سقوط طاعن  
کا بھی قصہ پیش آیا جس کا ذکر صحیح بخاری ص ۱۸۶ میں بھی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان قبور ثلاثہ کے ارد گرد اونچی دیوار سے احاطہ کرا دیا تھا  
اب تو ان قبور تک پہنچنا بھی ممکن نہیں رہا۔

یعنی ایسے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر صدیق اکبر کے قدین کے محاذ اہ میں ہے، حکذا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

### باب الاستغفار عند القبر للمیت فوقت الانصراف

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا فرغ من دفن

المیت وقف علیہ فقال استغفروا لایخیکم واسألو الہ بالتبیت فانہ الآن یسئل

تدفین کے بعد میت کیلئے دعا کرنا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ دفن میت سے فارغ ہوتے تو قبر پر تھوڑی دیر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کیلئے

استغفار اور تبیت کی دعا کرو اس لئے کہ اس سے اس وقت سوال کیا جائے گا، تبیت کی دعا کرو، یہ اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف، یشبہ اللہ الذین امنوا بالقرول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة، قول ثابت سے مراد کلمہ توحید ہے، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور تدفین جنت البقیع میں اہل بیت کے قریب، دفن کے وقت مسجد نبوی کے کئی ائمہ بھی موجود تھے، دفن سے فراغت کے بعد امام مسجد نبوی شیخ عبداللہ خربوش رحمہ اللہ تعالیٰ جو قبر کے کنارہ پر اخیر تک بیٹھے رہے تھے انہوں نے رفع یدین کے ساتھ جہر شیخ کے لئے دعا کرائی تھی، اور باقی ائمہ بقیع کے دروازہ پر کھڑے تھے اور ملنے والوں سے تعزیتی جملے استعمال کر رہے تھے، اور اسی طرح حضرت شیخ کی اہلیہ مرحومہ، والدہ مولانا طلحہ جن کا انتقال نظام الدین دہلی میں ہوا تھا اور مسجد کے عقب میں تدفین ہوئی، تدفین کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی تھوڑی دیر وہاں قبر پر رک گئے اور دوسرے لوگ بھی، اور حضرت جی نے مولانا افتخار صاحب سے استمراج کے بعد رفع یدین کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دعا کرائی، یغفر لہم۔



## باب کراہیۃ الذبح عند القبر

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یعقر فی الاسلام۔  
یہ وہی حدیث ہے جس کا حوالہ ہم نے کتاب الاضحیہ میں دیا ہے۔ نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معاقرۃ  
الاعراب۔ الحدیث کے ذیل میں دیا تھا۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث کی تفسیر خود کتاب میں راوی کی جانب سے مذکور ہے، کا نوا یعقرون عند القبر، یعنی  
زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ کسی بڑے آدمی سخی کی قبر پر کوئی جانور ذبح کر کے چھوڑ دیتے تھے  
گائے وغیرہ ضیافت سباع و طیور کی نیت سے، کہ جس طرح یہ لوگوں کی اپنی زندگی میں مہمانی کرتا تھا اسی طرح  
اس کے مرنے کے بعد بھی ہم اس کی طرف سے جانوروں کی ضیافت کا انتظام کریں، اور بعض اس نیت سے ذبح کرتے  
تھے جو ان میں سے بعثت کے قائل تھے تاکہ اس صاحب قبر کا حشر اس جانور پر سوار ہو کر ہو قیامت کے دن، والا  
فیبعثت راجلاً، یعنی اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو اس کو پیدل اٹھ کر جانا پڑے گا، اسی رسم جاہلیت کی تردید میں آپ  
فرما رہے ہیں، لا یعقر فی الاسلام، کتاب الاضحیہ میں ایک اور حدیث گزری ہے، نبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
عن شریطۃ الشیطان، یہ حدیث بھی چونکہ ذبح سے متعلق ہے اس لئے ہم نے اس پر تنبیہ کر دی تاکہ طلبہ کے ذہن میں  
رہیں یہ حدیثیں اور امتحان دینے میں سہولت ہو۔

## باب الصلاۃ علی القبر بعد حین

اور اس سے پہلے بھی ایک باب گزرا ہے، باب الصلاۃ علی القبر یہاں بعد حین کی قید ہے۔

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج یوقا فصلی  
علی اہل اُحد صلاتہ علی المیت شعران صرف۔

یعنی آپ نے ایک مرتبہ شہدار اُحد کی قبور پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی پڑھی جاتی ہے، اور اس کے  
بعد دوسری روایت میں ہے کہ یہ نماز آپ نے آٹھ سال بعد پڑھی تھی گویا سلسلہ میں۔

اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں باب الشہید یغسل میں صلاۃ علی الشہید کی بحث میں گذر چکا، آگے روایت  
میں یہ ہے کالمودع للاحیاء والاموات یعنی آپ کا یہ شہدار اُحد کی نماز پڑھنا اتنی مدت کے بعد اور اپنے زمانہ وفات  
کے قریب بطور تودیع و رخصت کے تھا، احیاء کی تودیع بھی اور اموات کی تودیع بھی، احیاء کی تودیع تو آپ نے  
حجۃ الوداع میں بار بار فرمائی بقولہ خذوا عنی مناسککم لعلی لا ازلکم بعد عامی هذا، حجۃ الوداع میں متعدد مقامات پر

آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، یہ تو ہونی تو دیر آجیاء، اور یہ شہداء احد کی قبر پر نماز اس کو اموات کی تو دیر سمجھ لیجئے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وقال المنذری۔

## باب فی البناء علی القبر

نهى ان يقعد على القبر وان يقصص ويبنى عليه۔

**شرح الحدیث** یعنی منع فرمایا ہے آپ نے قبر پر بیٹھنے کو۔ اس لئے کہ اس میں حق مسلم کا استحقاق ہے اور ترک حرمت ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جلوس عند القبر للإحداد ہے، یعنی سوگ منانے کے لئے وہیں بیٹھا رہے وہاں سے نہ ہٹے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جلوس للتغوط والحدش ہے، یعنی قبر پر بیٹھ کر استنجاء کرنا۔ یہ امام مالک کی طرف منسوب ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ مطلق جلوس تو مکروہ تنزیہی ہے، اور لاجل القاف حرام، امام طحاوی سے بھی اس حدیث کے معنی میں تَعَوْد لاجل الحدش ہی مروی ہے۔

آگے حدیث میں ہے کہ آپ نے تقصیص قبر سے بھی منع فرمایا ہے، تقصیص بمعنی تجصیص، جِصَّ یعنی نڈرہ اور قصہ ایک ہی چیز ہے، یعنی قبر کو چونے سے پختہ بنانا، قال الترمذی بعد تخریج الحدیث: وقد رخص بعض أهل العلم منهم الحسن البصري في تطيين القبور، وقال الشافعي: لا بأس أن يطین القبر، حاشیہ کوکب میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح ممانعت تجصیص قبر کی ہے تطیین قبر کی نہیں نفی شرح السراج للترمذی عن البرجندی: یعنی ان لا یجصص القبر واما تطیینه ففی الفسادی المنصوریۃ لا بأس به خلافا لما یقولہ الکرخی، وفی المصنرات: المختار انه لا یکره اه یعنی گارہ سے اگر قبر کی لپائی کر دی جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں تاکہ قبر کی مٹی جمی رہے، ہوا اور سیول سے ضائع نہ ہو اور تیسری چیز حدیث میں بناء علی القبر کی ممانعت ہے، بدل میں لکھا ہے تعلقا عن القاری کہ نہی عن البناء کراہت کے لئے ہے بشرطیکہ وہ مقبرہ اپنی ملک ہو، اور اگر مقبرہ موقوف ہے تو اس میں حرمت کیلئے، تو رپشتی کہتے ہیں کہ بناء علی القبر میں دوسری کا احتمال ہے یا تو یہ کہ پتھر وغیرہ سے اس پر چٹائی کی جائے، دوسرا یہ کہ قبر پر خیمہ قائم کیا جائے اور یہ دونوں ممنوع ہیں لعدم الفائدة فیہ۔

لہ فی الکوکب قال بعضهم هو ای المجلس علی ظاہرہ، وقال الطحاوی ان الامام لم یکره المجلس مطلقا بل هو کنایۃ عن قضاء الحاجة وقال هو المکره عندئذ لا المجلس بمعناه المشهور لہ فی هامشہ: ودافعه مالک فقال فی الموطا المراد بالقعود الحدیث، وقال النووی هذا باویل ضعیف او باطل، والصواب ان المراد بالقعود المجلس وهو مذہب الشافعی وجمهور العلماء، ولتعقب بان ما قاله مالک ثبت مرفوعا عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال انما نهى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن المجلس على القبر لحدش: غائظ او بول۔ اخرجه الطحاوی۔ اس کے بعد پھر اذہار سے یہ نقل کیا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ دونوں ہی کو ممنوع قرار دیا جائے، جلوس للحدش کو تحریم کے لئے اور مطلق جلوس کو تنزیہ کیلئے دہذا تفصیل حسن قالہ البواب



## باب المشی بین القبور فی النعل

امام احمد کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا مکروہ ہے، اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک نعل سبقتی پہن کر چلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں جو نکیر وارد ہے وہ سبقتی جوتوں پر ہی ہے، اور جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا بلا کراہت جائز ہے، مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں حدیث اول سے جنابہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور حدیث ثانی سے جمہور کے مسلک کی یعنی جواز۔

قال بینما انا ماشی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقبور المشرکین فقال لقد سبق هؤلاء خیرا کثیرا ثلاثا. ثم بقبور المسلمین فقال لقد ادرك هؤلاء خیرا کثیرا.

بشیر بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ آپ کا گذر بعض قبور مشرکین پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ خیر کثیر کو اپنے پیچھے چھوڑ کر اس سے آگے نکل کر چلے گئے، یعنی اسکو نہیں حاصل کر سکے یہ بات آپ نے تین بار فرمائی، پھر آپ کا گذر بعض قبور مسلمین پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خیر کثیر کو پایا ہے، پھر اچانک آپ کی نظر ایک ایک ایسے شخص پر پڑی جو قبرستان میں جوتے پہنے ہوئے چل رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا یا صاحب السببتین اپنے سبقتی جوتے اتار دے تیرا ناس ہو اس نے جب دیکھا کہ کہنے والے آپ ہیں فوراً اتار کر پھینک دیئے۔ اخرجه النسائی وابن ماجه قاله المنذرى۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذ۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر کے اس کے متعلقین واپس لوٹتے ہیں انہیں جمع قدح نعاجھ کہ وہ میت قبر میں ہوتے ہوئے ان کے جوتوں کے کھٹ کھٹ کی آواز سنتا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشی بین القبور فی النعل جائز ہے، مگر مذہب الجمہور، اور پہلی حدیث کا جواب جمہور کی جانب سے کئی طرح دیا گیا ہے، اول یہ کہ وہ بیان اولیت پر محمول ہے اور یہ بیان جواز پر یا یہ کہ اس حدیث میں نہی خیلار کی وجہ سے تھی کہ وہ شخص سبقتی جوتے پہن کر اترتا ہوا چل رہا تھا، اس زمانہ میں سبقتی جوتے عمدہ شمار ہوتے تھے یعنی چرمی جوتے صاف جن پر بال نہ ہوں، یا یہ کہ وہاں پر نہی لاجل القدر تھی، یعنی اس کے جوتوں کو ناپاکی لگ رہی ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قاله المستدری۔

## باب فی تحویل المیت من موضعہ للامر بحديث

اس سے پہلے باب گذر چکا ہے "باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض" و تقدّم هناك بیان الفرق بین الترحمتین۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دفن مع ابی رجل فکات فی نفسی من ذلک حاجة۔  
حضرت جابر فرما رہے ہیں کہ میرے والد جو کہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور میت بھی دفن کی گئی تھی ایک ہی قبر میں، وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کا احساس تھا (یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد اپنی قبر میں تنہا ہوں) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی نعش کو قبر کھود کر نکالا چھ ماہ کے بعد، تو میں نے ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں پایا سوائے ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے جو زمین سے مل رہے تھے۔  
اس حدیث میں تحویل میت بعد الدفن مذکور ہے، اس میں مذاہب وغیرہ پہلے باب میں گذر چکے۔

## باب فی الثناء علی المیت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مروا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بجنائزۃ فاثنوا علیہا خیرا فقال وجبت، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے حاضرین نے اس میت کی بھلائی بیان کی آپ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہو چکی، پھر کسی دوسرے وقت ایک دوسرا جنازہ آپ پر کو گذر لوگوں نے اس کا شر ہونا بیان کیا آپ نے فرمایا اس کے لئے جہنم واجب ہو چکی، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کے حق میں گواہ ہیں۔ یعنی ایسے گواہ جن کی گواہی عند اللہ معتبر ہے، اور صحیحین کی روایت میں ہے، "انتم شہداء اللہ فی الارض"، وہی روایت: المؤمنون شہداء اللہ فی الارض، اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ انتم سے مراد یا تو صحابہ کرام ہیں یا مؤمنین (صحابہ ہوں یا غیر صحابہ) وہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جنازہ کے بارے میں جو شہادت دی تھی اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان شاہدین (گواہوں) کا تزکیہ فرمایا تو اب ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام جیسوں کی شہادت ہو اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیسا شخص ان گواہوں کا تزکیہ کر رہا ہو تو یقیناً اس کا نفع اور اثر مشہودہ کے حق میں ظاہر ہونا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیانت دار اور نیک لوگوں کی گواہی کسی میت کے بارے میں خیر یا شر کی وہ عند اللہ تعالیٰ معتبر ہے اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ مؤمنین کی شہادت کی لاج رکھتے ہیں مگر خالص دنیا دار قسم کے لوگوں کی شہادت مراد نہیں ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ نے ایک جنازہ کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تعریف فرمائی، کچھ دیر بعد جبریل آپ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا یا محمد ان صاحبکم لیس کما یقولون الخ یعنی یہ میت ایسا نہیں جیسا یہ لوگ اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس لئے کہ اس کی ظاہری حالت کچھ تھی اور باطنی کچھ اور، ولكن اللہ صدقہم فمالیقولون وغفر لہم لایعلمون، یعنی جو بھلائی واقعی اس میت میں تھی جس کو صحابہ نے بیان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی میں صحابہ کرام کی تصدیق فرماتے ہوئے، اور جس

چیز کی ان کو خبر نہیں تھی اس کو معاف کرتے ہوئے اس کے ساتھ شہادت کے مطابق معاملہ فرمایا (بذل) زبان خلق کو  
تعارف خدا سمجھو، یعنی جس کو سبھی اچھا کہتے ہوں تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ اچھا ہی ہے، یا کم از کم اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھوں  
والا معاملہ فرماتے ہیں۔

والحدیث أخرجه النسائي، وقد أخرجه البخاري ومسلم والنسائي من حديث ثابت البناني عن النسائي عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: لا تنزلوا

## باب في زيارة القبور

اس سلسلہ میں مصنف نے دو باب قائم کئے، یہ پہلا باب فی حق الرجال ہے، دوسرا باب فی حق النساء، اس پہلے  
باب میں ہے آپ فرما رہے ہیں، نہایت کھ عن زیارة القبور فزور و هان فان زیارة تها تذکرة، یعنی آپ  
فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سب کو قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ وہاں جایا کرو اس لئے  
کہ زیارت قبور میں اپنی موت اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں ناسخ اور منسوخ دونوں جمع ہیں، پہلے زیارت قبور ممنوع تھی بعد میں آپ نے اس کی نہ صرف  
اجازت بلکہ ترغیب فرمائی، اور یہ دونوں باتیں خود اسی ایک حدیث میں جمع ہیں، اس حدیث کی شرح میں عام طور سے شرح نے زیارة قبور  
للرجال کے بارے میں علماء کا اجماع جواز پر لکھا ہے لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے جو آگے آئے گا، لیکن عورتوں کے بارے  
میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس اجازت میں وہ بھی داخل ہیں یا نہیں؟ عند الجمهور ومنهم الشافعي والک عورتیں بھی اس میں  
داخل ہیں، حنفیہ کا اصح قول بھی یہی ہے للعجائز دون الشواب وان قيل بالجواز مطلقا ايضا وسيأتي للزید علیہ، امام احمد کی  
اس میں دور وایتیں ہیں مصنف نے زیارة النساء کا الگ مستقل باب قائم کر کے اس میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ منع  
کی ہے لعن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم زائرات القبور والمتخذين ان مصنف کا میلان  
عدم جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، وفي الادب جزء ۱۵۳ قال الحافظ قال النووي تبعاً للعبدري والحازمي وغيرهما: اتفقوا  
على ان زيارة القبور للرجال جائزة - كذا اطلقوا - وفيه نظر، حافظ کہتے ہیں کہ اس میں مردوں کے حق میں بھی اختلاف مروی  
چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن سیرین ابراہیم نخعی اور شعبی سے کراہت مروی ہے قال الحافظ: وكان هؤلاء لهم  
يبغون الناس، اور اس کے بالمقابل ابن حزم کے نزدیک زیارة قبور واجب ہے اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ ہو، وفي الشرح الكبير  
من فروع المالكية - جاز زيارة القبور بل هي مندوبة بلا حد يوم او مقدار ما يملكث عندها، قال الدسوقي: ذكر في المدخل في  
زيارة المنسار للقبور ثلاثة اقوال المتبع والجواز بشرط السر والتحفظ والثالث الفرق بين المتجالة والشابة انه وفي الدر المختار  
لاباس بزيارة القبور ولو للنساء، قال ابن عابدين قوله لا بأس بل تنب كفا في البحر، وقوله لو للنساء قيل تحرم عليهن والا صح  
ان الرخصة ثابتة وجرم في شرح المنية بالکراهة، وقال النجاشي ان كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء على ما جرت به



عاد تہن فلا تجوز، وعلیہ حمل حدیث اللعن، وان کان للاعتبار والترحم فلا بأس اذا کن عجائز، دیکرہ اذا کن شواب۔  
 کحضور الجماعۃ فی المسجد، قال ابن عابدین: وهو توفیق حسن اھ حضرت سہارنپوری نے بذل میں عورتوں کے حق میں جواز ہی  
 کو ترجیح دی ہے بشرط ارتفاع موانع مثلاً جزع فزع التبرج بزینۃ اور اضاعت حق زوجیت وغیرہ، بعض روایات  
 کی بنا پر چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے  
 عرض کیا کہ میں زیارت قبور کے وقت کون سی دعا پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا قولی السلام علی اہل الدیار من المؤمنین  
 والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستأخرین وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون، اور ایسے ہی حاکم کی روایت ہے  
 کہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت ہر جمعہ  
 کو کرتی تھیں فقہی و تبکی عنہ، حضرت فرماتے ہیں کہ زیارت قبور کی علت حدیث میں تذکر موت بیان کی گئی ہے  
 اور اس کی ضرورت سبھی کو ہے مردوں اور عورتوں دونوں کو۔

نیز جانتا چاہیے کہ یہ گفتگو زیارت قبور للنساء کے بارے میں ہے اور اتباع النساء البجائز کے بارے میں نہیں  
 (عورتوں کا جنازہ کیساتھ قبرستان میں جانا) وہ جائز نہیں وقد تقدم باب اتباع النساء البجائز۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، و حدیث بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم  
 والنسائی بخو، قال المنذری۔

## باب ما یقول اذا مر بالقبور

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج الی المقبرۃ فقال  
 السلام علیکم وارقوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

اس دعا میں ان شاء اللہ پر شرح نے کلام کیا ہے کہ یہ استثنائے شک کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ موت  
 تو یقینی ہے بلکہ یہ لفظ متکلم تحسین کلام کے طور پر۔ ذکر کرتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ جب قبرستان میں  
 داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ مؤمنین صادقین بھی تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو متہم بالنفاق تھے تو یہ استثنائے  
 ان ہی کے لحاظ سے ہے تو گویا یہ لفظ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ان کے ایمان کی توقع پر لایا گیا، اور کہا  
 گیا ہے کہ یہ استثنائے نفس موت کے اعتبار سے نہیں بلکہ موت علی الایمان کے اعتبار سے ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ  
 ہم بھی ایمان پر خاتمہ کے بعد تمہارے ہی ساتھ آکر شامل ہو جائیں گے۔

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب کیف یصنع بالمحرم اذا مات

یعنی اگر کسی شخص کا حالت احرام میں انتقال ہو جائے تو اب اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا یا غیر محرم جیسا؟ شافعیہ و حنابلہ و ظاہریہ کے نزدیک اس کے ساتھ محرم جیسا معاملہ کیا جائے گا، یعنی عدم تطہیب اور عدم تخمیر رأس یعنی کفن سے اس کا سر کھلا رکھا جائے گا اور خوشبو بھی اس کے قریب نہیں لائی جائے گی، ان دونوں اماموں کا استدلال حدیث الباب سے ہے جس کا مضمون یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس کی گردن کو اس کی سواری نے توڑ دیا تھا، یعنی سواری پر سے گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور انتقال ہو گیا تھا جبکہ وہ حالت احرام میں تھا، آپ نے فرمایا اس کو اسی کے احرام کے دونوں کپڑوں میں کفنا دو اور غسل دو اور اس کے سر کو مت ڈھانپنا۔ **فَاتَّ اللَّهُ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَلْبِي** کہ یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا یعنی حالت احرام میں۔

حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے کہ احرام ایک عمل ہے اور موت سے تمام ہی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشہور حدیث سے ثابت ہے، یہی حدیث سو یہ محمول ہے خاص اسی شخص کے حق میں، اور دلیل خصوصیت آپ کا یہ قول **فَاتَّ اللَّهُ يَبْعَثُهُ يَلْبِي** ہے، کسی اور محرم کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ **انہ یبعث یلبی** یہ تو اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس حدیث کو مصنف تو لائے ہیں کتاب الجنائز میں اور امام ترمذی کتاب الحج میں اور امام بخاری دونوں جگہ۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

بحمد اللہ کتاب الجنائز پوری ہو گئی اور اس کا خاتمہ بھی ماشاء اللہ تعالیٰ ایسی حدیث پر ہوا جس میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت ہے جو کچھ لکھا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

## أخر کتاب الجنائز

لہ اذامات ابن آدم انقطع عملہ الا عن ثلاث، صدقہ جاریہ اور علم یتقیہ، او ولد صالح یدعولہ، قال الزیلعی رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی فی الوصایا والترمذی فی الاحکام۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## اَوَّلُ كِتَابِ الْإِيمَانِ وَالنَّذْرِ

**مباحث اربعہ علمیہ مفیدہ** | یہاں چند امور قابل ذکر ہیں (۱) اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت (۲) ایمان اور نذر دونوں کو یکجا ذکر کرنے کی وجہ یعنی ان دونوں کے درمیان مناسبت اور وجہ الجمع

(۳) یحیٰ اور نذر ہر ایک کے لغوی اور شرعی معنی (۴) یحیٰ اور نذر کے اقسام و احکام۔

**بحث اول:**۔ اس کتاب کی مناسبت کتاب الجنائز سے اس طور پر ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جنائز کا تعلق موت سے ہے تو جس طرح موت کے اندر سلب اختیار ہوتا ہے من جانب اللہ تعالیٰ تو اسی طرح یحیٰ بھی سلب اختیار کا ایک سبب ہے اس لئے کہ نذر اور یحیٰ کی وجہ سے امر مباح شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اور کسی چیز کے واجب ہو جانے کے بعد اس کے ترک کا اختیار باقی نہ رہنا ظاہر ہے۔

**بحث ثانی:**۔ اس کے بعد جانتا چاہیے کہ عام طور سے کتب حدیث میں ایمان اور نذر دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ یہاں ابو داؤد میں، اور اسی طرح صحیح بخاری ترمذی اور نسائی میں، جس کی وجہ امام ابن ماجہ کے طرز سے معلوم ہوئی کہ انہوں نے اپنی سنن میں ایک عنوان قائم کیا، ابواب الکفارات، اور پھر اس کے تحت اولاً چند ابواب ایمان سے متعلق اور اس کے بعد پھر چند ابواب نذر سے متعلق۔ ذکر کئے ان کے اس صنیع سے ایمان و نذر کو یکجا جمع کرنے کی لم معلوم ہوئی، وہ یہ کہ یہ دونوں حکم کفارہ میں مشترک ہیں، تو جس طرح بعض ایمان کے احکام میں وجوب کفارہ ہے اسی طرح نذر کی بعض صورتوں میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے، ابو داؤد میں آگے ایک حدیث آرہی ہے، کفارة النذر کفارة الیمین، اور ترمذی میں ہے کفارة النذر اذا لم یسم کفارة الیمین، اور اس کی وجہ اصولاً یہ ہے کہ یحیٰ نذر کے موجبات اور لوازم میں سے ہے لان النذر ایجاب المباح وهو یستلزم تحریم الحلال، و تحریم الحلال یحیٰ، بدلیل قولہ تعالیٰ "یا ایہا النبی لم تحرم ما حل اللہ لک" قالہ الشیخ الدہلوی فی اللمعات کما فی حاشیہ ابن ماجہ۔

**بحث ثالث:**۔ ایمان جمع ہے یحیٰ کی اور یحیٰ کے لغوی معنی ہیں ید کے، دہنا ہاتھ۔ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا حلف پر، لانہم کالتوا اذا تحالفواخذ کل یمین صاحبہ، یعنی لوگوں کی عادت ہے۔ کہ جب وہ آپس میں قسمیں کھاتے ہیں تو اس وقت ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتا ہے، اس مناسبت سے حلف پر یحیٰ کا اطلاق ہونے لگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ کا کام کسی چیز کو محفوظ رکھنا ہے، پھر اس کا اطلاق حلف پر اسی لئے کیا گیا کہ محلوں علیہ کی آدمی رعایت اور حفاظت کرتا ہے، اور یحیٰ کی شرعی تعریف کی گئی ہے تو کینڈی بزرگ اسم

او صفیہ للہ تعالیٰ، کہ کسی چیز کو مضبوط اور ٹوک کرنا اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت ذکر کر کے، قال الحافظ:  
وهذا اخصر التعریف واقر بها۔

نذور جمع ہے نذر کی جس کے معنی ہیں انذار اور تحویف، اور امام راغب نے اس کی تعریف (شرعاً) اس طرح  
کی ہے ایجاب بالیس بواجب لحدوث امر، یعنی انسان کا اپنے اد پر کسی ایسی چیز کو واجب قرار دے دینا جو اس  
پر واجب نہ تھی کسی امر کے پائے جانے کے وقت، جیسے یوں کہے ان فزت فی الاختبار فعلى صوم کہ اگر میں امتحان  
میں کامیاب ہو گیا تو میرے ذمہ ایک روزہ ہے، یہاں پر صوم کو جو غیر واجب تھا اپنے اد پر واجب کیا گیا ہے  
حدوث امر یعنی فوز فی الامتحان پائے جانے پر۔

بحث رابع :- حاشیہ لایع میں حضرت شیخ نے ایمان اور نذور کے اقسام ذکر کئے ہیں، اور الابواب التراجم  
میں مجملایہ لکھا ہے: فالاول علی خمسة انواع، والثانی علی سبعة انواع ایمان کی تین قسمیں بہت مشہور ہیں، یثین منعقدہ،  
یثین الغموس، یثین اللغو، آگے ابو داؤد میں ایک مستقل باب آرہا ہے باب لغو الیمین، ان اقسام کو مع ان کے احکام کے انشاء اللہ تعالیٰ  
وہاں بیان کیا جائے گا۔

### باب التغلیظ فی الیمین الفاجرة

اس باب میں یمین غموس کا ذکر ہے اور آئندہ آنے والے باب میں بھی، فاجرة بمعنی کاذبہ، یعنی جان بوجھ کر  
جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں جو وعید آئی ہے، یمین غموس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی امر ماضی پر قصد خلاف  
واقع قسم کھائی جائے، جیسے یوں کہے کہ واللہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ اس نے نہیں کیا، یا جیسے کسی دوسرے  
کے مال کے بارے میں یہ قسم کھائے کہ یہ میری ملک ہے، یمین غموس کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے صاحب کو  
گناہ کے اندر ڈبو دیتی ہے اور پھر بعد میں جہنم میں۔

یمین غموس میں وجوب کفارہ ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں جمہور علماء کے نزدیک کفارہ نہیں، صرف  
معصیت اور اثم ہے، اور امام شافعی اور اوزاعی کے نزدیک

اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی، اور جو  
لوگ وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں انہ اخرج الی الکفارة من غیرہ، کہ اس میں تو کفارہ کی اور زیادہ حاجت ہے،

من حلف علی یمین مصبورة کاذباً فلیتوباً بوجہ مقعدة من النار۔

یمین مصبورة اس قسم کو کہا جاتا ہے جو آدمی کو قاضی کی مجلس میں روک کر اس سے لی جائے۔ صبر بمعنی جس  
اس کو یمین صبر بھی کہتے ہیں، اور یمین کی صفت مصبورة مجاز لائی گئی ہے، مصبور تو فی الواقع وہ صاحب یمین ہے  
مگر چونکہ اس کو اس قسم کی وجہ سے روکا گیا ہے اس لئے صبر کی نسبت یمین ہی کی طرف کی گئی مجازاً و اتساعاً (خطابی)

آپ فرما رہے ہیں کہ جو شخص قاضی کی مجلس میں جھوٹی قسم کھائے اس کو اپنے ٹھکانے پر جو جہنم میں ہے چلا جانا چاہیے اس میں آپ نے سوائے اس وعید کے کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا اس سے جمہور کی تائید ہوتی ہے یعنی عدم وجوب کفارہ فی الیمین الغموس۔

## باب فی من حلف لیقطع بہ مالا

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ..... فقال الاشعث رفی واللہ کان ذلک، کان بینی و بین رجل من الیہود ارض الخ۔

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے حال یہ کہ وہ اُس میں جھوٹا ہو، اور کھائے اس لئے تاکہ اس قسم کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے مال کو خود قبضہ لے تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوں گے۔ — اشعث بن قیس کنندی نے یہ حدیث سن کر کہا: واللہ اس حدیث کا ورد تو میرے قصہ میں ہوا تھا، پھر آگے انہوں نے وہ قصہ بیان کیا کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین تھی، یعنی جس پر وہ یہودی قابض تھا جس کے دینے سے وہ انکار کرتا تھا، میں اس یہودی کو پکڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اشعث کہتے ہیں: حضور نے مجھ سے پوچھا کیا تیرے پاس بیٹہ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو جھوٹا آدمی ہے قسم کھالے گا اور میرا مال اڑائے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ان الذین یشرکون بعہد اللہ وایماہنم ثمننا قلیلاً۔ الی آخر الآیۃ۔

یہ آیت اور حدیث دونوں اس پر بات پر دال ہیں کہ اہل التعلیم کے یمن غموس میں کفارہ نہیں ہے۔

عن الاشعث بن قیس ان رجلاً من کنندۃ ورجلاً من حضر موت اختصما الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ارض من الیمین فقال الحضرمی یا رسول اللہ ان ارضی اغتصبینہا ابوہذا وھی فی یدہ۔

اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یمن میں ایک زمین تھی جس کے بارے میں ایک رجل کنندی اور رجل حضرمی کا اختلاف اور جھگڑا ہوا، حضرمی مدعی تھا اور کنندی مدعی علیہ، حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کنندی کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ میری ہے اس کنندی کے باپ نے وہ زمین مجھ سے چھینی تھی، آپ نے حضرمی سے فرمایا: تیرے پاس بیٹہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، اور یہ بھی کہا کہ میں اس کنندی سے اس طرح قسم کھلوانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی قسم میں یوں کہے: واللہ میں نہیں جانتا ہوں یہ بات کہ یہ زمین حضرمی کی ہے اور اس حضرمی سے میرے باپ نے غصب کی تھی اس پر کنندی اس طرح قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹی قسم کھانے پر تحریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا مال لے لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے

اس حال میں ملاقات کریگا کہ اجزم ہوگا (کندی یہ وعید سنکر ڈر گیا اور) کہنے لگا کہ یہ زمین اسی کی ہے۔

**یہاں پر مصنف نے تین روایات ذکر کی ہیں** | اس حدیث کے راوی صحابی اشعث بن قیس ہیں، اس کے بعد والی حدیث میں بھی اسی قسم کا قصہ آرہا ہے جس کے راوی

وائل بن حجر ہیں لیکن وائل کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضری مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میرے باپ کی تھی جس پر یہ کندی قابض ہے، اور پہلی حدیث یعنی اشعث بن قیس کی حدیث میں یہ تھا کہ حضری مدعی نے یہ کہا کہ کندی کے پاس جوزین ہے وہ میری ہے کندی کے باپ نے مجھ سے غصب کر لی تھی یہ دونوں حدیثیں اس بات میں متفق ہیں کہ مدعی رجل حضری تھا اور مدعی علیہ رجل کندی، اور ان دونوں کے برخلاف باب کی پہلی حدیث جس کے راوی عبداللہ بن مسعود ہیں اس میں اس طرح ہے کہ خود اشعث بن قیس یہ کہتے ہیں کہ میری زمین ایک یہودی کے قبضہ میں تھی جس کو وہ دینے سے انکار کرتا تھا اور میں اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا فیصلہ کے لئے، اس صورت میں مدعی خود اشعث بن قیس ہوئے اور مدعی علیہ یہودی۔

**روایات ثلاثہ میں تطبیق** | جاننا چاہیے کہ دوسری اور تیسری حدیث میں جو آپس میں اختلاف ہے وہ تو صرف

ہے اور ایک میں یہ ہے میری زمین ہے جس کو اس کے باپ نے غصب کر لیا تھا، اور باب کی پہلی حدیث یعنی عبداللہ ابن مسعود والی حدیث اس کے اندر مدعی خود اشعث بن قیس کندی ہیں اور مدعی علیہ یہودی ہے، اور اشعث بن قیس اور وائل بن حجر کی حدیثوں میں مدعی رجل حضری اور مدعی علیہ رجل کندی ہے، حضرت سہارنپوری نے بذل میں متعدد روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس اختلاف کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے، عبداللہ بن مسعود والی حدیث کا واقعہ الگ ہے، اور جو واقعہ حدیثیں اخیر میں مذکور ہیں وہ دوسرے، حضرت امام بخاری نے صحیح میں ان دو میں سے صرف عبداللہ بن مسعود والی حدیث کے قصہ کو لیا ہے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ازخبر البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث اشعث بن قیس سکت علیہ المنذری، وحدیث وائل بن حجر ازخبر مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

### باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

**تغلیظ الیمین بالزمان والمکان** | تعظیم بمعنی تغلیظ، اور ترجمۃ الباب کا حاصل تغلیظ الیمین بالمکان ہے، یعنی اقم کو معظّم اور غلیظ کرنا مکان مقدس کے ذریعہ جیسے مسجد یا منبر شریف کے قریب قسم کھلوانا، اور ایسے ہی تغلیظ بالزمان جیسے بروز جمعہ یا بعد العصر وغیرہ، تغلیظ الیمین بالزمان ہو یا بالمکان



حنفی اس کے قائل نہیں، شافعیہ مالکیہ قائل ہیں، وعن الحنابلة روايتان. ویسے ہمارے فقہار کی عبارتیں قدرے مختلف ہیں، ففی الدر المختار لا يستحب تغلیظ اليمين بزمان ولا مکان، قلت وحاصله الاباحة، وفي البحر: لا يجوز.

لا يحلف احد عند منبري هذا على يمين اشمة الخ. اس حدیث سے بظاہر تغلیظ اليمين بالمكان سمجھ میں آرہا ہے اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ عند منبري کی قید بیان واقع کے طور پر ہے برائے تغلیظ نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عموافصلے مسجد میں منبر شریف کے قریب ہی ہوا کرتے تھے۔ فقہ ترجم البخاری فی کتاب العلم باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد وترجم ایضاً فی کتاب الاحکام باب من قضی ولا عن فی المسجد، قال ابن بطال استحباب القضاء فی المسجد طائفة وقال مالک هو الامر القديم الخ وفي الهدایہ وبجلس للحکم جلوساً ظاہراً فی المسجد الخ (ترجم بخاری ص ۳۱۶) والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه، قاله المنذري.

## باب اليمين بغير الله

يمين بغير الله بالاجماع ممنوع ہے، کراہتہ اور حرمت میں اختلاف ہے، اس میں بھی ائمہ کے دونوں قول ہیں، لیکن مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہتہ ہے، اور حنابلہ کے نزدیک تحریم اور یہی ظاہر یہ کا مذہب ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دو روایتیں ہیں اس لئے کہ امام شافعی سے منقول ہے: اخشى ان يكون الحلف بغير الله معصية، فاشار الى التردد، لیکن جمہور اصحاب شافعی کے نزدیک کراہتہ تنزیہی ہے، اور علت منع یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ قسم کھانا محلو ف بہ کی غایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے، والعظمة في الحقيقة انما هي لله تعالى وحده (الابواب والتراجم ص ۱۹۱).

من حلف فقال في حلفه: واللوات فليقل لا اله الا الله، ومن قال لصاحبه تعال اقامر لك فليصدق بشيء. جو شخص لات کی قسم کھائے یعنی بطور سبقت لسان کے اس سے ایسا ہو گیا تو چونکہ یہ صورت شرک ہے اس لئے اس کو اس کے تدارک کے لئے کلمہ توحید پڑھنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص یہ قسم قصداً بطریق تعظیم کھائے اس صورت میں تو کفر لازم آئے گا اور تجدید ایمان ضروری ہوگا۔ حدیث کا دوسرا جز یہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھی کو جوئے بازی کے لئے بلائے تو چونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو اس کے اثر کے ازالہ کے لئے صدقہ کرنا چاہیئے۔

قال الله تعالى: ان الحسنات يذهبن السيئات. وقال عليه الصلاة والسلام اذا عملت سيئة فاتبعها حسنة تمحها (ہامش نیل) والحديث اخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه، وليس في حديث احمد منهم شيء، سوى مسلم وحده، قال المنذري

لا تحلفوا بآبائكم ولا بآمهاتكم ولا بالانساب

حلف بالآباء والامهات ناجائز اور ممنوع ہے اور اس سے یمین بھی منعقد نہیں ہوتی عند الائمة الماربعة، ان قدامہ فرماتے ہیں مخلوق کے ساتھ قسم کھانے سے یمین منعقد نہیں ہوتی کالکعبة والانیار وسائر المخلوقات

وہو قول اکثر الفقہاء آگے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قسم منعقد ہو جاتی ہے جس میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ادرکہ وهو فی ركب الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک قافلہ سواروں میں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں باپ کی قسم کھا رہا ہوں تو اس پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ۔ اگر قسم کھانی ہے تو اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ ورنہ خاموش رہو۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے، قال عمر فواللہ ما حلفت بهذا اذکرا ولا اثرا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ کے بعد کبھی باپ کی قسم نہیں کھائی نہ ذکر آنہ آثرانہ خود اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کے کلام سے نقل کرتے ہوئے۔ یعنی اگر کسی دوسرے شخص نے باپ کی قسم کھائی تو میں نے اس کو اپنی زبان سے نقل بھی نہیں کیا۔ اس جملہ کے متبادر معنی یہی ہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

انہ سمع طلحة بن عبید اللہ۔ یعنی فی قصۃ الاعرابی۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اقلع وابیہ! یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے شروع میں گزر چکی وکذا الکلام علیہ فاربع الیہ لوشئت۔

## باب کراہیۃ الحلف بالامانۃ

حلف بالامانۃ منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے بان یقول وامانۃ اللہ

لہ وجزم الدر میر للالکی بانہ لا ینعقد بالینی ولابا للکعبۃ والکرن والمقام والعرش۔ الی آخر ما ذکر۔ فی البدایع۔ لو حلف بشئ من ذلک لایکون میثا

لانہ حلف بغیر اللہ تعالیٰ (ترجمہ بخاری) وقال ابن الہمام من حلف بغیر اللہ کالینی والکعبۃ فم یکن حالفاً (عون)

مہ شرح نے اس جملہ کے دو معنی اور لکھے ہیں (۱) یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یعنی ارادۃ وقصد و علی ہذا ذکر من الذکر (بالضم) ضد النسیان و آثر من

الاثر اسی الاختیار فی المعنی الاول آثر من الاثر بمعنی النقل (۲) تیسرے معنی یہ لکھے ہیں آثر اسی مفتخر بالآباء الاثر بمعنی الافتخار والاکرام بمعنی

باپ کی قسم بطور فخر علی الآباء کے کبھی نہیں کھائی (کما یفعل فی الجالیہ) بل علی سبیل الجری علی اللسان، اب خلاصہ ان معانی تثنیہ کا یہ ہوا۔

جان کر اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کی طرف سے نقل کے طور پر۔ ارادۃ واختیار بخلاف النسیان کہ اس کی نفی نہیں ہے۔ باپ کی قسم کبھی نہیں

کھائی لامطلقاً ولا مفتخرانہ تفاخر کے طور پر اور نہ ویسے ہی۔ (یستفاد ہذا المعانی من حاشیۃ الترمذی)

اور بالامانہ (معنی) اور خطابی نے امام شافعی کا مسلک عدم انعقاد یمن لکھا ہے، اور حنفیہ کی اہمیں دونوں روایتیں ہیں انعقاد و عدم انعقاد، انعقاد کی وجہ تو یہ ہے کہ امانت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے از الایمن من اسمائے تعالیٰ اور عدم انعقاد کی وجہ امانت کا عبادت اور فریضہ کے معنی میں آنا ہے۔ (بذل)

من حلف بالامانہ فلیس منا۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حلف بالامانہ منعقد نہیں ہونی چاہیے، ممنوع ہے جس طرح حلف بالآبار ممنوع ہے، لیکن چونکہ حلف بالامانہ بہت سے ائمہ کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں مانعت تشبہ بالیہود کی وجہ سے ہے۔

### باب المعارض فی الایمان

معارض جمع ہے معارض کی جو ماخوذ ہے تعریض سے، تعریض یعنی ضد التصریح، اشارہ و کنایہ سے بات کرنا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یمینک علی ما یصدقک علیہا صاحبک۔ یہ خطاب حالف یعنی مدعی علیہ کو ہے اور صاحب سے مراد اس کا مقابل اور خصم یعنی مدعی ہے، یعنی جس چیز پر مدعی قسم کھانا چاہتا ہے اسی پر وہ قسم محمول ہوگی، یہ نہیں کہ تھوٹ سے بچنے کے لئے مدعی علیہ قسم کھاتے وقت کچھ اور نیت کر لے۔

اس حدیث میں دیانت اور سچائی کی تعلیم اور ترغیب ہے اور معارض سے گویا رد کا گیا ہے کہ آدمی قسم کھاتے وقت تو یہ کہنے لگے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ اگر مدعی علیہ مظلوم ہو تو پھر ظلم سے بچنے کے لئے تو یہ جانتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

عن سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرجنا زید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ومعنا وائل بن حجر الخ۔ حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے وطن سے چلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ سے، ہمارے ساتھ وائل بن حجر بھی تھے ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا، میں نے دشمن کے سامنے قسم کھائی کہ یہ میرا بھائی ہے اس پر دشمن نے ان کو چھوڑ دیا، دوسرے لوگوں نے تو قسم کھانے سے گریز کیا تھا گناہ کے خوف سے، پھر جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تو آپ نے میری تائید فرمائی صدقت المسلم اخو المسلم۔ اس حدیث سے ظلم سے بچنے کے لئے تو یہ کی اجازت معلوم ہوگئی۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی وابن ماجہ، و حدیث سوید اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری

## باب جاء في الحلف بالبراءة من ملة غير الاسلام

ترجمة الباب کی تشریح و ذکر اختلاف النسخ | اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں ترجمہ الباب اس طرح ہے۔ ماجاء فی الحلف بالبراءة بملۃ غیر الاسلام، اور یہی نسخہ صحیح ہے، اس صورت میں ترجمہ الباب کے دو جزر ہوئے اول حلف بالبراءة، ای عن الاسلام، اور دوسرا جزر حلف بملۃ غیر الاسلام، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں ترجمہ الباب کا جزر ثانی مذکور ہے۔ من حلف بملۃ غیر الاسلام کاذباً فهو کما قال اس کی مثال یہ ہوگی ان فعلت کذا فانما یہودی، اور نصرانی، اس میں قسم غیر اسلام کے ساتھ کھائی جا رہی ہے، اور باب کی دوسری حدیث میں ترجمہ کا جزر اول موجود ہے۔ من حلف فقال انی بری من الاسلام فان کاذباً فهو کما قال مثلاً اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اسلام سے بری ہوں، اب یہ کہ ان دونوں مسئلوں سے متعلق فقہاء کیا فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی و مالک کے نزدیک ان دونوں صیغوں سے یمین منعقد نہیں ہوتی اور نہ کفارہ واجب ہوتا ہے لیکن اس طرح قسم کھانے والا گنہگار بہر حال ہے سچ کہہ رہا ہو یا جھوٹ، اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک دونوں صیغوں سے یمین منعقد ہو جاتی ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے اور جو ترجمہ الباب ہمارے نسخہ میں ہے اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ قسم کھانا ملت غیر اسلام سے برادرت کی مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو غیر اسلام سے بری ہوں، اس طرح تو کوئی قسم نہیں کھاتا، اور غیر اسلام سے تو ہر مسلمان بری ہوتا ہی ہے اور اگر کوئی بالقرض اس طرح قسم کھائے بھی تو اس میں وعید کی کوئی بات نہیں حالانکہ حدیث میں وعید مذکور ہے قد تبار و تامل فان هذه الترجمة دقيقة مشکلة لاجل اختلاف النسخ، صحیح بخاری میں ترجمہ کی عبارت اس طرح ہے۔ باب من حلف بملۃ سوی الاسلام۔

## باب الرجل یحلف ان لا یتادم

اور بعض نسخوں میں ان لا یتادم ہے، اور موافق قیاس بھی یہی ہے جیسا کہ کتاب الطہارة میں۔ ان تتنزه و اتانزه کی تحقیق میں گزر چکا ہے، صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے۔ اذا حلف ان لا یتادم یہ ادا م سے ماخوذ ہے جس کے معنی سالن کے ہیں۔

رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وضع شجرة على كسرة فقال خذها ادا م هذه۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ | یعنی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیکر اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا یہ اس روٹی کا سالن ہے۔

یعنی ضرورت کے وقت میں کھجور سے ہی سالن کا کام لیا جاسکتا ہے، آپ کا مقصد مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے، یہی بات کہ مسئلہ کیا ہے سو جانتا چاہیے کہ اس میں امام محمد اور شیخین کا اختلاف ہے، شیخین فرماتے ہیں الا دام بالیصطیغ بہ الخبز اذا اختلط بہ نخل وزیت، لا اللحم والبیض، یعنی ادام وہ چیز ہے کہ جب روٹی کو اس کے ساتھ لگائیں تو روٹی اس کے رنگ میں رنگ جائے جیسے سرکہ اور روغن زیتون، اور جہاں اس طرح نہ ہو تو وہ ادام نہیں ہے جیسے لحم اور بیضہ ان میں روٹی کہاں رنگی جاتی ہے، اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ الا دام صوما یؤکل مع الخبز غالباً، یعنی جو چیز عام طور سے روٹی کے ساتھ روٹی کے تابع ہو کر کھائی جاتی ہو وہ ادام سے خواہ روٹی اس میں رنگی جائے یا نہ رنگی جائے، لہذا جو چیز عام طور سے تنہا کھائی جاتی ہو مستقلاً کتمر وزبیب ویطیخ وسائر الفواکہ لیس اداً ما، ہاں اگر کسی مقام میں ان پھلوں میں سے کوئی پھل تبعا للخبز کھایا جاتا ہو تو اس مقام میں اس کو ادام کہا جائے گا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کذا فی الدر المختار، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وبقول محمد قالت الائمة الثلاثة الشافعی ومالک واحمد (من الابواب والترجم)

اس بیان مذاہب سے معلوم ہو رہا ہے کہ روٹی کے لئے ترائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی ادام نہیں ہے، اسلئے کہ عرب میں کھجور غالباً مستقلاً کھائی جاتی ہے، اور اس میں روٹی بھی نہیں رنگی جاتی، لہذا حدیث کا جواب وہی ہے جو اوپر شرح حدیث میں ہم نے لکھا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

## باب الاستثناء فی الیمین

من حلف علی یمین فقال ان شاء الله فقد استثنى۔  
یمین کا اطلاق کبھی محلف علیہ پر بھی ہوتا ہے مجازاً کما فی ہذا الحدیث، یعنی جو شخص کسی بات پر قسم کھانے کے ساتھ ان شاء اللہ کہے تو وہ حانث نہیں ہوتا بشرطیکہ یہ استثناء یعنی ان شاء اللہ کہنا متصلاً ہو، اس اتصال کی قید کا بیان آئندہ، باب الحالف استثنى بعد ما یتکلم میں آ رہا ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب ما جاء فی یمین النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر کن لفظوں کے ساتھ قسم کھاتے تھے، باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ لفظ لا وقلب القلوب ہے، اور تیسری حدیث میں لا واستغفر اللہ لا وقلب القلوب میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ لازماً ہے دوسرا یہ کہ لا کا تعلق مضمون سابق سے ہے یعنی دوران کلام آپ نے فرمایا کہ

ایسا نہیں ہے وقلب القلوب، اس صورت میں لاہ پر سکتہ کرنا ہوگا، اور لاواستغفر اللہ میں یہ بات متعین ہے کہ یہاں پر قسم بہ محذوف ہے یعنی لاواللہ استغفر اللہ اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جب آپ کسی بات پر قسم مبالغہ کے ساتھ کھاتے تھے تو اس طرح فرماتے تھے لاوالذی نفس ابی القاسم بیدہ۔

چوتھی حدیث یہ ہے قال دلمہم وحده شنیہ ایضا الاسود بن عبد اللہ عن عاصم بن لقیطان لقیط بن عاصم۔  
**تحقیق سند** | دلمہم بن الاسود جو سند حدیث کے راوی ہیں وہ اس حدیث کو دو طریق سے روایت کر رہے ہیں پہلا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عمہ لقیط بن عامر، یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اپنے باپ اسود سے اور اسود روایت کرتے ہیں اپنے چچا لقیط بن عامر سے۔

اور دوسرا طریق یہ ہے دلمہم بن الاسود عن ابیہ عن عاصم بن لقیط عن لقیط بن عامر یعنی دلمہم روایت کرتے ہیں اسود اور اسود روایت کرتے ہیں عاصم بن لقیط سے اور عاصم بن لقیط روایت کرتے ہیں لقیط بن عامر سے، مگر حضرت نے بذل میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ میرے پاس جو رجال کی کتابیں موجود ہیں ان میں میں نے لقیط بن عامر کوئی راوی نہیں پایا، پس ہو سکتا ہے کہ یہ تحریف ہو اور صحیح لقیط بن عامر ہو وہو لقیط بن صبرۃ بن عامر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خرج وافضل الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

لقیط کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں قاصد بن کر پہنچا۔ آگے مصنف فرماتے ہیں اختصاراً کہ اس کے بعد لقیط نے حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا لعنوا النہک تیرے معبود کی بقا کی قسم، عمر سے مراد بقار جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے لعنوا انہم لفی سکوۃہم یحسبون، اب یہ کہ لعنوا اللہ یا لعنوا النہک سے یحسب منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک منعقد ہو جاتی ہے، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ یحسب کی نیت سے کہا تب تو یحسب ہوگی ورنہ نہیں، اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں کاملہ صیین، کافی النیل (کذا فی ہامش البذل)

فانہ کا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کا باب قائم کیا ہے، باب کیف کان یحسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، یعنی وہ الفاظ جن کے ساتھ آپ ہمیشہ قسم کھاتے تھے یا اکثر، اور مجموعہ اس کا جو اس باب میں مذکور ہے وہ چار الفاظ ہیں (۱) والذی نفسی بیدہ اور ایسے ہی والذی نفس محمد بیدہ، ان میں بعض کے شروع میں لفظ لا ہے اور بعض کے شروع میں لفظ آنا۔ اور بعض کے شروع میں لفظ ایم، (۲) لا وقلب القلوب، (۳) واللہ، (۴) ورب الکعبہ، والادل اکثرہا اور ذرا اھ اور حافظ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قسم کھانا انہی سے زائد مواضع میں منقول ہے فی اکثر من ثمانین موضعاً، وامر اللہ تعالیٰ بالتحلف



على تصديق ما أخبر به في ثلاثه مواضع: في سورة يونس وسبأ والتغابن اهـ (الابواب والتراجم مختصراً)

## باب الحنث اذا كان خيرا

عن أبي بردة عن أبيه أن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال إني والله إن شاء الله لأحلف على يمين

فَارِغْهَا خَيْرًا مِنْهَا الْكَفَرَاتِ يَمِينِي وَابْتِئِذْ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ

آپ فرما رہے ہیں کہ واشٹر میرا طریقہ یہ ہے کہ اگر میں کسی چیز پر قسم کھا بیٹھوں اور پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر سمجھوں تو میں اپنی یحییٰ کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں اور وہ کام جس کو خیر سمجھتا ہوں اسکو کرتا ہوں۔ اس میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ یا تو آپ نے اسی طرح فرمایا تھا اور یا اس طرح فرمایا تھا کہ میں اس کا خیر کو کرتا ہوں اور کفارہ یحییٰ ادا کرتا ہوں (ان دونوں میں تقدیم و تاخیر کا فرق ہے) پہلے جملہ میں کفارہ یحییٰ اولاً مذکور ہے اور اس کا خیر کو کرنا بعد میں مذکور ہے، اور دوسرے جملہ میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔

**تقدیم الکفارة علی الحنث** | اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز و عدم جواز جس کو مصنف آگے خود بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، قال ابو داؤد: سمعت

احمدیوں میں کفارۃ قبل الحنث، بقیۃ ائمہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام مالک کا مسلک بھی یہی جو امام احمد کا ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز مطلقاً اور امام شافعی کے نزدیک کفارہ مالیہ کی تقدیم تو جائز ہے اور غیر مالیہ یعنی کفارہ بالصوم اس کی تقدیم جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں۔

اسکے بعد جانتا چاہیے کہ کفارۃ یحییٰ جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے، لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اہلیکم او کسوتھم او تحریس رقبتہ، فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام، یہ کل چار چیزیں ہونیں، اطعام عشرۃ مساکین، یا ان کا کسوتہ، اعتناق، اور ان تینوں میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں صوم ثلاثۃ ایام، حنفیہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب حنث ہے اسی لئے انکے نزدیک تقدیم الکفارۃ علی الحنث جائز نہیں، اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب خود یحییٰ ہے اور حنث اسکی شرط، فی شرح السنۃ، وانما یجوز تقدیم العتق او الاطعام او الکسوتۃ کما یجوز تقدیم الزکاۃ علی الحول، ولا یجوز تعجیل صوم رمضان قبل وقۃ انتہی۔ (بذل مختار)

باب في القسم هل يكون يمينا

تفصیل مذاہر اب تکہ فی مسئلۃ الباب | یعنی لفظ قسم سے یحییٰ منعقد ہوتی ہے یا نہیں جیسے یوں کہتے قسمت

یا اقسمت باللہ جانتا چاہیے کہ حلف بلفظ القسم کی دو صورتیں ہیں (۱) مجرداً عن لفظ الجملۃ یعنی بغیر لفظ اللہ کے صرف یوں کہے، اقسمت۔ (۲) مقرون بلفظ الجملۃ، جیسے اقسمت باللہ، حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یحییٰ منعقد ہو جاتی ہے، اور امام شافعی و مالک کا مذہب یہ لکھا ہے کہ پہلی صورت میں منعقد نہیں ہوتی صرف دوسری صورت میں منعقد ہوتی ہے (بذل) حنفیہ کا یہ مسلک بذل میں بدائع سے نقل کیا ہے اور یہ کہ امام زفر کا مسلک اس میں امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے، اور حافظ نے ابن المنذر سے جو مذاہب ائمہ نقل کئے ہیں وہ اس طرح ہیں کہ لفظ اقسمت سے خواہ اس کے ساتھ باللہ کہیں یا نہ کہیں، یحییٰ کا قصد ہو یا نہ ہو بہر صورت یحییٰ ہے وہ قال النخعی والثوری والکوفیون، اور امام مالک کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ اقسمت باللہ تو بہر حال یحییٰ ہے اور صرف لفظ اقسمت یحییٰ نہیں ہے الا بالنیۃ، اور امام شافعی کا مسلک یہ لکھا ہے کہ صرف لفظ اقسمت تو کسی حال میں یحییٰ نہیں ہے یعنی ولو نوى، اور لفظ اقسمت باللہ یہ یحییٰ ہے بہر صورت نیت ورنہ نہیں، اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک مطلقاً یحییٰ نہیں ہے، اور امام احمد کے انہوں نے اس میں دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ مطلقاً یحییٰ ہے مثل الحنفیہ، دوسرا یہ کہ نیت کی صورت میں یحییٰ ہے ورنہ نہیں مثل المالکیہ (الابواب المترجم)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ابوہریرۃ یحدث ان رجلاً اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال انی اری اللیلۃ فذکر رؤیا فعبہا ابو بکر فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اصبت بعضاً واطأت بعضاً فقال اقسمت علیک یا رسول اللہ انہ

**مضمون حدیث** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے (مصنف نے تو اس خواب کو یہاں اختصاراً حذف کر دیا یہ خواب ابو داؤد میں باب فی شرح السنۃ میں باب فی الخلفاء کے اندر اس طرح آرہا ہے فقال انی اری اللیلۃ ظلمۃ ینظف منہا السمن العسل فاری الناس یتکفون بایدیم فالمتکثر والمستقل الحدیث، کافی طویل خواب ہے جس کے شروع کا حصہ یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ رات میں نے خواب میں ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور میں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس ٹپکنے والی چیز کو لے رہے ہیں بعض کثیر مقدار میں اور بعض قلیل مقدار میں۔ الی آخر الرؤیا، اس خواب کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر دینے کی مجھے اجازت دے دیجئے، اور پھر انہوں نے اس کی تعبیر بیان کی اور پوچھا یا رسول اللہ میں نے صحیح تعبیر دی یا غلط، اس پر آپ نے فرمایا جو یہاں روایت میں مذکور ہے، اصبت بعضاً واطأت بعضاً، کہ کچھ حصہ تعبیر کا صحیح ہے اور کچھ غلط، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے بتلا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی

آپ نے فرمایا لا تقسموا یعنی قسم مت کھاؤ اور پھر آپ نے خطا و صواب کی تعین نہیں فرمائی۔

**حدیث الباب استدلال بہ الفرقان** | امام خطابی فرماتے ہیں اس واقعہ کو فریقین میں سے ہر ایک نے اپنی دلیل قرار دیا، شافعیہ نے (جن کے نزدیک اس سے قسم نہیں ہوتی)

اس طور پر کہ حدیث میں ابرار مقسم کا حکم وارد ہوا ہے کہ اگر کسی مسلمان پر اس کا دوسرا بھائی قسم کھائے تو اس کو چاہیے کہ اس کی قسم کو پورا کر دے اور حالف کو عانت نہ ہونے دے، دیکھئے یہاں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر نے جس چیز پر قسم کھائی تھی کہ آپ بتا دیجئے مگر آپ نے نہیں بتایا، تو اگر قسمت علیک قسم منعقد ہو جاتی تو صدیق اکبر حالف اور مقسم ہوتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ابرار فرماتے، حالانکہ حضور نے ان کا ابرار نہیں فرمایا، معلوم ہوا صدیق اکبر مقسم ہی نہ تھے، یہ طریق استدلال تو ہوا شافعیہ کا، اور حنفیہ کا طریق استدلال یہ ہے کہ حضور صدیق اکبر سے فرما رہے ہیں لا تقسم کہ قسم کیوں کھاتے ہو میں نہیں بتاؤں گا، معلوم ہوا کہ قسم ہو گئی تھی۔  
والحدیث اخر جہ البخاری ومسلم والترندی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی الحلف کاذباً متعمداً

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلین اخضا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔  
یعنی دو شخص آپ کی خدمت میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے، مدعی کے پاس چونکہ بیٹہ نہیں تھا اس لئے آپ نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو اس نے قسم ان لفظوں کے ساتھ کھائی، بالشر الذی لا الہ الا هو، تو آپ نے اس کی قسم کے یہ لفظ سن کر فرمایا بلی قد فعلت، کہ جس چیز کے نہ کرنے پر تو قسم کھا رہا ہے تو نے وہ کام ضرور کیا ہے (لہذا تو اس قسم میں جھوٹا ہے) لیکن تیری یہ لغزش اور گناہ قول لا الہ الا اللہ کے اخلاص کی برکت سے معاف کر دیا گیا۔

**استفیذ بالحديث امران** | اس پر علامہ سندی فتح الودود میں لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی بیعت کو بذریعہ وحی یا الہام باطل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ فرمایا، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ احیانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وحی وغیرہ کے ذریعہ سے باطن حال کا اعتبار کرتے ہوئے ظاہر کے خلاف فیصلہ فرماتے تھے، اور وہ جو آپ نے فرمایا وکن غفر اللہ لک اس سے مراد حلف کاذب کے گناہ کی معافی ہے نفیہ دلیل علی ان الکبائر تغفر بکلمۃ التوحید اھ

یعنی قسم کیوں کھاتے ہو فہم نہ انہ یحییٰ کما هو مسلک الحنفیۃ واجاب عنہ الشافعی وجہ آخر بانہ علیہ السلام امر بابرار المقسم فلو کان قسماً لا یبرہ۔

قال ابو داود: يراى من هذا الحديث انه لم يامر بالکفارة۔ امام ابو داود یہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات مستفاد ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالف کو کفارہ کا حکم نہیں فرمایا حالانکہ اس کی یہ یحیٰ بن یحییٰ بن غموس تھی جس کے اندر امام شافعی کے نزدیک کفارہ ہے، لیکن جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کفارہ فیہ، اس حدیث سے دو فائدے وہ مستفاد ہوئے جن کو علامہ سندی نے بیان کیا، تیسرا فائدہ یہ ہوا جس کو مصنف نے بیان فرمایا ہے، یہاں پر حضرت نے بذل الجہود میں ایک اشکال اور پھر اس کا جواب تحریر فرمایا ہے، اشکال یہ کہ یحیٰ بن کاذبہ گناہ کبیرہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، تو اس شخص کا یہ کبیرہ صرف کلمۃ التوحید سے کیسے معاف ہو گیا اسلئے کہ حسنات صرف مکفر صغائر ہیں نہ کہ مطلقاً، پھر اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب اس شخص نے لا الہ الا اللہ اخلاص کے ساتھ کہا تو گویا اس کو ندامت ہوئی اپنے فعل پر اور ندامت ہی توبہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ شخص لا الہ الا اللہ کہنے سے پہلے مومن مخلص نہیں تھا اس حلف کے وقت ہی کلمۃ توحید اخلاص کے ساتھ پڑھا تو گویا اس نے اپنے ایمان کی تجدید کی تو اس تجدید ایمان نے اس کی سابق معصیت کی تکفیر کر دی۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المتذری۔

## باب کما الصاع فی الکفارة

یعنی کفارہ یحیٰ بن یحییٰ میں کتنے صاع غلہ دیا جائے گا؟

کفارہ یحیٰ بن یحییٰ کی تفصیل مع مذاہب ائمہ | وفي الکثر: کفارۃ تحریر رقبۃ ادا طعام عشرة مساکین کہانی الظہار  
او کسوتم بما یستر عامۃ البدن لقولہ تعالیٰ: کفارۃ ا طعام عشرة مساکین او کسوتم الایۃ وکلمۃ: او۔ للتحذیر فان الواجب احد الاشیاء الثلاثۃ، وقولہ: کہانی الظہار ای کلا طعام والتحریر فی الظہار، وقد بینا ہما ہناک (زلیعی ج ۱) فی حاشیۃ الشلبی: وان شارب اطعم عشرة مساکین کلا طعام فی کفارۃ الظہار وہی نصف صاع من بر او صاع من تمر او شعیر، ویجوز ان یغنیہم ویعشیہم بخبز الا ان کان بزرًا لای شرط فیہ الا ان کان غیرہ فبادام، ویجزئی فی الاطعام کل من التملیک والاباہۃ اھ معلوم ہوا کہ اطعام میں دونوں اختیار ہیں یا تو ہر مسکین کو مثل صدقۃ الفطر کے ایک صاع شعیر وغیرہ کا اور نصف صاع گیہوں کا دیا جائے، اور یا تغذیہ اور تعشیہ کو اختیار کرے یعنی دس مسکینوں کو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلانا، اور کھانے میں بھی اباحت اور تملیک دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح شافعیہ وغیرہ کے یہاں جو مقدار کفارۃ ظہار وغیرہ میں دی جاتی ہے وہی مقدار یہاں دس مسکینوں کو دیجادیے، چنانچہ شافعیہ کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد من کل شیء اور امام مالک کے نزدیک نصف صاع یعنی دو مد من کل شیء، اور امام احمد کے نزدیک من البرئ او من غیرہ مدین کا تقدم فی کفارۃ الظہار۔

یہی مسئلہ مصنف کے ترجمہ الباب میں مذکور ہے اسی لئے ہم نے اس کو یہاں بیان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف کی غرض ترجمہ الباب سے مقدار صاع کو بیان کرنا ہو کہ جس صاع سے کفارہ ادا کیا جائے اس صاع کی مقدار کیا ہو، چنانچہ اس حدیث سے جو مذکور تحت الباب ہے معلوم ہوا کہ اس کی مقدار مدہشام کے اعتبار سے مدین اور نصف مدہشام چاہیے، نفی غرض المصنف من الترجمة احتمالان۔

فوهبت لنا ام حبيب صاعا حدثنا عن ابن ابي صفية عن صفية رضي الله تعالى عنها..... فوجدت في مدین ونصف مدہشام، ابن حرمہ کہتے ہیں کہ ہم کو ام حبیب نے جو کہ حضرت صفیہ کے بھتیجے کے نکاح میں تھیں انہوں نے ہم کو ایک صاع دیا جس کے بارے میں انہوں نے اپنے شوہر ابن اخی صفیہ سے اور انہوں نے حضرت صفیہ سے یہ روایت کیا کہ یہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صاع تھا۔ آگے حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے جو اس کو ناپا تو اس کو دو مدہ اور نصف مدہ پایا مدہشام کے لحاظ سے۔

مدی بحث ہمارے یہاں ابواب الوضوء میں بالتفصیل گزر چکی اور یہ کہ ایک صاع بالاتفاق چار مدہ کا ہوتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ایک مدہ کا وزن کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک دو رطل اور جمہور کے نزدیک ایک رطل اور ثلث رطل، لیکن یہاں روایت میں راوی یہ کہہ رہا ہے کہ وہ صاع دو مدہ اور نصف مدہ کا تھا لیکن ساتھ ہی میں راوی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میری مراد مدہ سے مدہشام ہے۔

**مدہشام کی مقدار اور اس کی تحقیق** | اس سے معلوم ہوا کہ مدہشام مطلق مدہ سے بڑا ہوتا ہے، اب یہ کہ اس کی مقدار کیا ہوتی ہے، بخاری شریف کا ترجمہ تو ہے "باب صاع المدینہ و المدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دبرکتہ۔ مدہشام کا ذکر اس میں نہیں ہے البتہ موطا مالک میں ہے چنانچہ اس میں ہے قال مالک والكفارات كلها وزكاة الفطر وزكاة العشر كل ذلك بالمد الا صغر مد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الا الظهار فان الكفارة فيه بالمد الاعظم مد هشام اه جمہور علماء کے نزدیک تو تمام ہی کفارات میں مد مدنیہ یا کہنے مد بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعتبار ہے اور امام مالک نے بھی جملہ کفارات اور زکاة فطر وغیرہ میں اسی مد کا اعتبار کیا ہے جس کو موطا میں مد اصغر نے تعبیر کیا ہے لیکن کفارة ظہار میں انہوں نے مدہشام کا اعتبار کیا ہے جس کو مد اعظم سے تعبیر کیا ہے اور جز میں حضرت شیخ نے علامہ باجی سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اسکی مقدار میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ایک مدہشام ایک ثلث کم دو مدہ بنی کے برابر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پورے دو مدہ بنی کے برابر ہوتا ہے یعنی اس سے پورا دو گنا ہوتا ہے۔ (الی آخر ما ذکر فی الادجز ص ۱۸۹)



## باب فی الرقبة المؤمنة

کفارہ یحییٰ والے رقبہ میں مؤمنہ کی قید جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک اس میں مؤمنہ کی قید نہیں، البتہ کفارہ قتل میں حنفیہ کے نزدیک رقبہ مؤمنہ کی قید ہے اسلئے کہ وہ آیت کریمہ جو کفارہ قتل کے بارے میں ہے وہ ایمان کی قید کے ساتھ مقید ہے بخلاف اس نص کے جو کفارہ یحییٰ کے بارے میں ہے کہ وہ مطلق ہے قال تعالیٰ: او تحریر رقبہ۔ لہذا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقيید پر اور جمہور علماء نے اس مسئلہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے، یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے کتب اصول فقہ میں بھی مذکور ہے المطلق یجری علی اطلاقہ والمقید علی تقيیدہ ضابطہ کے تحت۔

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يا رسول الله جارية لي صككتها صكة فمظروذ لك علي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔

معاویہ بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جس کے چہرہ پر میں نے تھپڑ مار دیا تھا آپ نے اس کا میرے حق میں جرم عظیم ہونا ظاہر فرمایا (یہ گھبرا گئے) اور کہنے لگے کہ کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ، وہ کہتے ہیں میں اس کو آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے اس سے بطور امتحان سوال فرمایا، ابن اللہ کہ اللہ تعالیٰ تیرے نزدیک کہاں ہے اس نے جواب دیا، فی السماء، آسمان میں ہے، یہ سوال تو گویا توحید سے متعلق ہوا اور اس میں اصنام کے الہ ہونے کی نفی ہو گئی پھر آپ نے سوال فرمایا کہ میں کون ہوں، اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ نے ان صحابی سے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کہ یہ مؤمنہ ہے،

اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ یہ بات معقول اور بدیہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو اس جاریہ کے آزاد کرنے کا حکم بطریق کفارہ کے دیا تھا یعنی معصیت ضرب کا کفارہ اس طور پر کہ پہلے آپ نے اس کے ایمان کا امتحان لیا اس کے بعد اس کے اعتناق کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کفارہ کا حال اور حکم یہی ہے اور پھر اس کے بعد انہوں نے اس میں اختلاف علماء کو بیان کیا ہے، یہاں ذکر چونکہ کفارہ یحییٰ کا ہو رہا ہے اسی لئے امام خطابی نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کو مطابقت بطریق قیاس ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی بإسناد صحيح، قاله المنذري۔



## باب کراہیۃ النذر

گذشتہ ابواب میں متعلق تھے یہاں سے نذر کے ابواب شروع ہوتے ہیں، چنانچہ بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے جلی قلم سے لکھا ہے: **اول النذور**۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ینہی عن النذر ویقول انہ لا یزید شیئاً وانما ینتخرج بہ من البخیل۔

**حکم نذر میں مذہب ائمہ** مصنف نے ترجمہ قائم کیا کہ اہت نذر کا، مصنف حنبلی ہیں اور حنابلہ کے یہاں ابتداء حکم نذر میں مذہب ائمہ نذر مکروہ ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کما قال الحافظ اور حنفیہ مالکیہ کے نزدیک حکم نذر استحباب ہے لیکن حافظ نے مالکیہ کا مذہب بھی کراہت نقل کیا ہے مثل شافعیہ کے، لیکن اس پر قسطلانی نے تعقب کیا ہے کہ مختصر خلیل (جو فقہ مالکی کی کتاب ہے) میں تصریح ہے اس بات کی کہ جو شخص نذر مانتا ہے شکر اللہ تعالیٰ وہ مندوب ہے قال ابن رشد وھو مذہب مالک اھ من الابواب والترجم والبسط فیہ حنفیہ مالکیہ کے نزدیک روایات نہی کا محل مطلق نذر نہیں ہے بلکہ نذر اللجاج ہے امام بخاری نے باب قائم کیا۔ باب الوفاء بالنذر وقول اللہ تعالیٰ یوفون بالنذر علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس آیت کو لائے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ نذر کو پورا کرنا قابل تعریف چیز ہے، اس کا فاعل مستحق ثناء ہے لیکن اس نذر سے مراد نذر طاعت ہے نہ کہ نذر معصیت، اور پھر فرماتے ہیں کہ نذر طاعت کے وفاء کے وجوب پر علماء کا اجماع ہے، لیکن ابتداء نذر میں اختلاف ہے فقہل مستحب وقیل مکروہ الخ، یعنی اولاً تو یہ سمجھئے کہ ایک تو ہوتی ہے نذر طاعت اور ایک نذر معصیت، نذر معصیت کا قبیح اور ناجائز ہونا تو ظاہر ہے اور نذر طاعت میں دو پہلو ہیں ایک نذر مان کر اس کو پورا کرنا، اسمیں بھی کوئی کلام نہیں کہ یہ عبادت ہے اور مستحسن ہے، لیکن گفتگو ابتداء نذر میں ہے یعنی نذر مانتا کیسا ہے محمود یا مذموم؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ و مالکیہ کے یہاں مستحب اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں مکروہ ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے یعنی الفرق بین ایفار النذر وابتداء النذر۔

**شرح الحدیث** یہ سارا کلام تو تھا ترجمہ الباب کے تحت اور حدیث الباب کا مضمون یہ ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے رہتے تھے نذر سے۔ یعنی ابتداء نذر سے۔ اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ایفار نذر واجب ہے، اور پھر آگے حدیث میں ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی (بلکہ ہوتا ہی ہے جو تقدیر میں ہے) اور پھر فرماتے ہیں کہ جزا میں نیست کہ نذر کے ذریعہ سے مال نکلوایا جائے بخیل آدمی سے، اس سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں

ایک یہ کہ اس اعتقاد سے نذر ماننا کہ نذر کی وجہ سے ہمارا کام ہو ہی جائے گا یہ اعتقاد تاثر باطل ہے لہذا اس نیت اور اعتقاد سے نذر نہیں مانتی چاہیے، دوسری بات یہ معلوم ہو رہی ہے کہ طاعت کی نذر ماننا اس طاعت کو معلق کرنا ہے کہ اگر یہ کام ہمارا ہو جائے گا تو ہم اتنا مال صدقہ کریں گے یہ طریق بخیلوں کا ہے، انفاق قبیل لوجہ اللہ کو نذر کے ذریعہ سے معلق نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس نیکی کو بدون نذر کے کر گزرنا چاہیے، لیکن بخیل کی طبیعت اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتی وہ بدون تعلیق بالنذر کے خرچ نہیں کرتا، اور نذر طاعت کا یہ پہلو قابل مدح نہیں بلکہ مذموم ہے، بذل میں لکھا ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جلب منافع اور دفع مضار کیلئے نذریں مانتے ہیں اور یہ فعل ہے بخلا کا اسی لئے اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے لیکن اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کسی قربت و عبادت کی نذر مانے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی وہ ممنوع نہیں ہے اھ

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ قال المذری۔

## باب النذر فی المعصیۃ

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصہ۔

نذر معصیت منعقد ہوتی ہے یا نہیں، مذاہب ائمہ | اس حدیث میں نذر طاعت کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نذر معصیت سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کے پورا کرنے سے، اس پر اجماع ہے کہ نذر معصیت کا ایفار جائز نہیں لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ نذر معصیت منعقد بھی ہوتی ہے یا نہیں اور ایسے ہی وجوب کفارہ میں، ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ نذر معصیت کا ایفار بالاجماع جائز نہیں اور ناذر پر کفارہ یمین واجب ہوتا ہے سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک، اور امام احمد اس قسم کی روایت مردی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور یہی مذاہب سے امام مالک اور شافعی کا اھ (تراجم بخاری) امام خطابی نے بھی امام مالک اور شافعی کا مذہب عدم وجوب کفارہ لکھا ہے، اور حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن میں امام احمد کا مسلک مثل حنفیہ کے لکھا ہے ان کے لفظ یہ ہیں : قال الموجون للکفارة فی نذر المعصیۃ (دھم احمد و اسحاق و الثوری و ابو حنیفہ و اصحابہ) هذه الآثار قد تعددت طرقها و رواها ثقات۔ الی آخر ما ذکر۔ خود حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ کلام کرتے ہوئے وجوب کفارہ کو ترجیح دی ہے روایت و درایت، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بعض نے تصریح بھی کی ہے کہ

حضرت امام احمد بن حنبل سے اس میں دونوں روایتیں ہیں۔  
والحدیث اخرجه البخاری والترمدی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذري۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال بينهما النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يخطب اذا هو  
برجل قائم في الشمس فسأل عنه فقالوا هذا ابو اسرائيل الخ۔  
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ خطاب فرما رہے تھے اچانک آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو  
دھوپ میں گھڑا ہوا تھا آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے سوال کیا، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ابو اسرائیل  
ہے اس نے نذر مانی ہے اس بات کی کہ گھڑا رہے گا یعنی دھوپ میں، اور بیٹھے گا نہیں اور یہ کہ کسی سے بات نہیں کریگا، اور یہ کہ  
روزہ سے رہے گا، آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اس کو چاہیے کہ بات کرے اور سایہ میں چلا جائے، اور بیٹھے گھڑا  
نہ رہے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس شخص کی نذر، نذر طاعت اور نذر معصیت دونوں پر مشتمل تھی پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نے ان انواع نذر میں سے جو نذر طاعت تھی اس کے پورا کرنے کا اور جو نذر غیر طاعت کی تھی اس کے ترک کرنے کا  
حکم فرمایا، صوم تو نذر طاعت تھی اور قیام فی الشمس اور ترک کلام و ترک استغلال یہ نذر غیر طاعت تھی، اس لئے  
کہ یہ چیزیں مشاق کے قبیلہ سے ہیں بدن کو تھکانے والی اور اذیت پہنچانے والی، ان میں کوئی معنی عبادت اور  
قربت کے نہیں ہیں، اسی لئے آپ نے ان کے ترک کا حکم فرمایا۔  
والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجه، قاله المنذري۔

## باب من رأى عليه كفارة اذا كان في معصية

یہ ترجمہ الباب حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے اور اسی طرح وہ حدیث جو اس باب میں مصنف لائے ہیں  
لیکن مصنف نے اس حدیث پر بعض دیگر محدثین کی طرح سخت کلام کیا ہے کاسیاتی۔

عن يونس عن الزهري عن ابى سلمة عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
قال لا تذرفي معصية وكفارة كفارة يمين۔

یہ حدیث ترجمہ الباب اور حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے آگے مصنف اس پر کلام اور نقد فرما رہے ہیں۔

قال ابو داود وسمعت احمد بن شبيب قال قال ابن المبارك - يعني في هذا الحديث حديث

ابى سلمة - فدل ذلك على ان الزهري لم يسمعه من ابى سلمة۔

قال ابو داود کی تشریح و تنقیح | اس عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے اس حدیث کی دوسری سند جو آگے آرہی ہے

اس کو دیکھتے چنانچہ اس میں اس طرح ہے: عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرنا عن ابی سلمۃ۔ اس سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے مذکور ہیں سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر جبکہ اس پہلی سند میں ان دونوں واسطوں میں سے ایک بھی واسطہ مذکور نہیں بلکہ براہ راست زہری ابوسلمہ سے روایت کر رہے ہیں، اب اس کے بعد مصنف کے کلام کا مطلب سمجھتے، مصنف فرما رہے ہیں میں نے اپنے استاذ احمد ابن شہبویہ سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن المبارک نے اس حدیث ابوسلمہ پر کلام کیا ہے (اگے کچھ نہیں ہے کہ کیا کلام فرمایا ہے) لیکن مصنف فرما رہے ہیں کہ ابن المبارک کا حدیث پر نقد اور کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث کو ابوسلمہ سے براہ راست نہیں سنا، یہ بات مصنف نے کیسے سمجھی کہ انہوں نے کلام اس بنا پر کیا؟ غالباً مصنف نے یہ اس لئے سمجھا کہ اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جو غیر ثقہ ہو، لہذا یہ کلام کسی اندر کے راوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انقطاع سند کی وجہ سے ہو سکتا ہے اسی لئے اس کے بعد والی حدیث میں مصنف ایسے طریق کو لائے ہیں جس میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، فثبت منہ انقطاع هذا السند ووجه الکلام علیہ، مصنف اسی پر بس نہیں کرتے ہیں بلکہ آگے امام احمد کا نقد بھی جو اس حدیث پر ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں: قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول افندوا علینا هذا الحدیث، قیل لہ: وضح

افسادہ عندک؟ وھل رواہ غیر ابن ابی اویس؟ قال: ایوب، کان أمثل منہ، وقد رواہ ایوب، مصنف فرما رہے ہیں میں نے اپنے استاذ احمد بن حنبل سے سنا وہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ہم پر فاسد اور خراب کر دیا۔ یعنی اس کی سند میں گڑبڑ کر کے۔ کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا یعنی اس کی سند کا گڑبڑ ہونا محقق ہے؟ دراصل سائل سمجھ گیا تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اس حدیث کی سند کا فساد جو ثابت فرما رہے ہیں وہ اس سند اور طریق کے پیش نظر ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے جس کا راوی ابوبکر بن اویس ہے جس نے اس حدیث کی سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے ذکر کئے ہیں) تو سائل امام احمد سے یہ سوال کر رہا ہے کہ جس حدیث کی بنا پر آپ اس حدیث کی سند کا فساد ثابت کر رہے ہیں جس کا راوی ابن ابی اویس ہے تو کیا ابن ابی اویس کا کوئی متابع بھی اس میں ہے یا نہیں تاکہ ہم اس دوسری سند کو جو آنے والی ہے جس میں دو واسطے موجود ہیں اس کو راجح قرار دے سکیں، اس لئے کہ جس حدیث کی سند کو وہ فاسد کہہ رہے ہیں اس کا راوی تو زہری سے یونس ہے جو کہ ثقہ اور قوی ہے اور وہ دوسری سند جس کے پیش نظر وہ اس سند کو منقطع قرار دے رہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے جو متکلم فیہ ہے، تو تاوقتیکہ اس کا کوئی متابع نہ مل جائے اس کو راجح کیسے قرار دیا جاسکتا؟ تو اس اصولی سوال کا جواب امام صاحب نے ایسا دیا جو عجیب سا ہے، اور وہ یہ کہ وہ بجائے متابع پیش کرنے کے یہ فرما رہے ہیں کہ ابن ابی اویس کا جو شاگرد ہے یعنی ایوب وہ ابن ابی اویس سے زیادہ ثقہ ہے تو گویا

ثقاہت شاگرد کو قائم مقام متابع کے قرار دے رہے ہیں، یعنی امام صاحب کے ذہن میں ابن ابی اویس کا کوئی متابع تو تھا نہیں جو اس کو بیان کرتے بلکہ یہ فرمایا کہ ایوب جو ابن ابی اویس سے روایت کر رہے ہیں وہ بہت ثقہ ہیں مگر یہ بات بس ایسی ہی ہے چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں دانت خیر بان جواب الامام غیر صحیح علی قاعدۃ المحدثین فان رواۃ ایوب بن سلیمان لا یدفع ضعف ابی بکر بن ابی اویس فانه تلمیذہ فلا یتقادم حدیث یونس عن الزہری فلا یشبت احتمال التذلیس، حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ شاگرد کی ثقاہت رقت استاذ کے ضعف کو دور نہیں کر سکتی جب یہ بات ہے تو پھر ابو بکر بن ابی اویس کی حدیث، حدیث یونس عن الزہری کی مقاومت نہیں کر سکتی، لہذا حدیث یونس عن الزہری کا مدلس یا منقطع ہونا ثابت نہ ہوا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، پھر آگے حضرت فرما رہے ہیں علی ان النسائی روی حدیث یونس بسند صارون بن موسی المدنی قال ثنا ابو ضمرة عن یونس عن ابن شہاب قال ثنا ابو سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دیکھئے اس سند میں ابن شہاب ابو سلمہ سے سماع کی تصریح کر رہے ہیں، لہذا اس حدیث کا نہ انقطاع ثابت ہوا نہ تذلیس۔ الی آخر ما ذکر فی البذل۔

حدثنا احمد بن محمد المروزی نا ایوب بن سلیمان عن ابی بکر بن ابی اویس عن سلیمان بن ہلال عن ابن ابی عقیق وموسی بن عقبہ عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر اخبرنا عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تذر فی معصیة وکفارتہ کفارة یمین۔

باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی ہے جس میں ابن شہاب اور ابو سلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں جب پہلی سند میں نہیں تھے اور اسی بنا پر امام ابو داؤد نے اس سند پر عبد اللہ بن المبارک اور امام احمد بن حنبل کا لفظ نقل فرمایا تھا لیکن اب آگے یہاں مصنف اس طریق ثانی پر بھی اپنے استاذ احمد بن محمد المروزی کا لفظ نقل فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی بھی غلط ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

قال احمد بن محمد المروزی انما الحدیث حدیث علی بن المبارک عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد

ابن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اراد ان سلیمان بن ارقم وہم وفیہ وحملہ عن الزہری وارسلہ عن ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

احمد بن محمد مروزی فرما رہے ہیں کہ اوپر والا طریق یعنی سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر بالکل غلط ہے، صحیح طریق یحییٰ بن ابی کثیر کے دوسرے شاگرد یعنی علی بن المبارک کا ہے، اور علی بن المبارک نے حدیث اس طرح روایت کی ہے عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین، دراصل یہ سلیمان بن ارقم راوی مجمع علی ضعف ہے اس نے سند کو یحییٰ بن ابی کثیر سے غلط طریقہ سے بیان کیا، یحییٰ بن ابی کثیر کے استاد اس سند میں ابو سلمہ نہیں ہیں



جیسا کہ سلیمان بن ارقم نے بیان کیا بلکہ محمد بن الزبیر میں اور پھر ان سے آگے سند اس طرح ہے عن ابیہ عن  
 عمران بن حصین، گویا یہ حدیث مسانید عائشہ سے ہے ہی نہیں بلکہ عمران بن حصین کے مسانید سے ہے  
 اور یہ ساری گڑ بڑ سلیمان بن ارقم کی طرف سے ہے، اور پھر مزید برآں یہ گڑ بڑ پائی گئی کہ چونکہ اس حدیث کو  
 امام زہری نے سلیمان بن ارقم سے لیا تھا تو انہوں نے بجائے بعینہ نقل کرنے کے مرسل عن ابی سلمہ روایت کر دیا  
 بیچ کے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے (زہری کا شمار ہے بھی مدلسین میں) خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث عائشہ  
 کی سند میں دو شخصوں نے گڑ بڑ کی اول سلیمان بن ارقم نے کہ انہوں نے سند کچھ کی کچھ بیان کی اصل حدیث مسانید  
 عمران بن حصین میں سے تھی سلیمان نے اس کو بجائے ان کے عائشہ کی طرف منسوب کیا، دوسرا بقصر اس حدیث  
 کی سند میں سلیمان کے شاگرد ابن شہاب زہری نے کیا کہ درمیان سے دوراوی تدلیساً حذف کر دیئے، امام  
 ابوداؤد جو کچھ فرمانا چاہ رہے ہیں اس کی تشریح وہ ہے جو ہم نے اوپر لکھی، اب اس سب کا حاصل یہ ہوا کہ باب کے  
 شروع میں مصنف نے جو حدیث عائشہ پہلے ایک طریق سے اس کے بعد دوسرے طریق سے ذکر کی، یہ حدیث  
 دونوں ہی طریق کے اعتبار سے وہم ہے، اور صحیح اس طرح ہے جس کو احمد بن محمد مروزی کہہ رہے ہیں یعنی علی بن المبارک  
 عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال لا نذر فی  
 معصیۃ وکفارتہ کفارة یمنین۔

میں ابوداؤد کے سبق میں کہا کرتا ہوں کہ یہ قال ابوداؤد تمام کتاب میں جملہ اقوال ابوداؤد میں سب سے زیادہ  
 مشکل اور دقیق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے اوپر اس کی پوری وضاحت لکھ دی ہے اب سمجھنے والوں کے لئے  
 اس میں کوئی دشواری نہ ہوگی، اور ہم نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ تقریباً سب ہی بذل الجہود سے ماخوذ ہے۔

حدیث عائشہ پر محدثین کا نقد  
 اور حنفیہ کی طرف سے اس کا رد

یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، اب یہ حضرات محدثین اس حدیث  
 عائشہ پر کلام کر رہے ہیں، امام ابوداؤد اور امام احمد وغیرہ کا نقد تو ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے، امام خطابی یہ کہہ رہے  
 ہیں کہ اگر یہ حدیث عائشہ صحیح ہو جائے لکان القول یہ واجبا والمصیر الیہ لازما، اور پھر آگے فرماتے ہیں لیکن یہ حدیث  
 ثابت نہیں ہے کیونکہ محدثین کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث منقولہ اور اس کے بعد پھر وہ جو امام ابوداؤد نے جو کچھ  
 کلام کیا ہے خطابی نے اس سب کو بیان کیا ہے اور پھر اخیر میں یہ کہا کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث اس طرح  
 مروی ہے جس طرح احمد بن محمد مروزی کہہ رہے ہیں، اور جس طرح وہ کہہ رہے ہیں اس کی سند میں محمد بن الزبیر



اور ان کے باپ راوی ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں، پس یہ حدیث میں طریق الزہری تو مقبول ہے اور اس دوسرے طریق میں رجل مجہول ہے لہذا یہ حدیث ساقط الاحتجاج ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سب کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے جس کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں حاشیہ السندی علی النسائی سے نقل فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ ہی سے مروی نہیں ہے بلکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین سے بھی مروی ہے، اور حدیث عائشہ کی بعض اسانید میں عن الزہری عن ابی سلمہ ہے اور بعض طرق میں عن الزہری قال حدثنا ابوسلمہ ہے جو صریح ہے زہری کے سماع میں ابوسلمہ سے (لہذا تالیس کا احتمال بیان کرنا صحیح نہیں) اور اس کے بعض طرق میں ہے عن الزہری عن سلیمان بن ارقم ان یحییٰ بن ابی کثیر حدثہ انہ سمع اباسلمہ، وھذا الاختلاف ممکن دفعہ باثبات سماع الزہری مرۃ عن سلیمان عن یحییٰ عن ابی سلمہ ومرۃ عن ابی سلمہ نفسه، وعند ذلک لا قطع بضعف سماع حدیث عقبہ وعمران یؤید الثبوت واللہ تعالیٰ اعلم یعنی زہری کی حدیث میں جو اضطراب و اختلاف ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث زہری کو دونوں طرح پہنچی ہو براہ راست ابوسلمہ سے بھی اور بواسطہ سلیمان بن یحییٰ بن ابی کثیر، اور اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، خصوصاً جبکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین کی حدیث سے بھی کفارہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخبرنا انہ سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اخت لہ

نذرت ان تبصع حافیہ غیر مختمورۃ فقال مروہا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ایک بہن ہے جس نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ حج کرے گی پیدل ننگے پاؤں اور بغیر سر ڈھانکے، آپ نے فرمایا اس کو چاہیے کہ سر ڈھانپے اور سوار ہو کر حج کرے اور اس کو چاہیے کہ تین روزے رکھے۔

روایات الباب کا تجزیہ | جاتا چاہیے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اخت عقبہ کی نذر کے قصہ کو دو طرح ذکر کیا ہے ایک بروایت عقبہ اور دوسرے بروایت عکرمہ عن ابن عباس مسنداً

اور ایک طریق میں ہے عن عکرمہ مرسلًا، پھر روایت عقبہ بن عامر کے الفاظ تو یہ ہیں مروہا فلتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام۔ اور ایک روایت میں ہے لشمس ولترکب اسمیں صوم وغیرہ کا ذکر نہیں، اور ابن عباس کی ایک روایت میں یہ ہے فامرھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ترکب وتہدی ھدیاء، اور ایک روایت میں ان کی اس طرح ہے فلتج راکبۃ ولتکفر یمینہا، نیز ابن عباس کی روایت میں صرف مشی کا ذکر ہے عدم اختار کا نہیں۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا تعلق اخت عقبہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں ہے رأی رجلًا یھادی بین ابنیہ، اور اس میں یہ ہے، ان اللہ لغنی عن تعذیب ھذا نفۃ امرہ

ان پر کب حافظ فرماتے ہیں کہ حدیث انس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رکوب کا حکم فرمایا جزا، اور اخت عقبة کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو آپ نے حکم فرمایا، ان تمشي وان تركب، اس لئے کہ حدیث انس کے اندر نذر ماننے والا کان شیخا ظاہر العجز، اور اخت عقبة کا حال یہ نہیں تھا اس لئے آپ نے اس کو یہ فرمایا کہ جب تک پیدل چل سکے پیدل چلے اور جب عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے ۱۰۔

الكلام على الحديث من حيث الفقه | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ جو شخص حج ماشیا کی نذر مانے تو اس پر اس کا ایفار واجب ہے ورنہ اس پر جزا واجب ہوگی، پس اگر اس

نے اپنی نذر کا ایفار کر دیا تو فہما اور اگر نہیں کیا تو امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اس پر كفارة یمین واجب ہوگا لہذا، ولتقسم ثلاثة ايام، والی روایت حنابلہ کے موافق ہوگی اور امام شافعی و مالک کے نزدیک اس پر ہدی واجب ہوگی، اور حنفیہ کے نزدیک ہدی اس صورت میں واجب ہوگی اذا كان الركوب في اكثر المسافة اور اگر ایسا نہیں تو اس پر قیمت شاة واجب ہوگی بقدر رکوب کے، ائمہ ثلاث کا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہوا جس میں ہے، ان تركب وتهدى هديا، اب یہ کہ جس روایت میں ولتقسم ثلاثة ايام ہے وہ ائمہ ثلاث کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ روایت بالمعنی ہو اس لئے کہ ابن عباس کی روایت کے ایک طریق میں اس طرح ہے، فلتج راکبة ولتكفر بمينها، تو اسی کو راوی نے، ولتقسم ثلاثة ايام سے تعبیر کر دیا، حالانکہ كفارة یمین سے مراد یہاں پر كفارة الجناية تھا جیسا کہ ابن عباس ہی کی روایت کے دوسرے طریق میں ان تركب وتهدى هديا وار د ہے چنانچہ ملا علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں والظاهر ان المراد بالتكفير كفارة الجناية وهي الهدى اذ ما يقوم مقامه من الصوم یہ سب کچھ تو وہ ہے جو ہم نے حافظ وغیرہ شرح کے کلام سے سمجھا، اور ہمارے حضرت سہارنپوری نے، بذل الجہود میں اس مقام کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اخت عقبة کی نذر میں دو چیزیں پائی گئیں ایک حج ماشیا کی نذر دوسرے عدم اختار کی نذر، ان دو میں ایک نذر نذر طاعت ہے اور دوسری نذر معصیت، نذر طاعت کا پورا کرنا واجب ہے یعنی حج ماشیا، اور پورا نہ کرنے کی صورت میں ہدی یعنی دم جنایت واجب ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں ہدی کا ذکر ہے، اور دوسری نذر جو نذر معصیت ہے اس کا ایفار چونکہ ناجائز ہے اور حائث ہوتا واجب، اور پھر اس صورت میں كفارة یمین واجب ہوگا جیسا کہ یہاں ایک روایت میں ہے، ولتقسم ثلاثة ايام، مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو جس ترجمہ الباب کے تحت لائے ہیں اس سے حضرت کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل مذکور ہے جو نیچے حاشیہ میں درج کی جاتی ہے والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

وحدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخبرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

## باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس

عند الحنفیہ نذر کے اندر تعیین الزمان والمكان معتبر نہیں لہذا اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نماز نذر مانے یا کسی خاص زمانہ میں روزہ کی نذر مانے تو نفس نماز اور نفس روزہ سے نذر پوری ہو جاتی ہے، اور مالکیہ و حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن ان کے نزدیک مساجد ثلاثہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں، ان مساجد کی تعیین ان کے نزدیک معتبر ہے، اور امام شافعی سے دور وایتیں ہیں، اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی تعیین الزمان والمكان والشخص نذر میں معتبر ہے۔

قال صل حھنا شر اعدا علیہ فقال صل حھنا، مضمون حدیث یہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی اللہ کے لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مکہ کو فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت ادا کروں گا، آپ نے فرمایا یہیں پڑھ لے اس نے پھر دوبارہ سوال دہرایا آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ یہیں پڑھ لے، پھر تیسری بار ایسا ہی ہوا فقال شأنک اذا یعنی بس تو پھر تو جان اور تیرا کام۔

انہ سمع حفص بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف وعمر، وقال عباس بن حنظلہ، اخبرنا عن عمر بن عبد الرحمن بن عوف۔

**شرح السند** اس سند کو اس طرح سمجھئے کہ یوسف بن الحکم کے دو استاد ہیں حفص بن عمر اور عمر، اس دوسرے استاد کے بارے میں مصنف کے ایک استاد یعنی مخلد بن خالد نے تو صرف عمر ہی کہا بغیر نسبت کے اور مصنف کے دوسرے استاد عباس بن عمری نے بجائے عمر کے عمر بن حنظلہ کہا یعنی عمر کی نسبت بھی ذکر کی، اخبرنا کی ضمیر تنبیہ حفص بن عمر اور عمر بن حنظلہ کی طرف راجع ہے، یعنی ان دونوں نے خبر دی اپنے شاگرد یوسف کو۔ قال ابو داؤد، رواہ الانصاری عن ابن جریج فقال: جعفر بن عمر، وقال: عمرو بن حنیۃ۔

لہ نفیہ: من نذر المشی ثم ركب فعند احمد والقادر علی المشی اسار دون العاجز وعلیہ كفارة یمین بكل حال والروایۃ الاخری علیہ دم وهو قول الشافعی فی الحالین القدرة والعجز والدم الشاة علی الاصح، وقول آخرانه بدنة، وعند مالک یوجب قضاء ما ركب فی سنة اخری فیمشی ما ركب یركب مشی اذا كان المشی کثیرا وكان فی المناسک دھمی من خروج مکة الی رجوع منی، ومع ذلك یوجب الہدی ایضا وهذا اذا كان قریب البلیدة کالمدينة او متوسطها کالمصری، وان كان بعید البلیدة کالافریق فی فعلیہ الہدی فقط وکذا اذا كان الرکوب قلیلا فی غیر المناسک وعندنا الحنفیہ۔ اذا ركب فی اکثر الطرق بعذر او بلا عذر فعلیہ دم شاة، وفي الاقل او المساداة بقدر ذلك من قيمة الشاة (او جریج ص ۱۳۴)

یہ انصاری ابن جریج کے شاگرد روح کے عدیل (مقابل) ہیں جو اوپر سند میں آئے، مطلب یہ ہے کہ ابن جریج کے شاگرد روح نے تو ان سے یوسف کے استاد کا نام حفص بن عمر ذکر کیا، اور اس انصاری نے ابن جریج سے بجائے حفص بن عمر کے جعفر بن عمر ذکر کیا، نیز بجائے عمر بن حنہ کے عمر بن حنیہ ذکر کیا۔ وقال: اخبرنا عن عبد الرحمن بن عوف وعن رجال، یعنی انصاری نے حفص بن عمر اور عمر بن حنہ کا استاد عبد الرحمن بن عوف کو قرار دیا۔ بجائے عمر بن عبد الرحمن کے، اور دوسرا فرق یہ کر دیا کہ بجائے عن رجال کے، وعن رجال کر دیا۔

## باب قضاء النذر عن الميت

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | یعنی میت کے ذمہ اگر کوئی نذر ہو تو اس کے پورا کرنے کا بیان، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نذر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مالی ہوگی یا بدنی، یعنی اس کا تعلق یا تو عبادت مالیہ سے ہوگا جیسے صدقہ یا عبادت بدنیہ سے، اگر عبادت مالیہ سے ہے تو پھر دیکھا جائے گا میت نے مال چھوڑا ہے یا نہیں، اگر نہیں چھوڑا تو پورا کرنا کسی کے نزدیک واجب نہیں، اور اگر چھوڑا ہے تو پھر اس وصیت کی تنفیذ صرف ثلث مال میں واجب ہوگی، امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک بشرط الوصیۃ، اور اس کے بالمقابل عبادت بدنیہ میں جیسے صوم و صلاۃ اس میں وارث کی جانب سے قضا یعنی نیابت عن الميت جائز نہیں، ہاں اقتدار یعنی فدیہ کے ذریعہ قضا ہوگی عند الائمۃ الثلاثہ امام احمد کے نزدیک صوم اس سے مستثنیٰ ہے ان کے نزدیک صوم مندور کی قضا نیابت عن الميت جائز ہے۔ یہ نیابت کا مسئلہ اس سے پہلے کتاب الحج و الصوم میں بھی گذر چکا، اور ظاہر یہ کہ نزدیک قضا النذر عن الميت مطلقاً واجب سواہر کان فی العبادۃ المالیۃ او البدنیۃ۔

عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما ان سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه استفتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انـ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا حالانکہ ان کے ذمہ ایک نذر تھی جس کو پورا نہیں کیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم ان کی طرف سے اس کی قضا کرو۔ یہ نذر کس چیز کی تھی؟ قیل کان نذراً مطلقاً، وقیل نذراً الصوم، وقیل نذراً العتق، وقیل الصدقۃ۔

لہ لا تجزئ النیابۃ فی الصلاۃ عند الائمۃ الاربعۃ الا فی روایۃ لاحد، ولا تجزئ فی الصوم عند الائمۃ الثلاثہ و یجوز عند احمد ای فی الصوم المنذور لا واجب الاصلی و روایۃ للشافعی، و تجزئ فی الحج بالاتفاق۔

یہاں پر اس حدیث میں قضا کا حکم حنفیہ کے نزدیک استحباً ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نذر بالعبادة البدنیہ میں تو قضا جائز ہی نہیں بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد، وعن ابن عمر نحوہ اور عبادت مالیہ میں اگرچہ واجب ہے ایک صورت میں لیکن بشرط الوصیۃ اور یہاں وصیت پائی نہیں گئی اسلئے کہا ہم نے کہ یہ امر استحباً ہے عند الحنفیۃ وکذا عند المالکیۃ۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان امرأة رکت البحر فذرت ان نجاها الله ان تصوم شهراً  
یعنی کسی عورت نے کشتی کے سفر میں یہ نذر مانی کہ اگر میں صبح سالم پہنچ گئی تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی، مگر اس کو روزے رکھنے کی نوبت نہیں آئی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا تو اس کی بیٹی یا بہن آپ کی خدمت میں آئی تو آپ نے اس کو صوم عن المیت کا حکم فرمایا، یعنی بالافتاء علی مسلک الجمهور۔

عن عبد الله بن بریدة عن ابيه بریدة رضي الله تعالى عنه ان امرأة اوى۔ یہ حدیث بسندہ و مستندہ  
کتاب الوصایا میں گذر چکی اور اسی طرح کتاب الزکاة میں باب من تصدق بصدقة ثم در شها کے اندر، اور آگے کتاب البیوع میں باب فی الرجل یفضل بعض ولده علی بعض فی النخل میں آ رہی ہے۔

## باب ما یومر به من وفاء النذر

ان امرأة اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی منذرت ان اضرب علی  
رأسک بالدف، قال ادنی بندرتک۔

اس روایت میں یہاں اختصار ہے، ترمذی کی روایت میں اس پر اضافہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے بعض مغازی میں تشریف لے گئے، آپ کی اس غزوہ سے واپسی پر ایک جاریہ سودا، آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس بھیج دیا تو آپ کے سامنے میں دف بجاؤں گی (یعنی دھڑانہ کہ ڈھول اسی الطبل فانہ ممنوع کما سیأتی فی الاشجہ بنی عن الطبل) بین یدیک کا لفظ ترمذی کی روایت میں ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو نے یہ نذر مانی تھی تو اس کو پورا کر لے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا حدیث حسن صحیح غریب۔

شرح الحدیث | اس حدیث کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں کہ ضرب دف تو ان طاعات میں سے نہیں ہے جس کی نذر صحیح ہو اسلئے کہ ضرب الدف زائد سے زائد مباح ہو سکتا ہے نہ کہ طاعت لیکن چونکہ اس ضرب دف کا تعلق بعض ایسی چیزوں سے ہے جن کو عبادت کہا جاسکتا ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی سلامتی کیساتھ واپسی پر اظہار سرور جس میں مسارۃ کفار ہے اور اذلال منافقین وغیرہ امور، اس حیثیت سے اس میں عبادت کے معنی پیدا ہو گئے، اور پھر آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اس عورت نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے فلاں مکان میں جانور ذبح کرنے کی نذر مانی ہے جہاں پر بیل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، آپ نے پوچھا کہ کیا تیری یہ نذر کسی بت کے نام پر ذبح کرنے کے لئے ہے، اس نے کہا کہ ایسا نہیں ہے تب آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لے۔ اس کے بعد بھی ایک اور حدیث اسی قسم کے مضمون کی آرہی ہے۔

### باب النذر فیما لا یملک

باب کی حدیث کے آخر میں ہے۔ لاؤفاء لنذر فی معصیۃ اللہ ولا فی ما لا یملک ابن آدم۔

ترجمۃ الباب والے مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اس مضمون کی مفصل حدیث باب فی الطلاق قبل النکاح میں گزری ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا ذبح الا فیما تملک، اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے ومن حلف علی معصیۃ فلا یحین لہ، ان تمام مسائل کا بیان و اختلاف علماء کتاب الطلاق میں اسی حدیث کے ذیل میں گزر چکا، تاہم نذر سے متعلق مسئلہ دوبارہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں یعنی جو چیز آدمی کی ملک میں نہ ہو نذر ماننے کے وقت، اس کی نذر معتبر نہیں، منذر بہ اگر مال کے قبیلہ سے ہے وہ ناذر کی ملک میں ہونا چاہیے یا کم از کم وہ نذر مضاف الی الملك ہو یا مضاف الی سبب الملك ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی نذر صحیح ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے ان شفی اللہ مر یضی فعبد زید حر، یہ نذر باطل ہے بالاتفاق یا تو اپنا غلام ہونا چاہیے یا پھر اضافت الی الملك یا سبب الملك ہونا چاہیے جیسے یوں کہے کل مال الملكہ فیما استقبل فهو صدقۃ، یا یوں کہے کل ما اشتریۃ اوارثۃ فهو صدقۃ، اور امام مالک کے نزدیک اضافت الی الملك یا الی سبب الملك کے ساتھ اس شخص کی کچھ صفت بھی ذکر کر دی جائے مثلاً قبیلہ کی تعیین یا کسی شہر کی تعیین یا اور کوئی صفت جس سے فی الجملہ تخصیص پیدا ہو جائے تب نذر صحیح ہوتی ہے ورنہ نہیں، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملك یا الی سبب الملك عموماً ہو یا خصوصاً دونوں صورتوں میں معتبر نہیں فی الحال ملکیت ہونی چاہیے، حنفیہ مالکیہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے کوئی شخص غیر مملوک چیز میں نذر مانے تنجیز معتبر نہیں، تعلیق کی صورت میں معتبر ہے، اور امام شافعی کے نزدیک تنجیز و تعلیق دونوں حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں: و مذہبنا مردی عن عمرو ابن مسعود وابن عمر، والجواب عن الاحادیث المذكورۃ انہا محمولۃ علی نفی التنجیز والحمل ما ثور عن السلف الشافعی والزہری، قال عبد الرزاق فی مصنفہ: انا معمر عن الزہری انہ قال فی رجل قال کل امرأۃ تزوجہا فی طاقی، وکل امۃ



اشتر یہاں ہی حرہ ہو کما قال، فقال له عمر اوليس قد جازا بطلاق قبل النكاح ولا عتق الا بعد ملك، قال انما ذلک ان يقول امرأة فلان طالق، وعبد فلان حراہ (بذل ص ۲۴۳) بذل میں اس کے بعد مصطفیٰ ابن ابی شیبہ سے بہت سے تابعین سے بھی یہی نقل کیا ہے جیسے سالم وقاسم بن محمد وعمر بن عبد العزیز وشعیب والنخعی والنزہری وغیرہ، یعنی یہ کہ یہ حدیث تنجز پر محمول ہے اور تعلیق والی صورت اس میں داخل نہیں۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانت العضباء لرجل من بنی عقیل وكانت من سوابق الحاج قال فأسرف فأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو فی وثاق۔

آپ کی اس ناقہ عضبار کا واقعہ جو یہاں مذکور ہے اس کو ہم باب فی اقطاع الارضین، میں صفحہ بن علیہ رحمہ کی حدیث کے ذیل میں مختصر لکھ چکے ہیں ایک خاص مناسبت سے، اس کو وہاں دیکھ لیا جائے (ملاحظہ) اس قصہ کا بقیہ یہ ہے قال فغردی الرجل بعد بالرجلیں، یعنی پھر اس قیدی کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ان دو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں بطور فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ جن کا ذکر اوپر

قصہ میں آچکا ہے، قال وحسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم العضباء لرجلہ، یعنی اس عضبار اونٹنی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سواری کے لئے روک لیا، قال فاغار المشركون علی سرح المدینة

فلما ذهبوا بها واسروا امرأة من المسلمين قال فكانوا اذا كان باللیل یرجون ان یمنیہم فی افنیہم ۱ ناقہ عضبار کا ایک واقعہ آگے راوی اس ناقہ عضبار کے ساتھ جو ایک اور قصہ پیش آیا اس کو بیان کرتا ہے وہ یہ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ بعض مشرکین نے اہل مدینہ کے اونٹوں پر غارت گری کی اور ان کو لوٹ کر لے گئے اور ان اونٹوں کے ساتھ یہ اونٹنی بھی گئی اور ایسے ہی ایک عورت کو بھی قید کر کے لیگئے یہ عورت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں، یہ مشرکین جو اونٹوں کو لوٹ کر مدینہ سے لے جا رہے تھے دوران سفر جب رات آتی تھی تو ان اونٹوں کو خیموں کے سامنے باندھ کر سو جاتے تھے، یہ بڑھیا ان کے ساتھ تھی ہی جو ہر وقت جان بچا کر ان کے پیچھے سے بھاگنے کی فکر میں رہتی تھی، چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ رات کے وقت جب وہ سب لیٹے پر گر سو گئے تو یہ عورت جاگ رہی تھی یہ اٹھی کسی قابل سواری اونٹنی کو تلاش کرنے لگی تاکہ اس پر سوار ہو کر مدینہ لوٹ آئے، دراصل ہر اونٹنی سواری کے قابل ہوتی نہیں اس لئے پہلے اس اونٹنی کو دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ سواری کے لائق ہے یا نہیں، یہ عورت تجربہ کار تھی جانتی تھی کہ سواری کے قابل کون سی اونٹنی ہوتی ہے، چنانچہ یہ عورت چپکے سے اٹھی اور ان اونٹنیوں کے پاس جا کر ہر ایک پر الگ الگ ہاتھ رکھ کر دیکھتی تھی، جس پر بھی ہاتھ رکھے وہی اونٹنی بلبلائے لگتی، (اونٹ پر جب پالان وغیرہ رکھتے ہیں سواری کے لئے یا سامان لادنے کے لئے تو اس وقت وہ کچھ آواز سی نکالتا ہے) جب وہ اونٹ بولتے یہ عورت ایک دم اس کے پاس

سے ہٹ جاتی یہ اندازہ لگا کر کہ یہ سواری کے قابل نہیں ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ سوتے ہوئے جاگ نہ جائیں غرضیکہ وہ اسی طرح جلدی جلدی ہر ایک پر ہاتھ رکھ کر دیکھتی اور جب وہ بولنے لگتا تو ہٹ جاتی، جب اس ناقہ عضبار کا نمبر آیا اور اس پر بھی اس نے ہاتھ رکھ کر دیکھا تو وہ نہیں بولی، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے فجعلت اذا دنت من البعير رفا فترکہ حتی تنتهي الى العضبار فلم ترغ، یہ سمجھ گئی کہ یہ اونٹنی سواری کے قابل ہے، ذلول اور مجزئہ کے معنی یہی ہیں یعنی وہ اونٹنی جو سوار کے تابع ہو اور سواری کے لائق ہو، چنانچہ یہ اس پر سوار ہو گئی، اور مدینہ کا رخ کیا اور اس وقت اس نے یہ بھی نذر مانی ان نجاها الله لتحرنها، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی کے ذریعہ مجھے نجات دلادی اور اس پر سوار ہو کر میں مدینہ منورہ صبح سالم پہنچ گئی تو میں اس اونٹنی کو اللہ کے لئے ذبح کروں گی، چنانچہ اس پر بیٹھ کر وہ صبح سالم مدینہ پہنچ گئی، فلما قدمت المدينة عرفت الناقة ناقه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، یعنی جب دن میں لوگوں نے اس اونٹنی کو دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ عضبار ہے اور پھر آپ کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ نے آدمی بھیج کر اس عورت کو بلایا اور آپ سے اس عورت کی نذر کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے سن کر فرمایا، ہئس ملبؤنہا، اور جزیئہا۔ یہ شک راوی ہے کہ آپ نے غائب کے صیغہ کیساتھ فرمایا یا اس عورت کو خطاب کرتے ہوئے صیغہ مانکا تلفظ فرمایا، یعنی اس عورت نے اس اونٹنی کو یہ تو بہت برا بدلہ دیا ان الله نجاها عليها لتحرنها یہ حرف شرط ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دیدی اس اونٹنی پر تو یہ ضرور بالضرور اس کو ذبح کریگی، اس جزاء کا برا ہونا صوریہ ظاہر ہے کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ اس عورت کی جان کی حفاظت کا ذریعہ بنا رہے ہیں وہ عورت اس کو ہلاک کر دے فہذا جزاء الحسنة بالسينة، پھر آگے آپ نے شرعی مسئلہ کی بات بیان فرمائی لا وفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لا يملك، یعنی جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس میں نذر ماننے کا کیا مطلب، نذر تو اپنے مال کی ہونی چاہیے اس حدیث کی شرح اور مسئلہ کی تفصیل ہم شروع باب میں بیان کر چکے ہیں۔

استیلا راکافر علی مال المسلم سے یہاں پر ایک اور علمی سوال و جواب ہے وہ یہ کہ کتاب الجہاد میں ایک باب کے تحت میں "باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ" یہ مسئلہ متعلق ایک سوال و جواب گذر چکا ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک استیلا راکافر علی مال المسلم سبب ملک ہے

تو اس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مشرک لٹیرے اس عضبار کے مالک ہو گئے تھے اور یہ عورت اس مال مشرک کو لوٹ کر لائی لہذا یہ اونٹنی مال غنیمت ہوئی جس کا مالک لوٹنے والا ہی ہونا چاہیے، اس پر لا یملاک کہاں صادق آتا ہے، شافعیہ و حنابلہ کے مسلک پر تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک استیلا راکافر سبب ملک نہیں ہوتا، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ عند الحنفیہ استیلا سبب ملک بعد الاحراز ہوتا ہے، یہاں گو استیلا پایا گیا لیکن ابھی تک

احراز نہیں پایا گیا تھا، یعنی مال کو دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل کر لینا، ہاں مالکیہ کے نزدیک استیلاؤں کا کافر مطلقاً سبب ملک ہوتا ہے، پس یہ حدیث اگر خلاف ہے تو مالکیہ کے ہے نہ کہ حنفیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔  
قال ابو داود: المرأة هذه امرأة ابي ذر۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی بطوله، واخرجه الترمذی منہ طرقاً، واخرج النسائی وابن ماجہ منہ طرقاً، قال المنذری۔

## باب من نذر ان يتصدق بماله

عن كعب مالك رضى الله تعالى عنه قال قلت يا رسول الله ان من توحي ان انخلع من مالي صدقة الى الله والى رسوله قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امسك عليك بعض مالك فهو خير لك۔  
**تصدق بجميع المال کی نذر میں مذہب ائمہ** ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تصدق بجميع المال کی نذر کا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کر دوں گا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مالکیہ و حنابلہ کا مسلک اس صورت میں یہ ہے یکفیه التصدق بالثلث یعنی ایسے شخص کے لئے ثلث مال کا صدقہ کر دینا کافی ہے، اور امام شافعی کے نزدیک پورا ہی مال صدقہ کیا جائے گا، وعند الحنفیہ جميع المال الزكوى ان كان والا فما كان، یعنی حنفیہ کے نزدیک یہ نذر اس مال پر محمول ہوگی جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (نقدین و السوائم وغیرہ) اگر اس کے پاس مال زکوٰۃ ہو، اور اگر اس کے پاس اس قسم کا مال نہ ہو تو پھر جو بھی مال ہو اسی پر محمول ہوگی، وہی سبب دیا جائے گا، امام مالک کا مسلک خود موطا میں موجود ہے عن عائشة أم المؤمنين أنها سئلت عن رجل قال مالي في رماح الكعبة فقالت عائشة يكفره ما يكفر اليمين، قال مالك في الذي يقول مالي في سبيل الله ثم يحنت قال يجعل ثلث ماله في سبيل الله، وفي الاوجز واخرج محمد في موطاه اثر عائشة ثم قال قد بلغنا هذا عن عائشة واحب اليانا ان نفي بها جعل على نفسه فيصدق بذلك ويمسك ما يقوته فاذا افاد ما لا يصدق بمثل ما امسك وهو قول ابى حنيفة والعامة من فقهاءنا اه امام محمد فرما رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر ماننے والا شخص اس نذر کو پورا کرے یعنی سارا مال صدقہ کرے اور سردست بقدر قوت روک لے پھر بعد میں جب کہیں اور سے مال کملے تو اس مقدار کو بھی صدقہ کر دے (اوجز ج ۴ صفحہ ۱۱)

**شرح الحدیث من حیث الفقہ** حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ جب قبول ہو گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (میرے ذہن اور اعتقاد میں یہ بات ہے کہ) میری توبہ کا کمال اس میں ہے کہ میں اپنے پورے

مال کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر کے اس سے علیحدہ ہو جاؤں، اس پر آپ نے فرمایا کچھ مال اپنے لئے روک لے یہ تیرے لئے زیادہ بہتر ہے، تو انہوں نے عرض کیا: بہتر ہے تو پھر میں اپنا وہ حصہ جو غنائم خیر میں سے ملا تھا اس کو روک لیتا ہوں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان کو کل مال کے تصدق سے اور اسی طرح نصف مال کے تصدق سے بھی منع فرمایا اور پھر اخیر میں ثلث مال کے تصدق کی اجازت دی، مالکیہ و حنابلہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے استدلال بہ الموفق فین نذر التصدق بجمع مآلہ انہ یجزئہ التصدق بالثلث، وبہ قال مالک، وقال الشافعی یلزمہ الكل فی التبرردون اللجاج، وقال الحنفیہ یلزمہ تصدق المال الزکوی کلمہ اھ نذر لجاج والغضب اس نذر کو کہتے ہیں جو نذر آدمی جو شش میں آکر قسم کے طور پر مانتا ہے کسی کام کے کرنے یا اس سے رکنے کے لئے جس سے ناذر کا مقصود قربت اور عبادت نہیں ہوتا صرف اپنے ذمہ کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے، نذر بتر نذر طاعت کو کہتے ہیں جس سے مقصود قربت اور عبادت ہو اور سوچ سمجھ کر وہ نذر مانی جائے، نذر لجاج پر تفصیلی کلام آئندہ ایک باب کے بعد آ رہا ہے، لہذا یہ حدیث حنفیہ و شافعیہ کے خلاف ہوئی، اس کا جواب احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ اس قصہ کعب میں نذر کا ذکر کہاں ہے وہ تو آپ سے استشارہ کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ میری توبہ کی تکمیل جب ہوگی جب میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں، آپ نے ان کو بچائے کل کے ثلث مال کے تصدق کا مشورہ دیا، اور اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصد اپنی نذر ہی کو بیان کرنا تھا کہ میں نے اپنی توبہ کی تکمیل کے لئے تصدق بجمع المال کی نذر مان رکھی ہے تو اب میں کیا کروں، تو اس صورت میں آپ کے کلام کی تاویل یہ ہوگی کہ سر دست ثلث مال کا صدقہ کر دو، سارا مال ایک ساتھ صدقہ نہ کرو اس سے پریشانی ہوگی، بعد میں آہستہ آہستہ اس مقدار کو صدقہ کر کے پورا کر دینا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ دفعۃً سارا مال صدقہ نہ کرے کما تقدم آنفاً من کلام الامام محمد رحمہ اللہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والحدیث أخرجه النسائی ایضاً مختصراً، وأخرجه البخاری ومسلم فی الحدیث الطویل، قال المنذری۔

## باب نذر الجاہلیۃ ثم ادرك الاسلام

عن ابن عمر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال یا رسول اللہ انی نذرت فی الجاہلیۃ ان اعتکف

فی المسجد الحرام لیلة فقال له النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوف بندرت۔

یہ حدیث باب الاعتکاف میں گذر چکی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک صحت نذر کے لئے اسلام ناذر شرط ہے اس لئے کہ نذر ہوا کرتی ہے طاعت کی و الکافر لیس باھل لہا، امام احمد کے نزدیک شرط نہیں انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور جمہور اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اگر کوئی اس پر

یہ اشکال کرے کہ عند الجہور تو نذر کافر نذر ہی نہیں ہے حالانکہ آپ اس کو نذر قرار ہے ہیں، اس کا بعض علماء نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے اوف بمثل نذرک کہ جس طرح حقیقی نذر کو پورا کیا کرتے ہیں اسی طرح اس مثل نذر کو پورا کرے۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

## باب من نذر نذراً لم یستمه

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفارة المنذر کفارة الیمین۔

حدیث الباب کا محل اور اس میں اختلاف علماء اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے کفارة المنذر اذالم یسمہ کفارة الیمین، ابو داؤد کی حدیث میں گویہ زیادتی نہیں ہے لیکن مصنف نے اس حدیث کو محمول اسی پر کیا ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے، اس نذر کی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے، للہ علی نذرک، اور کس چیز کی نذر ہے اس کی تعیین نہ کرے اس نذر کو نذر مبہم بھی کہتے ہیں، نذر مبہم میں جہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ کفارة کفارة الیمین، اس لئے کہ پورا کرنے کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں غیر معین ہونے کی بنا پر، ابن قدامہ نے اکثر علماء کا مذہب یہی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں: ولا اعلم فیہ مخالفاً الا الشافعی قال لا یعتقد نذرہ ولا کفارة فیہ، ولنا ما روی عقبہ بن عامر کفارة المنذر اذالم یسمہ کفارة الیمین الحدیث اھ من المعنی وفي المحلی ورواہ احمد وابو داؤد والنسائی، ورواہ مسلم بدون قولہ، اذالم یسمہ، فحملہ مالک والبخاری وجماعة علی المنذر المطلق، وحملہ احمد وبعض الشافعية علی نذر المعصية، وحملہ جہور الشافعية علی نذر اللجاج مثلاً ان کلمت زیدا فللہ علی حجة فکلمہ فہو بالخیار بین الکفارة و بین ما التزمہ اھ، وھکذا حکى القاری عن النووی انه قال حملہ جہور اصحابنا علی نذر اللجاج قال القاری لا یظهر حملہ لم یسمہ علی المعنی المذكور مع ان التحییر خلاف المفہوم من الحدیث، وحملہ علی المعصية مع بعدہ یردہ حدیث ابن عباس مرفوعاً من نذر المنذر لم یسمہ فکفارة الیمین ومن نذر نذراً فی معصية فکفارة الیمین فان الاصل فی العطف المغایرة اھ مخمقہ من الادب ج ۱ ص ۱۶ صاحب محلی نے جو لکھا ہے کہ امام احمد نے اس کو نذر معصية پر محمول کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ابن قدامہ سے نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ اس سے مراد نذر مطلق و مبہم ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ جہور علماء و انہم الائمة الثلاثة کے نزدیک اس سے مراد نذر مبہم ہی ہے۔ الا الشافعی کہ ان کے نزدیک اس سے مراد نذر لجاج ہے اب یہ کہ نذر لجاج کا حکم کیا ہے۔

نذر لجاج کی تعریف اور اسکے حکم میں اختلاف ائمہ اور جزم میں ایک دوسرے مقام پر نذر لجاج پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے مالکیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ یہ نذر ان کے نزدیک



قول راجح میں واجب الوفاء ہے۔ اور نذر لجاج یہ ہے کہ جس سے مقصود طاعت وغیرہ کچھ نہ ہو بلکہ اپنے نفس کو کسی کام سے روکنا اور اس کو سزا دینے کے طور پر ہو جیسے یوں کہے للشر علی کذا ان کلمت زیدا، یعنی زید پر ناراض ہونے کی صورت میں کہے کہ اگر میں اس سے بات کروں تو میرے ذمہ ایک حج یا عمرہ ہے مثلاً اس کی ایک مثال باب الیمین فی قطیعة الرحم میں آ رہی ہے، قال الباجی یلزم النذر علی وجه اللجاج والغضب وقال الشافعی صو مخیر فی نذرہ علی اللجاج بین ان یکفر کفارة یمین و بین ان یفی بہ اور موفقی نے اپنا یعنی حنابلہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے جو امام شافعی کا ہے انہ مخیر بین الوفاء بما صلت فلا یلزمہ شئ و بین ان یحنت فیتخیر بین فعل المنذور و بین کفارة الیمین، وقال ابو حنیفہ و مالک یلزم الوفاء بنذرہ لانه نذر فیلزم الوفاء بہ کنذر التبر۔ الی آخر باسقاط الموفقی۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے اس میں پانچ قول ہیں جن کو امام نووی نے شرح مہذب میں مبسوطاً ذکر کیا ہے وقال نذر اللجاج والغضب ویقال فیہ یمین اللجاج والغضب ویقال لہ ایضاً یمین الغلق ونذر الغلق فاذا قال ان کلمت فلانا للشر علی صوم شہر اوج او صلاۃ او نحو ذلک ثم کلمہ فیہما یلزمہ خمسہ طرق جمہا الرافعی قال اشہرہا علی ثلاثہ اقوال احدہا یلزمہ الوفاء بما التزم، والثانی یلزمہ کفارة الیمین والثالث یتخیر بینہما، قال وھذا الثالث هو المالک عند العراقیین، وقال النووی هو الاصح اھ اور ملا علی قاری نے حنفیہ کا مذہب اس طرح لکھا ہے کہ یلزم الوفاء بالنذر سواء کان مطلقاً او معلقاً بشرط بان قال ان شفی الشر یعنی فعلی حجۃ مثلاً او عمرہ مثلاً، لکن لزومہ عند وجود الشرط اذا کان معلقاً، ولا یخرج عنہ بالکفارة فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نذر معلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہو جس کا وجود مطلوب ہو جیسے ان شفی الشر یعنی فعلی کذا تو ایسی نذر کا تو ایفار ہی واجب ہے اور اگر تعلیق ایسی چیز کے ساتھ ہو جو غیر مطلوب ہو جیسے ان کلمت زیدا فللشر علی کذا اس میں دو قول ہیں ایک یہی کہ واجب الایفار ہے دوسرا یہ کہ اس صورت میں کفارة یمین کافی ہے وھو الصحیح وقد رجح الیہ الامام ابو حنیفہ قبل موتہ بثلاثہ ایام او بسبعۃ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اھ اور یہی تفصیل حنابلہ کے مذہب میں ہے کما فی الروض المربع کہ اگر تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہے جس کا وجود مطلوب ہو اس کا ایفار واجب ہے اور اگر وہ شئی ایسی ہے جس کا وجود مطلوب نہیں وہاں پر تخیر ہے بین الایفار و کفارة الیمین، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں ہذا التفصیل مو للرجح عند الشافعیۃ

**خلاصۃ المذہب** فالجاصل فی نذر اللجاج ان الائمۃ الثلاثہ فی جانب والامام مالک فی جانب امام مالک کے نزدیک وہ مطلقاً واجب الایفار ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الراجح اس میں تفصیل ہے۔

جوابی اور مذکور ہوئی اس مقام کی شرح میں بہت تطویل ہو گئی جس کا منشأ ناقلین مذہب کا اختلاف ہے کسی ایک کتاب میں یہ مسئلہ مہذب و منقح نہیں ملا لیکن اب بحمد اللہ تنقیح و تحقیق ہو گئی جو ہم نے دونوں جگہ اخیر میں لکھ دی نذر مہم میں بھی اور نذر لجاج میں بھی فللشر الحمد۔



## باب لغو الیمین

یہ وہی باب ہے جس کا حوالہ ہم نے ابتدائی مباحث کی بحث رابع میں دیا تھا۔

یمین کے اقسام ثلاثہ اور یمین لغو یمین کی تین قسمیں مشہور ہیں۔ یمین منعقدہ یمین غموس، یمین لغو، یمین منعقدہ وہ ہے جس کا تعلق زمان مستقبل سے ہو کہ قسم کھا کر یوں کہے کہ میں ایسا کروں گا یا نہیں کروں گا، اور یمین لغو اور غموس

ان دونوں کا تعلق ماضی یعنی گزشتہ زمانہ سے۔ یا حال سے ہوتا ہے اور یہ دونوں خلاف واقع ہوتی ہیں، فرق یہ ہے کہ یمین غموس میں جان بوجھ کر خلاف واقع بات پر قسم کھائی جاتی ہے یمین لغو میں بلا قصد کے یعنی وہ خبر اعتقاد کے تو مطابق ہوتی ہے لیکن واقعہ کے خلاف، مثلاً اگر قسم کھا کر یہ کہا کہ زید آگیا، اور فی الواقع وہ آیا نہیں تھا تو اگر یہ غلط قسم جان بوجھ کر کھائی تب تو یمین غموس ہے ورنہ یمین لغو، یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے ان کے نزدیک یمین لغو کی تعریف یہ ہے خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد، جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوران گفتگو لاواللہ بلی واللہ وغیرہ لفظ کہنے کی، اور امام احمد کے نزدیک یہ دونوں قسمیں یمین لغو میں داخل ہیں، جس کو شافعیہ لغو کہتے ہیں وہ بھی اور اسی طرح جو حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک لغو ہے وہ بھی، قال الصاوی المالکی المفسر: اختلف العلماء فی معنی اللغو فقال الشافعی هو ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد عقد الیمین وقال ابو حنیفہ ومالک هو ان یحلف علی ما یعتقد فتمین خلافہ، وکلاہما داخل فی اللغو عند الامام احمد۔

قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال ہو کلام الرجل فی بیتہ کلا واللہ ربلی واللہ۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ کے موافق ہے، بدائع میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک بھی یہ یمین لغو ہی ہے بشرطیکہ اس کا تعلق ماضی یا حال سے ہو، شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے، ان کے نزدیک یہ مستقبل کو بھی شامل ہے، وہ فرماتے ہیں والدلیل علی ما قلنا انہا فسرہا بالماضی، روی عن مطر عن رجل قال دخلت انا و ابن عمر علی عائشہ فسالتہا عن یمین اللغو فقالت قول الرجل فعلنا واللہ کذا، وصنعنا واللہ کذا، فحملتک الروایۃ علی ہذا تو فیہا بین الروایتین اذا حملت علی المفسر

قال ابو داود: ابراہیم الصائغ قتلہ ابو مسلم بفرسندس، قال وکان اذا رفع المطرقۃ فسمع النداء سیبہا

ابراہیم صائغ کی ایک خاص خصلت سند میں جو ایک راوی ابراہیم صائغ آئے ہیں ان کے بارے میں مصنف فرما رہے ہیں کہ ان کو ابو مسلم نے مقام فرندس میں قتل کیا تھا

آگے ان کی ایک عادت بیان کر رہے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا کہ کام کے دوران جب یہ زیور بناتے وقت ہتھوڑی مارنے کے لئے اٹھاتے تھے تو اگر اس وقت ان کے کان میں اذان کی آواز پڑ جاتی تھی تو فوراً ہاتھ کو روک لیتے تھے۔ اور اس ہتھوڑی کو بجائے مارنے کے رکھ دیتے تھے، بذل میں لکھا ہے کہ یہ ابو مسلم حجاج بن یوسف کی طرح بڑا ظالم اور سفاک تھا۔

### باب فیمن حلف علی طعام لایا کله

عن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل بنا اضياف لنا وكان ابو بکر يتحدث عند رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بالليل .

**رضیفان ابی بکر صدیق کا قصہ** | عبد الرحمن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں چند مہمان آئے (یہ تین شخص تھے اصحاب صفہ میں سے) وہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا معمول رات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے جانے کا تھا، چنانچہ وہ جاتے وقت مجھ سے فرما گئے کہ میری واپسی سے پہلے ان کو کھانے سے فارغ کر دینا، عبد الرحمن کہتے ہیں: میں ان کے پاس کھانا لیکر آیا، مہمانوں نے بغیر صاحب خانہ (صدیق اکبر) کے کھانے سے انکار کر دیا، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ جب والد صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس آئے تو دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کو آواز دی (وہ صدیق اکبر کے غصہ کو دیکھ کر چھپ گئے تھے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے) یا غنم (ادکینے) وہ سامنے آئے اور اگر عرض کیا اچی میں تو ان کے سامنے کھانا لیکر آیا تھا مگر ان لوگوں نے کھانے سے انکار کر دیا کہ جب تک آپ نہیں آئیں گے اس وقت تک ہم۔ نہیں کھائیں گے، اس پر مہمانوں نے عبد الرحمن کی تصدیق کی کہ بیشک یہ تو کھانا لیکر آئے تھے لیکن ہم نے انکار کر دیا تھا آپ کے انتظار میں، صدیق اکبر نے پوچھا کہ میرا انتظار کیوں کیا انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے، صدیق اکبر کو اس پر ناگواری ہوئی اور قسم کھا کر فرمایا میں بھی آج یہ کھانا نہیں کھاؤں گا، ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی نہ کھائیں گے جب تک آپ نہ کھائیں گے۔

قال ما رأيت في الشر كالليلة قط، اس پر صدیق اکبر بڑے متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسی بری رات تو میں نے کبھی نہیں دیکھی، مگر انہوں نے اس ناگوار صورت حال کو فوری طور پر ختم کیا اور فرمایا کھانا لیکر آؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا، مہمانوں نے بھی شروع کر دیا۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ اس رات کے واقعہ کے بعد صبح کو جب صدیق اکبر حضور کی خدمت میں پہنچے اور یہ رات کا واقعہ آپ کو سنایا اور یہ کہ میں تو اپنی

قسم میں حانث ہو گیا تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بل انت ابرئہم وأصد قہم کہ تم کہاں حانث ہوئے تم تو ان میں سے زیادہ نیک اور سچے ہو مطلب یہ کہ یہ حنث وہ حنث نہیں جو معصیت یا مذموم ہو بلکہ یہ تو من حلف علی یحین فرآی غیر ہا خیر امنہا کے قبیل سے ہے۔

یہ واقعہ صحیح بخاری میں مزید تفصیل سے ہے اس میں یہ بھی ہے فاکلوا فکلوا لا یرون لقمۃ الاربت من اسفلہا اکثر منها فقال یا اخت بنی فراس ما هذا؟ فقالت وقرۃ عینی انہا الآن لا اکثر قبل ان ناکل فاکلوا وبعث بہا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکر انہا اکل منها، یعنی جب یہ لوگ وہ کھانا کھا رہے تھے تو جو بھی لقمہ اٹھاتے تھے تو کھانا اس کے نیچے سے اور بڑھ جاتا تھا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اس کھانے میں کاجی ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی بھیجا گیا جس میں سے آپ نے بھی نوش فرمایا، یہ قصہ صحیح بخاری میں کتاب الادب ص ۹۰ اور علامات نبوت میں ص ۱۵۵ اور مواقیب الصلاۃ میں ص ۸۵ پر مذکور ہے، قال: ولم یبلغنی کفارۃ، راوی کہہ رہا ہے کہ اس واقعہ میں صدیق اکبر نے کفارہ یحین ادا کیا تھا یا نہیں اس بارے میں مجھے کچھ نہیں پہنچا لیکن اصولاً کفارہ واجب ہے اور عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں، اور اگر یہ واقعہ مشروعیت کفارہ سے پہلے کا ہو تو پھر امر آخر ہے۔ (بذل) والحدیث أخرجه البخاری و مسلم بخوہ اتم منہ، قالہ المنذری۔

## باب الیمین فی قطیعة الرحم

عن سعید بن السیب ان اخوین من الانصار کان بینہما میراث فسأل احدهما صاحبہ القسمۃ فقال

ان عُلِّمَتْ تسألنی عن القسمۃ فکل مالی فی رتاج الکعبۃ الخ  
**شرح الحدیث و فیہ بیان نذر اللجاج** یعنی دو انصاری شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان دو کے درمیان میراث کا مسئلہ رکھا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے تقسیم میراث کا مطالبہ کیا (ممکن ہے کئی بار مطالبہ کی نوبت آچکی ہو) اس نے کہا کہ اگر آئندہ تو نے تقسیم کا سوال کیا تو پھر میری نذر یہ ہے کہ میرے حصہ کا کل مال باب کعبہ کے لئے ہے، مراد خود کعبہ ہی ہے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو انہوں نے اس نذر ماننے والے سے فرمایا ان الکعبۃ غنیۃ عن مالک، کہ کعبہ تیرے مال کی ضرورت نہیں، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بات کرنا شروع کر اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: لا یمین علیک ولا نذر فی معصیۃ الرب ولا فی قطیعة الرحم۔ اس قصہ میں جو نذر مذکور ہے وہ نذر اللجاج ہے جس کا حکم ابھی قریب میں مع بیان مذاہب الائمہ گذر چکا ہے و حاصلہ: اگر کوئی شخص اپنی نذر کو کسی شئی کے حصول پر معلق کرے

تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ شئی مطلوب و مقصود ہو جیسے ان شفی اللہ مر یضی فعبدی حر، ایسی نذر کا ایفار بالاتفاق واجب ہے اور اگر وہ شئی غیر مطلوب ہو جیسا کہ غصہ وغیرہ کی صورت میں نذر مان لی جاتی ہے جیسے ان کلمتک فعلی قصوم شہر، یہ نذر لجاج ہے اور پہلی نذر نذر المجازاة اور نذر تبرئ، امام مالک کے نزدیک تو دونوں قسموں کا حکم ایک ہی ہے یعنی وجوب ایفار اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قسم اول یعنی نذر المجازاة کا حکم وجوب ایفار ہے و فی القسم الثانی التخییر بین الایفار و کفارة الیمین اس مضمون کی ایک حدیث موطا کے اندر بھی ہے عن عائشة ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا امنہا سکت عن رجل قال مالی فی رتاج الکعبۃ فقالت عائشة یکفرہ ما یکفر الیمین، یہ روایت ہمارے یہاں باب من نذر ان یتصدق بمالہ میں بھی گزر چکی۔

### باب الحالف یستثنی بعد ما یتکلم

اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے باب الاستثناء فی الیمین، وہاں پر ہم نے یہ لکھا تھا کہ استثناء وہ معتبر ہے جو متصل ہو اور یہ کہ اس اتصال کی بحث اس آنے والے باب میں ذکر کی جائے گی۔

استثناء میں اتصال کی قید، و ذکر المذہب استثناء اصطلاح میں تو حکم ماقبل سے بعض افراد کے الا وغیرہ کے ذریعہ سے اخراج کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا

اطلاق تعلیق علی المشیئة پر بھی آتا ہے یعنی ان شاء اللہ کہہ دینا، یہاں پر یہی مراد ہے، قسم کھانے کے بعد اگر کوئی شخص ان شاء اللہ متصلاً کہے تو یہ انعقاد یمین سے مانع ہو جاتا ہے، اتصال کی قید جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے

نزدیک ہے، بعض سلف جیسے طاؤس حسن قتادہ وغیرہ کا اس میں اختلاف منقول ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس کا اختلاف اس میں مشہور ہے ان کے نزدیک استثناء کے لئے کسی زمانہ کی قید نہیں جب بھی چاہے کر سکتا ہے

اس سلسلہ میں ایک قصہ بھی مشہور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے (قیل ہو محمد بن اسحاق صاحب المغازی) خلیفہ منصور عباسی سے امام ابو حنیفہ کی شکایت کی کہ یہ آپ کے جدا مجد ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں کہ استثناء منفصل

معتبر نہیں متصل ہونا ضروری ہے، منصور نے امام صاحب کو بلا کر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں کہتا ہوں کہ استثناء منفصل معتبر نہیں اور پھر اس کو مطمئن کرنے کے لئے انہوں نے فرمایا کہ کیا

آپ کو یہ بات پسند ہے کہ لوگ آپ کی مجلس میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حلف اٹھائیں اور پھر مجلس سے باہر جا کر ان شاء اللہ کے ذریعہ نفقہ بیعت کر کے بری ہو جائیں اس پر وہ خوش ہو گیا اور کہا نعم ما قلت وغضب علی ابن اسحاق و اخرجہ من عنده (بذل)

عن عکرمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال غُرُورٌ قَرِيشٌ، واللہ لا غرور قریشا،

والله لا غزوة قریشا شر قال ان شاء الله۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے۔ شہسکت شر قال ان شاء الله۔

لیکن فصل یسیر جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے چنانچہ بذل میں ابن امیر الحاج سے نقل کیا ہے: یشرط فی الاستئذان الاتصال بالمستثنی منہ لفظاً عند جمہیر العلماء الا تنفس او سوال او اخذ قم ونحوہ کعطاس او جشار و عن ابن عباس جواز الفصل بشہر و سنہ مطلقاً، اور اس کے بعد پھر یہ ہے کہ وہ جو ابن عباس سے جواز فصل منقول ہے اس سے مراد وہ استئذان ہے جو بوقت تکلم منوی ہو لیکن مؤخر ہو۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز فرمایا اللہ میں قریش مکہ سے بالضرور غزوہ کروں گا اور اس کو آپ نے تین بار فرمایا، اس کے بعد دوسری روایت میں یہ ہے شر لہ یغزہم کہ پھر آپ کو ان کے ساتھ غزوہ کی نوبت نہیں آئی اس پر بذل میں اشکال کیا ہے کہ مکہ کی فتح غزوہ ہی کے ذریعہ تو ہوئی ہے پھر نفی کے کیا معنی ہیں؟ قلت و لیکن ان یقال معناه لم یغزہم بعد هذا القول علی الفور بل بعد زمان، یا یہ کہ راوی کی مراد غزوہ سے قتال ہو چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ کی فتح صلحا ہوئی نہ کہ عنوة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب من نذر نذرا لا یطیقہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من نذر نذرا لم یسمہ فکفارتہ کفارة یمین ومن نذر نذرا فی معصیۃ فکفارتہ کفارة یمین الخ۔ یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں "باب من نذر نذرا لم یسمہ" میں ملا علی قاری کے کلام میں اس ذیل میں آیا ہے کہ جن علماء نے من نذر نذرا لم یسمہ کو نذر معصیت پر محمول کیا ہے وہ درست نہیں اس لئے کہ نذر معصیت تو اس حدیث کے بعد خود مذکور ہے اور عطف مقتضی ہے مغایرت کو وغیرہ وغیرہ۔ والحدیث اخر جہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

## اول کتاب البیوع

ما قبل من سبب | جب مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ عبادات کے بیان سے فارغ ہو گئے یعنی ارکان اربعہ نماز روزہ زکاۃ حج اور نکاح و جہاد و ماینا سبہ من الفیایا والوصایا والفرایض وغیرہا تو اب یہاں سے معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد اطعمہ و اشربہ کا۔ اس لئے کہ یہ بیع وغیرہ معاملات کھانے پینے ہی کی سہولتوں کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور پھر ان سب کے بعد جو احکام باقی رہ گئے ہیں یعنی حدود و قصاص

اور دیات ان کو مصنف نے ذکر فرمایا اس لئے کہ یہ امور یعنی حدود و قصاص وغیرہ زیادہ تر اکل و شرب ہی کی بے احتیاطی پر متفرع ہوتے ہیں اسی لئے ان کو اطعمہ و اشربہ کے بعد اخیر میں ذکر کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ مناسبت تو پوری کتاب کے مضامین کے اعتبار سے ہوئی اب رہی یہ بات کہ قریب میں جو کتاب گذری ہے یعنی کتاب الایمان والمنذور اس میں اور بیوع میں کیا مناسبت ہے سو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے جیسا کہ کتاب المنذور کے شروع میں گذر چکا کہ نذر میں زوال اختیار ہوتا ہے تو ایسے ہی بیع میں زوال ملک ہوتا ہے فتنا سبباً واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور صحیح بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ انہوں نے ارکان اربعہ میں سب سے اخیر میں صوم کو ذکر کرنے کے بعد اس کے بعد متصلاً کتاب البیوع کو بیان فرمایا ہے اور امام مسلم نے ارکان اربعہ میں کتاب الحج کو سب سے اخیر میں ذکر کرنے کے بعد اولاً کتاب النکاح اور اس کے بعد کتاب البیوع کو ذکر کیا ہے۔ بیع کی تعریف جو مشہور ہے وہ یہ ہے، البیع مبادلة المال بالمال بالتراضي، اس تعریف پر ایک اشکال بھی کیا گیا ہے کہ یہ مانع نہیں ہے کیونکہ یہ صبت بشرط الوضو پر صادق آتی ہے، اس لئے بعض علماء نے اس تعریف میں لفظ تجارت کا اضافہ کیا یعنی مبادلة المال بالمال بالتراضي بطريق التجارة، لیکن اس پر بھی اشکال ہے اس لئے کہ اس سے بیع مکروہ خارج ہو جاتی ہے حالانکہ حنفیہ کے نزدیک وہ منعقد ہے بیوع جمع ہے بیع کی بیع و شرا ان دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں اضداد میں سے ہیں ایک دوسرے کے معنی میں آتا ہے لیکن اکثر بیع کا اطلاق اخراج البیع عن الملك، اور شراء کا اطلاق اکثر اخراج الثمن عن الملك پر ہوتا ہے بیع کی انواع اور بیوع میں جمع کا صیغہ اختیار کرتے ہیں فقہار بھی اور محدثین بھی کثرت انواع مع کثیر اشارہ کرنے کے لئے، حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ بیع کی باعتبار بیع کے چار قسمیں ہیں (۱) بیع سلعة

بمثلاً یعنی سامان کے بدلہ میں سامان بدلنا اس کا نام بیع مقایضہ ہے (۲) ثمن کے بدلہ میں سامان دینا جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، مطلق بیع جب بولتے ہیں تو یہی مراد ہوتا ہے (۳) بیع الثمن بالثمن یعنی دونوں طرف نقدین میں سے کوئی سا ایک ہو اس کا نام بیع الصرف ہے (۴) بیع دین بعین اس کا نام بیع سلم ہے، اس بیع میں بیع دین ہوتی ہے یعنی فی الحال نہیں بلکہ واجب فی الذمہ، اور ثمن فی الحال ہوتا ہے یعنی عام طور سے تو اسکے برعکس ہوتا ہے کہ سلعة یعنی سامان فی الحال لیا اور اس کا عوض یعنی ثمن مؤجل کر دیا کہ بعد میں دیں گے، اور بیع کی اس قسم میں یعنی سلم میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ ثمن فی الحال اور بیع مؤجل اسی لئے اسکی تعریف اس طرح کرتے ہیں، بیع أجل بعاجل، یہ ذہن میں رہے کہ باب بیع میں حرف، باء ثمن پر داخل ہوتا ہے، بیع کی اس قسم رابع کا جواز خلاف قیاس، نص کی وجہ سے ہے، شریعت نے مصلحت اور سہولت عباد کیلئے اس قسم کو خلاف قیاس جائز رکھا ہے، اسی لئے اس کے جواز کے لئے بہت سی شرطیں رکھی گئی ہیں تاکہ بعد میں اختلافات پیدا نہ ہوں، یہ شرطیں فقہ کی کتابوں میں مذکور و مفسور ہیں، اسی طرح ثمن کے لحاظ سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں، بیع المساومہ، ما اتفاقا علیہ من غیر اعتبار الثمن الاول یعنی بھاؤ کر کے کوئی چیز



خریدنا جتنی قیمت پر بھی اتفاق ہو جائے جیسا کہ عام طور سے بیوع میں ہوتا ہے، وبيع المراءجہ، التولیہ والوضیعہ ان تینوں قسموں میں ثمن اول کا اعتبار ہوتا ہے یعنی بائع یہ کہے کہ مجھ کو یہ چیز اتنے میں پڑی ہے اور میں تجھ کو اتنے میں دے رہا ہوں پھر نفع لینے کی صورت میں اس کو مراءجہ اور نہ لینے کی صورت میں بیع تولیہ اور کم کرنے کی صورت میں بیع الوضیعہ کہتے ہیں۔

**دین میں معاملات کی درستگی کی اہمیت** ہمارا دین یعنی دین اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے، بلکہ عبادات معاملات، معاشرت اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہے، بغیر معاملات کی درستگی کے آدمی دیندار یا صوفی و زاہد نہیں ہو سکتا، چنانچہ ”تعلیم المتعلم“ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا الاتصفت کتابا فی الزہد، کہ آپ زہد و تصوف میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا قد صفت کتابا فی البیوع، کہ میں مسائل بیوع پر کتاب لکھ چکا ہوں، بظاہر جواب سوال کے مطابق نہ تھا اسی لئے سائل نے دوبارہ سوال کیا انہوں نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا، تین بار ایسا ہی ہوا ہر بار وہ یہی فرماتے رہے کہ میں بیوع میں کتاب لکھ چکا ہوں گویا امام صاحب نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بغیر بیوع اور معاملات کی درستگی کے آدمی صوفی اور زاہد نہیں بن سکتا، امام محمد والے اس قصہ کی تائید امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صنیع سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے کتاب البیوع کے شروع میں سب سے پہلے جو باب باندھا ہے وہ یہ ہے ”باب ما جار فی ترک الشبہات“ اور پھر اس میں یہ مشہور حدیث مرفوعہ ذکر فرمائی ہے الحلال بین والحرام بین و بین ذلک امور شتہات لا یدری کثیر من الناس ان الحلال ہی ام من الحرام فمن ترکہا استبرأ لیدینہ وعرضہ فقد سلم الحدیث قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح اھ قلت ہو متفق علیہ اخرجه البخاری وسلم۔

## باب فی التجارۃ یخالطہا الحلف واللغو

عن قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نسئ السماسرۃ فمن بنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فسمانا باسمہ ہوا حسن منہ فقال یا معشر التجار ان البیع یحضرہ اللغو والحلف فشوبہ بالصدقۃ۔

قیس بن ابی غرزہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شروع عہد نبوی میں سماسرہ کہلاتے تھے یعنی تاجروں کو سماسرہ کہا جاتا تھا جو کہ سمسار بمعنی الدلال کی جمع ہے، ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بازار میں تاجروں کے پاس کو گزرے، وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اس روز آپ نے ہمیں بڑے اچھے نام سے یاد فرمایا: فرمایا یا معشر التجار اے تاجروں کی جماعت دیکھو لین دین اور بیع و شرار میں لغویات اور جھوٹی طسچی قسم زبان پر آجاتی ہے تو تم اپنے

اس عمل کو صدقہ کے ساتھ ملا لیا کرو، یعنی روزانہ حسب گنجائش و وسعت کچھ صدقہ کرتے رہا کرو، تاکہ ان لغویات کی تلافی ہو جائے۔

تاجر کا نام سمسار سے کیوں اچھا ہے اسلئے کہ تجارت الفاظ عربیہ میں سے ہے قرآن کریم میں مذکور ہے بخلاف سمسار کے کہ وہ عجمی لفظ ہے۔ والحدیث اخریہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی استخراج المعادن

یعنی سونے چاندی کی کانوں میں سے مال نکال کر حاصل کرنا، اس باب کو کتاب البیوع سے کیا مناسبت ہے اسلئے کہ سونا چاندی اشیاء کو خریدنے کے لئے ثمن بنتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً لزم غیرہ مالاً بعشرة دنانیر

**شرح الحدیث** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یعنی دائن نے پکڑ رکھا تھا اپنے مدیون کو جس پر دین صرف دس دنانیر تھے، اور وہ رجل دائن یہ کہہ رہا تھا کہ واللہ میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک کہ تو مجھ کو میرا دین ادا نہ کر دے یا اپنا کوئی کیفل پیش کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص کے دین کی کفالت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لے لی اور پھر چند دن کے بعد حسب وعدہ آپ کی خدمت میں وہ مدیون مال لے کر آیا، آپ نے اس سے سوال فرمایا کہ یہ سونا تو نے کہاں سے حاصل کیا، اس نے عرض کیا کہ ایک معدن سے، آپ نے یہ سن کر اس کو واپس کر دیا اور فرمایا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں، اس میں کوئی خیر نہیں اور پھر اس دائن کو آپ نے اپنے پاس سے ادا فرما دیا۔

آپ نے اس معدن سے نکالے ہوئے سونے کو کیوں واپس فرما دیا، شرح اس کی توجیہ میں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی جس کی ہمیں خبر نہیں، ورنہ محض اس کا مال مستخرج من المعدن ہونا تو مانع عن التملک نہیں ہے امام خطابی نے اس کی متعدد توجیہات احتمالاً لکھی ہیں (۱) آپ نے اس کو اس لئے رد فرمایا لانہ لم یخمس یعنی اس شخص نے ابھی تک اس مال کا خمس ادا نہیں کیا تھا جو شرعاً واجب ہے (۲) اصحاب معادن کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تراب المعادن کی بیع کرتے ہیں اسلئے کہ اس میں سونے چاندی کے ذرات ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ نکلے گا یا نہیں اور کتنا نکلے گا فقہ غرر (۳) ضرورت تھی سکھ کی دراہم و دنانیر کی اور وہ شخص لایا تھا سونا غیر مضروب اسلئے آپ نے اس کو واپس کر دیا (۴) اصحاب معادن یہ کیا کرتے ہیں کہ کان کو ٹھیکہ پر دیدیتے ہیں کہ کھودنے والوں کا اس میں سے عشر یا خمس یا ثلث، باقی ہمارا، اور اس کی مقدار معلوم نہیں، اس جہالت کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوا اسلئے آپ نے واپس فرما دیا (بذل) والحدیث اخریہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی اجتناب الشبهات

عن الشعبي قال سمعت نعيمان بن بشير رضي الله تعالى عنه - ولا اسمع احدا بعده يقول

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول ان الحلال بين وان الحرام بين -

اس سند میں "ولا اسمع احدا بعده" یہ جملہ معترضہ ہے اور نسائی میں اس طرح ہے "فوالله لا اسمع بعده احدا" شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث (جو آگے آ رہی ہے) نعیمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے، اور ان سے سننے کے بعد پھر کسی اور سے اس کو نہیں سنوں گا، یعنی ان سے سننے کے بعد کسی اور صحابی سے سننے کی حاجت نہیں، صرف ان ہی سے سن لینا کافی ہے کیونکہ وہ بالکل سچے اور قابل اعتماد ہیں۔

**شرح الحدیث** | حدیث کا مضمون یہ ہے: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس چیز کا لوگوں کو حلال ہونا معلوم ہے اس کا حکم تو ظاہر ہے۔ یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ اور اسی طرح جس چیز کا حرام ہونا لوگوں کو معلوم ہے اس کا حکم بھی ان کے نزدیک بین اور ظاہر ہے، یعنی یہ کہ اس سے بچنا ضروری ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ جو امور حلال و حرام کے درمیان ہیں ان کا حکم جانا جائے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث کے اگلے حصہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے امور سے بھی اجتناب احتیاطاً ضروری ہے ورنہ احتیاط نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ معاملہ آگے نہ بڑھ جائے یعنی وقوع فی الحرام، اور پھر آپ نے ان مشتبہات کے حکم کو ایک مثال سے سمجھایا ان الله حسی حسی وان حسی الله محارفة، کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں پر بارئیں قائم کر کے ان کو ممنوع قرار دیدیا تاکہ آدمی ان تک نہ پہنچ سکے اور وہ امور جن پر اللہ تعالیٰ نے بارئیں قائم کر دی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ ہیں اور جو شخص بار کے قریب اپنے جانوروں کو چرائیگا تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ قوی ہے کہ وہ بار کے اندر نہ گھس جائے، وانہ من مخالط الريبة يوشك ان يجسر یعنی جو شخص مشکوک کے قریب جائے گا اس کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ ایسا کرنے سے آگے جرات کرے اور صریح حرام میں گھس جائے۔ اس حدیث کے جملہ اولیٰ کا مطلب شرح نے یہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر لکھا، اور اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام وہ چیزیں جو عند اللہ حلال ہیں اور اسی طرح وہ چیزیں جو عند اللہ حرام ہیں وہ سب بین اور ظاہر ہیں سب لوگ ان کو جانتے ہیں، اس مطلب کی شرح نے نفی کی ہے اس لئے کہ اس مطلب کی صورت میں پھر مشتبہ امور کہاں باقی رہیں گے جن سے بچنے کے لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ شعبی اور اساطنا بعین میں سے ہیں جو زیادہ تر تابعین سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث انکی صحابی سے ہے اسلئے م

## حدیث الباب کے بظاہر معارض ایک دوسری حدیث

یہاں ایک طالب علم نے اشکال ہے کہ آگے کتاب الاطعمہ کے اخیر میں باب مالم ینکر تحریمہ کے اندر ابن عباس کی حدیث میں اس طرح ہے کان اہل الجاہلیۃ یا کلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانزل کتابہ واصل حلالہ وحرم حرامہ فما اهل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنہ فهو عفو، اس حدیث میں حلال وحرام کے درمیانی چیزوں کو عفو قرار دیا گیا ہے اور حدیث الباب میں ان کو مشتبہ اور واجب الاحتراز فرمایا گیا ہے، اس اشکال اور اس کے جوابات کی طرف اشارہ حضرت شیخ نے حاشیہ کو کب میں اس طرح فرمایا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان کئی طرح جمع کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ (۱) حدیث ابن عباس من باب الفقہ والفتویٰ ہے اور نعمان بن بشیر کی یہ حدیث من باب الورع والتقویٰ ہے (۲) اور اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے یعنی عفو وہ مسکوت عنہ کا ہے، اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ امر مشتبہ کا ہے، پس یہاں چار مراتب ہوئے حلال، حرام، مسکوت عنہ یعنی وہ شئی جس کے بارے میں نہ دلیل حلت موجود ہو نہ دلیل حرمت، مشتبہ یعنی جس امر میں دلائل متعارض ہوں حلت و حرمت کے بارے میں، اور اس کا حکم وجوب ترک ہے ترجیحاً للحرمة۔ اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ وہ معفو عنہ ہے اباحتہ اصلہ کا اعتبار کرتے ہوئے اھ اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ نعمان بن بشیر کی حدیث متفق علیہ ہے بلکہ صحاح ستہ کی حدیث ہے، اور حدیث ابن عباس سنن کی روایت ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لیا تین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا فان لم یأکلہ اصابہ من بخارہ۔ قال ابن عیسیٰ اصابہ من غبارہ۔

**شرح الحدیث** عرب کے اندر ربا اور سودی معاملات کا لین دین بہت عام تھا جس کو وہ بالکل جائز سمجھتے تھے اسلام نے اگر اس کو حرام قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبوں میں دوسرے امور کے ساتھ اس کی بھی حرمت کا بار بار اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت سے جو لوگوں کے ربوی معاملات چل رہے تھے سب پر آپ نے روک لگائی و رباً الجاہلیۃ موضوع واول رباً اضع ربانار باعباس بن عبدالمطلب فانہ موضوع کلہ اور فرمایا کہ سابقہ سودی معاملات کی باقی رقم جو حضرت عباس کے معاملات کی ہے اس کے چھوڑنے میں پہل میں کرتا ہوں غرضیکہ لوگوں نے اس حرمت کے بعد سودی کاروبار و معاملات بند کر دیئے، پھر آپ اس حدیث الباب میں فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ سودی معاملات کا سلسلہ پھر زور و شور کے ساتھ پایا جائے گا، اور

لہ اشیاء میں اصل اباحتہ ہے یا توقف | دنی ہاشم البذل: فی حکم الاشیاء قبل ورود الشرع اربعۃ مذاہب کما فی العینی ص ۳۴۷ دنی الدر المختار مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحتہ رأی المعترزۃ وروایہ ابن عابدین ص ۳۴۷ وحق ان الثانی مذہب اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ ووسط المذاہب اھ۔

یہ وبا ایسی عام ہوگی جس سے کوئی نہ بچ سکے گا۔ اور اگر کوئی بہت ہی کوشش کر کے صریح سود کے کھانے سے پرہیز کرے گا بھی تو کم از کم اس کا بخار اور دھواں تو ضرور ہی اس تک پہنچ کر رہے گا۔ یعنی سود کا اثر اس کو کسی نہ کسی طرح پہنچے گا، مثلاً سودی معاملات میں شاید بننے کی نوبت آئے گی یا کاتب بننے کی یعنی سودی معاملات لکھنے لکھانے کی، یا آکل ربا کے یہاں ضیافت کھانے یا اس کی طرف سے ہدیہ وغیرہ ملنے سے۔

والحدیث اخذہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

من رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في جنازة۔

**مضمون حدیث** ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں قبرستان گئے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے گورکن کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ اس جانب سے اور کھودو، اور اس فلاں جانب سے اور کھودو، فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ فنجی بالطعام، یعنی جب آپ اس موقع پر قبرستان سے واپس تشریف لارہے تھے تو ایک عورت کی طرف سے آپ کو دعوت دینے والا ملا، چنانچہ آپ اس عورت کے یہاں تشریف لے گئے پس آپ کے سامنے کھانا لایا گیا، لوگوں نے کھانا شروع کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھا، لوگوں نے دیکھا کہ آپ اس لقمہ کو نگل نہیں رہے ہیں، چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمادیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت اس بکری کا ہے جس کو مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، جب اس عورت کو پتہ چلا کہ آپ اس گوشت کو نوش نہیں فرما رہے ہیں تو اس نے آپ کے پاس ایک شخص کو صورت حال بیان کرنے کے لئے بھیجا کہ یا رسول اللہ میں نے نقیع یعنی جانوروں کی مٹھی میں بکری خریدنے کیلئے آدمی بھیجا تھا لیکن وہاں بکری ملی نہیں تھی اس لئے میں نے اپنے پڑوسی کے یہاں آدمی بھیجا جس نے بکری خرید رکھی تھی کہ وہ بکری قیمت مجھے دیدے مگر اتفاق سے وہ شخص گھر پر نہیں تھا، پھر میں نے

لہ اہل بیت میت کی طرف سے اکثر نسخوں میں اس طرح ہے مطبوعہ بھی اور قلمی بھی اور یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے اس میں یہ لفظ اس طرح ہے ضیافت پر اشکال اور اسکی توجیہ، داعی امرأۃ، ضمیر کے ساتھ یعنی اس میت کی زوجہ جس کو دفن کرنا آپ واپس آرہے تھے، جیسا کہ ملا علی قاری نے اسکی شرح کی ہے، اگر یہ لفظ اسی طرح ہے جس طرح مشکوٰۃ میں ہے تو پھر اس پر اشکال ہے کہ ہمارے فقہانے تصریح کی ہے اس بات کی کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت جائز نہیں اسلئے کہ ضیافت تو کسی مسرت کے موقع پر شروع ہے نہ کہ رنج اور صدمہ کے موقع پر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس ضیافت کو قبول فرمانا یہ دلالت کرتا ہے اسکے جواز پر، تو اولاً تو اس کا جواب ہی دیا جائیگا کہ مشکوٰۃ میں یہ روایت ابو داؤد کی ہے اور ابو داؤد کے کسی نسخہ میں نسخ موجودہ میں سے داعی امرأۃ نہیں ہے، ثانیاً یہ کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ نبی سے قبل کا ہو، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا اسلئے کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت مکروہ ہی تو ہے حرام تو نہیں۔

اس کی بیوی کے پاس اسی غرض سے آدمی بھیجا اس نے میرے پاس وہ بکری بھیج دی پس یہ گوشت اس بکری کا ہے آپ نے فرمایا اطعمیہ الاساری یعنی یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے یا تو اس لئے کہ وہ اکثر فقیر ہوتے ہیں اور یا اس لئے جیسا کہ بعض شراح نے کہا کہ وہ کافر ہیں ان کے کھالینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

## باب فی اکل الربا وموکلہ

آکل سے مراد آخذ اور موکل سے مراد معطی، یعنی جو شخص کسی سے ربا کا مال لے یا دوسرے کو دے (خواہ کھائے یا نہ کھائے) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکل الربا وموکلہ وشاہدہ وکاتبہ۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے، اس بات کی کہ ربوی اور سودی معاملہ کی کتابت خواہ اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت کے، اسی طرح اس قسم کے معاملہ میں شہادت یعنی شاہد بنتا حرام ہے اس لئے کہ اس میں اعانت علی الباطل ہے، والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، وخرجه مسلم من حدیث جابر بن عبد اللہ بن عامر، ومن حدیث علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود فی اکل الربا وموکلہ فقط وخرج البخاری من حدیث ابی جحیفہ (حدیث طویلہ وفیہ: ونہی عن) واکل الربا وموکلہ، قال المنذری۔

## باب فی وضع الربا

لکھنڈوں میں اموالکھ یعنی سابق سودی معاملات میں جو سود کی رقم باقی رہی ہوئی ہے اس کو نہ لیا جائے صرف رأس المال لیا جائے، لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ نہ تو تم دوسرے پر ظلم کرو کہ سود کی باقی رقم لو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے کہ اصل رأس المال بھی پورا نہ دیا جائے، دونوں باتیں غلط ہیں، واول دم اضیع منہادم الحارث بن عبد المطلب یہ روایت کتاب الحج میں گزر چکی وہاں ایک روایت میں تو دم ربیعۃ بن الحارث، یعنی بجائے حارث کے ربیعۃ ابن الحارث ہے، اور ایک روایت میں گزرا ہے دم ابن ربیعۃ بن الحارث، اور یہی صحیح ہے، تو گویا یہاں روایت میں دو مضاف محذوف ہیں۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ.... وہذا مذکور فی حدیث جابر الطویل۔ وقد اخرجہ مسلم وابوداؤد فی الحج، قال المنذری۔

## باب فی کراہیۃ الیمین فی البیع

الخلف منقعة للسلعة منقعة للبركة، وقال ابن السرح: للكسب الخلف حار کے فتح اور لام کے کسرہ کے ساتھ اور سکون لام بھی جائز ہے قالہ السندی علی النسائی قلت ویجوز فیہ کسر الحار مع سکون اللام کما تقدم



مفصلاً فی باب الخلف فی آخر کتاب الفرائض، اگر قسم جھوٹی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر سچی ہے تب بھی مکروہ ہے بکراہت تنزیہیہ۔ یعنی تاجر کا جھوٹی قسم کھانا (اسلئے کہ مسند احمد کی روایت میں "الیمین الکاذبہ" ہے) یہ تاجر کے سامان کو تو چاؤ کرنے والی ہے، لیکن برکت کو کم کرنے والی ہے، یا مٹانی والی ہے، منفقہ میم اور فار کے فتح کیساتھ درمیان میں یون ساکن ہے، یہ ماخوذ ہے نفاق بفتح النون سے وهو الرواج ضد الکساد، اور لفظ منحقہ بروزن منفقہ، اور اس میں ایک روایت ضم میم اور کسر حاء کی بھی ہے، یہ ماخوذ ہے محق سے بمعنی النقص والابطال، مطلب ظاہر ہے کہ جھوٹی قسموں سے سامان تو نکل جاتا ہے فروخت ہو جاتا ہے لیکن اس تجارت میں برکت نہیں ہوتی۔

### باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالاجر

یعنی بائع کو چاہیئے کہ بیع کچھ بڑھا کر دے اور اسی طرح مشتری کو چاہیئے کہ ثمن کو کچھ جھکا کر دے، یعنی بیع مقایضہ میں یعنی جس صورت میں شرار بالسلعہ ہو۔

عن سماک بن حرب ناسوید بن قیس قال جلبت انا ومخرفہ العبدی بزامن هجر فایتنا به مکة  
**مضمون حدیث** | سوید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ العبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام ہجر سے کچھ پہلے ابراہم سے تجارت لیکر مکہ مکرمہ میں آئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس پا پیادہ تشریف لائے اور ایک سراویل کا ہم سے بھاؤ کیا ہم نے آپ کو وہ فروخت کر دیا و شکر رجل یزین بالاجر یعنی وہاں ایک شخص موجود تھا جو اجرت لیکر اشیاء کا وزن کرتا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ س ثمن کو تول اور جھکتا ہوا تول۔

کوکب میں لکھا ہے کہ غالباً آپ نے یہ سراویل کسی وزنی شے (سلعہ) کے بدلہ میں خریدا ہو گا جس کو آپ نے وزن کر کر بائع کو دیا (ورنہ اگر یہ شرار بالثمن یعنی درہم اور دینار کے ذریعہ ہوتی تو اس کے تولنے کی کیا ضرورت تھی) لہذا فہمت من الکوکب فارجح الیہ۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا وزن بالاجر جائز ہے نیز یہ کہ وزن ثمن مشتری کے ذمہ ہے لہذا اس کی اجرت بھی اسی پر ہو جب ہوگی اور اس کے بالمقابل بیع کا وزن یا کیل بائع کے ذمہ ہے فلذا اجرتہ علیہ۔

کیا آپ کے لئے لبس سراویل ثابت ہے؟ | نیز کوکب میں ہے کہ اس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سراویل کا خریدنا ثابت ہوا لیکن آپ کا اس کو پہننا کسی روایت میں اس کی تصریح نہیں اس کے حاشیہ میں حضرت شیخ نے جمع الفوائد سے یہ روایت نقل کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت یا رسول اللہ انک تلبس السراویل؟ قال اجل فی السفر والحضر وباللیل والنہار فانی امرت ہا سہ فہم ج

شیئا استر منه، یعنی آپ نے حضرت ابو ہریرہ کے سوال پر فرمایا کہ ہاں میں سراویل پہنتا ہوں، سفر و حضر میں اور آپ نے سراویل کی تعریف فرمائی کہ اس میں ستر زیادہ ہے (یہ نسبت تہمند کے) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ سیوطی نے اسکی سند پر ضعف کا حکم لگایا ہے، اور فی نفسہ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ آپ کا لباس سراویل ثابت ہے یا نہیں، ایک جماعت اس کی قائل ہے، ابن قیم ان ہی میں سے ہیں، اور ایک جماعت نے لباس کا انکار کیا ہے (کوکب ص ۳۸۶)  
والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن سماک بن حرب عن ابی صفوان بن عُمیرۃ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمکہ قبل ان ینہاجر۔ بهذا الحدیث۔

**شرح السند** پہلی سند میں سماک سے روایت کرنے والے سفیان تھے اور اس دوسری سند میں ان سے روایت کرنے والے شعبہ ہیں

دونوں کی روایت میں یقین فرق ہے، سفیان کی روایت میں سراویل کی بیع کرنے والے سوید بن قیس ہیں اور ان کے ساتھ مخرفہ بھی شامل ہیں، اور شعبہ کی روایت میں بجائے سوید اور مخرفہ کے ابو صفوان ہیں۔

قال ابو داؤد: رواہ قیس کما قال سفیان، والقول قول سفیان، امام ابو داؤد نے سفیان کا متابعت قیس کو بیان کر کے سفیان کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح دی، اسی طرح امام نسائی نے بھی حدیث سفیان کو اشبہ بالصواب قرار دیا ہے، نیز نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں سمعت مالک ابا صفوان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوید بن قیس اور ابو صفوان دو شخص الگ الگ ہیں، ابو صفوان کا نام مالک ہے، اور اس میں بعض علماء کی رائے یہ ہے جس کو حاکم کراہیسی اور ابو عمر ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ ابو صفوان سوید بن قیس ہی کی کنیت ہے (بذل) والحدیث أخرجه النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

قال رجل لشعبۃ: خالفک سفیان، فقال دَمَعَتْنِی، یعنی کسی شخص نے راوی حدیث شعبہ بن الحجاج، جو کبار محدثین میں سے ہیں، اُن سے یہ کہا کہ آپ کی سفیان نے فلاں بات میں مخالفت کی ہے (یا تو یہی مخالفت جو حدیث الباب کی سند میں پائی گئی، یا اور کوئی مخالفت)، تو اس پر شعبہ نے فرمایا کہ تو نے یہ جملہ بول کر (مخالفت سفیان کا) میرا سر توڑ دیا، بظاہر امام شعبہ نے حضرت سفیان ثوری کی مخالفت کو ان کی جلالت شان کے پیش نظر اہمیت دی۔  
عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی، مصنف کی غرض تو ان اقوال کے نقل کرنے سے سفیان کی روایت کی ترجیح مقصود ہے جیسا کہ مصنف پہلے خود فرما چکے ہیں۔

دوسری بات جو ہمیں کہنی ہے کہ یہ دونوں ہی بڑے جلیل القدر محدثین میں ہیں، یہ آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے، چنانچہ شعبہ خود فرما رہے ہیں کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

سے شعبہ کے باریس میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: شعبۃ امیر المؤمنین فی الحدیث، چنانچہ تہذیب التہذیب میں ہے: وقال ابن مہدی کان الثوری یقول: شعبۃ امیر المؤمنین فی الحدیث۔

## باب فی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المکیال مکیال مدینۃ

یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث تحت الباب مذکور ہے، الوزن وزن اہل مکہ والمکیال مکیال اہل المدینۃ، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ یعنی زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور کفارات میں وزن تو معتبر ہے اہل مکہ کا اور کیل معتبر ہے اہل مدینہ کا، دراہم و دنانیر یہ موزونات میں سے ہیں اور زمین کی پیداوار غلے یہ مکیلات میں سے ہیں، اور بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ اصحاب تجارت تھے جن کے لین دین اور معاملات زیادہ تر دراہم و دنانیر سے ہوتے ہیں، اور اہل مدینہ اصحاب زراعت تھے جن کے معاملات زیادہ تر مکیال (پیمانہ) یعنی مد اور صاع وغیرہ سے ہوتے ہیں، خطابی فرماتے ہیں کہ دراہم دراصل مختلف الاوزان ہوتے ہیں مختلف شہروں کے اعتبار سے، اور اہل مدینہ کا تعامل جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے دراہم سے تھا باعتبار عدد کے اور چونکہ دراہم جیسا کہ ابھی گذرا مختلف الاوزان ہوتے ہیں اس لئے آپ نے اس حدیث میں اہل مدینہ کو توجہ دلانی اس طرف کہ وہ دراہم اور دنانیر میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار رکھیں، اور اہل مکہ کا درہم وزن سببہ ہوتا ہے یعنی ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوتے تھے، لہذا جس شخص کی ملک میں دو سو درہم وزن سببہ کے اعتبار سے موجود ہوں وہ صاحب نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، وزن سببہ اور وزن سستہ کا ذکر کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکا ہے۔ والحدیث أخرجه النسائی، قال المنذری۔

قال ابو داؤد، وکذا رواه الضریابی، وابو احمد عن سفیان، وافقهما فی المتن وقال ابو احمد: عن ابن عباس، مکان ابن عمر، ورواه الولید بن مسلم عن حنظلہ فقال: وزن المدینۃ ومکیال مکہ۔ اس حدیث کا مدار حنظلہ پر ہے، حنظلہ سے روایت کرنے والے امام ابو داؤد کے کلام کے مطابق دو ہیں سفیان اور ولید بن مسلم، اور پھر سفیان سے روایت کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں، ابن دکین، فریابی، ابو احمد، ان تینوں کی روایت متن کے اعتبار سے تو متفق ہے یعنی وزن مکہ اور مکیال مدینہ، لیکن سند میں یہ تینوں مختلف ہیں تین میں سے دو یعنی ابن دکین اور فریابی ان دونوں نے اس حدیث کا راوی صحابی ابن عمر کو قرار دیا، اور ابو احمد نے ابن عباس کو۔

اور ولید بن مسلم نے سفیان کی مخالفت کی متن حدیث میں اس نے متن کو پلٹ دیا اور کہا، وزن المدینۃ ومکیال مکہ۔ اس کے بعد مصنف ایک اور روایت کا حوالہ دیتے ہیں یعنی مرسل عطا، اور اس کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں

کہ اس روایت میں مالک بن دینار کی روایت میں بھی متن مختلف ہے۔

اس روایت کے متن میں مصنف نے کافی اختلاف روایات کو ذکر فرمادیا ہے اور پھر بعد میں کسی ایک طریق کی ترجیح کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں فرمایا اللہم الا ان يقال کہ وہ ابھی قریب نہیں اس سے پہلے باب میں یحییٰ بن معین کا یہ مقولہ نقل کر چکے ہیں۔ کل من خالف سفیان فالقول قول سفیان، لہذا سفیان کی روایت کا متن راجح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم امام نسائی نے اس حدیث کو صرف ایک ہی طریق سے باب کم الصواع کے تحت اس طرح ذکر کیا ہے، قال ابو عبد الرحمن وحدثنیہ زیاد بن ایوب واحمد بن سلیمان قال احداثا ابو نعیم قال حدثننا سفیان عن حنظلہ عن طائوس عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: المکیال مکیال اہل المدینۃ والوزن وزن اہل مکۃ۔

### باب فی التشدید فی الدین

عن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال آمہنا احد من بنی فلان؟ فلم یجبہ احد..... فقام رجل فقال انیا رسول اللہ فقال ما منعک ان تجیبنی فی المریتین الاولیین انی لم اؤۃ بکم الا خیرا۔

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو خطاب فرمایا اور اس میں آپ نے ایک قبیلہ کا نام لیکر یہ دریافت فرمایا کہ اس قبیلہ کا یہاں کوئی فرد موجود ہے، اس پر کوئی نہیں بولا، آپ نے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ یہی پوچھا، تیسری بار میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا میں ہوں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا پہلی اور دوسری مرتبہ کیوں نہیں جواب دیا تھا، بیشک میں تم سے اچھی ہی بات کہنا چاہتا تھا (وہ یہ کہ) تمہارا ایک ساتھی قبر میں اپنے دین کی وجہ سے ماحوذ و مقید ہے۔ آگے راوی کہہ رہا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ذمہ جتنا بھی دین تھا وہ سب ادا کر دیا گیا۔ والحدیث اخریہ النسائی۔ قال المنذری۔

سمعت ابابرد بن ابی موسیٰ الاشعری یقول عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال:

**شرح الحدیث** ابو موسیٰ اشعری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بیشک گناہوں میں سب سے بڑا گناہ جن کو لیکر بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے یہ ہے کہ مرے کوئی شخص اس

حال میں کہ اسکے ذمہ دین ہو جس کو ادا کرنے کے لئے کچھ مال نہ چھوڑا ہو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ حقوق اللہ کی بناء مصالحت اور مسامحت پر ہے بخلاف حقوق العباد کے کہ ان کا مسئلہ شدید ہے جیسا کہ اس حدیث میں گذرا یغفر کل ذنب الشہید الا الدین، اور اس حدیث میں دین کو کبائر کے بعد رکھا ہے، اس سوال کا جواب طیبی نے دیا ہے کہ وہ جو حدیث میں گذرا ہے کہ

شہید کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے دین کے وہ حدیث لوگوں کو دین سے بچانے کیلئے اور ڈرانے کیلئے علی سبیل المبالغہ تھی اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے، طبی نے پھر ایک اور سوال قائم کیا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نفس دین تو معصیت نہیں بلکہ وہ تو مندوب الیہ ہے چہ جائیکہ گناہ ہو، پھر اس کا جواب انہوں نے خود ہی یہ دیا کہ یہ تو صحیح ہے کہ نفس دین منہی عنہ نہیں بلکہ مندوب الیہ ہے، بلکہ اس کا گناہ ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ دین حقوق الناس کی اضاعت کا سبب بن جاتا ہے، بخلاف کبائر کے کہ وہ فی حد ذاتہ بائع اور ممنوع ہیں اھ عزیزی شارح جامع الصغیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو وعید ہے دین پر یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ مدیون اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے (یعنی دین کے ادا کرنے میں مستعد نہ ہو) یا اس صورت پر محمول ہے جبکہ دین کسی معصیت کے لئے لیا گیا ہو اھ (بذل)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یصلی علی رجل مات وعلیہ دین الا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جو شخص اپنے اوپر دین چھوڑ کر مر جائے تو آپ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ ایک میت کو لایا گیا آپ نے سوال فرمایا کہ اس پر دین تو نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس پر دو دینار کا دین ہے، آپ نے فرمایا صلوا علی صاحبکھ کہ اس کی نماز جنازہ تم ہی پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا ہما علی یا رسول اللہ کہ ان دیناروں کی ادائیگی کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اس پر آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ معمول شروع میں رہا ہے فتوحات کے زمانہ سے پہلے فتوحات کے بعد آپ کا معمول یہ ہو گیا تھا کہ آپ فرماتے تھے انا اولی بکل مؤمن من نفسه، اس جملہ کا مطلب پہلے ہمارے یہاں کتاب الفرائض میں گذر چکا، یعنی یہ کہ میں ہر مؤمن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور فرمایا آپ نے جو شخص اپنے ذمہ دین چھوڑ کر مر جائے گا اس کی قضایا میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے، اس حدیث میں ادار دین عن المیت کا مسئلہ ہے اس پر کلام آگے آ رہا ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مثله، قال اشتری من غیر بیعاً ولیس عنده ثمنه واربح فیہ الخ

یعنی ایک مرتبہ آپ نے کسی باہر سے آنے والے قافلہ سے کوئی چیز خریدی جس کا ثمن آپ کے پاس اس وقت نہیں تھا، یعنی وہ چیز آپ نے ادھار خریدی، اس کے بعد آپ نے اس کو فروخت کیا تو اس میں آپ کو نفع ہوا تو آپ نے اس نفع کو اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں پر سدا قرعہ فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ کوئی چیز میں ادھار نہیں خریدوں گا۔

صحۃ الکفالة عن المیت میں اختلاف ائمہ | اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میت کے ذمہ جو دو دینار تھے اس کی

ذمہ داری حضرت ابوقتادہ نے لے لی، گویا وہ کفیل بن گئے میت کی طرف سے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ میت مفلس کی طرف سے کفالت صحیح ہے، ائمہ ثلاث اور صاحبین کا مسلک تو یہی ہے، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اس کفالت کی صحت کے قائل نہیں، اس لئے کہ کفالت کی حقیقت ہے ضم ذمۃ الاصل الی ذمۃ الکفیل فی المطالبۃ، چنانچہ کفالت کے بعد مکفول کہ کو حق رہتا ہے کہ چاہے تو وہ مطالبۃ اصل یعنی اصل مدیون سے کرے یا اس کے کفیل سے، اور یہاں پر موت اصل کی وجہ سے ذمۃ الاصل فنا ہو گیا، جب وہ فنا ہو گیا فکیف ضم ضمۃ الی ذمۃ؟ اسی لئے ہدایہ میں امام صاحب کی دلیل میں لکھا ہے کہ یہ کفالت بدین ساقط ہے، اس لئے کہ جب محل دین باقی نہیں رہا تو دین بھی باقی نہیں رہا اس لئے یہ کفالت صحیح نہیں، اور اس حدیث کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفالت اصطلاحیہ نہیں تھی بلکہ ان صحابی میت کی طرف سے ادار دین کا وعدہ تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابوقتادہ نے جو فرمایا صما علی اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں، میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں۔ (بذل عن القاری)

## باب فی المطل

مطل الغنی ظلم واذا اتبع احدکم علی ملئ فلیتبع، یعنی مالدار آدمی کا ادار دین میں تسویف و تاخیر کرنا یہ ظلم ہے، جب وہ اپنے غنار کی وجہ سے فی الحال ادائے دین پر قادر ہے اس کے باوجود اس کا طال موٹل کرنا امر سر ظلم ہے، اس حدیث کے یہی معنی متبادر اور مشہور ہیں اور اس صورت میں مطل کی اضافت قاعل کی طرف ہوگی اور میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مطل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہو، یعنی مدیون کا طال موٹل کرنا دائن غنی کے ساتھ یہ ظلم ہے یعنی مدیون ادائے دین میں اس بنا پر تاخیر کر رہا ہے کہ اس کا قرض خواہ مالدار ہے یعنی یہ سوچتے ہوئے کہ وہ تو مالدار ہے اس کو کیا جلدی ہے پھر کبھی دے دیں گے۔

اسی حدیث کے بارے میں میں نے استاد موصوف سے یہ بھی سنا تھا جو کہ حضرت تھانوی کے خلفاء میں سے تھے کہ میں نے حضرت تھانوی کی مجلس میں سب سے پہلی جو حدیث حضرت کی زبان سے سنی وہ یہی حدیث ہے۔  
مطل الغنی ظلم۔

آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر مدیون اپنے دین کا حوالہ کسی مالدار شخص پر کرے تو پھر دائن کو وہ حوالہ قبول کر لینا چاہیئے، اور پھر اسی محال علیہ کا پیچھا کرنا چاہئے، و ہذا الامر قیل للذی قیل للوجوب۔



ملیٰ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے مِلّیٰ بتشدید الیاء بدون الہمزہ کفّی لفظاً ومعنی، اور مِلّیٰ سکون یاء اور ہمزہ کے ساتھ۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی حسن القضاء

عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استسلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بکرا فجاءتہ ابل من الصدقة، حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے جو ان اونٹ نر بطور قرض لیا (اور اگر مادہ ہو تو اس کو قلو ص کہتے ہیں) کچھ روز بعد آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے مجھے حکم فرمایا ادائے دین کا تو میں نے عرض کیا کہ ان اونٹوں میں جس عمر کا اونٹ آپ نے لیا تھا وہ تو ہے نہیں بلکہ بہت عمدہ اور اس سے زیادہ عمر کا ہے (رباعی یعنی جو اونٹ چھ سال کا ہو کر ساتویں میں داخل ہو جائے) آپ نے فرمایا وہی دیدو، اس لئے کہ لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو دوسرے کا حق بہتر طریقہ سے ادا کرتا ہو۔

اس حدیث سے شراح نے بہت سے فوائد و مسائل کا استنباط کیا ہے جو بذل میں مذکور ہیں، منجملہ انکے ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے استقراض الحیوان، امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ حیوان کو بطور قرض لینا اور دینا جائز ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک و شافعی اور جمہور علماء کا۔ الی آخر ما ذکر فی البذل حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک استقراض الحیوان جائز نہیں، اور ان کے نزدیک اس کی دلیل وہ ہے جو آنگے باب فی بیع الحیوان ہا الحیوان نسیتہ میں آرہی ہے جس کو ہم وہیں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث پر ایک اشکال وجواب ہے وہ یہ کہ آپ نے مقرض کو اس کے حق واجب سے بطور حسن قضا کے زائد دیا، یہ زائد دینا اگر اپنے مال سے ہوتا تب تو درست تھا آپ نے دیا یہ صدقہ کے اونٹوں سے جو بیت المال کے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ استقراض آپ کا اپنی ضرورت کے لئے تھا پھر جب بیت المال میں اونٹ آئے تو آپ نے ان میں سے ایک اونٹ خرید کر قرض میں دیا فلا اشکال اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ جس شخص سے قرض لیا گیا تھا وہ خود اہل ضرورت میں سے تھا اور اہل ضرورت کا حق بیت المال میں ہوتا ہی ہے۔ (بذل) والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

کان لی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دین فقضانی وزادنی اس پر شراح نے لکھا ہے کہ مستقرض نے ادائے قرض کے وقت، جو قرض لیا تھا اگر اس سے احسن یا اکثر ادا کرے بشرطیکہ یہ زیادتی بغیر کسی شرط اور معاہدہ کے ہو تو دینے والا محسن ہوگا اور مقرض کے لئے اس کا لینا جائز ہوگا، امام نووی فرماتے ہیں کہ مقرض کے لئے زیادتی

کالینا جائز ہے خواہ وہ زیادتی صفت کے اعتبار سے ہو یا نہ دیکھے اعتبار سے۔ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی فی العدم ممنوع ہے اور ہماری دلیل آپ کی حدیث خیر الناس احسنهم قضاء ہے اپنے عموم کے پیش نظر والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الصرف

بیع الصرف کی تعریف اور حکم | بیع الصرف وہ بیع ہے جس میں عوضین یعنی عوض اور عوض من جنس الاثمان ہوں۔ یعنی سونا یا چاندی صرف کے نفوی معنی نقل کے ہیں، چونکہ اس بیع

میں بدلین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف نقل کرنا فوراً ضروری ہے اسی لئے اس کا نام بیع الصرف رکھا گیا۔

جاننا چاہیے کہ بیع الصرف کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں عدم النسیئہ مطلقاً۔ وعدم التفاضل فی صورۃ اتحاد الجنس

یعنی عدم النسیئہ کا حکم تو ہر حال میں ہے خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس۔ اس بیع میں ادھار تو مطلقاً

ناجائز ہے تقابض فی المجلس ضروری ہے اور حکم ثانی یعنی عدم التفاضل یہ زمانہ وقت ہے کہ جب عوضین متحد الجنس

ہوں مثلاً دونوں فضہ ہوں یا ذہب، اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو جیسے ایک جانب فضہ اور دوسری جانب ذہب

اس صورت میں تفاضل جائز ہے۔ ان دونوں میں سے پہلا حکم یعنی عدم النسیئہ ادھار کا ناجائز ہونا یہ تو اجماعی مسئلہ ہے

ربا الفضل کے عدم جواز میں | اور حکم ثانی یعنی عدم تفاضل فی صورۃ الاتحاد اس میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ

کا مسلک تو یہی ہے لیکن بعض صحابہ کا اس میں اختلاف رہا ہے ان سے

بعض صحابہ کا اختلاف | ربا الفضل کا جواز منقول ہے جیسے ابن عمر اور ابن عباس، ان دونوں میں

سے ابن عمر کا رجوع ثابت ہے کہ انہوں نے مسلک جمہور کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ لیکن ابن عباس کے رجوع

میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں انہوں نے بھی رجوع کر لیا تھا اور بعضوں نے ان کے رجوع کی نفی کی ہے

لیکن صحیح یہی ہے کہ ابن عباس سے بھی اس میں رجوع ثابت ہے وهو الذی اختاره النووی فی شرح مسلم ص ۲۱۰

ان دونوں حضرات کا استدلال شروع میں حدیث اسامہ لا ربا الا فی النسیئۃ سے تھا، یہ حدیث بخاری و مسلم

دونوں میں ہے، جمہور علماء نے اس حدیث کے دو جواب دیئے ہیں یہ کہ ربا سے مراد زنی الزبا اور اشد الزبا ہے

نفس ربا کی نفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ بیع الصرف میں شدید حرمت جو ہے وہ نسیئہ میں ہے اور تفاضل کی

حرمت اتنی شدید نہیں ہے، اور ایک جواب نسخ کا بھی دیا گیا ہے، نیز جب حلت و حرمت میں تعارض ہو جائے

تو حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔

ربا کی تعریف اور اسکی دو قسمیں | مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ربا الفضل اور ربا

النسیئۃ، ربا کی تعریف فقہاء نے یہ لکھی ہے الربا هو الفضل المستحق



کی گئی ہے جیسے ایک جانب ذہب دوسری جانب فضہ، یا ایک جانب حنظلہ، دوسری جانب شعیر، پہلی صورت کا حکم وجوب مساوات اور تقابض فی المجلس ہے یعنی کمی زیادتی اور ادھار دونوں ناجائز ہیں اور دوسری صورت کا حکم جو حدیث میں مذکور ہے وہ ان دونوں سے صرف ایک ہے یعنی تقابض فی المجلس یعنی ادھار کا حرام ہونا اور مساوات اس صورت میں ضروری نہیں، یعنی اس صورت میں فضل اور زیادتی جائز ہے، ربایہ یعنی حرام نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھئے کہ ظاہر یہ جو کہ منکرین قیاس ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان اشیا سے ہے، اور جمہور علماء ائمہ اربعہ جو قیاس کو حجتہ شرعیہ مانتے ہیں ان کے نزدیک اموال ربویہ کا انحصار صرف ان اشیا سے ہے نہیں بلکہ اور بھی بعض دوسری اشیا کیلئے اس حکم کو وہ ثابت کرتے ہیں بذریعہ قیاس، قیاس نام ہے تعدیۃ الحکم لوجود العلة کا، یعنی حکم منصوص کی علت معلوم کرنے کے بعد جہاں جہاں وہ علت پائی جاتی ہو اس میں حکم منصوص کو جاری کرنا۔

اشیائے ستہ مذکورہ میں اب یہاں ان حضرات ائمہ اربعہ نے ان اشیا پرستہ میں حرمت و ربایہ کی جو علت متعین کی ہے وہ مختلف ہے اور پھر ہر ایک امام کے نزدیک ان اشیا سے ستہ کے علاوہ جہاں جہاں وہ علت پائی گئی اس نے وہاں یہ حکم منصوص نافذ کیا اب یہ کہ وہ علت حکم ان حضرات نے کیا متعین کی اس کے بارے میں سنئے، ان حضرات ائمہ نے اس حدیث میں جو اشیا سے ستہ مذکور ہیں اس کا ادلا تجزیہ کیا، وہ یہ کہ ذہب و فضہ جن کو ثمنین کہا جاتا ہے ان کو تو الگ رکھا اور باقی اشیا سے اربعہ کو الگ کر کے ان میں علیحدہ غور کیا، ثمنین کی علت ربایہ الگ تجویز کی گئی اور باقی اشیا کی الگ، امام شافعی و مالک کے نزدیک ثمنین میں علت ربایہ ثمنیت ہے اور چونکہ ثمنیت خاص صفت ذہب و فضہ ہی کی ہے کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی لہذا ان دونوں اماموں کے نزدیک ثمنین پر تو کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اب رہے باقی اشیا سے اربعہ، ان میں امام شافعی کے نزدیک علت ربایہ ظہم ہے یعنی ان اشیا کا مطعم ہونا، لہذا جملہ مطعومات کا حکم ان کے نزدیک یہی ہوگا جو ان اشیا سے اربعہ کا ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان اشیا میں علت ربایہ اقیات و ادخار ہے یعنی ان اشیا میں سے ہر ایک کا قوت مدخر ہونا یعنی انسان کی ایسی روزی جس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جاسکے لہذا امام مالک کے نزدیک جملہ اقوات مدخرہ کا یہی حکم ہوگا، مثال کے طور پر ان اشیا سے اربعہ میں رز یعنی چاول کا ذکر نہیں ہے، ذرہ یعنی جوار، اس کا بھی ذکر نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، سب کا حکم یہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک ثمنین میں علت، ربایہ ثمنیت نہیں ہے بلکہ

مہ چنانچہ طائفہ ظاہر یہ کہ امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم نے انکار قیاس پر مستقل کتاب لکھی۔ البطلان فی رأی والقیاس

وزن ہے یعنی ان دونوں کا شئی موزون ہونا لہذا ان دو کے علاوہ بھی جملہ موزونات کا یہی حکم ہوگا مثلاً حدید نحاس وغیرہ، اور باقی اشیائے اربعہ میں علت ربانیت کے نزدیک کیل ہے یعنی ان اشیاء کا کیلی ہونا، لہذا جملہ مکیلات کا حکم یہی ہوگا پس ربانیت کی علت ہمارے نزدیک بیع کے اندر عوضین کا وزنی یا کیلی ہونا ہے اور ربانیت کی علت عوضین کا وزنی یا کیلی ہونے کے ساتھ متحد الجنس ہونا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ ربانیت کی علت ہمارے نزدیک کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے، اور امام احمد سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک مثل حنفیہ کے اور دوسری مثل شافعیہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**فقہار کرام کا اہمیت پر احسان عظیم** | ان حضرات فقہائے کرام نے جو کہ ائمہ دین ہیں اپنی عمریں قرآن و حدیث سے استنباط مسائل ہی میں گزاری ہیں، پوری امت پر ان کا

احسان عظیم ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کر کے رہتی دنیا تک کیلئے دینی مسائل کی سہولتیں فراہم کر گئے، ایک قصہ یاد آیا جو تعلیم المتعلم میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد کسی نے ان سے خواب میں دریافت کیا کہ موت کے وقت آپ پر کیسی گذری، تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میری روح کیسے نکالی گئی، میں تو اس وقت مکاتیب کے مسائل کے استنباط میں مشغول تھا اللہ اکبر! کیا شان تھی شکر اللہ سعیدہم واجزل مثوبہم وحشرنا و مشائخنا معہم۔

اس حدیث میں تبرہا و عینہا مذکور ہے تبر کہتے ہیں خالص سونے چاندی کے ٹکڑوں کو جو مضروب نہ ہوں اور عین اس کا مقابل ہے یعنی جو سکہ کی شکل میں ہو، تو آپ یہ فرما رہے ہیں کہ تبر اور عین کا کوئی فرق معتبر نہیں دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔  
**برادر شعیب باعتبار جنس متحد ہیں یا مختلف** | نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برادر شعیب دو مختلف جنس ہیں ائمہ ثلاث کا مسلک یہی ہے اس میں امام مالک کا اختلاف ہے

وہ ان دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبادۃ حدیث حسن صحیح و قد روی بعضهم ہذا الحدیث عن خالد بن خالد الاسد قال بیوا البر بالشعیب کیف شتمتہ یا بید، و ہذا قول اکثر اہل العلم و ہذا قول سفیان الثوری و الشافعی و احمد و اسحاق، و قد کرہ قوم من اہل العلم ان تباع الخنطۃ بالشعیب الا مثلاً بمثل ہذا قول مالک بن انس، و القول الاول صحیح و محقق المخصوص۔  
ومن زاد اذداد نقد آرہی، یعنی اتحاد جنس کی صورت میں جو شخص دوسرے کو زائد دے گا یا زائد لے گا تو اس نے ربا اختیار کیا، اور پھر آگے یہ ہے کہ اگر ذہب کی بیع فضہ کے ساتھ ہو اور اسی طرح برک کی شعیب کے ساتھ اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے زائد ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ بید ہو، اور نسیتہ جائز نہیں۔

حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ۔

• و حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

## باب فی حلیۃ السیف تباع بالدر اہم

عن فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عام خیبر

بقلادۃ فیہا ذهب وخرزوفی روایۃ فیہا خرزوف خلقتہ بذهب اتباعہا رجل بتسعة دنانیر او بسبعة دنانیر  
یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا فتح خیبر والے  
سال کہ ایک ہار جس میں سونا اور خرہرے یعنی جواہرات وغیرہ قیمتی پتھر بھی تھے،  
مخلوط کی بیع کا حکم اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسا قلادہ جس کے اندر خرہرے سونے کے ساتھ  
ٹکے ہوئے تھے، اس قلادہ کو ایک شخص نے نو یا سات دینار میں خریدا تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ بارہ  
دینار میں خریدا تھا، اور اس دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ خریدنے والا شخص کہتا ہے کہ جب میں نے اس  
قلادہ کے اجزاء کو الگ الگ کیا تو اس میں سے جو سونا نکلا وہ بارہ دینار سے زائد تھا (یعنی اور دوسری چیزیں  
جواہر وغیرہ وہ مزید برآں) یہ شخص مذکور کہتا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ  
نے فرمایا لا تباع حتی تفضل یعنی اس قسم کے ہار کی بیع مجموعی طور پر جائز نہیں جب تک سب اجزاء کو الگ  
الگ نہ کر لیا جائے۔

مسئلہ ثابۃ بالحديث میں مذاہب ائمہ اگر کسی ہار میں جواہرات کے علاوہ سونا ٹکا ہوا ہو تو اس کی بیع  
خالص سونے کے ساتھ یا ایسے ہی جس قلادہ میں چاندی ٹکی ہوئی  
ہو اس کی بیع چاندی کے ساتھ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں جب تک سب کو الگ الگ نہ کر لیا  
جائے اندیشہ ربائی وجہ سے، ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے اور حنفیہ کا مذہب اس جیسے مسئلہ میں  
یہ ہے کہ اگر کسی طرح بالجزم یہ معلوم ہو کہ وہ خالص سونا اس سونے سے جو قلادہ میں لگا ہوا ہے زائد ہے اور  
قلادہ والا سونا کم ہے تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی، ایک طرف کا سونا دوسری طرف کے سونے کے مقابلہ میں  
ہو جائے گا اور وہ جو خالص سونے کی زیادتی ہے ایک جانب میں وہ دوسری جانب کے جواہر کے مقابلہ میں  
ہو جائے گی اور اس صورت میں کوئی وبال لازم نہیں آئے گا کہ ظاہر یہ صرف ایک صورت تو ہے جواز کی، اور اگر  
وہ ذہب مُفَرَّز (خالص سونا، غیر مخلوط) ذہب مخلوط کے برابر یا اس سے اقل ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ  
بیع ناجائز ہوگی لزوم ربائی وجہ سے، اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ ذہب مخلوط بال غیر تابع ہو غیر کے  
بیس طور کہ ثلث یا ثلث سے کم ہو تب تو یہ بیع جائز ہے ورنہ نہیں، اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہاں حدیث میں  
جو صورت پائی گئی ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا یہ وہی صورت ہے جو حنفیہ کے نزدیک بھی



ممنوع ہے اس لئے کہ اس مثال میں تو ذہب مفروز بجائے اکثر ہونے کے برابر بھی نہیں تھا ذہب مخلوط کے بلکہ اس سے اقل تھا اور یہ ہمارے یہاں بھی ناجائز ہے، لہذا حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث میں تو اس قسم کے قلاوہ کی بیع کو تجزیہ و تفصیل سے قبل ناجائز قرار دیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تجزیہ و تفصیل کے بعد جس صورت میں جائز ہوتا ہے اسی صورت میں ہم بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور جس صورت میں ناجائز ہوتا ہے اس کو ہم بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، غرضیکہ تجزیہ و تفصیل معرفت مقدار کا ذریعہ ہے تاکہ کمی زیادتی کا علم ہو جائے اور باللازم نہ آئے، لیکن اگر بدون تجزیہ و تفصیل کے معرفت مقدار حاصل ہو جائے ہم اسی کو جائز قرار دے رہے ہیں اور بغیر اس کے ہم بھی اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ مدعجہ اور اسکی شرح و مثال** کتب شافعیہ میں اس مسئلہ کو مسئلہ مدعجہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ امام نووی کے کلام میں شرح مسلم میں مذکور ہے جس کی صورت انہوں نے یہ لکھی ہے کہ اگر ایک جانب میں مدعجہ اور درہم ہو (یعنی ایک مدعجہ کے ساتھ ایک درہم بھی ہو) اور اس کی بیع کی جائے مدین عجوہ کیساتھ یعنی دوسری جانب صرف درہم ہو لیکن بجائے ایک مد کے دو مد یا درہم کے ساتھ یعنی یا دوسری جانب صرف درہم ہو لیکن ایک نہیں بلکہ دو تو یہ جائز نہیں۔

یہ قلاوہ والا مسئلہ اس کی تشریح و مذاہب ائمہ امام نووی نے حدیث الباب کے تحت شرح مسلم ص ۲۶ پر ذکر کئے ہیں، اس کی طرف رجوع کیا جائے فقہ کلام نفیس فی شرح هذا الحدیث۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہار خریدنے والے کو اس بیع سے منع فرمایا تو اس نے کہا انما اردت الحجارة تو آپ نے تب بھی اجازت نہیں دی، اس شخص کی مراد یہ تھی کہ شراب قلاوہ سے میرا مقصود و مطلوب وہ جواہرات ہیں جو اس میں ٹکے ہوئے ہیں، یعنی سونا مقصود نہیں، اور یہ جواہرات اموال ربوئہ میں سے ہیں نہیں لہذا اجازت ہونی چاہیے۔

عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه ..... فباع اليهود الوقية من الذهب بالدينار وقال غير قتيبة، بالدينارين والثلاثة۔

اس حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہم لوگ یہود خیر کو دو یا تین دینار دیکر ایک وقیہ سونے کا خرید لیتے تھے وقیہ نام ہے چالیس درہم کا، اور ظاہر بات ہے کہ چالیس درہم وزن کے برابر سونا کون فروخت کر سکتا ہے دو یا تین دینار کے بدلہ میں اس لئے یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ الوقیہ من ذہب و خمرز وغیرہ یعنی ایسا ہار جس کا وزن چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا جس میں سونا اور خمرز وغیرہ ہوتے تھے اس قسم کے ہار کو دو یا تین دینار میں خرید لیتے تھے۔ قالہ النووی (عون) والحدیث اخرجه مسلم قال المنذرى۔

## باب فی اقتضاء الذهب من الورق

مسئلہ مترجم بہا کی شرح  
اور بیان مذاہب

اقتضاء بمعنی الاخذ یعنی خرید و فرخت کے معاملہ میں اگر دینار سے معاملہ ہوا ہے اس کے بجائے دراہم لینا یا اگر معاملہ دراہم کے ساتھ ہوا تھا اور پھر بعد میں بجائے دراہم کے اسی قیمت کے بقدر دنانیر لینا ایسا کرنا بحساب قیمت متساویاً تو بالاتفاق جائز ہے اور بالفرض اگر متفاضلاً ہو تب بھی تراویحی طرفین کے ساتھ جائز ہے اس لئے کہ اختلاف جنس کی صورت میں تو کمی زیادتی جائز ہے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا یعنی دنانیر کے مقابلہ میں دراہم یا دراہم کے عوض میں دنانیر لے گا وہ بحساب قیمت متساویاً ہی لے گا تفاضل کا اصولاً جائز ہونا وہ امر آخری ہے، لیکن تقابض فی المجلس ضروری ہے جیسے کہ تمام اموال ربویہ کا حکم ہے کیونکہ یہ عقد عقد صرف ہوگا جس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے، خطاب فرماتے ہیں وقد اختلف الناس فی اقتضاء الدرہم من الدنانیر فذهب اکثر اهل العلم الی جوازہ، ومنع من ذلك ابو سلمۃ بن عبد الرحمن وابو شبرمہ، وكان ابن ابی لیلی یکرہ ذلك البسر یومہ، ولا یعتبر غیرہ السعر، ولم یبالوا کان ذلك باغلی او ارض من سعر الیوم اھ یعنی ابن ابی لیلی یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے کہ جس روز معاملہ ہوا تھا اس روز دراہم و دنانیر کی جو قیمت تھی بازار میں اس قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ہو ورنہ مکروہ ہے سعر الیوم جس کو خطاب فرما رہے ہیں وہ حدیث الباب میں مصرح ہے۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا باس ان تاخذہا بسع یومہا مالہم تضرقوا و بینکما شیء۔ لیکن یہ قید بعض طرق میں ہے بعض میں نہیں، چنانچہ باب کی حدیث ثانی میں نہیں کہا قال المصنف باسنادہ ومعناہ والادلہ ائمہ لم یذکر بسع یومہا، غالباً اسی وجہ سے جمہور نے سعر الیوم کے اعتبار کو ضروری قرار نہیں دیا، خطابی کے کلام میں امام احمد کا مسلک مذکور نہیں، ان کے نزدیک سعر الیوم کی قید ضروری ہے کہا قال الموفق کما فی ہامش البذل، وفيہ ایضاً: قلت حک الشوکانی تفسیرہ عن احمد والیہ یثیر کلام الترمذی اذ ذکر فہم قال بالحدیث احمد، وبہ جزم الموفق کما سبق اور علامہ سندھی کے حاشیہ میں یہ ہے کہ بسع الیوم کی قید علی طریق الاستحباب ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت ابيع الابل بالیقیع (وفی نسخة: بالنعیق، بالنون) فابیع الدنانیر واخذ الدرہم، وابع بالدرہم واخذ الدنانیر۔  
اس حدیث میں وہی مسئلہ مذکور ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

لہ لیکن یہ جواز تفاضل صرف حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز نہیں، کما فی ہامش البذل عن الموفق۔

## باب بیع الحيوان بالحيوان نسيئة

یہ باب اور اسمیں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا حوالہ ہم اے یہاں، باب فی حسن القصد میں گذر چکا ہے استقراض الحيوان کے ذیل میں مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ | بیع الحيوان بالحيوان اگر یہاں سے تو بالاتفاق جائز ہے اور مساوات بھی اس میں ضروری نہیں تفاضلاً بھی جائز ہے، مثلاً بیع البعير بالبعيرین، یا بیع العبد بالعبدین، لیکن اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ بیع الحيوان بالحيوان نسيئة بھی جائز ہے یا نہیں، اس میں دو امام ایک طرف ہیں اور دو ایک طرف، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے کما فی حدیث الباب نہی عن بیع الحيوان بالحيوان نسيئة، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، اسی لئے مصنف نے آگے باب قائم کیا ہے، "باب فی الرخصة فی ذلک، لیکن امام مالک کے نزدیک اس کا جواز اختلاف جنس کی صورت میں ہے، مثلاً ایک طرف اونٹ ہے اور دوسری طرف بکریاں، اور اتحاد جنس کی صورت میں ان کے نزدیک بھی جائز نہیں، تو گویا امام مالک ایک صورت میں حنفیہ و حنابلہ کے ساتھ ہیں اور ایک صورت میں شافعیہ کے، یہ پہلا باب اور اس کی حدیث حنفیہ و حنابلہ کے حق میں ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، امام شافعی و مالک نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ نسيئة جائز نہیں ہے، جو جس کو اصطلاح فقہاء میں بیع الکالی بالکالی کہتے ہیں اور اگر جانب واحد سے ہو تو اسکا یہ دونوں حضرات ممنوع قرار نہیں دیتے اسی لئے یہ دونوں حضرات استقراض الحيوان کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس میں نسيئة جانب واحد سے ہوتا ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یعنی خواہ نسيئة من الجانبین ہو یا من جانب واحد، اور اسی لئے ان کے نزدیک استقراض الحيوان بھی ناجائز ہے والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

## باب فی الرخصة

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امره ان يجهز جيشاً فنقدت الابل فامرهم ان يأخذوا في قلاص الصدقة (وفي نسخة: على قلاص الصدقة) فكان يأخذ البعير بالبعيرين الى ابل الصدقة۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک شکر کی تھمیز کا حکم فرمایا یعنی سامان جہاد مہیا کرنے کا، انہوں نے اس کی تیاری شروع کر دی، لیکن درمیان میں اونٹوں کی کمی پڑ گئی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، تو حضور نے ان کو حکم فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں کی بنیاد

پر لوگوں سے مستعار لے لیں، کہ جب بیت المال میں صدقہ کے اونٹ آئیں گے ان سے یہ دین ادا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگوں سے دو دو اونٹ کے بدلہ میں ایک ایک اونٹ لیتے تھے۔

اس حدیث میں دو باتیں پائی گئیں: استبدال الحيوان بالحيوان متفاضلاً، یعنی حیوانات کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ، اس میں تو کوئی اشکال نہیں، یہ تو سب کے نزدیک جائز ہے، دوسری چیز ہے نسیمہ یعنی اس کا جائز ہونا مصنف کی غرض اس باب سے جواز نسیمہ ہی کو بیان کرنا ہے کما فی ترجمۃ الباب۔

**حدیث الباب حنفیہ وحنابلہ** | یہ حدیث حنفیہ وحنابلہ کے خلاف ہوئی اور شافعیہ کے موافق، ان حضرات کی طرف سے ایک جواب تو اس حدیث کا نسخہ کے ساتھ دیا گیا کہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث منسوخ ہے ذکرہ الطحاوی احتمالاً، علامہ شوکانی فرماتے ہیں لاشک ان

احادیث الہی وان کان کل واحد منها لا یخلو عن مقال لکنہا ثبتت من طرق ثلاثہ من الصحابہ، سمرۃ (کما فی الباب الذی قبلہ) وجابر بن سمرۃ وابن عباس وبعضہما یقوی بعضا فی ارجح من حدیث واحد غیر خالی عن المقال وهو حدیث عبداللہ بن عمرو، یعنی منع کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں حضرت سمرہ وجابر بن سمرہ اور ابن عباس، اور جواز کی روایت جو کہ صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے اور وہ بھی ایسی جو کلام اور ضعف سے خالی نہیں، اور ویسے بھی اصولاً دلیل تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے دلیل اباحت پر (بذل)

## باب فی ذلک اذا کان یدابید

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری عبد ابجدین۔ یعنی آپ نے دو غلاموں کے بدلہ میں ایک غلام خریدا، یعنی یدابید کما فی ترجمۃ الباب، اور یہ بالاتفاق جائز ہے کما فی الباب السابق۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی باتم منه، قال المنذری

## باب فی التمر بالتمر

یہ دونوں تائے مشرآۃ من فوق سے ہیں اور ایک نسخہ میں فی التمر بالتمر ہے یعنی پہلا شمار سے اور دوسرا شمار سے، اور ارجح بھی یہی نسخہ ثانیہ ہے حدیث الباب کے پیش نظر۔

ان زید اباعیاش اخبرہ انہ سأل سعد بن ابی وقاص عن البیضاء بالسکلت فقال له سعد ایہما افضل؟ قال البیضاء قال فنہا عن ذلک، قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یسأل عن

شراء التمر، انه حسب فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اينقص الرطب اذا يبس؟ قالوا نعم، فنهاه عن ذلك۔

### شرح الحدیث من حیث الفقہ

مضمون حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ کیا حنظلہ کی بیج نملت کے ساتھ جائز ہے؟ ملت شعیمر کی ایک عمدہ قسم ہوتی ہے جس کا قشر باریک ہوتا ہے۔ یعنی لطیف قسم کا جو، جو عوام میں جو پیمبری کیساتھ مشہور ہے، تو اس پر حضرت سعد نے پوچھا کہ ان دو میں عمدہ کونسا ہے سائل نے جواب دیا کہ عمدہ تو گیہوں ہی ہوتا ہے، انہوں نے اس کا یہ جواب سن کر بیع سے منع کر دیا یہ حدیث احادیث مشککہ میں سے ہے غیر واضح المعنی، اس لئے کہ ہمیں معلوم کہ سائل کی غرض بیع نسیمہ سے ہے یا یدابید سے، اگر سوال کا تعلق بیع نسیمہ سے ہے تب تو اس مسئلہ کا حکم واضح ہے کہ بالاتفاق ناجائز ہے یہ دونوں اموال ربوہ میں سے ہیں، پھر افضل اور غیر افضل سے سوال کے کیا معنی، اور اگر مراد اس بیع سے وہ ہے جو یدابید ہو تو پھر اس میں دو احتمال ہیں، متفاضلاً یا متساویاً اگر متساویاً مراد ہو تب بالاجماع جائز ہے، اور اگر متفاضلاً مراد ہے تو اس صورت میں بھی ائمہ ثلاث اور جمہور کے نزدیک تو جائز ہے لیکن یہ صورت امام مالک کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک جیسا کہ پہلے گذر چکا حنظلہ اور شعیمر متحد الجنس ہیں، اس صورت میں حضرت سعد کا جواب مالکیہ کے مسئلہ کے موافق ہو گا ہو سکتا ہے ان کی رائے بھی امام مالک کے موافق ہو، لیکن اس صورت میں حضرت سعد کا استدلال کرنا اس حدیث سے جواہنوں نے ذکر فرمائی یعنی بیع التمر بالرطب جس کو حضور نے ناجائز قرار دیا تھا اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں بیع التمر بالرطب سے بیع متساویاً مراد ہے نہ کہ متفاضلاً، پھر حضرت سعد کا اپنے مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کرنا کیسے درست ہوا اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے۔

بیع الرطب بالتمر میں امام صاحب کا اختلاف اور دلیل

بیع الرطب بالتمر کا مسئلہ خود اختلافی ہے اور علماء کے مابین مشہور ہے وہ یہ کہ بیع الرطب بالتمر متساویاً جمہور علماء ائمہ ثلاث اور صاحبین کے نزدیک اسی حدیث کی بنا پر ناجائز ہے، اس لئے کہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا تھا کہ کیا رطب خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے، تو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں کم ہو جاتی ہے، اس پر آپ نے اس سے منع فرمادیا، کیونکہ اگرچہ فی الحال مساوات پائی جا رہی ہے لیکن آئندہ مستقبل میں بعد الیئس مساوات باقی نہیں رہے گی، لیکن اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے جمہور کے خلاف جواز بیع کی ہے وہ فرماتے ہیں اس لئے کہ رطب دو حال سے خالی نہیں، یا وہ من جنس التمر ہوگی یا نہیں، اگر من جنس التمر ہے تو جس طرح بیع التمر بالتمر متساویاً بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح یہ بھی

جائز ہونی چاہیے، اور اگر شوقستانی کو لیا جائے یعنی یہ کہ رطب من جنس التمر نہیں ہے بلکہ خلاف جنس سے ہے تو اسکے بارے میں خود حدیث میں تصریح ہے و اذا اختلف الجنس ان فبیعوا کیف شئتم، پس حاصل یہ کہ اگر رطب تمر کی جنس سے ہے تو اول حدیث کے پیش نظر یہ بیع جائز ہونی چاہیے، اور اگر خلاف جنس سے ہے تو پھر آخر حدیث کی وجہ سے یہ بیع جائز ہونی چاہیے لیکن یہ حدیث سعد بن ابی وقاص جس میں آپ نے یہ سوال فرمایا، اینقص الرطب اذا ینس امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے وہ مجہول، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث بیع نسیمہ پر محمول ہے جیسا کہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں صراحت آ رہا ہے، نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیمہ و فی حاشیۃ البذل عن البحر الرائق، لوصح الحدیث فهو مخالف للروایات الشہیرۃ التمر بالتمر مثلاً، و اذا اختلفا فکیف شئتم۔ زید بن عیاش جن کی کنیت ابو عیاش ہے اس راوی کے مجہول اور معروف، اسی طرح ثقہ اور ضعیف ہونے میں علماء رجال کا اختلاف ہے، بذل مجہود میں یہ سب اختلاف مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

### باب فی المزابنة

بیع مزابنہ کی تعریف اور وجہ تسمیہ | بیع مزابنہ کی تعریف یہ ہے بیع ما علی الشجر من التمر بالتمر المجذوذ کیلاً، یعنی مالک باغ کا ان کھجوروں کو جو درخت پر لگی ہوئی ہیں اندازہ لگا کر ان کھجوروں کے بدلہ میں کیل کر کے بیچنا جو زمین پر لٹی ہوئی رکھی ہیں چونکہ درختوں کی کھجوروں کی مقدار محض انداز سے تعین کی گئی ہے اسلئے یوں سمجھئے کہ یہ بیع التمر بالتمر جزا ہے نہ کہ کیلاً، اور اس صورت میں کمی زیادتی کا قوی احتمال ہے جو کہ رہا ہے، اسی لئے یہ بیع بالا جماع ناجائز ہے، یہ ماخوذ ہے زبن سے بمعنی الدفع، اس بیع میں چونکہ ظن غالب ہوتا ہے اس بات کا کہ متعاقدین میں سے کسی ایک کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے کا نقصان، جس کا علم بعد میں ہوتا ہے، تو اب وہ نقصان کے علم کے بعد کوشش کرتا ہے اس بیع کو فسخ کر نیکی، اور اس کا جو مقابل ہے وہ فسخ کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کا نفع بیع کو باقی رکھنے میں ہوتا ہے اسلئے اس میں جانبین سے مدافعت ہوتی ہے اسی لئے اس کو بیع مزابنہ کہتے ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع التمر بالتمر کیلاً، عن العتب بالزبيب کیلاً۔

شرح الحدیث | یعنی منع فرمایا آپ نے ان کھجوروں کی بیع سے جو درخت پر لگی ہوئی ہوں ان کھجوروں کے بدلہ میں



جو ٹوٹی ہوئی ہیں کیل کر کے، کیلا کا تعلق ان کھجوروں سے ہے جو زمین پر ٹوٹی ہوئی ہیں، اسلئے کہ جو درخت پر ہیں ان کو ناپنا اور کیل کرنا تو ممکن ہی نہیں، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے انگوروں کی بیع سے جو درختوں پر ہیں کشمش کے بدلہ میں کشمش کو کیل کر کے، اور تیسرا جزر حدیث کا یہ ہے کہ منع فرمایا آپ نے کھڑی کھیتی کی بیع سے گیہوں کے بدلہ میں کیل کر کے۔

وجہ منع کی ظاہر ہے کہ ان تمام بیوع کا مدار تخمین پر ہے جیسے تفاضل کا احتمال قوی ہے جو کہ ربہ ہے اتحاد جنس کی وجہ سے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع العرایا

اخبرنی خارجة بن زید بن ثابت عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه

واله وسلم رخص فی بیع العرایا بالتمر والوطب۔

عرایا کی حقیقت اور مصداق میں اختلاف ائمہ عرایا عریہ کی جمع ہے، عریہ بمعنی عطیہ، اس کی جمع عرایا جیسے عطیہ کی جمع عطایا، عریہ میں جمہور علماء اور حنفیہ کا

اختلاف ہے، اس کے حکم میں بھی اور حقیقت میں بھی، چنانچہ آگے مستقل باب آرہا ہے تفسیر العرایا جمہور کے نزدیک عرایا از قبیل بیع ہے، بالفاظ دیگر بیع مزانہ کا ایک فرد ہے،

اور جو حقیقت بیع المزانہ کی ہے جمہور کے نزدیک وہی حقیقت عرایا کی ہے، لیکن لامطلقاً بل فی مقدار مخصوص، یعنی بیع مزانہ جس کی تفسیر اوپر گذشتہ باب میں گذر چکی ہے وہ عند الجمہور ایک مخصوص مقدار میں جائز ہے، اور اس سے زائد میں جائز نہیں، اس مقدار سے اگر زائد ہوگی تو پھر اس کا نام بیع العریہ نہ ہوگا بلکہ بیع المزانہ ہوگا جو کہ ممنوع ہے، اور وہ مخصوص مقدار کیل ہے اس کا باب آگے مستقل آرہا ہے، چنانچہ امام نووی نے عریہ کی تعریف جو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کے پاس تمر یعنی خشک کھجوریں ہیں وہ کسی باغ والے کے پاس جا کر اس طرح معاملہ کرے کہ اپنے باغ کے ان چند درختوں پر جو پھیلے ہیں کسی خاص سے اس کا خرص کر کے یعنی یہ کہ ان پر جو تمر کھجوریں لگی ہوئی ہیں خشک ہونے کے بعد ان کی کیا مقدار رہے گی تو اسی مقدار کے برابر مجھ سے یہ کھجوریں لے لے اور یہ درخت میرے حوالہ کر دے پس وہ دونوں تقابض فی المجلس کر لیں مشتری تمر کی وہ مقدار صاحب نخل کے حوالہ کر دے اور صاحب نخل ان نخیل کو مشتری کے حوالہ کر دے، لیکن مخصوص مقدار کے اندر یعنی مادون خمسہ ادق، اور اگر وہ کھجوریں پورے پانچ دسق ہوں اس میں امام شافعی کے دونوں قول ہیں، اصح القولین عدم جواز ہے۔ لہ اور عند الحنفیہ بیع مزانہ کا کوئی فرد بھی جائز اور حلال نہیں، اور عریہ جس کی

حقیقت عند الجمهور بیع ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کی حقیقت بیع نہیں ہے بلکہ تبادلہ فی البیہ ہے جس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص جو بڑے باغ والا ہے وہ اپنے باغ کے چند درختوں کو یعنی ان کے پھلوں کو کسی نادار آدمی کو بیہ کر دے تاکہ وہ نادار شخص بھی ان درختوں کے پھل سے منتفع ہوتا رہے، چنانچہ وہ نادار شخص یعنی معریٰ لہ وقتاً فوقتاً اس باغ میں ان درختوں سے پھل لینے کے لئے جاتا رہتا ہے اس کی اس بار بار آمد و رفت سے اس باغ والے کو گرانی ہوتی ہے کیونکہ وہ محل اپنے اہل و عیال کے باغ میں مقیم ہے تو اس پر وہ باغ والا اس اذیت سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ وہ اس معریٰ لہ سے یہ کہتا ہے کہ تم اندازہ کر کے بتاؤ کہ ان درختوں پر جو پھل ہیں وہ کتنے ہونگے تاکہ اسی کے بقدر ہم تم کو تمر یعنی ٹوٹی ہوئی کھجوریں خشک پھلوں کے توڑنے کے وقت میں ادا کر دیں گے، اب ظاہر ہے اس بیچارہ کو کیا اس میں انکار ہو سکتا ہے اسکو تو جو کچھ مل رہا ہے مفت ہی میں ہے، باقاعدہ کوئی بیع تو ہے ہی نہیں وہ اس کو منظور کر لیتا ہے، اور اس کے جائز ہونے میں کوئی تردد کی بات ہی نہیں ہے، پس حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ احادیث میں جس عریہ کا ذکر آتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے یعنی معریٰ کا معریٰ لہ کو تر کھجوروں کے بدلہ میں جو درختوں پر لگی ہوئی ہیں لیکر اس کے بدلہ میں تمر یعنی خشک کھجوریں دیدینا موطا محمد میں بھی امام مالک سے عریہ کی یہی تفسیر منقول ہے حنفیہ کے نزدیک یہ معاملہ صرف واہب اور موہوب لہ کے درمیان ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک چونکہ عریہ کی حقیقت بیع ہے یعنی بیع مزائنہ کا ایک فرد لہذا ان کے نزدیک اس قسم کا معاملہ کسی بھی شخص کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جس طرح بیع ہوا کرتی ہے، ان کے نزدیک اس معاملہ کا تعلق واہب اور موہوب لہ سے نہیں، اسی لئے اس کو انہوں نے بیع قرار دیا اور ہر شخص کے ساتھ مقدار مخصوص میں اس بیع کو جائز قرار دیا، اب یہ کہ وہ مقدار مخصوص کیا ہے اس کا بیان آگے مستقل باب میں آ رہا ہے، مالکیہ کا مسلک اس میں بین بین ہے چنانچہ حضرت شیخ نے الابواب والتراجم میں مذاہب اربعہ اس کے بارے میں اس طرح لکھے ہیں، وحاصل اختلاف الائمتہ فی ذلک انہما جوع الواہب فی ہبۃ بعوض عند الحنفیہ و شرأ الواہب ہبۃ عند المالکیۃ و قال الشافعی و احمد ان ہذا القدر ای مقدار خمسۃ اوسق مستثنی من البیہ عن المزائنۃ فیجوز بیعہ مع الواہب وغیرہ، کذا فی ہاشم اللامع ۱۱۱

لہ بدل میں بدلے سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عریہ کی تفسیر وہ ہے جس کو امام مالک نے موطا میں ذکر فرمایا ہے وہو ان یكون لرجل نخل یعطی رجلاً منہا شمرۃ نخلة او ثخلتین یلقطہما العیالہ ثم یثقل علیہ دخولہ حائطہ فیسألہ ان یتجاوز لہ عنہما علی ان یعطیہ بمکیلتہما تمر عند صرام النخل، وذلک، ما یأس بہ عندنا، لانه لا یبع ہناک بل التمر کلہ لصاحب النخل فان شاء سلم لہ ثمر النخل وان شاء اعطاه بمکیلتہما من التمر الا انہ سماہ الراوی بیعاً المقصورہ بصورۃ البیع لان یكون بیعاً حقیقۃ بل ہو عطیۃ الا ترى انہ لم یملکہ المعریٰ لہ لانعدام القبض فکیف یجعل بیعاً، ولانہ لو جعل بیعاً لکان بیع التمر بالتمر الی اجل و انہ لا یجوز بلا خلاف۔ الی آخر ما فی البذل۔

## باب فی مقدار العربیۃ

**مسئلۃ الباب کی تشریح** | یعنی جس مقدار میں عربیہ جائز ہے وہ کیا ہے؛ مادون خمسۃ اوسق کے جواز میں تو جمہور کا اتفاق ہے اور ما فوق خمسۃ اوسق کے عدم جواز پر اتفاق ہے، اور خمسۃ اوسق یعنی پوبے پانچ و سق میں، اسکے بارے میں روایت میں شک راوی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اور امام نووی کے کلام میں گذر چکا کہ ان کے اسمیں دو قول ہیں، اور اصح قول عدم جواز ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں کہ پانچ و سق کے اندر رخصت مشکوک فیہ ہے، اور نہی عن المزاہنہ ثابت نہ ہے، پس ضروری ہے یہ کہ پانچ و سق کے اندر عربیہ مباح نہ ہو سوائے قدر متیقن کے، اور پھر آگے وہ فرماتے ہیں کہ اس قدر کو حضرت جابر نے بھی روایت کیا ہے فاتہی بہ الی اربعۃ اوساق یعنی جابر کی روایت میں صرف چار ہی و سق مذکور ہے لہذا صرف اسی مقدار میں عربیہ مباح ہوگا اور اس سے زائد میں محظور و ممنوع، هذا القول صحیح وقد الزمہ المزنی الشافعی وهو لازم علی اصلہ ومعتاہ قالہ الخطابی یعنی امام مزنی کی تحقیق بھی یہی ہے اور انہوں نے امام شافعی کا مسلک بھی یہی قرار دیا ہے جیسا کہ امام شافعی کا قاعدہ ہے اھ یہ اشارہ ہے اس طرف جو حضرت امام شافعی سے منقول ہے اذ اصح الحدیث ہو مذہبی، امام احمد کے نزدیک جواز صرف مادون الخمسۃ میں ہے اور مالکیہ کے نزدیک رائج قول پانچ و سق کے جواز کا ہے اور شافعیہ کے نزدیک عدم جواز ہے مثل جنابہ کے (من التحف وغیرہ) والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

جو ابن التفسیر کے معنی چار و سق

## باب تفسیر العرایا

عن عبد ربہ بن سعید الانصاری انہ قال العربیۃ الرجل یعوی الرجل النخلۃ او الرجل یستثنی من مالہ النخلۃ والانتین یا کلھا فی بیعھا بتمر یعنی ایک شخص (صاحب نخل) دوسرے شخص کو عطا کرتا ہے ثمر نخل پھر بعد میں معریٰ لہ معریٰ کو وہ ثمر نخل فروخت کرتا ہے تمر کے بدلہ میں، حضرت بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ عربیہ کی یہ تفسیر اس صورت میں حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے، اور اگر بیعھا کے معنی یہ لئے جائیں کہ وہ معریٰ لہ معریٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ اسکو فروخت کرے تب بیشک یہ تفسیر ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی، اور دوسری شکل جو اس حدیث میں تفسیر عربیہ کی مذکور ہے یعنی او الرجل یستثنی من مالہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ کے پھلوں کی بیع کے وقت ایک یا دو درخت کا استثناء کر لے یعنی ان کو فروخت نہ کرے اپنے کھانے کے لئے لیکن پھر بعد میں ان دو

درختوں کے پھلوں کو بھی تمر کے بدلہ میں اسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے۔ عرایا کی تفسیر بالتفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ عن ابن اسحاق قال: العرایا ان یهب الرجل الرجل النخلات فیشق علیہ ان یقوم علیہا فیبیعہا بمثل خرصہا۔ بذل میں اس کے بارے میں لکھا ہے وھذا التفسیر ایضا موافق لما فیہ البوصیفۃ اور کر لیجئے سمجھ میں آجائے گا۔ لیکن بیع سے صورت بیع مراد ہوگی۔

## باب فی بیع التمار قبل ان یدو صلاحہا

یعنی درختوں کے پھلوں کی بیع ان پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے کر دینا، بدو بمعنی ظہور، اور صلاح سے مراد قابلیت انتفاع۔

مسئلہ مترجم بہا کی صورت مختلف مع بیان الحکم جاننا چاہیے کہ بیع شمار کی تین صورتیں ہیں قبل الظہور، قبل بدو الصلاح، بعد بدو الصلاح، ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ بالا جماع جائز نہیں کیونکہ یہ بیع معدوم ہے پھلوں کا ابھی ظہور ہی نہیں ہوا، صرف پھول آنا شروع ہوا ہے (کبر) اور تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ انہ بجز بالا جماع یعنی قابلیت انتفاع کے بعد، اور درمیانی صورت جو کہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی بیع التمار قبل بدو الصلاح، اسکی تین صورتیں ہیں بشرط ترک علی الاشجار، یعنی خریدار بالغ سے شرط کرتا ہے کہ میں اپنے ان پھلوں کو فی الحال توڑ کر تیرے درختوں کو فارغ نہیں کروں گا، یہ بالا جماع ناجائز ہے، اور دوسری صورت ہے بیع بشرط القطع، یعنی بالغ نے شرط لگائی کہ ان پھلوں کا اسی حال میں توڑ کر میرے درختوں کو فارغ کرنا ہوگا، یہ بالاتفاق جائز ہے، تیسری صورت ہے اطلاق اور عدم تقید کی یعنی نہ ترک کی شرط لگائی گئی نہ قطع کی، بلکہ بیع کو مطلق رکھا، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ناجائز، لہذا حدیث الباب میں جو آیا ہے نہی عن بیع التمار حتی یدو صلاحہا، یہ ہمارے نزدیک بیع بشرط ترک پر محمول ہے، واللہ تعالیٰ اعلم کذا تذکر من الشروح۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن بیع النخل حتی تزھور عن السنبلی حتی یتبض وطمأن العاہۃ، نہی البائع والمشتري۔

یعنی منع فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمر کی بیع سے جب تک وہ تمر رنگ دار نہ ہو، کھجور پر رنگت کا آنا سرخی یا زردی وغیرہ یہ علامت ہے اس کے صلاح کی لہذا اس سے قبل اس کو فروخت نہ کیا جائے، اور اسی طرح منع فرمایا آپ نے بیع سنبلی یعنی گہیوں وغیرہ کی بال کی بیع سے جب تک اس گہیوں میں سفیدی نہ آجائے اور وہ

آفت سماوی سے محفوظ نہ ہو جائے، اس آخری جملہ میں اشارہ ہے علت نہی کی طرف یعنی ان چیزوں کی بیع اگر بالکل شروع میں کر دی جائے تو نہ معلوم بعد میں وہ کونسی آفت سماوی سے ضائع ہو جائے جس میں خریدار کا نقصان ظاہر ہے والحديث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

نہی عن بيع الفناشر حتى تقسروا عن بيع النخل حتى تحوز من كل عارض، وان يصلى الرجل بغير خزام یعنی منع فرمایا آپ نے مال غنیمت کی بیع سے جب تک وہ تقسیم نہ ہو، اس لئے کہ تقسیم کے بعد ہی وہ آدمی کی ملکیت میں آتا ہے اور اسی طرح کھجور کی بیع سے یہاں تک کہ وہ محفوظ نہ ہو جائے ہر قسم کے عارض سماوی سے (عارض مثلاً تیز ہوا، آندھی یا اولہ وغیرہ) اور اس سے بھی منع فرمایا آپ نے کہ آدمی نماز پڑھے تہبند کو بغیر باندھے حرام یعنی کمر بند و پیٹی، مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے تہبند کو اچھی طرح درست کر کے باندھ لینا چاہیے تاکہ درمیان نماز کے اس کو درست کرنا نہ پڑے، اس کے بعد اور بھی دو حدیثیں اسی مضمون کی اور ہیں۔

كان الناس يتبايعون الثمار قبل ان يبدوا صلاحها۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں لوگوں کی عادت تھی کہ ثمار کی بیع کرتے تھے قبل بدو الصلاح پھر جب خریدار ان پھلوں کو توڑتے اور بیچنے والوں کی طرف سے ثمن کا تقاضا ہوتا تو خریدار کہتے کہ پھلوں میں فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی اور فلاں بیماری پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہمارا بڑا نقصان ہو گیا، دمان اور قشام اور مراض یہ سب عوارض اور بیماریاں ہیں جو پھلوں سے متعلق ہیں

فلما كثرت خصومتهم..... فامالا فلا تبتاعوا الثمرة حتى يبدوا صلاحها۔

**شرح کلام الراوی** | راوی حدیث حضرت زید بن ثابت فرما رہے ہیں کہ جب اس قسم کی خصوصیتیں اور جھگڑے ان لوگوں کے درمیان کثرت سے ہونے لگے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بطور مشورہ اور خیر خواہی کے فرمایا کہ اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا یعنی یہ کہ جھگڑوں سے بچو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو تو پھر تم پھلوں کی بیع اس طریقہ سے کیوں کرتے ہو یعنی قبل بدو الصلاح۔

حضرت زید بن ثابت کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بیع الثمار قبل بدو صلاحها کی ممانعت حتماً و لازماً نہیں ہے جس کی وجہ سے اس بیع کو فاسد قرار دیا جائے، بلکہ اس طرح کی بیع صحیح ہے اور یہ نہی آپ کی جانب سے عارض خصوصیت کی بنا پر ہے فامالا کا مطلب یہ ہے کہ ان لم یستطیعوا ان لا تنازعوا جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس کو ظاہر کر دیا۔

والحديث اخرجه البخاري تعليقا، قال المنذرى۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى عن بيع الثمر حتى

یبد و صلاحہ، ولا یباع الا بالدينير او بالدر اھم الا العرايا۔

اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع در اہم اور دنانیر کے بدلہ میں ہونی چاہیے، یعنی تمر مجذوز کے عوض میں نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں تو وہ بیع مزایمہ ہو جائے گی جو بالاتفاق ممنوع ہے، مگر عرایا کا اپنے استثناء فرمایا، یہ استثناء مسلک جمہور پر تو استثنائے متصل ہے، اور عند الحنفیہ استثناء منقطع، لان العریۃ لیست بیع عندہم۔  
والحدیث اخرجه ابن ماجہ مختصراً، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع السنین

بیع السنین کو بیع معاومہ بھی کہتے ہیں، یعنی دو یا تین سال کے پھلوں کی ایک ساتھ بیع کر دینا حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور یہ بالا جماع ناجائز ہے لانه بیع المعدوم، بلکہ یہ چاہیے کہ فصل کی بیع اسی سال میں ہونی چاہیے نہی عن بیع السنین و وضع الجواشع، یعنی امر بوضع الجواشع، وضع کے معنی ساقط کر دینا اور معاف کر دینا، جواشع جمع ہے جائعہ کی یعنی وہی عارض اور آفت سماوی جو پھلوں کو خراب کر دیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جواشع کی وجہ سے پھلوں کے خریداروں کو جو نقصان پہنچے تو مالکان یا غ یعنی بیچنے والوں کو یہ مقدار نقصان کی معاف کر دینی چاہیے۔ آگے چند ابواب کے بعد مستقل باب آرہا ہے، باب فی وضع الجائعہ، یہ عفو اور وضع کا جو حکم حدیث میں وارد ہے عند الجمہور استحباب کیلئے ہے، ان کے نزدیک یہ حدیث معروف اور احسان کے قبیل سے ہے اس لئے کہ بیع میں جو نقصان پایا جاتا ہے بعد قبض مشتری وہ ضمان مشتری میں ہوتا ہے، اصولاً بائع اس کا ذمہ دار نہیں ہے، امام احمد اور بہت سے محدثین کے نزدیک امر وجوب کے لئے ہے، ان کے نزدیک معاف کرنا واجب ہے، آگے ایک اور بھی باب آرہا ہے، باب فی تفسیر الجائعہ، اس پر کلام وہیں آئے گا۔  
وقال المنذری: اخرج النسائی الفضیلین مفرقین، واخرج مسلم وابن ماجہ عن بیع السنین۔

نہی عن المعاومۃ اس سے مراد وہی بیع السنین ہے، یہ لفظ عام سے مشتق ہے جس کو باب مفاعلت میں لے گئے، اور ایسے ہی سہ سے مسابہ اور شہر سے مشاہرہ، اور یوم سے میاومہ، یعنی روزانہ اور یومیہ۔  
والحدیث اخرجه مسلم یا تم منہ، واخرجه ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع الغرر

نہی عن بیع الغرر۔ زاد عثمان۔ والحصاۃ۔



غرر (دھوکہ) یعنی وہ بیع جس میں بائع یا مشتری کا نقصان اور غرر ہو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے یہ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے جس کے اندر بہت سی بیوع داخل ہو سکتی ہیں، مثلاً شئی مجہول کی بیع، عید آتی کی بیع، اور ایسے ہی ہر غیر مقدمہ و التسليم کی بیع جیسے بیع السمک فی الماء و بیع الطیر فی الهواء اور بیع الحصة یہ ہے کہ احد العاقدین دوسرے سے یہ کہے اذ انبتت الیک الحصة فقد وجب البیع، یعنی بائع یا مشتری دوسرے سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کنکری پھینک دوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ بیع منعقد ہو گئی، اور یا یہ کہ میں یہ کنکری اس بکریوں کے ریوڑ میں پھینک رہا ہوں جس بکری کے بھی یہ لگے گی اسی کی بیع مانی جائے گی، اس صورت میں جہالت بیع پائی جا رہی ہے

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجه قال المنذری۔

نهی عن بیعتین وعن لبستین، اما البیعتان فالملامسة والمنابذة۔

**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے دو قسم کی بیع سے منع فرمایا اور دو طرح کے پہناوے سے، بیعتان سے مراد بیع ملامسة اور منابذة ہے ان دونوں کی تفسیر آئندہ روایت میں آ رہی ہے، اور لبستین کا مصداق حدیث میں ایک تو اشتمال صہار بیان کیا گیا ہے (اشتمال صہار کی دو تفسیریں کی گئی ہیں جو کتاب الصلاة میں ثیاب الصلاة کے بیان میں گذر چکیں، اول یہ کہ کسی چادر کو اپنے اوپر اس طرح اوپر سے نیچے لپیٹنا کہ دونوں ہاتھ بھی چادر کے نیچے رہ جائیں جس میں آدمی کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے ہاتھوں کے چادر کے اندر ہونے کی وجہ سے، قبل ماخوذ من الصخرة الصماء یعنی ٹھوس پتھر، اور دوسری تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ بغیر قمیص اور ازار کے ایک چادر کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کو لپیٹنے کے بعد اس کا کوئی سا ایک سرا دایاں یا بائیاں اس جانب کے کندھے پر اٹھا کر ڈال لیا جائے جس میں کشف عورت ہوتی ہے) اور لبسة ثانیہ کا مصداق حدیث میں مذکور ہے ان یحتوی الرجل فی ثوب واحد کہ ایک چادر میں آدمی اس طرح گوٹ مار کر بیٹھ جائے کہ کشف فرج ہوتا ہو، یعنی نیچے کا بدن دکھائی دیتا ہو۔ والمنابذة ان یقول: اذ انبتت الیک هذا الثوب فقد وجب البیع۔ یعنی بائع مشتری سے یوں کہے کہ جب میں تیری طرف یہ کپڑے کا ٹھکان پھینک دوں پس سمجھ لینا کہ بیع لازم ہو گئی، یعنی بغیر ایجاب و قبول کے، اور یا یہ کہ ایجاب و قبول کی نفی مراد نہیں بلکہ لزوم بیع مراد ہے بغیر اختیار و ریت اور اختیار عیب وغیرہ کے، والملامسة ان یمسہ یعنی بیع ملامسة یہ ہے کہ مشتری کے کپڑے پر صرف ہاتھ لگا دینے ہی سے، بغیر اس کے کھولے اور بغیر پلٹے بیع لازم ہو جائے، بیع کی ان سب صورتوں اور قسموں میں تراضی طرفین کا فقدان ہوتا ہے اختیار و ریت وغیرہ امور کے نہ ہونے کی وجہ سے اور یا فساد کی وجہ سے اس سے ایجاب و قبول ہی کا نہ پایا جاتا ہے بحسب احد التفسیرین، یہ سب بیوع بیوع جالبیہ میں سے ہیں۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، واخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ من حدیث  
ابی ہریرۃ مختصراً ومطولاً، قالہ المنذری۔

نہی عن بیع حبیل الحبلة۔

شرح الحدیث وفيہ اربعة اوجه | ان دونوں لفظوں میں حا اور با دونوں مفتوح ہیں، حبلہ میں دو قول ہیں  
ایک یہ کہ جمع ہے حابل کی جیسے ظالم کی جمع ظلمہ، اور کہا گیا ہے کہ یہ مصدر

مطلق حیوان کے معنی میں۔ جانتا چاہیے کہ اس حدیث کی شرح میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ حبل الحبلة سے مراد جنین،  
یا جنین الجنین، اور ان دونوں صورتوں میں پھر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مصداق بیع ہے یا اس سے مقصود بیع الی  
اجل ہے، یعنی بیع تو کوئی اور شئی ہے لیکن اس کی تاویل یعنی ادائے ثمن کی اجل ان دو میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے  
لہذا یہ کل چار احتمال اس حدیث کے معنی میں ہو گئے ان احتمالات میں سے ایک صورت میں بیع فاسد ہوگی اور ایک صورت  
میں باطل، یعنی اگر اس کو بیع پر محمول کیا جائے تو چونکہ ابھی وہ معدوم ہے اسلئے بیع باطل ہوگی، اور اگر بیع شئی آخر ہے  
اور یہ اس کے لئے اجل ہے، اس صورت میں فاسد ہوگی، یہ تفسیر اس کی یہاں خود کتاب میں موجود ہے چنانچہ راوی کہہ  
رہا ہے۔ وحبل الحبلة ان تنتج الناقۃ بطنها ثم تحمل التي تنتج، اس تفسیر میں اس کو جنین الجنین  
پر محمول کیا گیا، لیکن اس کی تصریح نہیں کہ مراد بیع ہے یا اجل، اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ یہ  
حاملہ اونٹنی جو سامنے ہے اس کا حمل پیدا ہونے کے بعد جب خود حاملہ ہوگا تو اس حمل ثانی کی بیع کرتا ہوں یا اس کو اجل  
قرار دیتا ہوں۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع المضطر

بیع المضطر کا مصداق اور حکم | مضطر کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اضطرار کی دو قسمیں ہیں ایک اضطرار  
لاجل الغیر یعنی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے مجبور ہونا جس کو اکراہ کہتے ہیں

اور دوسرے معنی اضطرار لاجل الفقر والحاجة یعنی اپنی ناداری کی وجہ سے محتاج اور مضطر ہونا، مضطر بالمعنی الاول  
کی بیع مجبور کے نزدیک ناجائز اور فاسد ہے، حنفیہ کے نزدیک منعقد ہے، اور مضطر بالمعنی الثانی کی بیع حنفیہ کے  
ز نزدیک فاسد ہے اور مجبور کے نزدیک جائز مع الکراهۃ، کذا لکرمین درس الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ، ومثلہ فی البذل  
عن الخطابی، اور اس کے بعد بذل میں درمختار سے بیع المضطر کی شرح یہ کی ہے ہوا ان یضطر الرجل الی طعام او شراب  
او غیر ہما ولا یبیع البائع الا بالکثر من ثمنہا بکثیر، وکذلک فی الشرار منہ، یعنی ایک شخص کو کھانے پینے کی چیز کی ضرورت ہے  
مثلاً اور دوسرے شخص کے پاس وہ چیز موجود ہے لیکن وہ اس کو اس کی عام قیمت پر دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ بہت

زائد قیمت پر دیتا ہے اس قسم کے بیع کو درمختار میں فاسد لکھا ہے۔

خطبنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سیأتی علی الناس زمان عضوض، یعرض المؤمنون علی ما فی یدیدہ ولم یؤمر بذلک، ویبایع المضطرون وقد نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع المضطر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ عنقریب لوگوں پر ایسا شدید بخل کا زمانہ آنے والا ہے کہ مالدار کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنے مال کو اپنے دانتوں سے بہت مضبوط دبا لے گا، حالانکہ لوگ اس کے مامور نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے پر احسان کرنے کو نہ بھولو، یعنی ترک نہ کرو۔ آگے اسی بخل کی ایک شق بیان فرماتے ہیں کہ مجبور قسم کے لوگوں کے ساتھ بیع و شرا کی جائے گی حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع المضطر سے منع فرمایا ہے۔

یہاں اس حدیث میں بھی شرح نے مضطر کے معنی میں وہی دو صورتیں لکھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

## باب فی الشرکۃ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رفعہ قال ان اللہ تعالیٰ یقول: انا ثالث الشریکین ما لم یخف

احدہما صاحبه فاذا خانته خرجت من بینہما۔

ماصل حدیث یہ ہے کہ شریکت بہت خیر و برکت کی چیز ہے بشرطیکہ دیانت داری کے ساتھ ہو خیانت اس میں نہ ہو لیکن جہاں اس میں ذرا خیانت پائی گئی تو ساری خیر و برکت ختم۔

**اقسام شریکت** شریکت کی بہت سی قسمیں ہیں، اولاً اس کی دو قسمیں ہیں، شریکت الماک اور شریکت عقود، لیکن یہاں حدیث میں شریکت عقود مراد ہے جس کی چند قسمیں ہیں شریکت مفاوضہ، شریکت عمان شریکت الصنائع جس کو شریکت الابدان بھی کہتے ہیں، شریکت الوجہ، جن کی تفصیل، احکام و شرائط کتب فقہیہ میں مذکور ہیں اسی طرح ایک خاص قسم اس کی مضاربہ بھی ہے، یہ شریکتیں جن کو شریعت نے مشروع فرمایا ہے اگر اصول شرعیہ اور دیانت کے ساتھ ہوں تو بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں جیسا کہ حدیث الباب میں ہے لیکن آج کل اس زمانہ میں لوگوں نے قسم قسم کے معاملات افزونی مال اور تجارت کے لئے اپنی طرف سے اختراع کر لئے ہیں جو قسمیں شریکت کی شریعت نے مشروع کی تھیں ان کو نہ کوئی جانتا ہے نہ جانتے کی کوشش کرتا ہے، اور موجودہ اختراعی طریقوں کا جو حال اور انجام ہے وہ سب جانتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتوں میں لوگ گرفتار ہو رہے ہیں۔

## باب فی المضارب یخالف

مضارب بت جس کا ذکر ابھی گذر چکا یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے جس میں مال ایک شخص کا ہوتا ہے اور دوسری جانب عمل فنی القدوری المضاربة عقد علی الشریکۃ بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا تصح المضاربة الا بالمال الذی بینا ان الشریکۃ تصح بہ، ومن شرطہا ان یکون الرزق بینہما مشاعاً لا یستحق احدہما منہ در اہم مسامۃ، یعنی صحت مضاربت کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس تجارت سے حاصل ہونے والا نفع صاحب مال اور عامل کے درمیان مشترک ہو مقدار معین نہ ہو، لیکن یہ ضروری نہیں کہ مساوی اور علی النصف ہی ہو، بلکہ علی النصف یا علی الثلث جو بھی کچھ ہو مشترک ہو در اہم معینہ کسی ایک کے لئے نہیں۔

عن عروۃ قال اعطاک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیناراً یشتري بہ اصحبیۃ او شاکاً الخ عروۃ بن ابی الجعد الباری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک دینار عطا فرمایا قربانی کی بکری خریدنے کے لئے، تو انہوں نے ایسا کیا کہ ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے بدلہ میں فروخت کر دیا، اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری مع دینار کے پیش کی، آپ نے ان کے لئے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ فكان لو اشتري ثوباً بالربح فیہ۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ان کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تھے تو اس میں بھی نفع ہوتا تھا مٹی سے مراد یا تو بطریق مبالغہ بہت گھٹیا اور معمولی چیز ہے اور یا یہ حقیقت پر محمول ہے، اس لئے کہ بعض انواع ترب کی بیع کی جاتی ہے، یہ صحابی آپ کی طرف سے وکیل بالشرائع تھے لیکن انہوں نے اپنے مؤکل کی بظاہر مخالفت کی کہ شراب اور بیع دونوں کر گزرے، اور ترجمۃ الباب مضارب کے بارے میں ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ مضارب بھی رب المال کے لئے بمنزلہ وکیل کے ہوتا ہے۔

مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ | مضارب اگر رب المال کی مخالفت کرے تو خطابی نے امام شافعی کا مذاہب یہ نقل کیا ہے کہ مخالفت کی صورت میں مضارب نے اگر سامان بعینہ رب المال کے مال سے خریدا ہے تب تو بیع باطل ہے اور اگر اس نے بعینہ اس مال سے سامان نہیں خریدا بلکہ اپنے ذمہ میں رکھ کر خریدا اور پھر ادا کر دیا اسی رب المال کے مال سے تو اس صورت میں یہ سامان تجارت مشتری کے لئے ہوگا اور وہ مضارب ہر حال میں ضامن ہوگا رب المال کے مال کا۔ اھ۔ اور جو کچھ نفع ہوگا وہ مضارب ہی کا ہوگا، اور خطابی نے امام احمد کا مسلک یہ لکھا ہے کہ مخالفت کی صورت میں ربح رب المال کا ہوگا اور نقصان کا ضامن مضارب ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک مخالفت کی صورت میں ربح سب کا

سب مضارب کیلئے ہوگا اور مضارب ہی متامن ہوگا۔ بحديث الغرم بالغنم۔ لیکن مضارب پر اس ربح کا تصدق واجب ہوگا اسلئے کہ وہ کسبِ ضمیمہ ہے۔

**بیع فضولی میں مذاہب ائمہ** | اس حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہے صراحتاً وہ بیع فضولی کا ہے، مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ بیع موقوفاً علی اجازۃ المالك صحیح ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک صرف بیع فضولی جائز ہے۔ شرعاً فضولی نہیں اور امام مالک کے نزدیک بیع و شراء دونوں جائز ہیں، چنانچہ ارشاد السالک میں ہے "البيع والشراء كلاهما جائزان موقوفاً علی اجازۃ المالك، اور حنابلہ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں کما فی زاد المستقنع، لا يجوز البيع ولا الشراء، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، قول قدیم میں جائز ہے، وقواه النووي، وفي الجديد لا يجوز، امام شافعی کا استدلال لا تتبع ما ليس عندك الحديث سے ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ما ليس عندك سے مراد شئی غیر مقبوض ہے جیسے عید آتی، اور یا پھر اس حدیث میں نفی مطلق بیع کی نہیں بلکہ بیع بات کی نفی ہے، ہنی کا تعلق نفس بیع سے نہیں بلکہ بت البیع سے ہے بیع بات یعنی نافذ اور غیر موقوف۔

**حدیث الباب حنفیہ مالکیہ کی دلیل ہے** | اور حدیث الباب دلیل جواز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ جانتا چاہیے کہ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں عروۃ الباری کی اور دوسری جو آگے آرہی ہے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ ایک دینار یا قربانی کا جانور خریدنے کے لئے تو انہوں نے ایک بکری ایک دینار میں خرید کر اس کو دو دینار میں فروخت کیا اور پھر ایک دینار میں ایک اور بکری خرید کر وہ بکری مع دینار کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیکر آئے۔

**شافعیہ کی طرف سے جواب** | یہ دونوں حدیثیں امام شافعی کے قول جدید کے خلاف ہیں، ان کی جانب سے پہلی حدیث کا خطابی نے جواب دیا ہے کہ پہلی حدیث کی سند میں حدیثی الحی ہے یعنی قبیلہ وھو مجہول، اور دوسری حدیث کی سند میں شیخ من اہل المدینہ ہے وھو ایضاً مجہول، حضرت سہارنپوری نے بذل میں عروۃ بن ابی الجعد کی حدیث سے متعلق خطابی کا کلام کہ اس حدیث میں حی مجہول ہے یہ فرمایا ہے کہ مصنف نے حدیث عروہ کو دو طریق سے ذکر کیا ہے دوسرے طریق میں عن ابی لبید حدیثی عروۃ الباری ہے، اس سند میں کوئی راوی مجہول نہیں چنانچہ منذری فرماتے ہیں وقد اخرج الترمذی حدیث شراء الشاة من رواية ابی لبید لما زارة بن زیاد عن عروۃ، وھو من ہذا الطريق حسن، اور حدیث ثانی یعنی حکیم بن حزام کی حدیث کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے سنن ترمذی میں عن حبیب بن ابی ثابت عن حکیم بن حزام



لیکن امام ترمذی نے اس پر یہ کلام کیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع میرے نزدیک حکیم بن خزام سے ثابت نہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس عدم سماع پر کیا دلیل ہے اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی ولا مانع من السماع، ولو سلم فالمرسل عندنا حجة اھ۔ اور صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں: وحدث عروة الباری هذا خرجه احمد والبخاری والوداع وابن ماجہ، وفي اسناد من عبد البخاری سعید بن زید اخو حماد بن زید وهو مختلف فيه، عن ابی لبید لما زه بن زیاد، وقد قيل انه مجهول لكنه قال انه وثقه ابن سعد، وقال حرب سمعت احمد بن حنبل عليه، وقال في التقريب انه ناصبي اجله، قال المنذري والنووي اسناده صحيح لمجيئه من وجهين، وقد رواه البخاری من طريق ابن عيينة عن شعيب بن عرقدة سمعت الحمي يحدون عن عروة، قال الحافظ الصواب انه متصل في اسناده مبهم اھ امام نووی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر بھی گذرا اور غالباً اسی بنیاد پر انہوں نے امام شافعی کے قولین میں سے قول قدیم صحت جواز بیح فضولی کی تقویت کی ہے کما سبق قریباً اس مقام پر فتح الباری کو بھی دیکھا جائے تاکہ مزید بصیرت حاصل ہو، امام بخاری نے یہ حدیث مناقب میں باب سوال المشرکین ان یریمہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آیت فارہم الشقاق القمر کے بعد باب بلا ترجمہ میں ذکر کی ہے۔

وقدم تخریج حدیث عروة الباری وحدث حکیم بن خزام فی انذار البحت۔

### باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل بغير اذنه

یعنی جو شخص دوسرے کے مال میں تجارت کرے بغیر اس کی اجازت کے اس صورت میں جو کچھ ربح حاصل ہوگا وہ حنفیہ کے نزدیک تاجر کے لئے ہوگا اور اسی طرح ضمان بھی اسی پر ہوگا، لیکن یہ کسب کسب خبیث ہے لہذا اس قسم کا بیع واجب التصدق ہوگا، اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے مذاہب کی بھی تحقیق کر لی جائے مصنف نے اس باب کے تحت حدیث الغار کا ایک قطع ذکر کیا ہے جو ترجمہ الباب کے مناسب تھا باقی قصہ کو اختصاراً حذف کر دیا، اور حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ یہ ہے: "اذا اشتري شيئاً لغيره بغير اذنه فربحی، اور پھر اس کے تحت انہوں نے حدیث الغار بتمامہ ذکر فرمائی، جو شخص پورا قصہ جاننا چاہے وہ صحیح بخاری کتاب البیوع میں باب مذکور کی طرف رجوع کرے، امام بخاری نے اس حدیث سے بیع فضولی و شراء فضولی کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول من استطاع منکم ان یكون مثل صاحب فرق الامر ثم ینلک من مثله قالوا من صاحب الامر رسول اللہ فذکر حدیث الغار الخ۔

ملہ کذا فی الاصل۔ ۲ فرق یہ غلام اور مالک کے ناپے کا ایک برتن ہے۔



**حدیث الغار کا ایک قطعہ** | یعنی آپ نے فرمایا صحابہ کرام سے۔ ترغیب کے طور پر۔ جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ فرق ارز والے شخص کی طرح ہو سکے تو اس کو اس جیسا

ہو جانا چاہیے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صاحب الارز کون تھا؟ اگے مصنف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے سوال پر حدیث الغار یعنی غار والوں کا قصہ ذکر فرمایا جب ان پر پہاڑ کی چٹان اوپر سے آپڑی تھی، (جس کی وجہ سے غار کا منہ بند ہو گیا، یہ تین ساتھی تھے جو کہیں سفر میں جا رہے تھے راستہ میں جب بارش آئی تو اس سے بچنے کے لئے پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے، جب غار کا منہ بند ہو گیا تو ان تینوں کی آپس میں یہ رائے ہوئی کہ ہم میں سے جس نے جو عمل اپنی زندگی میں اپنے نزدیک سب سے اچھا کیا ہو اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے قال وقال الثالث پہلے اور دوسرے کا عمل اس روایت میں مذکور نہیں ان میں سے تیسرے نے اپنے اعمال میں سے یہ عمل ذکر کیا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے فرق ارز کے عوض میں کام کرایا تھا، کام سے فراغ پر شام کے وقت جب میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا تو اس نے اس کو لینے سے انکار کر دیا اور بغیر لئے چلا گیا، اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اس کے اس فرق ارز کو کھیتی کے ذریعہ سے خوب بڑھایا یہاں تک کہ اس کی پیداوار اور آمدنی سے اس اجیر کے کیلئے کھیتی کے بیل اور ان کے چرانے والے مہیا کر لئے، پھر ایک مدت کے بعد وہ اجیر مجھ سے ملاقات کے لئے آیا اور کہا کہ مجھ کو میرا حق دیدے تو میں نے ان بیلوں اور ان کے چرواہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو لیجایہ سب تیرے ہیں، وہ ان کو ہانک کر لے گیا۔

والحدیث اخبرہ البخاری ومسلم بخود اتم منه، قال المنذری۔

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت میں اشکال ہے اس لئے کہ ترجمہ ہے تجارت فی مال الغیر، اور اس قصہ میں یہ اجیر اپنے فرق ارز کا بوجہ قبضہ نہ ہونے کے مالک ہی نہیں ہوا تھا اس لئے یہ تجارت فی مال الغیر نہ ہوتی بلکہ اس مستاجر کی یہ تمیہ لقرع فی مال نفسه تھا لہذا جو کچھ اس مال میں بڑھوتری ہوئی وہ سب ملک مستاجر تھی لیکن اس مستاجر کا ان سب چیزوں کو اجیر کو دیدینا بطور کار خیر اور بطریق تصدق تھا (بذل)

### باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال

**ترجمہ الباب کی تشریح** | یعنی وہ شرکت جو بغیر رأس المال کے ہو، جانتا چاہیے کہ جو شرکت بغیر رأس المال کے ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں شرکت فی المباحات اور شرکت الصنائع والابدان اور مذاہب ائمہ

ادل کی مثال جیسے دو شخص جن کے پاس کچھ مال نہیں ہے وہ آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم دونوں جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کیا کریں گے اور روزانہ بازار میں لا کر ان کو فروخت کریں گے اور اس صورت

میں جو کچھ پیسے حاصل ہوں گے وہ ہم دونوں کے مشترک ہوں گے اور ثانی کی مثال یہ: جیسے دو کارگیر کپڑا سینے والے آپس میں یہ طے کریں کہ ہم دونوں مل کر جتنا کپڑا اسی کرتیار کریں گے یہ کمائی ہم دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔

اب ان کا حکم سنئے امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں جائز ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع تو جائز ہے لیکن شرکت فی المباحات ناجائز نہیں، مذاہب کی تحقیق یہی ہے، علامہ شوکانی سے بیان مذاہب میں خلط اور گڑبڑ ہو گئی انہوں نے حنفیہ کو مالکیہ کے ساتھ ذکر کر دیا، نیز ان کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک شرکۃ الصنائع اور شرکت فی المباحات ایک ہیں، نہ علیہ شیخ شیخنا فی البذل

عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اشترکت انا وعمار و سعد فیما نصیب یوم بدر

قال فجاء سعد باسیرین ولما جئنا انا وعمار بشیء۔

مطلب تو ظاہر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد بن ابی وقاص ہم تینوں نے آپس میں شرکت کا معاملہ کیا جنگ بدر میں حاصل ہونے والی غنیمت میں (یعنی جو کچھ بھی ہم تینوں کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا ہم اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ آگے روایت میں یہ ہے عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص تو مال غنیمت میں دو غلام لیکر آئے، اور میں اور عمار کچھ نہیں لائے۔)

اس حدیث میں جو شرکت مذکور ہے وہ شرکت فی المباحات کے قبیل سے ہے، اور یہ قسم شرکت کی حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک ناجائز ہے، لہذا اس حدیث کا جواب یہ ہوگا کہ فعل بعض الصحابہ یعنی حدیث غیر مرفوع ہے، نیز منقطع ہے لعدم سماع ابی عبیدۃ من ابیہ، کمافی البذل۔

حدیث الباب پر ایک اشکال مع جواب | مجھے یہاں پر یہ اشکال ہوا کرتا ہے کہ کتاب الجہاد میں حضرت

عبداللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی لفظی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم بدر سیف ابی جہل، اور یہاں وہ یہ فرما رہے ہیں ولم اجئنا انا وعمار بشیء، اب یا تو حدیث النبا کو مزجوج قرار دیا جائے انقطاع کی وجہ سے، اور یا اس کی تاویل کی جائے وہ یہ کہ اس حدیث میں نفی غنیمت عامہ کی ہے ممکن ہے عام غنیمت میں ان دونوں کا حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ لگایا ہو کیونکہ کتاب الجہاد میں یہ بات گزر چکی ہے بان غنائم بدر کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یدفعہا لمن یشاء، اور سیف ابی جہل جو حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملی تھی وہ تو بطور نفل اور حصہ خاصہ کے تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، وهو منقطع فان ابی عبیدۃ لم یسمع من ابیہ، قال المنذری۔

### باب فی المزارعة

مزارعۃ کا ذکر کتاب البیوع میں | کتاب البیوع چل رہی ہے اسی کے ضمن میں مصنف نے مزارعت کو بھی بیان

کیا اسلئے کہ جس طرح بیع و شراء اور تجارت طرق کسب میں ہے، اسی طرح مزارعت بھی انواع کسب میں ہے، حضرت امام بخاری نے تو مختلف بیعتوں کا ذکر اور اسکے متعدد ابواب کتاب البیوع ہی میں ذکر کئے ہیں باب ما قیل فی الصورغ، باب ذکر القین والحداد، باب الخیاط باب النساج، باب النجار وغیرہ وغیرہ، لیکن انہوں نے ابواب الحرث والمزارعت کو کتاب البیوع کے بعد مستقل علیہ بیان کیا ہے مزارعت کے اقسام مع بیان مذاہب ائمہ | مزارعت کی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں جن میں سے بعض بالاتفاق ناجائز ہیں اور بعض بالاتفاق جائز ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں، مزارعت

کہتے ہیں دوسرے کی زمین میں کاشت کرنے کو کرایہ پر لکیر تو گویا مزارعت کرہ الارض کا نام ہوا، پس اگر کرہ الارض بالدرہم وغیرہ ہے تو یہ بالاتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے، اور اگر مزارعت بقسمۃ الارض ہے یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ زمین کے فلاں حصہ میں جو کاشت اور پیداوار ہوگی مالک ارض کہے کہ وہ تو میری ہوگی اور باقی کاشتکاری، یہ بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ اس میں غرر ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور ایک صورت مزارعت کی یہ ہے کہ طعام مسمی کے بدلہ میں ہو یعنی مالک ارض زارع سے یہ کہے کہ میں تمہیں یہ زمین غلہ کی اتنی مقدار کے بدلہ میں کرایہ پر دیتا ہوں، مثلاً دس بوری گیہوں کی، گیہوں کو مطلق رکھے یہ نہ کہ زمین کی پیداوار میں سے، یہ صورت ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے اور طعام مسمی اس صورت میں بمنزلہ درہم کے ہوگا، اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، وہ کرہ الارض بطعام مسمی کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ایک قسم مزارعت کی وہ ہے جو بخصۃ من الخارج ہو یعنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ حصہ پر زمین دیکھئے مثلاً نصف یا ثلث جو بھی آپس میں طے ہو جائے یہی وہ صورت ہے جو مشہور اور مختلف فیہ ہیں الا ائمہ ہے جس کو بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت ناجائز ہے باقی ائمہ ثلاث امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی کے نزدیک ناجائز ہے، امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک تو مطلقاً، اور امام شافعی کے نزدیک کما قال النودی مستقلاً تو ناجائز ہے لیکن تبعاً لمساقات جائز ہے، ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی جواز پر ہے، لیکن اس کے لئے متعدد شرائط ہیں جو کہ تب فقہ میں مذکور ہیں فلیراجع الیہا۔

مساقات کا حکم عند الائمۃ الاربعۃ | مزارعت ہی کے قبیل سے ایک اور معاملہ بھی ہے جس کو مساقات کہتے ہیں جس کا تعلق باغ اور درختوں سے ہوتا ہے جیسا کہ مزارعت کا تعلق زمین سے ہوتا ہے یعنی کوئی شخص باغ والا دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کرے کہ تم ہمارے ان درختوں کی آبپاشی اور خدمت کرو، جو کچھ ان پر پھل آئیں گے اس میں اتنا حصہ تمہارا ہوگا، یہ جمہور علماء ائمہ ثلاث و صاحبین سب کے نزدیک جائز ہے الا الامام ابو حنیفہ کہ ان کے نزدیک مساقات بھی جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں یہ تو کرار معدوم ہے یعنی پھل موجود کہاں ہیں فی الحال جن کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ اس معاملہ کا تعلق عمل سے ہے جس طرح مضاربت میں ہوتا ہے وہاں بھی تو نفع فی الحال معدوم ہے پس اب ان اختلافات کا حاصل یہ ہوا کہ امام احمد و صاحبین

کے نزدیک مزارعت و مساقات دونوں جائز ہیں، اور امام اعظم کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک مزارعت تو ناجائز ہے اور مساقات جائز ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ امام شافعی کے نزدیک مزارعت تبعا للمساقات جائز ہے، یہ تفصیل ائمہ اربعہ کے مذاہب کے اعتبار سے ہیں، بعض دوسرے علماء کے اس میں اس کے علاوہ بھی مذاہب ہیں چنانچہ طاؤس اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک مزارعت یعنی کراء الارض مطلقاً کسی طرح بھی جائز نہیں، اسی طرح حافظ فرماتے ہیں وبالغ ربيعة فقال لا يجوز كراءها الا بالذهب او الفضة۔ ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ حنفیہ کے یہاں مزارعت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جو کہ امام احمد کا بھی مذہب ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی باب المزارعة بالشطر و نحوه قائم کر کے ترجمۃ الباب کے تحت بعض صحابہ اور بہت سے تابعین کے اقوال تعلیقاً اس کے جواز میں نقل فرمائے ہیں۔

**جواز مزارعت کی حدیث متفق علیہ ہے** اور اس کے بعد پھر ابن عمر کی حدیث مسند اسکے جواز میں بیان فرمائی جس کا متن یہ ہے عن نافع ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشر ما ینخرج منہا من زرع و ثمر الحدیث (بخاری ص ۳۱۳)

امام ترمذی نے بھی سب سے پہلے باب میں اسی حدیث ابن عمر کو ذکر فرمایا ہے اور پھر فرماتے ہیں قال ابو عیسیٰ بذہ حدیث حسن صحیح، والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیر ہم لم یروا بالمزارع بأساً علی النصف والثلث والرابع وهو قول احمد اسحاق، اور پھر اس کے بعد دوسرے مذاہب امام مالک و شافعی کا ذکر کیا کہ وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے یعنی بٹائی پر زمین دینے کو اور پھر آگے تیسرے مذاہب یہ بیان کیا کہ بعض علماء کے نزدیک کراء الارض صرف بالذهب و الفضة جائز ہے اہ یہ آخری قول جیسا کہ اوپر حافظ کے کلام میں گذرا ربيعة الراعی کا ہے یہ حدیث ابن عمر جو دلیل جواز ہے جس کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح کہا یہ صحاح ستہ کی روایت ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے اخبرہ الجماعة۔

**مزارعت کے عدم جواز کی حدیث** اور جو حضرات مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں جیسے ائمہ ثلاث ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے مستقلاً دوسرے باب قائم کر کے اس میں ذکر کیا ہے یعنی رافع بن خدیج کی حدیث جس کو امام ابو داؤد نے متعدد طرق سے

مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں و حدیث رافع فیہ اضطراب، بروی ہذا الحدیث عن رافع بن خدیج عن عمو مہ، و بروی عنہ عن ظہیر بن رافع و ہواحد عمو مہ، وقد روی ہذا الحدیث عنہ علی روایات مختلفہ اہ یعنی اس حدیث میں سند ابھی اضطراب ہے اور متن ابھی، اور یہ تمام مختلف طرق جن کی طرف امام ترمذی نے اشارہ فرمایا ہے اور تفصیلاً ان کو ذکر نہیں فرمایا یہاں ابو داؤد میں یہ تمام طرق مختلفہ و روایات

مختلف تفصیلاً مذکور ہیں جیسا کہ آپ کے سامنے کتاب میں موجود ہے۔

**رافع بن خدیج کی حدیث میں متن اضطراب** | اس حدیث میں ہم نے جو کہا متنا بھی اختلاف ہے وہ اس طرح کہ اس باب کی چوتھی حدیث دیکھئے جس میں اس طرح

ہے سالت رافع بن خدیج عن كرام الارض بالذهب والورق فقال لا بأس بها إنما كان الناس يواجررون .....  
 بما على الماذاينات وأقبال الجداول الخ اس کا مضمون یہ ہے کہ رافع بن خدیج فرما رہے ہیں کہ کرام الارض بالدراسم  
 والدنانیر میں کچھ حرج نہیں، ممانعت تو اس کی ہے جس طرح بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں  
 مزارعت کیا کرتے تھے (تقسیم ارض کے ساتھ) کہ جو پیداوار پانی کی نالیوں پر ہوگی اور نہر کے قریبی حصوں میں وہ تو  
 ہماری اور باقی کاشتکار کی (ماذاينات یعنی مسایل الماء، پانی کی نالیاں اور اس کے بہنے کی جگہیں اقبال الجداول  
 یعنی اوائل الجداول) اس روایت کا متن تو یہ ہے، اور اس کے بعد پھر آئندہ آنے والے باب، باب فی التشدید فی ذلک  
 کی ساتویں حدیث میں اس طرح آرہا ہے، انی لیتیم فی حجر رافع بن خدیج ومجت معہ فجار اخي عمران بن سهل فقال اکرینا  
 ارضنا فلانة بمستی درهم فقال دع فان النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنئ عن كرام الارض، دیکھئے اس میں کرام الارض  
 بالدراسم والدنانیر سے بھی وہ منع کر رہے ہیں، لہذا ترجیح حضرت ابن عمر کی حدیث یعنی حدیث الجواز ہی کو ہوگی، اور یہی  
 ابن عباس کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں باب کی پہلی حدیث میں ہے۔

سمعت ابن عمر يقول ما كنا نرى بالهزارعة بأسا حتى سمعت رافع بن خديج يقول ان رسول الله صلى الله عليه  
 وآله وسلم نهى عنها فذكرته لطاوس فقال قال لي ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وآله تعالى  
 عليه وآله وسلم لم ينه عنها ولكن قال ليمنع احدكم ارضه خيرا من ان يأخذ عليها خراجا معلوما، مضمون حدیث  
 یہ ہے عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ تو مزارعت میں  
 کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے (یعنی تقریباً تمام ہی صحابہ یہاں تک کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا وہ کہتے تھے کہ  
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کی اس بات کو  
 طاؤس سے نقل کیا اس پر طاؤس نے کہا کہ مجھ سے میرے استاد ابن عباس نے یہ فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ آدمی اپنی زمین کو منیع بنائے یعنی ویسے ہی بغیر عوض کے کاشت  
 کے لئے دوسرے کو دیدے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کوئی اجرت معلوم لے۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ رافع بن خدیج جو حدیث نبی عن المزارعت کے بارے میں روایت کرتے ہیں اس حدیث  
 سے مقصود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تحریم مزارعت کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود صرف ترغیب ہے  
 کہ زمین بچائے بٹائی پر دینے کے مفت دیدی جائے تو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح آگے زید بن ثابت سے بھی حدیث



رافع پر نقد آرہا ہے۔

اب اس کے بعد جملہ روایات الباب میں غور کر کے دیکھ لیا جائے سب کالب لباب اور ما حاصل ہم نے بیان کر دیا۔  
**رافع بن خدیج کی حدیث بھی** اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے اتباع جنہوں نے رافع بن خدیج کی حدیث پر عمل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سنن کے علاوہ اپنے بعض طرق کے صحیحین میں موجود ہے اعتبار سے بخاری و مسلم میں بھی ہے اس حدیث کے جو طرق راجح تھے ان

ہی طرق سے حضرات شیخین نے اس کو لیا ہے اور اس کے متن میں جو ادب و اضطراب بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں محدثین نے اس طریق کو جس میں کرار الارض بالدرہم والدنانیر سے منع وارد ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے قال الحافظ فی الفتح واما ما رواہ الترمذی عن طریق مجاہد عن رافع بن خدیج فی الہنی عن کرار الارض ببعض خراجہا او بدرہم فقد اعلم النسائی بان مجاہد المسموع من رافع، قال الحافظ ابو بکر بن عیاش فی حفظہ مقال، وقد رواہ ابو عوانہ و هو احفظ منہ عن شیخہ فیہ فلم یذكر الدرہم اہ

قال زید بن ثابت یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحديث الخ۔

زید بن ثابت ثابت رافع بن خدیج کی روایت پر نقد فرما رہے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی، زید بن ثابت فرما رہے ہیں اس حدیث سے میں رافع بن خدیج سے زیادہ واقف ہوں اصل بات یہ ہے کہ دو شخص جنہوں نے آپس میں مزارعت کا معاملہ کیا تھا (اس میں انہوں نے کوئی ناجائز والی شکل اختیار کی ہوگی، شرط فاسد وغیرہ) وہ آپ کی خدمت میں جھگڑتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا حال یہ ہے تو پھر مزارعت کا معاملہ مت کیا کرو یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ ایسی مزارعت جو مفضی الی النزاع ہو فسمع قول لا تنکروا المزارع یعنی رافع بن خدیج نے بغیر سیاق و سباق میں غور کئے لا تنکروا المزارع حدیث کا صرف یہ ٹکڑا سنا اور اسی کو روایت کرتے رہے

عن سعد قال کنا نکری الارض بما علی السواقی من الزروع وما سعد بالعام منها۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے اس پیداوار کے بدلہ میں جو پانی کی نالیوں کے آس پاس کھیتی ہوتی ہے، اور زمین کے جس حصہ میں سوائی کا پانی خود بخود پہنچ جاتا تھا (یعنی مزارعت بقسمۃ الارض) پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔

## باب فی التشدید فی ذلک

ان ابن عمر کان یکری ارضہ حتی بلغہ ان رافع بن خدیج الانصاری الخ



یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانہ سے مزارعت کی تھی یہاں تک کہ آپ کو حضرت رافع بن خدیج کی یہ حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے کراہ الارض سے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رافع بن خدیج سے ملاقات کے لئے گئے کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کراہ الارض کے بارے میں کیا حدیث نقل کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دو چچاؤں سے سنا تھا (قیل اسم العین: ظہیر و مظہر، وقیل ظہیر و مہیر) جو ہمارے گھر والوں سے بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کراہ الارض سے منع فرمایا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا واللہ ہم تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں زمین اس طرح کرایہ پر دی جاتی تھی شرخشی عبد اللہ یعنی شروع میں تو ابن عمر نے یہی فرمایا لیکن پھر بعد میں ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر میں اس سے منع فرمادیا ہو جس کی مجھے خبر نہ ہوئی ہو لہذا انہوں نے مزارعت کو احتیاطاً ترک کر دیا۔

ولا یکاریہا ثلث ولا بربع ولا بطعام مسمی۔

**امام مالک کے مسلک کی تائید** | اس حدیث سے امام مالک کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ زمین کو طعام مسمی کے بدلہ میں نہ دینا چاہیئے، جمہور کی طرف سے اسکا جواب ہو سکتا ہے کہ طعام مسمی سے مراد غلہ کی مقدار معین پانچ بوری یا دس بوری مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ غلہ مراد ہے ماعلی السواقی والمادیات جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

قال سعید أفقر أخاك أو أكره بالدرهم، کرایہ پر دینا، سعید بن المسیب فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو زمین ویسے ہی مفت عاریۃ دیدے یا درہم کے بدلہ میں، یعنی بٹائی پر مت دے۔  
نہی عن المحاقلة والمزابنة، محاقلة کہتے ہیں بیع الزرع بالمخطة۔ کو یعنی کھڑی کھیتی کا تبادلہ اس کا اندازہ لگا کر تیار شدہ غلہ سے کرنا، یا اس سے مراد بیع الزرع فی سنیلہ قبل بدو الصلاح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مزارعت بالثلث و نخم ہے۔

## باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها

من زرع فی ارض قوم بغیر اذنہم فلیس لہ من الزرع شیء ولہ نفقۃ، یعنی جو شخص دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کرے تو زارع کے لئے اس کھیتی میں سے کچھ نہیں ہے، یعنی ساری کھیتی صاحب ارض کی ہوگی ولہ نفقۃ اور اس کھیتی کرنے والے کے لئے جو کچھ اس کا خرچہ اور محنت ہوئی ہے اس کیلئے وہ ہوگا یہ حدیث مسلک جمہور کے خلاف ہے اس لئے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ایسی صورت میں کھیتی مالک ارض کے لئے ہوگی اور مزارع کے لئے مطلقاً نہ ہوگی حالانکہ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ الزرع

صاحب البذر مطلقاً وللآخر كراء الارض او اجر الخدمۃ. یعنی اس صورت میں کھیتی اس شخص کے لئے ہوگی جس کا بیج ہوگا خواہ وہ مالک ارض ہو یا کاشتکار، اور دوسرے کیلئے اگر وہ مالک ارض ہے تو کراء الارض ہوگا اور اگر کاشتکار ہے تو اس کے لئے محنت مزدوری کی اجرت ہوگی، لیکن ظاہر یہ ہے کہ جب بغیر مالک کی اجازت کے کھیتی کر رہا ہے تو بیج وہ کاشتکار اپنے ہی پاس سے ڈالے گا اور ایسی صورت میں فقہار کا فیصلہ یہ ہے کہ کھیتی۔ کاشتکار کیلئے ہوگی حالانکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ مالک ارض کے لئے ہوگی، اس کا محدثانہ جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث عند المحدثین غیر ثابت ہے کما قال الخطابی، اور یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں جو یہ حکم مذکور ہے اس صورت میں ہے جب بیج بھی مالک ارض کا ہو، یعنی حدیث عام نہیں بلکہ ایک خاص صورت پر محمول ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی المخابرة

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المزاہنة والمحاولة والمخابرة..... وعن الثنیا۔ مزاہنة کے معنی مستقل باب میں گذر چکے اور محاولة کے معنی ابھی گزرے ہیں، مخابرة سے مراد وہی مزارعت اور بٹائی پر زمین دینا ہے، یہ لفظ خیر سے بنا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مخابرة اور مزارعت میں فرق ہے وہ یہ کہ مزارعت میں بذر مالک ارض کی طرف سے ہوتا ہے بخلاف مخابرة کے کہ اس میں کسان کی طرف سے ہوتا ہے وقیل غیر ذلک۔  
وعن الثنیا، ثنیا بمعنی استنار اور مراد اس سے استنار مجہول ہے کہ بیع وغیرہ میں استنار مجہول مضر اور ناجائز ہے اسی لئے آگے دوسری روایت میں آرہا ہے الا ان لعلم یعنی معلوم ہو تو کچھ حرج نہیں جیسے کوئی پھلوں کی بیع کے وقت میں اپنے باغ کا معاملہ کرتے وقت یوں کہے، مگر پانچ درخت، اور یہ تعین نہ کرے کون سے پانچ درخت یا یوں کہے مگر چند درخت، یہ استنار مجہول ہے بیع فاسد ہو جائے گی۔

من لعیز المخابرة فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ، یعنی جو شخص مخابرة کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں اور وہ اتنا جری ہے تو اس کو چاہیے کہ اعلان کرے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا بطور وعید کہا جا رہا ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھ جائے، کما فی قولہ تعالیٰ، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ، کہ اگر تم نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ جنگ کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے، اور صاحب عون المعبود نے اس کو بصیغہ مجہول ضبط کیا ہے ای یخبر وبالفارسیۃ، آگاہ کردہ شود، یعنی ایسے شخص کو آگاہ کر دیا جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ سے، یعنی وہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کر رہا ہے، یا یہ کہ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے ساتھ جنگ ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم، اور بذیل میں لکھا ہے کہ مخابرة چونکہ عقد فاسد ہے جو کہ ربا کے حکم میں ہے اور اللہ تعالیٰ

نے عدم ترکِ ربا پر قرآن کریم میں یہ وعید فرمائی ہے یا یہاں الذین آمنوا اتقوا اللہ وذرُوا ما بقی من الربا ان کنتم مؤمنین، فان لم تفعلوا فاذنوبکم من اللہ ورسولہ۔ اہلذا مخا برہ نہ چھوڑنے والا بھی اسی وعید کا مستحق ہے۔

## باب فی المساقاة

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عامل اہل خیبر بشرط ما یشترک من شرا و زرع۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ خود مزارعت کے قائل تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں گذر چکا ایسے ہی وہ مساقات کے جواز کے بھی قائل تھے جیسا کہ وہ اس حدیث مرفوعہ میں روایت کر رہے ہیں، اس حدیث میں مزارعت اور مساقات دونوں کا ذکر ہے۔

آپ کا معاملہ یہود خیبر کیسا تھا؟ مزارعت کا تھا یا خراج کا؟ حضرت گنگوہی کی تقریر الکوکب الدری میں باب ما جاز فی المزارعہ میں یہ تحریر ہے جاننا چاہیے کہ اکثر اراضی خیبر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنۃ فتح فرمایا تھا، اور پھر اس طرح کی زمینوں کو بعد از خراج الخمس غنائم کے

درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا (جس کے صحابہ کرام مالک ہو گئے تھے) مگر پھر یہ ہوا کہ یہود کو عمل کے لئے وہیں برقرار رکھا گیا لہذا یہ معاملہ مزارعت کا ہوا اور جو اراضی خیبر صلح فتح کی گئی تھیں (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بجائے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کرنے کے) گویا یہود ہی کو ہبہ کر دی تھیں (وقتی طور پر) اور ان پر خراج مقاسمت مقرر فرما دیا تھا، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے کا استقرار اس پر ہوا کہ یہ سب کا سب معاملہ خراج مقاسمت ہی کا تھا اس میں صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی اور انہوں نے اس بارے میں تفصیل کو ثابت کیا (یعنی یہ کہ بعض زمینوں کا معاملہ یہود کے ساتھ بطور مزارعت کے تھا اور بعض کا بطریق خراج مقاسمت) پھر حضرت فرماتے ہیں اور صحیح بھی یہی تفصیل ہے جس کو صاحبین نے اختیار کیا (اب یہ کہ پھر بعض روایات میں آپ نے مزارعت سے کیوں نہیں فرمائی اس کے بارے میں حضرت فرما رہے ہیں کہ) ان احادیث میں مزارعت سے یہ نہیں بعض شروط فاسدہ کے اقرار کیونکہ ہے اور یا نہیں تنزیہی ہے مہاجرین کے افلاس کیوجہ سے اس وقت میں اہل حضرت کی اس تحریر کا حاصل یہ ہے کہ صاحبین جو جواز مزارعت کے قائل ہیں ان کا استدلال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہود کے ساتھ اس معاملہ سے ہے۔ کیونکہ صاحبین کی تحقیق میں یہ معاملہ مزارعت ہی کا تھا لہذا دلیل جواز ہوا، اور حضرت امام اعظم جو جواز مزارعت کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس معاملہ یہود کو خراج پر محمول کیا ہے نہ کہ مزارعت پر۔

فلما کان حین یصرم النخل بعث الیہم عبد اللہ بن رواحۃ فحزور (بتقدیر الزای علی الرءاء) علیہم

النخل وهو الذی یسمیہ اہل المدینۃ العنصر الخ۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کر لیا اور مسلمان ارض خیبر کے مالک ہو گئے تو یہود خیبر نے آپ سے یہ درخواست کی کہ کاشتکاری کو ہم آپ لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں لہذا یہ باغات اور زمینیں ہمارے حوالہ کر دیجئے اس طور پر کہ آدھا پھل اور آدھا غلہ ہمارے لئے اور نصف آپ کے لئے ہوگا، آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمائی (مگر چونکہ یہود غیر اُمنار تھے دیانت دار نہیں تھے اسلئے آپ یہ تدبیر فرماتے تھے کہ) جب پھل توڑنے کا زمانہ قریب آتا تو آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خرص یعنی باغوں کے پھلوں کا صحیح اندازہ لگانے میں ماہر تھے آپ ان کو بھیجتے یہود کے ان باغات میں حزر یعنی خرص کے لئے تو وہ درختوں کی جالیج کرنے کے بعد پھلوں کی مقدار متعین فرماتے کہ اس باغ میں اتنا ہے اور اُس باغ میں اتنا ہے، لہذا اسی مقدار کے مطابق تم کو دینا ہوگا تو یہود ان سے کہتے اکثرت علینا یا ابن رواحہ کہ تم نے تو بہت بڑی مقدار متعین کر دی تو وہ اس پر فرماتے فانا ابی حزر النخل یہ ابی واحد تکلم کا صیغہ ہے وَلَیْ نَلِیْ وَلِیْنَا سَے جس کے معنی ذمہ داری لینے کے ہیں، اور حزر یہاں محزور کے معنی میں ہے، یعنی پھلوں کی جو مقدار میں نے بیان کی ہے میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں، یعنی تم پھلوں کو چھوڑ کر ان کے تیار ہونے کے بعد علیحدہ ہو جانا میں اس معینہ مقدار کا نصف تم کو دیدیگا تو اس پر وہ کہتے کہ نہیں، نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک ہی ہے اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہے ہم اس مقدار پر راضی ہیں جو تم نے بیان کی۔

باسنادہ ومعناہ قال فحزر مصنف لفظ حدیث میں رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں پہلی سند میں عمر بن ایوب تھے ان کی روایت میں فحزر علیہم تھا یعنی زاک تقدیم کیساتھ رار پر اور صحیح بھی وہی ہے، اور اس دوسری روایت کے راوی زید بن ابی الزرقاء ہیں انہوں نے بجائے حزر کے حزر کہا، قال النووی وفی بعض الروایات بتقدیم الرار وهو مصحف (بذل) والحدیث اخرها ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الخرص

خرص کا باب کتاب الزکاۃ میں بھی گذر چکا خرص کی تعریف اور اس سے متعلق جملہ مباحث و اختلافات وہاں گذر چکے ہیں، یہاں اس باب سے پہلے دو باب گذر چکے باب المزارعت اور باب المساقات، مزارعت اور مساقات دونوں کا حکم بھی گذر چکا مزارعت کا جواز مختلف فیہ ہے اور مساقات تقریباً تمام علماء کے نزدیک جائز ہے سوائے امام اعظم کے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کیساتھ یہ دونوں معاملے فرمائے ہیں مزارعت کا بھی اور مساقات کا بھی، یہ تیسرا باب جو خرص کے بارے میں ہے اس کو مصنف نے یہاں اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو

خیر بھی کرتے تھے ان باغات کا خرص کرنے کے لئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے یہود خیر کو بطریق مساوات دے رکھے تھے۔

عدم جواز النحرص في المزارعة وكذا في المساقاة  
وجوازها في الزكوة عند الجمهور دون الحنفية

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ کتاب الزکاة کے باب النحرص میں یہ مسئلہ  
گزر چکا ہے ان النحرص لا يجوز في المحبوب بالاجماع، اور حافظ  
ابن عبد البر نے کافی التعلیق الممحر۔ اس بات کی تصریح کی ہے

کہ خرص فی المساقات کسی کے نزدیک جائز نہیں اب اس پر اشکال ہوا کہ جب خرص فی المساقاة ناجائز ہے تو پھر عبد اللہ بن رواحہ کو بھیج کر خرص کیوں کرایا جاتا تھا؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہ خرص ایک خارجی مصالحت کیلئے تھا (الزام حکم کے لئے نہیں تھا) کیونکہ یہودی غیر اُمتار تھے اس لئے ان کو صحیح مقدار سے آگاہ کیا جاتا تھا تاکہ زکاة یعنی عشر کے مسئلہ میں نقصان اور غلط واقع نہ ہو، چنانچہ حضرت عائشہ اس خرص کے بارے میں فرما رہی ہیں لکی تحصی الزکاة قبل ان توکل الشمار وتفروق، البتہ عشر جو مسلمانوں کے باغات میں ان پر واجب ہوتا ہے اس میں جواز خرص بلکہ وجوب خرص کے شافعیہ وغیرہ حضرات قائل ہیں، اور حنفیہ جو خرص فی الزکاة کے قائل ہی نہیں انکے دلائل کتاب الزکاة میں جہور کی دلیل کیساتھ گزر گئے ہیں فارحح الیہ لوشمت۔

انہ سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول خروصہا بن رواحۃ اربعین الف وسق الخ۔  
یعنی ایک مرتبہ عبد اللہ بن رواحہ نے ان باغات کا خروص کرنے کے بعد جو مقدار متعین کی تھی وہ چالیس ہزار وسق تھی جس  
کے نصف یعنی بیس ہزار وسق دینے کی ذمہ داری یہود نے قبول کی تھی، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے چالیس ہزار  
وسق کے حساب لگا کر دیکھتے کہتے وسق بنتے ہیں ہمارے حساب سے تو جو بیس لاکھ صاع بنتے ہیں جس کا نصف  
یقیناً مسلمانوں کو ملا ہوگا حسب معاہدہ، اسی لئے کہتے ہیں کہ فتوحات خیبر کے بعد تو مسلمان مالدار ہو گئے تھے۔

# کتاب الاجارة

امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں کتاب السلم کا باب قائم کیا ہے اس کے بعد کتاب الشفۃ مستقل ہے

لہ دعبارة اخرى اس کو اس طرح سمجھئے کہ یہ خرص مساقین کے حصوں کی تقسیم کیلئے نہیں تھا۔ یعنی اصل معاملہ سے اسکا تعلق نہ تھا بلکہ زکاۃ یعنی عشر جو درختوں کی کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے اس کو محفوظ و معین کرنے کیلئے تھا۔ پھلوں کے پکنے اور تیار ہونے سے پہلے اور یہود کے اسمیں تصرف کرنے سے پہلے تاکہ مقدار عشر میں کوئی کمی نہ آئے، مثلاً خرص کے بعد فارص نے کہا کہ اس باغ میں سو دس سو تمر ہیں لہذا اس مقدار میں سے عشر یعنی دس دس زکاۃ کے نام سے وصول کیا جائیگا اسکے بعد بوقت ہر مہ نخل مساقین کے حصے حسب ضابطہ کیلا ہی تقسیم کئے جائیں گے۔ اس وقت فارص کے خرص کو پیش نظر نہیں رکھا جائیگا، وھذا معنی قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تخصی الزکاۃ قبل ان توکل الثمار وتفرق، واللہ تعالیٰ اعلم۔



اس کے بعد کتاب الاجارۃ، اور انہوں نے کتاب الاجارہ کے تحت تمام ابواب اجارہ ہی سے متعلق ذکر کئے ہیں، اور امام ابو داؤد نے کتاب البیوع ہی کے درمیان کتاب الاجارہ کا عنوان قائم کر کے اور اس کے بعد پھر چند ابواب اجارہ سے متعلق ذکر کر کے بقیہ ابواب البیوع جن میں بیع السلم اور شفیعہ بھی داخل ہے ان کو ذکر کیا۔

جاننا چاہیے کہ تملیک کی دو قسمیں ہیں تملیک الاعیان و تملیک المنافع، اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں بعوض و بلاعوض، اس طرح یہ چار صورتیں ہوجاتی ہیں، تملیک العین بالبعوض بیع ہے اور تملیک العین بلاعوض یہ ہبہ ہے، اور تملیک المنافع اگر بالبعوض ہے تو وہ اجارہ ہے، اور اگر بلاعوض ہے تو وہ عاریۃ اور عارہ ہے۔

## باب فی کسب المعلم

استیجار علی الطاعات میں اختلاف ائمہ | علوم دینیہ کی تعلیم کے ذریعہ کسب اور کمائی یہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے حدیث الباب سے جس کا مضمون آگے آ رہا ہے حنفیہ و حنابلہ کے مسلک یعنی عدم جواز کی تائید ہوتی ہے، مصنف بھی علی القول الا شہر۔ صنبلی ہیں، استیجار علی الطاعت کا مسئلہ ابواب الاذان و اتخذ مؤذنا لایاخذ علی اذانه اجراء الحدیث کے تحت الدر المنضود جداول میں گزر چکا ہے، اور ایسے ہی کتاب النکاح زوجتک بما معک من القرآن کے تحت بھی۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال علمت ناساً من اهل السنة القرآن والكتاب فاهدوا الى رجل منهم قوساً الخ۔

حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ میں نے چند اہل صفہ کو قرآن سکھلایا اور کتابت یعنی لکھنا، تو ان میں سے ایک شخص مجھ کو ایک کمان ہدیہ کرنے لگا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کوئی ایسا مال تو ہے نہیں یعنی جس کو اجرت کہا جاسکے دوسرے یہ کہ میں اس کو جہاد ہی میں استعمال کروں گا (کسی اپنی ذاتی ضرورت میں نہیں) لیکن پھر بھی میں نے یہ ارادہ کیا کہ بغیر حضور سے دریافت کئے نہیں لوں گا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں گیا اور اس کمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان كنت تحب ان تطوق طوقاً من نار فاقبلها کہ اگر تو اس کی وجہ سے آگ کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند کرتا ہو تو یہ ہدیہ قبول کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں امام خطابی نے اخذ الاجرة علی تعلیم القرآن میں علماء کے تین مذاہب لکھے ہیں ایک مطلقاً عدم جواز، وقال الیہ ذہب الزہری والوصیفة واسحاق بن راہویہ، دوسرا مذہب یہ کہ اگر بغیر شرط کے کوئی معاوضہ دے تو اس کے قبول میں کچھ حرج نہیں وهو قول الحسن البصری وابن سیرین والشافعی، اور تیسرا مذہب مطلقاً جواز وهو مذہب عطاء و مالک والشافعی، اور شافعیہ کی دلیل زوجتک بما معک من القرآن بیان کی۔



**توجیہ الحدیث عن الشافعیہ** | اور حدیث الباب کا جواب شافعیہ کی طرف سے انہوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبادہ نے تعلیم کی ابتداء کے وقت تبرع اور احتساب کی نیت کی تھی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس نیت احتساب کے بعد اجرت لینے سے منع کیا ابطال اجرت سے بچنے کے لئے، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا گم شدہ مال تلاش کر کے دے یا اگر کسی کا مال جو دریا میں غرق ہو گیا تھا اس کو حسبہ و تبرعاً دریا سے نکال کر دے تو اس نیت کے بعد اس کا اجرت لینا جائز نہیں، لیکن اگر وہ عمل سے پہلے اس کام پر اجرت مقرر کرے تب لینا جائز ہے۔ الی آخر یاد کر۔ اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ اس حدیث میں اس قدر شدید وعید کا منشاء شاید یہ ہو کہ یہاں معلم اور متعلم نے آپس میں اجرت کی شرط لگائی ہو یا یہ کہ اجرت لینا منوی ہو، اسی لئے آپ نے اپنے صحابہ کے لئے اس کو پسند نہیں فرمایا اگرچہ مجرد نیت حرام نہ تھی۔ الی آخر باسٹ۔ (من المہذل مختصراً) والحدیث آخر جہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی کسب الاطباء

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رھطاً من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انطلقوا فی سفر لا سا فروھا الخ۔

**مضمون حدیث** | یہ ہے کہ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کسی سفر میں جا رہی تھی راستہ میں کسی جگہ عربوں میں وہ جماعت اتری اور وہاں کے دستور کے موافق چھاڑ پھونک کا ایک قصہ ان سے ضیافت طلب کی، وہ ضیافت کے لئے تیار نہ ہوئے، اتفاق سے اس قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا جس کا انہوں نے ہر طرح علاج کر کے دیکھا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، ان کا آپس میں مشورہ ہوا کہ یہ جو مسافروں کا قافلہ آیا ہوا ہے ان کے پاس جانا چاہیے شاید ان کے پاس اس کا علاج ہو چناںچہ وہ ان صحابہ کے پاس آئے اور چھاڑ پھونک کی درخواست کی، ان میں سے ایک صحابی نے فرمایا کہ میرے پاس اس کا رقیہ ہے لیکن ہم بغیر اجرت کے علاج نہیں کریں گے جیسا کہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی، فجعلوا لہ قطعاً من الشاء یعنی انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ دینا طے کر دیا، اس سے مراد تیس بکریاں ہیں جیسا کہ اُس روایت میں ہے جس کو مصنف نے کتاب الطب میں باب کیف الرقی میں ذکر کی ہے فقدا عاد المصنف ہذا الحدیث ہناک اور کہا گیا ہے کہ یہ جماعت بھی تیس نفر کی تھی، یہ صحابی اس شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرتے رہے اور لعاب گراتے رہے یہاں تک کہ وہ سیّد لدیخ بالکل تندرست ہو گیا، جیسے جانور کو رسی سے کھول دیا جاتا ہے اور ان لوگوں نے ان حضرات کو حسب وعدہ ان کا وہ جعل یعنی عوض دیدیا، وہ ساتھی آپس میں کہنے لگے کہ ان بکریوں

کو تقسیم کر لیا جائے، لیکن اصل راقی نے یہ کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہم نہ پہنچ جائیں اور آپ سے معلوم نہ کر لیں اس وقت تک نہیں، پھر حضور کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے اظہار مسرت فرمایا اور پوچھا کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ سورہ فاتحہ رقیہ ہے اور ان صحابہ کی مزید تسلی کے لئے فرمایا کہ اپنے ساتھ اس میں میرا بھی حصہ لگانا۔

**دوسرا قصہ** | اس کے بعد مصنف نے اسی قسم کی ایک دوسری حدیث جس کے راوی عم فارہ ہیں ذکر فرمائی جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کسی سفر میں جا رہے تھے راستہ میں کسی بستی میں لوگوں نے ان کو روک کر پوچھا کہ تم ایسے بزرگ شخص کے پاس سے آرہے ہو یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے، ہمارا ایک مریض ہے معتوہ یعنی مجنون جو زنجیروں میں بندھا ہوا ہے اس پر دم کر دیجئے انہوں نے تین دن تک صبح شام سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا، ہر مرتبہ پھونکتے وقت اس پر لعاب بھی گراتے تھے چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا فاعطوہ شیئا یعنی ان لوگوں نے ان صحابی کو ہدیہ کچھ پیش کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو بکریاں تھیں جیسا کہ خود ابو داؤد ہی میں یہ حدیث کتاب الاطعمہ کے اخیر میں آرہی ہے وہاں پر اس عدد کی تصریح ہے، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے ان کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔ اور فرمایا اُکلی فاعطوہ لمن اکل برقیۃ باطل (اس کی جزا محذوف ہے فعلیہ وبالہ) یعنی آپ نے فرمایا کہ تو اس کو کیسا سکتا ہے اور قسم ہے میری جان کی جو شخص باطل رقیہ کے ذریعہ سے کھائے اس پر وبال ہے اُس کا تو تو یہ برحق رقیہ کے ذریعہ سے کھا رہا ہے اس میں کیا حرج ہے۔

**استنباط المصنف بحديث الباب** | مصنف نے تعلیم قرآن پر اجرت کے عدم جواز کو جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے حضرت عبادہ کی حدیث سے ثابت کیا ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلہا، اور اُس پر ترجمہ قائم کیا کسب المعلم، اور ابو سعید خدری، اسی طرح عم فارہ کی حدیث جن سے جواز مجعل ثابت ہوتا ہے اس پر ترجمہ قائم کیا باب فی کسب الاطباء، انہوں نے اس دوسرے واقعہ کو علاج و معالجہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے ذریعہ سے اجرت طیب کے جواز کو ثابت کیا، جو بالاتفاق جائز ہے، امام ابو داؤد نے یہاں پر بڑی نقاہت کا ثبوت دیا، احادیث پر کتب احادیث میں جو عنوان و تراجم قائم کئے جاتے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ مشہور ہے، فقہ المحدث فی تراجمہ، جیسا کہ ایک یہ جملہ بھی مشہور ہے، فقہ البخاری فی تراجمہ، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ابو سعید خدری پر ترجمہ قائم فرمایا ہے، باب ما جاء فی اخذ الاجر علی التقوید، انہوں نے بھی اس حدیث کو مصنف کی طرح رقیہ اور علاج معالجہ پر ہی محمول کیا، لیکن وہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں و رخص الشافعی للمعلم ان یاخذ علی تعلیم القرآن اجرا ویری لہ ان یشترط علی ذلک

واجب بہذا الحدیث، اور امام البوارق نے حدیث عباد اور حدیث ابو سعید خدری جن کے مضمون میں بظاہر تعارض ہے دونوں پر یکے بعد دیگرے الگ الگ ترجمہ قائم کر کے صحیح صورت حال کو واضح فرمادیا ہے کہ حدیث عبادہ کا تعلق تعلیم قرآن سے ہے اور حدیث ابی سعید خدری کا محل علاج و معالجہ اور کسب طیب ہے، قلندر المصنف۔  
والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی کسب الحجام

**ایضاح المسئلۃ** یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک پیشہ حجامت یعنی یہ حرفہ، دوسری اس کی آمدنی، جمہور کے نزدیک دونوں جائز ہیں اور امام احمد اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آزاد آدمی کے حق میں احترام بالحجامت مکروہ ہے یعنی یہ پیشہ اختیار کرنا اور اس کی آمدنی کو اپنے اوپر خرچ کرنا ان کے نزدیک حرام ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ پیشہ اختیار کرے تو اس کی آمدنی کو رقیق اور دواب پر خرچ کرے، اور غلام کے حق میں ان کے نزدیک نہ پیشہ اختیار کرنے میں کچھ حرج ہے اور نہ آمدنی میں، قالہ الحافظ۔

عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال کسب الحجام خبیث۔  
**شرح الحدیث** خبیث کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے حرام و نجس، دوسرے خلاف الطیب یعنی گری ہوئی اور گھٹیا چیز جمہور کے نزدیک یہاں یہی مراد ہے کذا قال القاری، لیکن امام احمد کے نزدیک اگر حجام حر ہو تو پھر اس صورت میں خبیث کے دوسرے معنی ہوں گے یعنی حرام۔  
اگے مصنف نے اس کے بعد دو حدیثیں اور ذکر کی ہیں ان میں بھی غور کیجئے

عن ابن شہاب عن ابن محیصۃ عن ابیہ انہ استاذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی اجارۃ الحجام۔

یعنی حضرت محیصہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے منع کر دیا وہ آپ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہی رہے یہاں تک کہ آپ نے اخیر میں ان سے یہی فرمایا اعلفہ ناضحک و رقیقت کہ اس آمدنی کو جانوروں کو اور غلاموں کو کھلا سکتے ہو۔  
اس حدیث سے حنابلہ کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال احتجم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واعطی الحجام اجرہ ولو علمہ خبیثا لم یعطہ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت

بھی عطا کی۔ آگے ابن عباس اپنا استنباط بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ اجرت حجام کو حرام سمجھتے تو کیوں عطا کرتے، اس حدیث سے جمہور کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس استدلال پر یہ نقد ہو سکتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس حجام سے مراد ابو طیبہ جیسا کہ اس کے بعد کی روایت میں ہے اور وہ حر نہیں تھے بلکہ مملوک تھے، لیکن جمہور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ابو طیبہ مملوک تھے تو اس سے یہ استدلال کہاں درست ہے کہ غیر مملوک کو اجرت دینا جائز نہیں یا اس کے حق میں حرام ہے یہ تو اتفاقی امر ہے کہ جن سے آپ نے پچھنے لگوائے وہ مملوک تھے حر نہ تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن ابن عباس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حجج ابو طیبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فامرہ بصاع من تمر وامراہلہ ان یخففوا عنہ من خراجہ۔

یعنی حضرت ابو طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سینگ کی لگائی تو آپ نے اس کی اجرت میں ان کو ایک صاع تمر دینے کا حکم فرمایا اور ان کے مالکان کو حکم فرمایا کہ اس کی کمائی میں سے جو معینہ مقدار لیتے ہیں اس میں تخفیف کر دیں، ابو طیبہ کا نام بعض نے نافع لکھا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں، یہ مولیٰ الانصار تھے یعنی ان کے غلام چونکہ یہ سینگ لگانا جانتے تھے اس لئے ان کے آقا ان سے یہی کمائی کراتے تھے، اور یومیہ ایک مقدار معین مال کی ان سے لیتے تھے، اس کے بعد باقی ان کا تھا، تو آپ نے ان کے موالی سے یہی بات فرمائی کہ تم نے جو مقدار ان سے لینے کی مقرر کر رکھی ہے اس میں کچھ کمی کر دو۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المنذری۔

## باب فی کسب الاماء

منہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن کسب الاماء۔  
زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی باندیوں سے حرام کمائی کرایا کرتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک یہ کوئی عار کی بات نہیں تھی، یہی نہیں بلکہ زنا کے ذریعہ نسب بھی ثابت مانتے تھے جیسا کہ کتاب الطلاق میں "باب فی ادعاء ولد الزنا" میں یہ حدیث گزر چکی ہے لا مساعاة فی الاسلام، اسلام نے اگر زنا اور دواعی زنا اور زنا کی کمائی ان سب چیزوں کو حرام قرار دیا، آگے دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے نہانا عن کسب الاماء الا ما عملت بیدھا وقال ہکذا با صابغہ نحو الخبز والغزل والنفس، یعنی باندی کی اس کمائی سے منع کیا ہے جو حرام کاری کے ذریعہ ہو نہ کہ مطلقاً، لہذا اگر دوسرے جائز کاموں کے ذریعہ سے کمائی کرے جیسے کسی کی روٹی پکانی یا سوت کا تنا ایسے ہی روٹی دھتنا، یہ کمائی اس کی جائز ہے، بذل میں لکھا ہے کہ وہ جو شرح وقایہ کے بعض حواشی میں ہے ان اجرة الزانیۃ حلال اس سے مراد اجرة زنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باندی

جو کہ زانیہ بھی ہے اس کے باوجود اگر وہ کسی اور طریقہ سے کسب کرتی ہے تو اس کا وہ کسب جائز ہے جیسا کہ یہاں حدیث الباب میں ہے اھ۔ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری قالہ المنذری۔

## باب فی عَسْبِ الْفَحْلِ

**شرح الحدیث** | فحل یعنی نر جانور مطلقاً فرسا کان او جملاً او تیساً، اور عسب بمعنی مار الحیوان اور اس کا ضرب یعنی جفتی دونوں معنی لکھے ہیں، اور حدیث الباب میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن عَسْبِ الْفَحْلِ، یہاں پر عبارت میں مضاف محذوف ہے یعنی عن کرار عَسْبِ الْفَحْلِ، یعنی نر کی جفتی کی اجرت لینے سے آپ نے منع فرمایا، اور کہا گیا ہے کہ عسب کا اطلاق اجرتِ ضرب پر بھی ہوتا ہے لہذا اس صورت میں حذف مضاف ماننے کی حاجت نہوگی، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کا مذہب یہی ہے کہ نر کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینا حرام ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اس لئے کہ نر کبھی جفتی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا کبھی اس سے علوق یعنی حمل ٹھہرتا ہے کبھی نہیں ٹھہرتا نیز مار الفحل یعنی اس کی متی مال غیر مستقیم ہے، اجرت لینے کی صورت میں گویا اس کی بیع ہے جو فاسد ہے ہاں عاریۃ پر فحل دینا چاہیے یہ مندوب الیہ ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے "من حقها اطراق فحلها" لیکن اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے بایں طور کہ مدت ضرب کو معین کر دیا جائے مثلاً ساعت یا نصف ساعت تو اس پر جو اجرت لی جائیگی وہ ثمن مار کے طور پر نہیں بلکہ آپ نے اپنا جانور دوسرے کے کام کیلئے مدت معینہ کیلئے دیا ہے یہ اس کی اجرت ہے، عند الجمہور اجرت پر دینا تو ممنوع ہے لیکن مستعیر بطور کرامت کے اگر کچھ دے تو اس کا لینا جائز ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری

## باب فی الصائغ

صائغ اور صواغ دونوں لغت میں اور صیاغ بھی واو کو یا سے بدل دیتے ہیں، صیغت کے معنی کسی مادہ کو پگھلا کر اس سے کسی خاص ہیئت پر کوئی چیز بنانا، اور اسی سے ہے صائغ الکحل یعنی زرگر، سونے چاندی کے زیورات بنانے والا، مجمع البحار میں ہے: وفيه واعدت صواغاً من بنی قینقار، وهو صائغ الکحل، من صاغ یصوغ، ومنه اکذب الناس الصواغون، مصنف کی غرض اس ترجمۃ الباب سے حرۃ صیغت کی کراہت کو بیان کرنا ہے جیسا کہ حدیث الباب سے مستفاد ہو رہا ہے۔

عن ابی ماجدۃ قال قطعت من اذن غلام۔ او قطع من اذنی۔

**شرح الحدیث** | ابو ماجدہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی لڑکے کا کان کاٹ دیا، اگے شک راوی ہے کہ یا انہوں نے

یہ کہا تھا کہ میرا کان کاٹ لیا گیا۔ پھر یہ ہوا کہ ہمارے پاس حج کے زمانہ میں ابو بکر تشریف لائے ہم ان کے پاس جمع ہو گئے اور گویا ان کے سامنے اس اذن کا ذکر آیا فرقعنا الی عمر بن الخطاب یعنی حضرت ابو بکر نے ہمارے اس مقدمہ کو حضرت عمر کی خدمت میں بھیج دیا۔ تو حضرت عمر نے واقعہ سن کر فرمایا کہ یہ قصہ تو قصاص کی حد تک پہنچ گیا یعنی یہ فعل موجب قصاص ہے، اور فرمایا کہ میرے پاس حجام کو بلا کر لاؤ تاکہ اس قاطع سے قصاص لیا جائے، راوی کہتا ہے کہ جب حجام کو بلایا گیا (تو حضرت عمر کو ایک حدیث یاد آئی جس پر انہوں نے فرمایا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک موقع پر سنا تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنی خالہ کو ایک غلام بہہ کیا تھا اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی کہ میری خالہ کے لئے اس میں خیر و برکت ہوگی اور میں نے خالہ کو دیتے وقت ان سے یہ کہا تھا کہ اس لڑکے کو حجام یا صانع یا قصاص کے حوالہ مت کرنا، یعنی ان پیشوں میں سے کوئی سا پیشہ سکھانے کیلئے، اور مجمع البحار سے صواغین کے بارے میں اکذب الناس ہونا گذر چکا، علماء نے لکھا ہے کہ صانع کی مذمت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ زیور رات بنانے میں کھوٹ ملا تا ہے، نیز ان کے کلام میں ٹال مٹول اور جھوٹے وعدے بہت پائے جلتے ہیں، اور حجام اور قصاص کی کراہت اس نجاست کی وجہ سے ہے جس سے ان کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

### باب فی العبد یباع ولہ مال

من باع عبداً ولہ مال فمالہ للبائع الا ان یشرطہ المبتاع ومن باع نخلًا مؤثراً فالشجرة

للبائع الا ان یشرط المبتاع۔

**شرح الحدیث مع استنباط المسئلۃ** | یعنی جو شخص اپنے ایسے غلام کو فروخت کرے جس کے لئے مال ہو تو وہ مال مالک یعنی بائع کا ہوگا مشتری کے لئے نہ ہوگا، الا یہ کہ مشتری شرط لگائے اس مال کی بھی، ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عبد بھی کسی مال کا مالک ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک عبد کے اندر مالک بننے کی صلاحیت نہیں لہذا حدیث میں مال کی اضافت عبد کی طرف مجاز ہے یعنی اس کے پاس جو مال ہے گو اس کا نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے غلام کو کسی مال کا مالک بنا دے تو وہ مالک ہو جائے گا اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے، اس اختلاف پر شرح نے بطور ثمرہ اختلاف کے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک غلام کے لئے تشری جائز نہیں یعنی وطنی بملک الیمین، اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے، دوسرا مسئلہ اس حدیث میں

لہ تشری، تشری سے ماخوذ ہے، تشری اس باندی کو کہتے ہیں جس کو آدمی وطنی کے لئے رکھے ۱۲



بیع نخل کا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے نخل یعنی کھجور کے درخت کو تابیر کے بعد فروخت کیا ہے تو اس صورت میں پھل درختوں کے تابع نہ ہوگا بلکہ بائع کے لئے ہوگا الا یہ کہ مشتری صراحتہ شرط لگائے تو پھر مشتری ہی کے لئے ہوگا یعنی بیع میں داخل ہو جائے گا، جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اس حدیث میں، مؤبراً کی قید کا اعتبار کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ یہ حکم نخل مؤبر کا ہے اور اگر نخل غیر مؤبر ہو تو اس صورت میں غیر بائع کے لئے نہ ہوگا بلکہ درختوں کے تابع ہو کر مشتری کے لئے ہی ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، ان کے نزدیک قبل التابیر اور بعد التابیر دونوں صورتوں میں ثمر بائع کے لئے ہوگا، اور یہاں ایک تیسرا مذہب بھی ہے وہ یہ کہ ثمر دونوں صورتوں میں مشتری کے لئے ہوگا، اس کی طرف گئے ہیں ابن ابی لیلیٰ، جمہور کا استدلال بطریق مفہوم مخالف ہے اور حنفیہ چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے اسلئے انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا، وہ یہ کہتے ہیں ثمر مستقل چیز ہے اور درخت مستقل۔

عن نافع عن ابن عمر عن عمرو بن عبد الرحمن عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بقصة العبد، وعن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بقصة النخل۔

مصنف رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، اس حدیث کا پہلا طریق سالم عن ابن عمر ہے اور یہ دوسرا طریق نافع عن ابن عمر ہے، سالم سے روایت کرنے والے زہری ہیں، اور نافع سے روایت کرنے والے مالک، تو یہاں پر سالم اور نافع کا اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ سالم نے حدیث کے دونوں جزو بیع نخل اور بیع عبد ان دونوں کو اپنے باپ ابن عمر سے روایت کیا، اور نافع نے بیع النخل کو تو ابن عمر سے روایت کیا، اور بیع العبد کو عن ابن عمر عن عمر روایت کیا، یعنی ایک جزو کاراوی عمر کو قرار دیا اور ایک جزو کاراوی ابن عمر کو بخلاف سالم کے کہ انہوں نے دونوں جزو کو ابن عمر ہی سے روایت کیا۔

بعض نسخوں میں ایک عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک چار حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں زہری اور نافع کا اختلاف ہے ان چار میں کی ایک یہ بھی ہے، یاد پڑتا ہے کہ رفع یدین کی بحث میں ابن عمر کی حدیث کے ذیل میں یہ گزر رہا ہے کہ سالم و نافع کا چار حدیثوں کے اندر رفع اور وقف میں اختلاف ہے مجملہ ان کے ایک رفع یدین والی حدیث بھی ہے جس کو سالم نے مرفوعاً اور نافع نے موقوفاً روایت کیا ہے۔

حدیث سالم اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذرى۔

### باب فی التلقی

مسئلہ الباب کی تشریح مع اختلاف ائمہ | تلقی سے مراد تلقی الجلب ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے ہنی عن تلقی الجلب، جلب مصدر بمعنی مجلوب یعنی وہ سامان جس کو دیہاتی

دیہات سے شہر میں فروخت اور تجارت کے لئے لارے ہوں اور تلقی بمعنی استقبال، لہذا مطلب یہ ہوا کہ جو مال دیہاتی دیہات سے شہر میں منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لارے ہوں، اگر کوئی شہری اس آنے والے قافلہ کا استقبال اس کے شہر میں پہنچنے سے پہلے کرے اور اس سامان کو وہیں راستہ ہی میں خرید لے منڈی تک اسکو پہنچنے نہ دے تو آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، جمہور کے نزدیک تلقی رکبان مطلقاً ممنوع ہے اس میں اختلاف ہے کہ حرام ہے یا مکروہ، اور ابن المنذر نے حنفیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بلا کر اہت جائز ہے مگر اس پر حافظ نے تعقب کرتے ہوئے کہا کہ کتبہ حنفیہ میں تو یہ ہے کہ تلقی دو صورتوں میں مکروہ ہے، ایک یہ کہ اہل بلد کو اس سے ضرر لاحق ہوتا ہو، یا یہ کہ اس شہری کی طرف سے تلبیس سرپا یا جائے، یعنی وہ غلط بیانی سے کام لے اور اس قافلہ سے بازار کا صحیح بھاؤ نہ بتائے بلکہ اس سے کم کر کے بتائے اھ حافظ نے صحیح کہا کہ حنفیہ کے نزدیک تو تلقی مطلقاً مباح ہے اور نہ مطلقاً مکروہ ہے کما عند الجمہور بلکہ ان ہی دو صورتوں میں کراہت ہے ورنہ نہیں کما فی البذل عن الہدایۃ وابن الہمام۔

فان تلقاہ متلقی مشترک فاشترک فاصحاب السلعة بالخیار اذا وردت السوق۔ یعنی اگر کوئی شخص اس آنے والے قافلہ سے کوئی شے خرید لے تو شہر میں پہنچنے کے بعد صاحب سلعہ یعنی بائع کو رجوع عن البیع کا اختیار ہوتا ہے، اس خیار رجوع کے اکثر علما قائل نہیں الا الشافعی فانہ اثبت الخیار للبائع قولاً بظاہر الحدیث قالہ الخطابی باب کی پہلی حدیث میں لا یبیع بعضکم علی بیع بعض مذکور ہے اس کے بارے میں سفیان کا کلام مصنف نقل کر رہے ہیں قال ابو داؤد قال سفیان الخ یعنی بیع علی بیع اخیہ جس کی حدیث میں ممانعت ہے سفیان اسکی تفسیر کر رہے ہیں۔ بیع علی بیع اخیہ کی شرح کہ دو شخص جو آپس میں خرید و فروخت کی بات کر رہے تھے تو درمیان ہی میں تیسرا شخص یہ کہے مشتری سے کہ میں اس ثمن میں یہ چیز اس سے بڑھیا تجھے دے سکتا ہوں لیکن یہ کراہت اس وقت میں ہے جب اصل بائع و مشتری کا بھاؤ کرنے کے بعد کسی مقدار ثمن پر استقرار ہو گیا ہو، اور جب تک استقرار نہ ہو بلکہ کمی زیادتی کی بات چل رہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ بیع علی بیع اخیہ جو حدیث میں آتا ہے اس کی شرح بالتفصیل کتاب النکاح میں لایخطب علی خطیۃ اخیہ الحدیث کے ذیل میں گذر چکی ہے فارجع الیہ لوشنت۔ حدیث ابن عمر اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ مختصراً و مطولاً، و حدیث ابی ہریرۃ اخرجہ مسلم و الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی النہی عن النجش

مسئلۃ الباب کی تشریح عند الفقہاء | نجش کا مطلب یہ ہوتا ہے کسی چیز کے خریدار کے سامنے کسی شخص کا اس

لہ النجش بفتحین، وروی النجش بالکون، اصلہ من نجش الصيد و ہوائارہ (مغربی تلفظ) من ہاشم محمد عوامہ، و فی البذل قال النووی النجش لیكون النجش ان یرید فی الثمن لا رغبۃ بل لیحدع غیرہ۔

شئی کی زائد قیمت لگا دینا جبکہ خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے تاکہ وہ خریدار اس چیز کے ثمن میں اضافہ کر دے، اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ لا تناجشوا۔ کیونکہ یہ دھوکہ ہے لیکن بدائع میں یہ لکھا ہے کہ نجش کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ مشتری اس سامان کو مثل ثمن پر خرید رہا ہو یعنی پوری قیمت لگا کر، اور اگر وہ اس چیز کو خریدنا چاہ رہا ہو ثمن مثل سے کم پر پھر اس صورت میں کوئی شخص نجش کرے تاکہ وہ خریدار اس چیز کو ثمن مثل پر خرید لے یعنی بازار میں جو اس شئی کی قیمت ہو تو پھر یہ نجش مکروہ نہیں اگرچہ ناجش کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو (بذل) اور امام نووی فرماتے ہیں کہ نجش بالاجماع حرام ہے اور بیع صحیح ہے اور منعقد ہو جاتی ہے اور گناہ ناجش کے ساتھ خاص ہے اگر یہ نجش بغیر علم بالبع کے ہو، اور اگر دونوں کی موافقت اور سازش سے ہو تو پھر دونوں گناہ گار ہوں گے، اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے نجش کی صورت میں بیع باطل ہے انہوں نے نبی کو مقتضی فساد قرار دیا ہے (عون) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قال المنذری۔

### باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد

حاضر یعنی حضری، شہری، باد بمعنی بدوی و دیہاتی۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یبیع حاضر لباد۔

مسئلہ الباب کی تشریح | آگے روایت میں ہے کہ شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب تو انہوں نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ شہری کو دیہاتی کے لئے دلال نہیں بننا چاہیئے دیہاتی دیہات سے جو مال شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں تو چونکہ شہر میں ان کے قیام کی کوئی جگہ باقاعدہ نہیں ہوتی تو وہ اس شئی کو بستر الیوم فروخت کر کے چلے جاتے ہیں، یعنی اس چیز کا اس روز منڈی میں جو بھی بھاؤ ہوتا ہے اس سے، اور چونکہ منڈی میں اشیاء کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسلئے کوئی شہری اپنے واقف دیہاتی سے یہ کہے کہ تو اپنا یہ سامان میرے پاس رکھ دے جس روز منڈی کا بھاؤ مناسب ہوگا اس وقت میں اس کو تیری طرف سے فروخت کر دوں گا تو اس میں اگرچہ اس دیہاتی کا تو فائدہ ہے لیکن عام لوگوں کا نقصان ہے اسلئے شریعت نے انفرادی فائدہ پر اجتماعی فائدہ کو ترجیح دیتے ہوئے ایسا کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب کی آخری حدیث میں آرا ہے لایبیع حاضر لباد وذروا الناس یرزق اللہ بعضهم من بعض۔ یعنی ان دیہاتیوں کو چھوڑو اور جس طرح وہ معاملہ از خود کریں شہر والوں سے سستیا یا ہنگامی سے بھی ہو کرنے دو، اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچاتا ہے اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ | اب یہ کہ یہ ممانعت کس صورت میں ہے جہور کا مسلک یہ ہے کہ کراہت مطلقاً ہے بشرطیکہ وہ چیز لوگوں کی عام حاجت و ضرورت کی ہو، اور بشرط العلم بالہی، اور

حنفیہ کے نزدیک ایک تو شرط یہی ہے کہ وہ چیز ایسی ہو کہ محتاج الیہ اہل المصر اور دوسرے یہ کہ زمانہ غلاء اور گرانی کا ہو (عندنا مختص بزمن الغلاء وبما محتاج الیہ اہل المصر) تیسرے مذہب اس میں امام بخاری وغیرہ کا ہے کہ یہ کراہت اور نہی اس صورت میں ہے جبکہ وہ شہری یہ کام کچھ اجرت لیکر کرے (کمیشن) والا فلا یکرہ، اسی لئے انہوں نے باب قائم کیا ہے، اہل بیع حاضر لباد بغیر اجر و ہل یعینہ اذینہ، اور پھر تعلیقاً یہ حدیث ذکر کی، وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا استصح احدکم افاء فلینصح له، ورفض فیہ عطاء، شرح نے امام بخاری کا مسلک یہی لکھا ہے کہ کراہت اجرت کی صورت میں ہے ورنہ پھر اس میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ وہ تو باب نصیحت سے ہے، ہاں اجرت لینے کی صورت میں نصیحت نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن سالم المکی ان اعرابیاً حدثہ انه قدم بجلوبہ لہ علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فنزل علی طلحة بن عبید اللہ الخ۔

یعنی ایک اعرابی نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں اپنی ایک دودھ دینے والی اونٹنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیہات سے شہر میں لیکر آیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں اترا اور ان کے یہاں اترنے سے اس دیہاتی کا منشاء یہ تھا کہ فوری طور پر اس اونٹنی کو منڈی میں لیجا کر فروخت کرنے کے بجائے ان کے یہاں ٹھہرا رہے اور یہ اپنی صوابدید سے جب اس کو بیچنا مفید سمجھیں بازار میں جا کر فروخت کر آئیں، مگر حضرت طلحہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور فرمایا کہ دیکھ بھائی! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیع الحاضر للبادی سے منع فرمایا ہے لہذا تو خود بازار اس کو لیکر جا پھر جسکے ہاتھ بیچنے کی تیری رائے ہو مجھ سے اگر مشورہ کر لے، اس سے زائد میں نہیں کر سکتا۔

وحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر احادیث الباب اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب من اشترى مصراً فکرها

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال .... ولا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها فان رضىها امسكها وان سخطها ردھا وصاعاً من تمر اور اس کے بعد والے طریق میں یہ ہے فهو بالخيار ثلاثة ايام اور آگے ہے ردھا وصاعاً من طعام لاسمراء اور اس کے بعد والی حدیث ابن عمر میں ہے فان ردھا رد معها مثل او مثلي لبنها تمحاً حدیث المصراة کی شرح اور اس پر کلام من حیث الفقہ اس باب میں ایک مشہور اور اہم اختلافی مسئلہ مذکور ہے مسئلہ بیع المصراة، مصراة اسم مفعول کا صیغہ ہے تقریباً

جنس کے لغوی معنی حبس کے ہیں (روکنا) اور عرف میں کہتے ہیں حبس اللبیس فی الصرع کو، جس کی شرح یہ ہے کہ بعض لوگ جب کسی دودھ والے جانور کو فروخت کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ حرکت کرتے ہیں کہ ارادۃ بیع سے ایک دو دن پہلے اس کا دودھ دو سنا بند کر دیتے ہیں تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے اور پھر جب بوقت بیع مشتری کے سامنے اس کا دودھ نکال کر دکھاتے ہیں تو وہ مشتری سمجھتا ہے کہ یہ جانور بہت دودھ والا ہے اور اس کو یہی سمجھ کر خرید لیتا ہے پھر جب گھرا کر اس کو باندھ دیتا ہے تو ایک آدمہ روز کے بعد اس کے دودھ میں کمی آتی ہے تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس کو بانع کی دھوکہ دہی کا علم ہو جاتا ہے، ایسے جانور کو عرف میں مصراۃ کہتے ہیں، اب یہ کہ اس قسم کے معاملہ میں کوئی شخص مبتلا ہو جائے تو اس کا حل اور حکم کیا ہے حدیث الباب میں یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو دونوں اختیار ہیں اس جانور کو اس کی موجودہ حالت میں رکھنا چاہے تو رکھ لے، اور واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے، اور ایک روایت میں اس میں تین دن کی بھی قید ہے کہ تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں، نیز یہ بھی ہے کہ جب اس مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع تمر کا بھی واپس کرے۔

**مذہب ائمہ** | اس حدیث پر ائمہ ثلاث اور امام ابو یوسف کا عمل ہے یہ حضرات تصریہ کو عیب قرار دیتے ہیں اور عیب کی صورت میں چونکہ خیار رد ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی رد کا خیال مانتے ہیں طرفین یعنی امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ، و فی روایت لما لک ایضا۔ تصریہ عیب نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق ذات بیع سے نہیں ہے بلکہ وصف بیع سے، لہذا تصریہ کی وجہ سے خیار رد نہیں حاصل ہوگا، نیز خیار عیب تین دن کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا مطلقاً ہوتا ہے اور یہاں حدیث میں تین دن کے ساتھ مقید ہے کہ تین دن کے اندر رد کر سکتا ہو بعد میں نہیں، بہر حال حنفیہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

**حدیث المصراۃ مخالف اصول ہے ثمانیۃ اوجہ** | علامہ عینی فرماتے ہیں وا قوی الوجوہ فی ترک العمل بہا مخالفتھا للاصول من ثمانیۃ اوجہ، یعنی حنفیہ کے اس حدیث پر

عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث اصول اور قواعد کلیہ کے خلاف ہے آٹھ حیثیت سے، پھر انہوں نے ان وجوہ ثمانیہ کو بالتفصیل بیان کیا، علامہ عینی کا یہ پورا کلام بذل المجہود میں مذکور ہے، من جملہ ان وجوہ کے یہ ہے کہ اس حدیث میں صاع من تمر دینے کا جو حکم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ اس دودھ کا عوض ہے جو مشتری نے اپنے یہاں لا کر نکالا ہے، یعنی اس کا ضمان ہے، لیکن ضمان میں تو مماثلت ضروری ہے لقولہ تعالیٰ: وان عاقبتہم فعاقبوا بمثل ما عاقبتہم بہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالمثل ہو، اور مثل کی دو قسمیں ہیں، مثل صوری جو ذوات الامثال ہی میں ہو سکتا ہے (اور لبس بھی ذوات الامثال ہی میں سے ہے) دوسرا مثل مثل معنوی ہے یعنی قیمت جو ذوات القیم میں ہوتا ہے جیسے حیوانات وغیرہ، اور صاع تمر تو نہ مثل صوری ہے نہ مثل معنوی، نیز یہاں پر



رد صاع جو بطور ضمان کے ہے وہ ہونا ہی نہیں چاہیے اسلئے کہ قاعدہ منصوصہ یہ ہے الغرم بالغنم، الخراج بال ضمان، یعنی نفع اسی کا ہوتا ہے جس پر ضمان واجب ہو، اور یہاں یہ حیوان یعنی مصراۃ ضمان مشتری میں تھا کہ اس دوران اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کا ضمان مشتری ہوگا لہذا اس صورت میں اس جانور کا جو نفع و ثمرہ ہے یعنی دودھ وہ بھی مشتری کیلئے ہونا چاہیے پھر ضمان اس پر کیوں واجب ہو، اس حدیث میں ہے ردھا وصاعا من شتر ظاہر حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ صاع ثمر ہر مصراۃ کے مقابلہ میں ہے خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زائد لیکن اکثر وہ حضرات جو حدیث مصراۃ پر عمل کے قائل ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ ہر ایک بکری یا جو بھی جانور ہو مصراۃ اس کے بدلہ میں ایک ایک صاع ہوگا، مصراۃ کے عدد کے مطابق، لیکن بعض شافعیہ جیسے ابو الحسن ماوردی ان کے نزدیک یہ حکم مطلق مصراۃ کا ہے ایک ہو یا اس سے زائد، من شاة وکذا من الف شاة، اس حدیث میں ہے "صاعا من طعام لاسمراء"، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاع گیہوں کا نہ ہونا چاہیے اس کے علاوہ کسی اور کھانے کی چیز کا ہو، علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ وینبغي ان يحمل الطعام على التمر المذكور في اکثر الروایات، پھر آگے وہ لکھتے ہیں چونکہ لفظ طعام کے متبادر معنی گیہوں کے تھے اس لئے زاوی نے اس کی نفی کر دی بقولہ "لاسمراء"، لیکن اس کے بعد والی روایت میں جو آرہا ہے رد معہام مثل او مثلی لبسها قبحا، ان دونوں میں تعارض ظاہر ہے کہ پہلی حدیث میں گیہوں کی نفی تھی اور اس میں اثبات، قلت اجاب عن الحافظ بان اسناد هذا الحدیث ضعیف، قال وقال ابن قدامة انه متروک الظاهر بالاتفاق، قال المنذری، واخرجه ابن ماجه، وقال الخطابی ولس اسنادہ بذاک اھ من العون، معلوم ہوا کہ یہ دوسری روایت ابو داؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ کی ہے، اور وہ روایت جس میں "لاسمراء" وارد ہوا ہے وہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

اہل اصول نے لکھا ہے کہ یہ حدیث المصراۃ خبر واحد ہے اور خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ خلاف اصول نہ ہو، اور حدیث المصراۃ خلاف اصول ہے گو سند اثبات اور صحیح ہے، اسلئے کہ یہ حدیث صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی روایت ہے اور حضرت اقدس گنگوہی کے افادات درسیہ میں جس کو ہمارے حضرت شیخ کے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نور الشمر قدس نے قلم بند کیا ہے، اور جس کو حضرت مہار پوری نے یہاں بذل الجہود میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایات حنفیہ کے نزدیک اپنے موارد کے ساتھ خاص ہیں، قواعد کلیہ اور دوسرے نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اور کلمہ "من" جو ان روایات میں ہے اس کے لئے عموم جنسی یا نوعی لازم نہیں، بسا اوقات یہ لفظ قضیہ شخصہ میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہے کہ اسم موصول بسا اوقات عہد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عموم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور امام شافعی اگرچہ اس بات کے مقرر ہیں کہ یہ روایات مخالف کلیات ہیں لیکن ان کی رائے یہ ہے کہ یہ روایات عام ہیں اپنے مورد کے ساتھ مختص نہیں بلکہ



## باب فی النہی عن الحکرۃ

حکمرۃ اور حکمرۃ اور احتکاران سب کے معنی لغوی جمع اور امساک کے ہیں کسی چیز کو روک کر رکھنا۔  
**احتکار کی حقیقت و تعریف** | احتکار جس کی حدیث کے اندر ممانعت ہے اس کی تعریف امام نووی نے یہ لکھی ہے کہ غلہ کو غلار اور گرانی کے زمانہ میں تجارت کی نیت سے خرید کر رکھ لینا اور فی الحال اس کی بیع نہ کرنا خرید گرانی کے انتظار میں تاکہ پیسے زیادہ حاصل ہوں، اور ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس غلہ کو اپنے ہی شہر سے خرید کر روک لے، اور اگر کسی اور جگہ سے خرید کر لایا ہے، یا سستے کے زمانہ میں خرید کر رکھ لیا ہو اور پھر اس کو روک لے گرانی کے زمانہ میں فروخت کرنے کے لئے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، اور بدائع میں لکھا ہے کہ احتکار یہ ہے کہ اپنے شہر سے غلہ خرید کر رکھ لینا اور اس کو فروخت نہ کرنا جبکہ اہل شہر کو ایسا کرنے سے نقصان پہنچ رہا ہو اور اگر بڑا شہر ہو جہاں ایسا کرنے سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی دور دراز علاقہ سے غلہ خرید کر اپنے شہر میں لا کر اس کو روک لے تب بھی احتکار نہ ہوگا، ہاں اگر شہر کے قریب کسی بستی سے لا کر جس کا غلہ اس شہر میں آتا ہو روک کر رکھے اور شہر بھی صغیر ہو تب محکم ہوگا۔ یہ تو احتکار ممنوع کی تعریف ہوئی۔

**احتکار کن کن چیزوں میں منع ہے** | دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے مسئلہ مشہور اختلافی ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک مافیہ عیش الناس و اوقات البشر یعنی جس چیز پر آدمی کی زندگی کا مدار ہو جس کو عام طور سے لوگ کھا کر زندگی بسر کرتے ہوں، اور طرین (امام ابو حنیفہ و محمد) کے نزدیک مافیہ عیش الناس و عیش البہائم، یعنی انسانوں اور جانوروں دونوں کی غذا اور خوراک میں، اور امام مالک کے نزدیک فی کل شئی غیر الفواکہ، اور امام ابو یوسف کے نزدیک فی کل ما تم الحاجة الیہ، یعنی تمام وہ چیزیں جو عام حاجت اور ضرورت کی ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یحتکر الا خا طی فقلت لسعید فانک تحتکر قال ومعمران یحتکر سعید بن المسیب کے شاگرد نے ان سے کہا کہ آپ نہی عن الاحتکار کی حدیث بیان کر رہے ہیں اور آپ خود احتکار کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ میرے استاد معمر بھی احتکار کیا کرتے تھے۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ احتکار ہر چیز میں نہیں ہوتا، امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ احتکار کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا مافیہ عیش الناس آگے مصنف امام اوزاعی سے نقل کر رہے ہیں المحتکر من یعترض السوق یعنی محتکر وہ شخص ہے جو اپنے شہر ہی کے بازار میں سے غلہ خرید کر رکھ لے

اور اگر کوئی شخص اس قسم کی چیزیں باہر سے لا کر اپنے شہر میں روکے وہ احتکار نہیں۔

قال ابن المثنی قال عن الحسن فقلنا لا تقل عن الحسن، مصنف کے اس حدیث میں دو استاذ ہیں محمد بن یحییٰ اور محمد بن المثنی، اور ان دونوں کے استاد یحییٰ بن قیاض ہیں، اس کے بعد سند اس طرح ہے عن ہمام عن قتادة، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاد محمد بن المثنی نے اس سند میں عن قتاده کے بعد عن الحسن بھی زیادہ کیا، تو ہم نے ان سے کہا کہ عن الحسن مت کہو، غالباً یہ اس لئے کہ یس فی التمر حکرۃ قتاده ہی کا قول ہے حسن اس کے قائل تھے ہی نہیں۔

قال ابو داؤد: وكان سعيد بن المسيب يحسب النوى والخبط والبذر، امام ابو داؤد یہاں سے بعض علماء کے مذاہب نقل کر رہے ہیں اس بارے میں کہ احتکار کن کن چیزوں میں ممنوع ہے اور کن کن میں نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسيب درختوں کے پتوں اور کھجور کی گٹھلی اور دوسری قسم کے بیج کا احتکار کرتے تھے یعنی ان کے نزدیک اس میں احتکار ممنوع نہ تھا۔

آگے روایت میں ہے سألت سفیان عن كبس القث، یعنی سفیان ثوری سے جانوروں کے چارے کے احتکار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کانوا يكرهون الحكرة جس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ ہاں علماء اس کے اندر بھی احتکار کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس جملہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے كبس القث کا حکم بیان کرنے سے گریز کیا ہو بوجہ علم یقینی نہ ہونے کے اسلئے مطلقاً فرما دیا کہ علماء احتکار کو مکروہ جانتے ہیں، مجمل سی بات فرمادی وسألت ابا بكر بن عياش یعنی ابو بکر بن عیاش سے بھی اس کا سوال کیا یعنی كبس القث کا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہاں اس کو روک سکتے ہو۔

## باب فی کسر الدرہم

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تکسکة المسلمین الجائزۃ بینہم الامن ہائیں  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ نے جو سکہ مسلمانوں کے درمیان رائج ہو اس کے توڑنے پھوڑنے سے منع کیا ہے مگر کسی ضرورت اور مجبوری سے، اس منع کی علت میں مختلف قول ہیں کہا گیا ہے کہ چونکہ سکہ میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوتا ہے حروف ہوتے ہیں، اس میں اس کی بے ادبی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس میں اضاعت مال ہے کیونکہ سکہ کی قیمت زائد ہوتی ہے مطلق سونے چاندی سے، اور کہا گیا ہے کہ کسر سے مراد توڑنا نہیں بلکہ دراہم اور دنانیر کے کناروں کو باریک باریک چھیلنا مراد ہے جس صورت میں کہ دراہم و دنانیر کے ساتھ معاملہ عدداً ہو تو بعض لوگ ان کے کنارے اس طرح چھیل کر ان کا وزن کم کر دیتے تھے چوری

اور دھوکہ سے اس سے منع کیا گیا ہے۔ والحدیث اخبر ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی التسعیر

تسعیر سے ماخوذ ہے، یعنی اشیا کی قیمت اور نرخ متعین کرنا۔

ان رجلا جاء فقال یا رسول اللہ سَعَرَ، فقال: بل اَدْعُو۔

**شرح الحدیث و مذاہب الأئمہ فی مسئلۃ الباب** ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! نرخ متعین کر دیجئے، بظاہر غلہ کا یا جو چیز اس کے قائم مقام ہو تو آپ نے فرمایا تسعیر نہیں کرتا بلکہ دعو کرتا ہوں، پھر ایک اور شخص بھی آیا اس نے بھی یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا (تسعیر سے کہاں گرائی ختم ہوتی ہے بلکہ) اشیا کے نرخ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ان کو وہی گراتا اور بڑھاتا ہے، اور میں امید کرتا ہوں اس بات کی (یعنی میری کوشش یہ ہے کہ) میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں اس حال میں کہ کسی کا حق مجھ پر نہ ہو، مظلمہ کہتے ہیں کسی کے اس حق کو جو دبا لیا جائے ادا نہ کیا جائے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حاکم وقت کا تسعیر لوگوں اور تاجروں کے حق میں ظلم ہے، ہدایہ میں لکھا ہے کہ قاضی یا حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تسعیر کرے الا یہ کہ ارباب طعام حد سے تجاوز کرنے لگیں تو پھر کچھ حرج نہیں، اسی طرح در مختار میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ دالی کو چاہیے کہ گرائی کے زمانہ میں تسعیر کر دے اھ۔ من ہامش البذل۔

## باب فی النهی عن الغش

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر رجل یبیع طعاما فسألہ کیف یبیع الخ۔

یعنی آپ کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو غلہ لئے بیٹھا تھا بیع و تجارت کے لئے تو آپ نے اس سے بیع کے بارے میں سوال فرمایا غالباً بھاؤ معلوم کیا اس نے بتلادیا، اسی وقت آپ پر وحی آئی کہ اس غلہ کی ڈھیر میں ہاتھ داخل کیجئے، آپ نے اس میں ہاتھ داخل کیا تو اس ڈھیر کے اندر کا حصہ تر نکلا، اس پر آپ نے فرمایا لیس متامن غش۔ کان سفیان یکرہ ہذا التفسیر، لیس منا، لیس مثلنا، یعنی سفیان ثوری علماء جو اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں اور اس کے جو معنی مرادی بیان کرتے ہیں وہ اس تاویل کو پسند نہ کرتے تھے اسلئے کہ لوگوں کے سامنے تاویل بیان کرنے کی صورت میں اس سے متکلم کی غرض فوت ہوتی ہے، یعنی تحویف اور توبیخ، تاویل اصولاً تو ضروری ہے اہل سنت و جماعت کے مسلک کے پیش نظر، لیکن عام لوگوں کے سامنے اس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتے تھے اور تاویل اسلئے ضروری ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے

وہ جماعت مسلمین ہی سے خارج ہے حالانکہ غش کی وجہ سے اسلام سے تو خارج ہوتا نہیں، اور تاویل جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو مسلمان دوسروں کو دھوکہ دے وہ ہمارے طریق پر نہیں ہے، اور ہماری سیرت پر نہیں ہے۔  
والحدیث آخر جہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

## باب فی خيار المتبايعین

خيار مجلس کے ثبوت میں | بیع کے اندر جو خيار ہوتا ہے اس کی چند قسمیں ہیں جیسا کہ آپ نے ہدایہ ثالث میں پڑھ لیا ہے خيار شرط، خيار عیب، خيار رویت وغیرہ، ایک قسم خيار کی اور ہے جس کو علماء کا اختلاف

مصنف یہاں بیان کر رہے ہیں یعنی خيار مجلس جس کے شافعیہ و حنبلیہ قائل ہیں، حنفیہ اور مالکیہ قائل نہیں، اور خيار مجلس کا مطلب جس کے شافعیہ قائل ہیں یہ ہے کہ بائع مشتری کے درمیان ایجاب و قبول ہو جانے کے بعد جب تک متعاقدین مجلس عقد میں موجود ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو بائع ہو یا مشتری بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے اور مجلس ختم ہونے کے بعد باقی نہیں رہتا، گویا ان کے یہاں ایجاب و قبول سے بیع تام تو ہو جاتی ہے، لیکن لازم نہیں ہوتی، اور ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے،

المتبايعان کل واحد منهما بالخيار علی صاحبہ ما لم یفترقا الا بیع الخيار یعنی بائع مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوتا ہے اپنے ساتھ پر یعنی بیع کو باقی رکھنے اور نہ رکھنے کا جب تک کہ وہ دونوں جدا نہ ہوں۔

الا بیع الخيار اس استثناء کی تشریح ہم بعد میں کریں گے، اس حدیث میں افتراق سے مراد شافعیہ کے نزدیک مجلس سے جدا ہونا ہے یعنی تفرق بالابدان، اور حنفیہ و مالکیہ جو خيار مجلس کے قائل نہیں ان کے نزدیک افتراق سے افتراق بالبدن نہیں بلکہ افتراق بالقول مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے جب تک کہ دونوں اپنی بات کہہ کر فارغ نہ ہوں، دراصل ایجاب کہتے ہیں

اول کلام صدر عن احد المتعاقدين کو خواہ وہ مشتری ہو یا بائع ہو، لہذا مطلب یہ ہوا کہ بائع و مشتری میں سے جو بھی پہلے بولے اور ایجاب کرے تو ثانی کے قبول کرنے سے پہلے اس صاحب ایجاب کو اختیار ہے اس بات کا کہ وہ

اپنے اس قول سے رجوع کر لے، اور بیع کی بات ہی کو ختم کر دے اگر حدیث کا مطلب یہی لیا جائے تو پھر بات بالکل صاف اور واضح ہے یعنی یہ معقول بات ہے کہ احد المتعاقدين کو اختیار ہے اس کا کہ وہ اپنے کلام کے تلفظ

کے بعد فوراً اس کو کالعدم کر دے، یہ تو ہوا عدم تفرق، اور حدیث میں ہے تفرق کے بعد اختیار نہیں رہتا یعنی دونوں جب اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں اور ایجاب کے بعد قبول بھی ہو جائے تو اب ان کے لئے اختیار

باقی نہیں رہتا بلکہ ایجاب و قبول کے بعد بیع محقق اور لازم ہو گئی اور عقد مضبوط ہو گیا، ظاہر بات ہے کہ اگر حدیث

کا یہ مطلب لیا جائے جیسا کہ حنفیہ نے لیا تو پھر اس صورت میں اختیار مجلس کوئی چیز نہیں بلکہ اختیار مجلس کی تو اس سے اور نفی ہو رہی ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ تفرق کے متبادر اور ظاہری معنی تفرق بالبدن یعنی مجلس سے اٹھ جانا ہی ہے اور یہ تفرق بالقول جس کو آپ اختیار کر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر بتائیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ "وان یفترقا" یعنی اللہ کلام من سعته، اس میں بھی تو تفرق سے تفرق بالقول ہی مراد ہے، اس لئے کہ طلاق میں تو تفرق بالقول ہی ہوتا ہے، نیز حنفیہ کی بعض تائیدات آگے بھی آرہی ہیں۔

اس حدیث میں یہ تھا الابیح الخیار جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ اس کی شرح اخیر میں لکھیں گے، اس استثناء کی شرح میں امام نووی نے علماء کے تین قول لکھے ہیں اول یہ کہ اس سے مراد تنخیر فی المجلس ہے اور امضار البیع یعنی ایجاب و قبول کے بعد تا قیام مجلس متبایعین کو بیع کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار رہتا ہے لیکن تنخیر کی صورت میں باوجود قیام مجلس کے خیار باقی نہیں رہتا، یعنی اگر مجلس کے اندر ایجاب و قبول کے بعد آپس میں بیع کو اختیار کر لیں ہر ایک دوسرے سے کہے کہ ہاں میں نے یہ چیز لے لی، دوسرے کہے ہاں میں نے فروخت کر دی تو اب بیع لازم ہو جاتی ہے خیار مجلس باقی نہیں رہتا، اب اس کو نسخ نہیں کر سکتے، اس سے مراد بیع بشرط الخیار ہے یعنی الابیح بشرط فیہ خیار الشرط یعنی اگر بیع کے وقت خیار شرط پایا جائے تین دن یا اس سے کم کے لئے تو اس صورت میں افتراق کے باوجود خیار نسخ باقی رہتا ہے مدۃ مشروطہ تک۔ تیسرے معنی یہ کہ متبایعین کیلئے جب تک ان کا افتراق نہ ہو ان کے لئے خیار باقی رہتا ہے مگر یہ کہ عدم خیار کی شرط لگالی جائے تو پھر اس صورت میں باوجود عدم تفرق کے خیار مجلس حاصل نہیں ہوتا، اس تیسرے معنی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں وهذا تاویل من یصح البیع علی ہذا الوجه، والاصح عند اصحابنا بطلانہ بهذا الشرط، یعنی یہ تیسرے معنی اس جملہ کے ان لوگوں کے نزدیک ہیں جو اس طرح بیع کو جائز سمجھتے ہیں، ورنہ شافعیہ کا اصح قول تو یہ ہے کہ اس طرح کی بیع صحیح ہی نہیں ہے یعنی جس میں خیار مجلس نہ ہونے کی شرط لگائی جا رہی ہو اھ (بذل) والحدیث اخریہ بخاری و مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمعناہ قال: او یفتول احدہما لصاحبہ اختن یعنی اس روایت میں بجائے "الابیح الخیار" کے یہ دوسرے الفاظ ہیں، میں کہتا ہوں یہ جو دوسرے الفاظ ہیں یہ وہی معنی اول ہے ان معانی ثلاثہ میں سے جو اوپر الابیح الخیار کی شرح میں گذرے، اور امام نووی نے اسی معنی اول کو اصح الاقوال کہا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں اس طرح ہے مالہم یفترقا الا ان تكون صفقة خیاریہ بظاہر۔ ان معانی ثلاثہ میں سے معنی ثانی ہے۔

ولا یحل لہ ان یفارق صاحبہ خشیۃ ان یتقلہ۔

حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید | یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے جو ابوداؤد ترمذی

اور نسائی میں ہے، اس میں جو آخری جملہ ہے، ولا یحل لہ ان یفارق الیہ جملہ خیار مجلس کے منافی ہے جس کے شافعیہ وغیرہ قائل ہیں، اسلئے کہ استقالہ کے معنی طلب اقالہ کے ہیں اور اقالہ لزوم بیع کے بعد ہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خیار مجلس کوئی چیز نہیں، اسلئے کہ اگر خیار مجلس متباہین کو حاصل ہوا کرتا تو پھر اس صورت میں متباہین میں سے ہر ایک کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہوتا، طلب اقالہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اب اس صورت میں اس پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ متباہین کیلئے ایجاب قبول کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ مجلس سے جلدی سے اٹھ کھڑا ہو کر چلا جائے اس اندیشہ سے کہ کہیں دوسرا اس بیع کو فسخ کر نیکی فرمائش نہ کر دے بلکہ نصیحت اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی بات نہ سوچے۔

حضرت سہارنپوری نے حکیم بن حزام کی جو حدیث آگے آرہی ہے اس کی شرح میں اس مسئلہ میں مذہب حنفی کی ترجیح میں مختصر اور جامع کلام فرمایا ہے جس کے اخیر میں یہ ہے دیوید الحنفیہ مارواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اشتری من عمر بکر اصعبا فوہیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لابن عمر بعد الشراء قبل ان یتفرقا، فلولم یکن التفرق حلالا قبل التفرق ولم یتیم البیع کیف وہب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم البکر لابن عمر فثبت بذلک ان التفرق فی البیع بعد العقد ان لم یخیر احدہما الآخر جائزا۔

عن ابی الوضئی قال غزونا غزوۃ لنا فنزلنا منزلا فباع صاحب لنا فرسا بخلام ثم اقاما ما بقیۃ

یومہما ولیستہما الخ۔

**مضمون حدیث** مضمون روایت یہ ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ کے سفر میں تھے (عرف الشذی میں بحوالہ بیہقی لکھا ہے کہ یہ واقعہ کشتی کے سفر میں پیش آیا تھا، کذا فی ہامش البذل) راستہ میں ایک جگہ اترے تو ہمارے ایک ساتھی نے اپنا گھوڑا ایک دوسرے ساتھی کے ہاتھ ایک غلام کے عوض میں فروخت کر دیا اور اس واقعہ پر دن — کا یا تہی حصہ اور پوری رات گزر گئی، پھر اگلے دن صبح کے وقت اس منزل سے کوچ کا وقت آیا تو اس گھوڑے کا خریدار اپنے گھوڑے کے پاس جا کر اس پر زین باندھنے لگا سواں ہونے کے لئے، اس موقع پر وہ بیچنے والا اپنی اس بیع پر نادام ہوا اور اس مشتری کے پاس گیا اور اس بیع کو فسخ کر کے اپنا گھوڑا لینا چاہا، مشتری نے واپس کرنے سے انکار کیا، بائع نے کہا کہ اس معاملہ میں میرے اور تمہارے درمیان ابوہریرہ صحابی قاضی اور فیصل ہیں، چنانچہ یہ دونوں ان کی خدمت میں گئے اور ان دونوں نے اپنی اس بیع کا قصہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ کیا

عہ کیونکہ اقالہ کا مطلب قویہ ہوتا ہے یا اور مشتری میں سے کوئی سا ایک دوسرے سے معاملہ کو فسخ کرنے کی درخواست کرے ۱۲



تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارے اس مسئلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والا فیصلہ نافذ کروں، اور پھر یہ حدیث سنائی، البیعان بالخیار الم یفرقہ اور یہ بھی فرمایا ما اراکم افرقتما کہ میری رائے یہ ہے کہ تم دونوں کا اس بیع کے بعد بھی تنگ افراق نہیں ہوا (لہذا خیار مجلس باقی ہے جس کی وجہ سے فسخ بیع کا ہر ایک کو اختیار ہے) یہ ان صحابی کا اپنا اجتہاد تھا انہوں نے افراق کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور گویا ایک شکر اور ایک سفر کے معاملہ کو مجلس واحد کا معاملہ قرار دے دیا، اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں۔ (بذل)

والحدیث اخرجه ابن ماجہ و رجال اسنادہ ثقات، قالہ المنذری۔

کان ابو نضر غثا اذا باع رجلا خیرہ۔ قال۔ ثم یقول خیرنی۔ یعنی ابو زرہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کے ساتھ وہ بیع کا معاملہ کرتے تو ایجاب و قبول کے بعد اپنے ساتھی کو مجلس عقد میں اختیار دیتے، یعنی اس سے کہتے کہ اگر تو اس معاملہ پر راضی ہو تو باقی رکھ ورنہ فسخ کر دے، اور پھر اس ساتھی سے یہ کہتے کہ اسی طرح تو بھی مجھے اختیار دیدے (تاکہ جانیں سے اچھی طرح تراضی ہو جائے) اور پھر اس کو یہ حدیث سناتے، لا یفرقن اثنان الا عن تراض، کہ بائع مشتری کوئی معاملہ کرنے کے بعد بغیر اظہار رضا مندی کے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہیئے۔

والحدیث اخرجه الترمذی ولم یذكر قصۃ ابی زرہ۔ قالہ المنذری

## باب فی فضل الاقالة

اقالة بمعنى فسخ، باب افعال سے، اور مجرد میں سمع۔ سمع سے، قال یقال، ففی القاموس؛ وقلة البیع بالکسر واقلة فسنة، واستقاله طلب الیه ان یقبلہ (بذل)

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اقال مسلما اقال اللہ عثرته، یعنی آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمام بیع کے بعد اپنے ساتھی سے اقالہ کر لے یعنی قبول کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف فرمادیں گے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو شخصوں نے آپس میں بیع و شراء کا معاملہ کیا، معاملہ کی تکمیل کے بعد کسی ایک کو اس پر ندامت ہوئی بیچکر یا خرید کر بچھتا یا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اگر تو اس معاملہ کو فسخ کر دے تو مہربانی ہوگی، دوسرے نے اس کی اس درخواست کو قبول کر لیا، اس حدیث میں اقالہ قبول کرنے والے کے لئے اس کی لغزشوں کی معافی کی بشارت ہے۔

دیکھئے بیع و شراء کوئی عبادت تو نہیں ہے ایک مباح کام ہے جس کو آدمی اپنی ضرورت کے لئے اختیار

کرتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شریعت پر چلے اور حدیثوں کو سامنے رکھے تو مباحات بھی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں، عبادات کا تو کہنا ہی کیا ہے، واللہ تعالیٰ الموفق۔ والمحدث اخبرہ ابن ماجہ قال المنذری۔

## باب فیمن باع بیعتین فی بیعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من باع بیعتین فی بیعة فله او کسہما او الریاء۔

حدیث الباب اور اس مقام کی کامل تشریح | یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں اس طرح ہے،  
نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیعتین فی بیعة۔

قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح، اس پر تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے قال الحافظ فی بلوغ المرام رواہ احمد والنسائی وصحیح الترمذی وابن حبان، ولابی داؤد: من باع بیعتین فی بیعة فله او کسہما او الریاء انتہی، آپ نے دیکھا کہ ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث میں ایک زیادتی ہے جو دوسری کتب حدیث میں نہیں ہے اس زیادتی پر کلام اور اسکی شرح ہم آگے کریں گے، کیونکہ اس زیادتی کی وجہ سے معاملہ مشکل ہو گیا، پہلے اصل اور مشہور حدیث کا مطلب سمجھ لیا جائے، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں: والعمل علی ہذا عند اهل العلم اور پھر انہوں نے اس حدیث کی شرح میں دو صورتیں اور مثالیں لکھی ہیں اول یہ کہ ایک بیع میں دو بیع جس کی ممانعت کی جارہی ہے اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے خریدار سے کہ میں یہ کپڑا تجھ کو نقد دس درہم میں دیتا ہوں اور اگر تو سیمینہ لے تو بیس درہم میں دیتا ہوں اب یہ ایک بیع کے اندر دو بیع ہو گئیں ایک دس درہم والی اور ایک بیس درہم والی، تو اب اگر قبل التفرق قبل العین ان دو میں سے کسی ایک کی تعیین کر لیں اور تعیین کے بعد جدا ہوں تب تو اس میں کسی کے نزدیک بھی کچھ حرج نہیں بلکہ جائز ہے اور اگر بلا تعیین کے مبہم سامعہ کر کے جدا ہو جائیں تو یہ بالاتفاق ممنوع ہے جہالت ثمن کی وجہ سے حدیث میں اسی صورت کی نہی وارد ہے، اور پھر امام ترمذی نے اس حدیث کی شرح میں ایک اور صورت تحریر فرمائی وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ کہے ابيعک داری هذه بكذا علی ان تبیعنی غلامک بكذا الخ یعنی میں اپنا یہ مکان تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اتنی رقم میں اس شرط پر کہ تو اپنا غلام مجھ کو فروخت کرے اتنی رقم میں پس جب تو اپنے غلام کی بیع مجھ سے اس طرح کر لیگا تو پھر میرے مکان کی بیع بھی تیرے لئے ہو جائے گی، وهذا تفارق عن بیع: ثمن معلوم ولایدری کل واحد منهما علی ما وقعت علیہ صفقۃ، یہ جو دوسری مثال ہے اس میں کوئی شق صحت بیع کی نہیں کیونکہ یہ تو بیع بغیر ثمن معلوم ہے، اس لئے کہ بائع دار اس بیع پر بغیر بیع غلام کے تیار نہیں جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس بیع غلام میں اس کا نفع ہے تو گویا ثمن کا کچھ حصہ اس بیع غلام میں داخل ہے

اور وہ کتنا ہے یہ معلوم نہیں، اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بٹمن مجہول ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیع بشرط ہے اور بیع بشرط کی حدیث میں مانعت آئی ہے اس سبب کے بعد آپ ابو داؤد کی حدیث کو لیجئے جس کا سیاق اس مشہور سیاق سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اسکا مضمون یہ ہے کہ جو شخص ایک بیع کے اندر دو بیع کرے تو اس کیلئے ادکس الثمنین یعنی اقل الثمنین والی بیع جائز ہوگی، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر بال لازم آئے گا، رہا سے مراد فساد بیع ہے اسلئے کہ عقود فاسدہ جتنے بھی ہوتے ہیں وہ حکم رہا ہی میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔

اب اس ابو داؤد کی حدیث کا تو حاصل یہ ہوا کہ ہم نے اوپر بیعتین فی بیعة کی جو پہلی مثال لکھی تھی کہ میں اس چیز کو ادھار لےنے میں دیتا ہوں اور نقد اتنے میں دیتا ہوں تو اس معاملہ میں اگر بائع مشتری دس درہم والی صورت کو بعد میں اختیار کرتے ہیں تب تو یہ معاملہ صحیح ہے، اور اگر زائد ثمن والی شق کو اختیار کرتے ہیں تو پھر یہ بیع فاسد ہے حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ بیع مذکور اقل ثمن والی تو صحیح ہو سکتی ہے اور اکثر ثمن والی نہیں ہو سکتی، لم یذہب الیہ عد من الائمة الاربعہ، البتہ امام اوزاعی سے یہی منقول ہے جو ابو داؤد کی اس حدیث میں ہے، اسی لئے ہم نے شروع میں کہا تھا کہ ابو داؤد کی یہ حدیث بہت مشکل ہے، امام خطابی نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کو ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے یعنی بیع سلم کی ایک خاص شکل وہ یہ کہ ایک شخص نے قفیز حنظلہ کی بیع کی ایک دینار میں یعنی الی شہر پھر جب مدت پوری ہو گئی یعنی مہینہ تو بائع نے کہا مشتری سے کہ تیرا جو قفیز حنظلہ میرے ذمہ ہے اس ایک قفیز کو قفیزین کے بدلہ میں میرے ہاتھ فروخت کر دے الی شہرین تو اس خاص صورت میں جو پہلی بیع تھی وہ ادکس البیعتین تھی، تو اس صورت میں وہ توجہ سائز رہے گی اور یہ دوسری فاسدہ اور حضرت نے بذل میں حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر سے اس کی ایک اور توجیہ نقل کی ہے وہ یہ کہ بیعتین فی بیعة کی جو ہم نے شروع میں مثال لکھی تھی کہ یہ شئی اگر مشتری نقد لے تو اتنے کی ہے اور ادھار لے تو اتنے کی ہے اور پھر اس کے بعد ان کا تفرق ہو گیا بغیر احد البیعتین کی تعیین کے تو یہ بیع حدیث کی رو سے فاسد ہے اس کا حکم یہ تھا کہ یہ بیع واجب الفسخ تھی لیکن یہاں یہ ہوا کہ بیع مشتری کے پاس ہلاک ہو گئی یا اس نے اس کو کھالیا تو اب اس صورت میں بائع کو چاہیئے کہ اصل ثمن لینے کے بجائے یا تو اس بیع کا مثل لے (ان کان من ذوات الامثال) یعنی بیع کو فسخ کرنے کی نیت سے یا اس کی قیمت، اور قیمت جو ہو اگر ترقی ہے عادیۃ ادکس من الثمن ہوتی ہے، اور اگر بائع صورت مذکورہ میں بجائے مثل یا قیمت کے ثمن ہی لیتا ہے تو ایقار بیع ہوگا، حالانکہ وہ بائع مامور ہے اس کے فسخ کا، اور بیع فاسد بلکہ تمام ہی عقود فاسدہ رہا کے حکم میں داخل ہیں اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ فله ادکسہما او الس یا کہ اگر ادکس کو اختیار نہیں کریگا تو زبال لازم آئے گا۔

ملہ قیمت تو کسی شئی کی وہ بازار کے اعتبار سے ہوتی ہے بازار میں وہ جتنے میں ملتی ہے اور ثمن اس کو کہتے ہیں جو متعاقدین کے درمیان طے ہو ۱۲

## باب فی النہی عن العینۃ

**بیع عینہ کی تعریف اور حکم** | بیع عینہ کی تعریف یہ لکھی ہے شرابا باع باقل مما باع قبل نقد الثمن الاول اور چاہے اس طرح کہ بیع ما اشتری باقل مما اشتری قبل نقد الثمن الاول یعنی ایک شخص نے

اپنی کوئی چیز دوسرے شخص کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کی الی اجل مسمی ابھی تک مشتری نے اس کو ثمن ادا نہیں کیا تھا بائع ادائے ثمن کا تقاضا کرنے لگا اور جب مشتری نہ دے سکا تو بائع مشتری سے کہنے لگا اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو اچھایہ کر کہ وہ چیز میرے ہاتھ پانچ درہم میں فروخت کر دے پھر میرے تیرے ذمہ پانچ درہم باقی رہ جائیں گے وہ بعد میں ادا کر دینا اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ بیع ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اس کو جائز رکھا ہے قالہ الشوکانی فی النیل (عون) اور بذل میں درمختار سے نقل کیا ہے کہ بیع عینہ مکروہ اور شرعاً مذموم ہے کیونکہ اس میں اعراض عن الاقراض ہے یعنی بائع اول قرض دینے سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے تاکہ صورت قرض بھی ہو جائے اور اپنا نفع بھی، شامی میں ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا البیع فی قلبی کامثال الجبال، ذمیم اخترعہ اکلہ الربا، یعنی وہ فرماتے ہیں کہ اس بیع کا بوجھ میرے قلب پر کئی پہاڑوں کے بوجھ کے مانند ہے، یہ بیع بڑی مذموم ہے جو لوگ سود کھانے کے عادی ہیں ان کی اختراع ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذنا البقر ورضیتم بالزرع وتركتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلایینزلہ حتی ترجعوا الی دینکم۔

**مسلمانوں کیلئے ترک جہاد پر سخت وعید** | اس حدیث میں بیع عینہ کے اختیار اور ترک جہاد پر بڑی سخت وعید ہے چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور کھیتی پر راضی ہو کر بیلوں کی دھول کو پکڑو گے اور جہاد کو پس پشت ڈال دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک دور نہیں کریں گے جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹو گے، اور بقرہ میں سیاق حدیث رجوع الی الدین سے مراد بیع عینہ کو چھوڑنا اور جہاد کو کھیتی پر ترجیح

لہ فی الشرح الکبیر من بدع سلعۃ ثمن مؤجل ثم اشتراها باقل منہ نقد الم بخر، روی ذلک عن ابن عباس وعائشہ واکسن وابن سیرین والشعبی وغیرہم۔ وقال الثوری والاوزاعی والکذا صحیح واصحاب الرائی ما جازہ الشافعی لانہ ثمن یجوز بیعہا من غیر ما یجوز فجاز من بالعبا کما لو باع عبداً مثلاً ثمنہا۔

دینا ہے، اس حدیث کی شرح میں شرح نے لکھا ہے کہ دراصل جہاد میں اسلام کا اعزاز اور اس کا غلبہ ہے باقی ادیان پر، تو جب مسلمان اس چیز کو چھوڑیں گے جس میں اسلام کی عزت اور غلبہ ہے تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان پر عزت کی نقیض یعنی ذلت کو مسلط کر دیں گے۔

## باب فی السلف

اس میں دوسرا لغت سلم ہے، سلف اہل عراق کا لغت ہے اور سلم لغت اہل حجاز، اس بیع کی تعریف یہ کی گئی ہے "بیع موصوف فی الذمۃ یعنی بائع بیع کے اچھی طرح اوصاف وغیرہ بیان کر کے مکمل طریقہ سے اور اس کو اپنے ذمہ میں لیکر نقد ثمن کے مقابلہ میں فروخت کرے، اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے "بیع أجل بعاجل" یعنی شئی مؤجل کی بیع ثمن معجل کے ساتھ، اس بیع کی شریعت نے اجازت دی ہے خلاف قیاس دفعا لحاجة المفالیس یعنی نادار قسم کے لوگوں کی حاجت و ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ یہ اس شئی کی بیع ہے جو غیر موجود عند البائع ہے، اسی لئے اس بیع کی صحت کے لئے بہت سی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

**صحت سلم کی شرائط** چنانچہ قدوری میں ہے: ولا یصح السلم عند ابی حنیفۃ الا ببيع شرائط تذکر فی العقد جنس معلوم، ونوع معلوم، وصف معلوم، ومقدار معلوم، وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال، وتسمیة المكان الذی یوافیہ فیہ اذا کان له حمل وموتہ اھ، اسی طرح جن چیزوں میں یہ بیع جائز ہے وہ بھی متعین ہیں ففی القدوری السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات التی لا تتفاوت کالجوز والبیض، و فی المذروعات، ولا یجوز السلم فی الحيوان۔ الی آخرہ۔ اس میں بعض اور اختلافی مسائل بھی ہیں جو آگے احادیث کے ضمن میں آ رہے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ بیع سلم میں ثمن کو رأس المال اور بیع کو مسلم فیہ، بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو رب السلم کہتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المدينة وهم یسلفون فی التمر السنة والسنتين والثلاثة، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اسلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔

یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ وہ کھجوروں میں بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے، ایک سال کی کھجوریں یا دو سال کی، اور اسی طرح تین سال کی بھی، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمر میں بیع سلم کا معاملہ کرے تو چونکہ تمر کیل ہی ہے اس لئے کیل معلوم ہونا چاہیے



یعنی اس کی مقدار کیلئے متعین ہونی چاہیے اور اگر اس بیع کا تعلق شئی موزون سے ہے تو مبیع کا وزن معلوم ہونا چاہیے اور اس کے علاوہ ایک شرط آپ نے یہ بیان فرمائی کہ بیع سلم کی مدت بھی معلوم ہونی چاہیے، اس آخری مسئلہ میں جمہور اور ائمہ ثلاث کی رائے تو یہی ہے البتہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے سلم حال کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اگر بیع سلم الی اجل ہو تو پھر وہ معلوم ہونی چاہیے۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

انا شعبۃ اخبرنی محمد بن عبد اللہ بن مجالد قال اختلف عبد اللہ بن شداد وابو بردۃ فی السلفۃ  
شعبۃ کہتے ہیں کہ مجھ کو خبر دی محمد بن مجالد نے یا عبد اللہ بن مجالد نے (کذا فی اکثر النسخ، والصحیح ابن ابی مجالد کذا فی البذل  
کہ عبد اللہ بن شداد اور ابو بردہ کا اختلاف ہوا بیع سلم کے بارے میں تو وہ کہتے ہیں (محمد بن ابی مجالد یا عبد اللہ بن  
ابی مجالد کہ ان دونوں نے مجھے عبد اللہ بن ابی اوفی صحابی کے پاس بھیجا، میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے  
فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کے زمانہ میں بیع سلم کیا کرتے تھے حنظلہ شعیبہ اور زبیب  
ان سب میں، اور یہ معاملہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرتے تھے جن کے پاس وہ مبیع موجود ہوتی تھی عند العقد۔

**شرح السند** آگے روایت میں آ رہا ہے۔ والصواب ابن ابی المجالد وشعبۃ اخطأ فیہ۔ امام ابو داؤد  
فرما رہے ہیں کہ صواب ابن ابی المجالد ہے شعبہ سے اس میں خطا واقع ہوئی ہمارے اس نسخہ  
میں اسی طرح ہے لیکن اس نسخہ پر مصنف کے کلام کا مطلب واضح نہیں اس لئے کہ شعبہ نے ابن ابی المجالد ہی کو کہا ہے  
حضرت کی تحقیق یہ ہے بذیل میں کہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے والصواب عبد اللہ بن ابی المجالد اس صورت میں مطلب  
یہ ہوگا کہ صواب تو عبد اللہ بن ابی المجالد ہے، لیکن شعبہ سے اس میں غلطی ہوئی کہ انہوں نے راوی کا نام محمد بن ابی  
المجالد یا عبد اللہ بن ابی المجالد شک کے ساتھ بیان کیا، اسی قوم ماہو عند ہم میں ایک مسئلہ مضمرب ہے، یعنی سلم  
فی المنقطع جس کی تفصیل آگے آئے گی، والحدیث اخرجه البخاری وابن ماجہ، قال المنذری۔

غزوۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشام فكان یأتینا انباط من انباط الشام  
ففسلھم فی البر والزیت سعر معلوما واجلا معلوما، فقیل لہ معن لہ ذلک؟ قال ما کننا نسألھم۔  
عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملک شام  
کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ بظاہر اس سے مراد غزوہ تبوک ہے فانہا وقعت فی لواء حمی الشام (بذل) تو اس سفر  
کے دوران ملک شام کے منبطلی ہمارے پاس آتے تھے تو ہم ان کے ساتھ ان اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں  
بیع سلم کا معاملہ کرتے تھے سعر معلوم اور اجل معلوم کے ساتھ، کسی نے عبد اللہ بن ابی اوفی سے پوچھا کہ آپ  
لوگوں کا یہ بیع سلم کا معاملہ کیا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جن کے پاس وہ شئی مسلم فیہ موجود ہوتی تھی؟ تو انہوں



نے جواب دیا کہ یہ بات ہم ان سے دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔

**مسئلہ سلم فی المنقطع کی تفصیل** | جانتا چاہیے کہ بیع سلم کا معاملہ تو اسی شخص کیساتھ ہوتا ہے عند المجہور جس کے پاس بیع یعنی مسلم فیہ عند العقد موجود نہیں ہوتی، لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مسلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا ضروری ہے یا یہ بھی ضروری نہیں، اس لحاظ سے اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں، چنانچہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں "باب السلم الی من لیس عندہ اصل" کے تحت فرمایا ہے کہ مصنف کا اشارہ سلم المنقطع کی طرف ہے جو کہ عند الخفیۃ جائز نہیں اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یہ کہ مسلم فیہ عند العقد موجود ہو اور عند الاجل منقطع ہو، یہ بالاتفاق جائز نہیں (۲) مسلم فیہ بازار میں من وقت العقد الی الاجل موجود ہو یہ بلا خلاف جائز ہے (۳) یہ کہ منقطع عند العقد ہو اور موجود عند الاجل (۴) یہ کہ بوقت العقد اور اجل موجود ہو اور درمیان میں منقطع، یہ تیسری اور چوتھی دونوں صورتیں خفیہ کے نزدیک ناجائز ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہیں ۱۱۔ (۱۲)

(الابواب والتراتیم ص ۳۱) پس حاصل یہ کہ عند الخفیۃ سلم فیہ کا بازار میں موجود ہونا من وقت العقد الی الاجل ضروری اور عند المجہور بوقت اجل موجود اس حدیث میں انبساط کا ذکر ہے نبط ایک عجی قوم ہے جو عراقین کے درمیان آباد تھی اہ مصباح اللغات، عرب کی ایک قوم ہے جو روموں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی اور شام میں مقیم تھی (بذل)

### باب فی السلم فی ثمرۃ بعینہا

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً اسلف رجلاً فی نخل فلم تخرج تلك السنة شيئاً۔ ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اشجار معینہ کے پھلوں میں بیع سلم جائز نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اس سال ان درختوں پر پھل نہ آئے، اس صورت میں مسلم فیہ غیر مقدور التسليم ہو جائے گا حالانکہ مقدور التسليم ہونا ضروری ہے، نفی القدوری، ولانی طعام قریۃ بعینہا، ولانی ثمرۃ نخلة بعینہا اہ چنانچہ حدیث الباب کا مضمون یہی ہے کہ ایک شخص نے نخلہ معینہ میں سلم کا معاملہ کیا اور پھر اس سال اس پر پھل نہیں آیا، جس پر آپ نے تنبیہ فرمائی، بسم تستحل مالہ اردود علیہ مالہ، ثم قال، لا تسلفوا فی النخل حتی یبد وصلاحہ، یہ بظاہر مستقل ایک دوسرا حکم ہے جو پہلے گذر چکا یعنی نبی عن البیع قبل بدو الصلاح۔

### باب السلم لا یحول

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم من اسلف فی شئ فلا یصرفہ الی غیرہ۔ شرح الحدیث مع بیان المذاهب | اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال لکھے ہیں، اول یہ کہ جس شخص نے

جس شخص کیساتھ کسی شئی میں بیع مسلم کا معاملہ کیا تو اس معاملہ کرنے والے کیلئے۔ یعنی مشتری کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اس شئی مسلم فیہ کو اپنے غیر کی طرف منتقل کرے باعتبار بیع یا ہبہ کے، یعنی قبل القبض، اور دوسرا احتمال یہ کہ جس شخص نے جس شخص کے ساتھ جس چیز کا معاملہ کیا ہے تو اس مسلم فیہ کے بدلہ میں قبل القبض کوئی دوسری چیز نہ لے یعنی مسلم فیہ کا استبدال کسی دوسری شئی کے ساتھ قبل القبض کرنا جائز نہیں، اگر رب المسلم مسلم فیہ کے عوض میں کوئی دوسری شئی لینا چاہے تو شئی اول پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ استبدال جائز نہیں، قبضہ کے بعد اختیار ہے، احوال اول کی صورت میں "غیرہ" کی ضمیر "من" کی طرف راجع ہوگی، فی قولہ "من اسلف" اور دوسری صورت میں یہ ضمیر شئی کی طرف راجع ہوگی جس سے مراد مسلم فیہ ہے، مشہور ہے کہ مسلم فیہ میں استبدال قبل القبض جمہور منہم الخفیہ کے نزدیک جائز نہیں حضرت امام شافعی کے نزدیک جائز ہے، لہذا یہ حدیث اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل ہے۔  
والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی وضع الجائخۃ

مسئلہ اختلافیہ | اس مسئلہ سے متعلق حدیث باب فی بیع السنین میں بھی گزر چکی۔ و وضع الجوائح وہاں پر یہ بھی گزر چکا ہے کہ امر بوضع الجوائح عند الجمہور من باب المعروف والاحسان ہے اور امام احمد اور اکثر محدثین کے نزدیک علی الوجوب ہے، جمہور کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر حدیث کو وجوب ہی پر محمول کیا جائے تو یہ ایک خاص صورت میں ہوگا یعنی جبکہ وہ پھل ہلاک ہو جائیں قبل التسليم الی مشتری فابہا حینئذ فی ضمان البائع، اس لئے اس صورت میں سارا نقصان بائع ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

اصیب رجل فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی شمار ابتاعھا فکثر دینہ الخ مضمون حدیث واضح ہے۔ آگے اس حدیث میں یہ ہے: خذوا ما وجدتم و لیس لکم الا ذلک، یعنی لوگوں کے صدقہ کرنے کے بعد مشتری پر، جب مشتری نے جتنے پیسے اس کے پاس جمع ہو گئے تھے ان کو دے دیا جو دین کے برابر نہیں تھے اس سے کم تھے تو آپ نے فرمایا کہ بس یہی لیجاؤ تمہارے لئے اور کچھ نہیں، اس کا مطلب علی حسب الاصول یہ لینا پڑے گا کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ فی الحال تمہارے لئے یہی ہے باقی بعد میں ادا ہوتا ہے گا والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

بعد تاخذ مال اخیک بغیر حق۔ یہ حدیث حنابلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے اور عند الجمہور مؤول ہے ای فی التقوی، یا قبل التسليم الی مشتری پر محمول ہے کما تقدم قرینا اخرہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی تفسیر الجائحة

عن عطاء قال: الجوائح کل ظاہر مفسد من مطر أو برد أو جراد أو ریح أو حریق۔  
یعنی جوائح جس کے ساقط کرنے کا اور معاف کرنے کا حدیث میں حکم آیا ہے اس سے ایسی آفت مراد ہے جو بالکل ظاہر اور نمایاں ہو، پھلوں کو خراب کر دینے والی ہو، جیسے بارش یا اولہ، اور ٹڈی، اسلئے کہ ان کی قطار جس باغ میں بھی پہنچ جاتی ہے سب پھلوں کا ناس کر دیتی ہے۔ اور ایسے ہی آندھی اور سخت ہوا اور حریق یعنی آگ لگ جانا حدیث میں ظاہر کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس صورت میں مشتری کا نقصان متیقن ہوگا، اور اگر وہ چیز ظاہر نہ ہو بالکل مشتری کسی مخفی امر کو بیان کرے تو اس میں احتمال اس کے کذب کا ہے، پس ظاہر ہونے کی صورت میں اس پر جو حکم مرتب ہو گا وہ حتمی ہوگا، اور دوسری صورت میں عضو کا حکم محض دیانہ ہوگا (بذل من تقریر الگستگویی)

عن یحییٰ بن سعید انه قال لا جائحة فیما أصیب دون ثلث رأس المال قال یحییٰ وذلك فی سنة المسلمین۔ یحییٰ بن سعید فرما رہے ہیں کہ پھلوں کے نقصان کی تلافی کا جو حدیث پاک میں حکم ہے تو وہ اس صورت میں ہے جبکہ کم از کم ثلث مال ان آفات سماویہ سے ضائع ہوا ہو، اور اگر ثلث سے کم خراب ہوا ہے تو اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ تھوڑا بہت نقصان تو ہوا ہی کرتا ہے تجارتوں میں، آگے یحییٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کا تعامل اسی طرح ہے۔

## باب فی منع الماء

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلاء۔  
**شرح الحدیث** مقصد یہ ہے کہ جو پانی آدمی کی اپنی ضرورت سے زائد ہو اس کے دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیے یہ نہی فی نفسہ عام ہے لیکن یہاں اس حدیث میں اس کو ایک خاص صورت کیساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی لیمنع به الکلاء یعنی پانی دینے سے اسلئے انکار کرتا ہے تاکہ اس کو ذریعہ بنائے گھاس سے روکنے کا، جس کی مثال شرح نے یہ لکھی ہے کہ ایک شخص نے ارض موات کے اندر اس کا احیا کر کے اس میں کنواں کھودا جس کی وجہ سے اس کنویں کا مالک ہو گیا اور صورت حال یہ ہے کہ اس کے آس پاس جو ارض موات کی قسم کی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں اتفاق سے گھاس وغیرہ بھی اگتا ہے تو چونکہ اس شخص نے ان زمینوں کا احیا نہیں کیا اسلئے ان کا مالک بھی نہیں ہوا اسلئے اصولاً ان زمینوں کی گھاس اس کو حق نہیں کہ کسی کو — روکے بلکہ دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو لاکر وہاں چرا سکتے ہیں، لیکن جب جانور وہاں چرنے کے لئے آئیں گے تو ان کو گھاس کے ساتھ پانی کی بھی ضرورت پیش آئے گی، اب یہ شخص یعنی صاحب المار

ان جانوروں کو اپنے کنوئیں کا پانی پلانے سے روکتا ہے تاکہ لوگ اپنے جانوروں کو یہاں پیرانے کے لئے لانا ہی چھوڑ دیں، تو اس طور پر صاحب الماء کے لئے یہ گھاس محفوظ ہو جائے گی، اس حدیث میں اسی سے منع کیا جا رہا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو گھاس سے روکا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ عن حدیث الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال المنذری۔

ثلاثة لا يكلهم الله يوم القيامة رجل منع ابن السبيل فضل ماء عنده الخ۔

یعنی تین شخص ایسے ہیں اللہ تعالیٰ بروز قیامت ان سے نرم کلام اور رحم و کرم کا معاملہ نہیں فرمائیں گے ایک وہ شخص جو مسافر کو اپنی ضرورت سے زائد پانی دینے سے انکار کرے۔ اس پانی کی دو صورتیں ہیں اگر یہ اس کی اپنی ملک ہے تب تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ قیمت لیکر اس کو دنیا ضروری ہے یا جو قیمت ملنے کے انکار کرنا جائز نہیں اور اگر پانی اس کی ملک ہی نہیں تو اس صورت میں انکار مطلقاً ممنوع ہوگا، آگے مضمون حدیث واضح ہے والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن امرأ قال یقال لها بئیسۃ عن ایہا الخ۔ یہ حدیث کتاب الزکاة میں گزر چکی اور اس پر کلام و شرح بھی، یہاں پر بذل میں اس پر جو لکھا ہے اس کی تلخیص یہ ہے فی ہذا الحدیث ثلاثۃ مسائل للعلماء النہج علی التحریم، من باب المعروف والاحسان، لا يجوز له المنع لکن یجب لصاحب الماء یقیمہ، وهذا اذا کان المراد بالماء ماہ البئر التي تحفرها فی النوات واحیاءا، وان کان الماء الذی جمعه فی صہر جاد وحوض فان لم یمنعہ اھ۔

المسلمون شركاء فی ثلاث فی الماء والکلا والنار پانی کے بارے میں تو تفصیل کتاب الزکاة میں گزر چکی کہ پانی تین طرح کا ہوتا ہے ہر ایک کا حکم الگ ہے کلا کے بارے میں بھی اوپر گزری چکا کہ ارض موات میں جو گھاس ہوتا ہے کسی کے لئے اس سے روکنے کا حق نہیں ہے، اور تیسری چیز اس حدیث میں جس میں مسلمانوں کی شرکت بتائی ہے وہ آگ ہے، بذل میں لکھا ہے کہ آگ میں شرکت کا ہونا وہ روشنی اور اس کی گرمائی کے اعتبار سے ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر سونگنے سے کسی کو منع نہ کرے، اور اس سے دیکتے ہوئے انکار سے مراد نہیں ہیں، نہ اس پر ان کو دنیا واجب ہے اور نہ دوسرے کے لئے لینا بغیر مالک کی اجازت کے جائز ہے۔

## باب فی بیع فضل الماء

نہی عن بیع فضل الماء۔ فضل بمعنی زائد یعنی اپنی ضرورت سے زائد پانی کی بیع سے، یعنی پیسے لیکر اس کو دینے سے آپ نے منع فرمایا ہے، پانی اگر صاحب مالک کی بیع سے منع من باب المعروف والاحسان ہوگا، یعنی خلاف ادلی ہوگا، اور اگر غیر ملک ہے تب یہ بھی تحریم کے لئے ہوگی کما تہدم قریباً هذا التفصیل۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی حدیث حسن صحیح، قال المنذری۔

## باب فی ثمن السنور

ثمن کلاب کا باب جو آگے آرہا ہے وہ تو مختلف فیہ ہے لیکن ثمن سنور یعنی اس کی بیع یہ باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے گو بعض سلف کا اس میں بھی اختلاف ہے چنانچہ بذل میں خطابی سے منقول ہے، وکرہ بیعہ ابوہریرۃ وجابر وطاؤس و مجاہد اھ۔

نہی عن ثمن الکلب والسنور، اور اس کے بعد والی حدیث میں صرف ہرہ کا ذکر ہے نہی ثمن الھرقہ ثمن ہرہ تو عند المجہور جائز ہے اس لئے اس حدیث کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، ان دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں، ہذا حدیث فی اسنادہ اضطراب۔ الی آخر اذکر۔ اور دوسری حدیث کے بارے میں بذل میں لکھا ہے قال الترمذی غریب، وقال النسائی هذا منكر اھ، اور دوسرا جواب نسخ کا دیا گیا ہے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ متوہش پر محمول ہے، یعنی جو بلی مانوس نہ ہو جنگلی جانوروں کی طرح تو چونکہ وہ غیر مقدور التسليم ہوتی ہے اس لئے اس کی بیع ناجائز ہے۔ حدیث جابر الثانی اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی اثمان الکلاب

نہی عن ثمن الکلب ومہر البغی وحلوان الکاهن۔

مذاہب ائمہ اس حدیث میں بیع کلب سے منع کیا گیا ہے، امام شافعی و احمد کا مذہب یہی ہے حنفیہ کے یہاں بیع کلب جائز ہے خواہ معلم ہو یا غیر معلم، امام مالک سے تین روایتیں ہیں جواز، عدم جواز، والثالث یہ سبب القیمۃ لا الثمن، یعنی بیع تو اگرچہ جائز کسی طرح بھی نہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی کا کتا ہلاک اور تلف کرے تو پھر اس کی قیمت یعنی ضمان دینا واجب ہوگا، اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ کلب عقود کی بیع جائز نہیں اور عطا اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں یہ بجز بیع کلب الصيد دون غیرہ، ویدل علیہ ما اخرجه النسائی من حدیث جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید الی آخر ما فی العون۔

یہ حدیث شافعیہ و حنابلہ کے تو موافق ہے اور حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب امر کلاب میں تشدید تھی حتیٰ کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا جو بعد میں عند اکثر منسوخ ہو گیا، امر کلاب میں تشدید کی بحث کتاب الطہارۃ باب الوضوء من سور الکلب میں گذر چکی۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

اس حدیث میں دو جزر اور ہیں جن سے منع کیا گیا ہے مہر البیعی یعنی زانیہ کی اجرت، جس کو مجازاً مہر کہا گیا ہے اور دوسری چیز حلوان کاھن، یعنی کاہن کی شیرینی، یعنی کاہن سے اپنی مخفی باتیں اور راز معلوم کرنے کے بعد اس کی جو کچھ اجرت دیجائے، کاہن کے پاس جانا، اس کی تصدیق کے لئے اور اس کو اجرت دینا کہانت پر سب حرام ہے، بلکہ اس کی بات کی تصدیق تو کفر ہے اگر اس کے علم غیب کے اعتقاد کے ساتھ ہو، الکوکب الدری میں لکھا ہے کہ اگر کاہن کی تصدیق یہ سمجھتے ہوئے کی جائے کہ بعض جنات ان کے تابع ہوتے ہیں اور وہ ان کو آ کر خبریں دیتے ہیں تو اس صورت میں اس کی تصدیق کفر نہ ہوگی۔

## باب فی ثمن الخمر والمیتة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان اللہ  
حرم الخمر وثنیہا، وحرم المیتة وثنیہا، وحرم الخنزیر وثنیہ۔

**شرح الحدیث من حیث الفقہ** | اس حدیث میں بیع خمر اور بیع میتہ اور بیع خنزیر ان تینوں کی حرمت ایک ساتھ بیان کی گئی ہے، فقہاء کے نزدیک ان اشیاء کی تحریم بیع کی نوعیت میں فرق ہے، ہدایہ کے متن میں تو یہ ہے: واذا کان احد العوضین او کلہما محرما فالبیع فاسدا کا بیع بالمیتة والدم والخمر والخنزیر، اس پر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ کلام مجمل ہے محتاج تفصیل ہے جس کو ہم بیان کریں گے، پھر آگے تفصیل میں انہوں نے فرمایا کہ بیع بالمیتة والدم اور ایسے ہی بالخنزیر تو بیع باطل ہے لانعدام رکن البیع وهو مبادلة المال بالمال، اس لئے کہ یہ اشیاء کسی کے نزدیک بھی مال شمار نہیں ہوتیں، اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ بیع الخمر والخنزیر یہ دونوں بیع فاسد ہیں نہ کہ باطل، حقیقت بیع کے پائے جانے کی وجہ سے، یعنی مبادلة المال بالمال، اس لئے کہ خمر مال ہے، اور خنزیر بھی عند البعض مال ہے یعنی عند اہل الکتاب، اور بیع باطل مفید ملک ہی نہیں ہوتی بخلاف بیع فاسد کے کہ وہ مفید ملک ہو جاتی ہے بعد القبض، اس کے بعد پھر صاحب ہدایہ نے اور مزید تفصیل اور فرق کی صورتیں بیان کی ہیں فارجع الیہ لوشئت۔

اس کے بعد والی روایت میں میتہ اور خنزیر کے بعد والاصنام کی زیادتی ہے یعنی بیع صنم کو حرام قرار دیا گیا کوکب دری میں لکھا ہے کہ بیع اصنام حرام ہے جبکہ اصنام کی بیع اصنام ہونے کی حیثیت سے کھجائے لیکن اگر کوئی شخص ان کی بیع کسی اور نیت سے کرے جیسے کوئی شخص لکڑیوں کی بیع کرے جس میں لکڑی کے تراشے ہوئے اصنام بھی ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی بشرطیکہ ان اصنام کو لکڑیوں ہی کے دام میں فروخت کرے، مگر یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیع ہو رہی ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ شخص اس صنم کی تعظیم یا عبادت کرے گا۔ اھ (کوکب ص ۲۷۸)



فقيل يا رسول الله ارايت شحوم الميتة فانه يطلى بها السفن ويدهن به الجلود ويستصبح

بها الناس فقال: لا هو حرام۔

**شرح الحديث** | یعنی جب آپ نے بیع میتہ کی تحریم بیان فرمائی تو اس پر آپ سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شحم میتہ کا کیا حکم ہے اس لئے کہ اس کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے (تاکہ چکنا چٹ کیوجہ سے اندر پانی سرایت نہ کر جائے) اور اسی طرح ان کو چمڑوں پر ملا جاتا ہے (ان کو نرم رکھنے کے لئے) اور ایسے ہی لوگ اس کے ذریعہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں یعنی مصباح اور چراغ میں اس کو جلاتے ہیں آپ نے فرمایا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

کو کب میں لکھا ہے کہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے بیع میتہ کا حکم بیان فرمادیا تھا کہ وہ حرام تو میتہ میں تو اس کے تمام ہی اجزاء داخل ہو گئے تھے، تو پھر شحم میتہ کے بارے میں الگ مستقل سوال گس بنا پر کیا گیا، اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ چونکہ صحابہ کرام کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ بعض اجزاء میتہ ایسے ہیں جو جائز الاستعمال ہیں جیسے جلد میتہ اور ایسے ہی عظام میتہ تو اسی لئے انہوں نے شحم میتہ کے بارے میں سوال کیا کہ ممکن ہے وہ بھی اہاب وغیرہ کی طرح ہو خصوصاً جبکہ شحم میتہ کی بہت سی چیزوں میں ضرورت پیش آتی ہے جس کی طرف صحابہ نے خود اشارہ اپنے سوال میں کیا ہے، پھر آگے کو کب میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میتہ کے اجزاء سے انتفاع کے جواز کا مدار رطوبات نجسہ کے زوال پر ہے اور شحم سے زوال رطوبت ممکن ہی نہیں، پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حرمت کو مؤکد فرمایا بعد والے جملہ سے قاتل اللہ الیہود الا اھ اس جملہ کی تشریح یہ ہے آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہلاک و برباد کرے یہود کو کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر شحوم میتہ کو حرام کیا تھا تو انہوں نے اس کی تحلیل کا یہ حیلہ اختیار کیا کہ شحم میتہ کو آگ پر بگھلایا اور پھر اس کی بیع کرنے لگے اور اس کے ثمن سے فائدہ اٹھانے لگے، یہ حیلہ اس لحاظ سے تھا کہ شحم پر شحم کا اطلاق اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو آگ پر بگھلایا نہ جائے اور بگھلانے کے بعد اس کا نام بدل جاتا ہے اور بجائے شحم کے اس کو ودک کہا جاتا ہے، لیکن ایسا کرنے سے اس کی حقیقت اور حکم تو نہیں بدلتا، امام خطابی اس پر لکھتے ہیں کہ اس سے ہر اس حیلہ کا بطلان ثابت ہو رہا ہے جس کو وسیلہ بنایا جائے کسی حرام تک پہنچنے کے لئے، اور یہ کہ محض تغیر بیعت اور تبدیل اسم سے حرام چیز کا حکم نہیں بدلتا اھ۔

فقال: لا، هو حرام، اس کی شرح میں اختلاف ہو رہا ہے وہ یہ کہ ہونیمہ کس طرف راجع ہے حافظ کہتے ہیں کہ بعض علماء و ہنم الشافعی کے نزدیک یہ ضمیر بیع کی طرف راجع ہے، یعنی شحوم میتہ کی بیع حرام ہے، اور اکثر علماء نے اس ضمیر کو راجع کیا ہے انتفاع کی طرف، لہذا ان کے نزدیک نہ صرف بیع میتہ ناجائز ہے بلکہ مطلقاً

انتفاع اس کے تمام اجزاء سے ناجائز ہے بجز اس کے کہ جس کی تخصیص پر دلیل قائم ہے یعنی جلد مدبوغ (یہ کلام تو تھام میتہ سے متعلق) اس کے بعد انہوں نے دہن متنجس یعنی جوتیل وغیرہ کسی نجس چیز کے واقع ہونے سے ناپاک ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف علماء بیان کیا اور وہ یہ کہ جمہور کے نزدیک اس سے انتفاع جائز ہے اور امام احمد اور ابن الماجشون مالکی کے نزدیک ناجائز ہے اھ (من التحف) امام خطابی نے بھی "لا، هو حرام، کا تعلق بیع سے ہی قرار دیا ہے (غالباً امام شافعی کے مسلک کی تائید میں کما تقدم عن الحافظ) چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وفيه دليل على جواز الاستصباح بزيت نجس وان بيعه لا يجوز اھ خطابی نے شحم میتہ اور دہن متنجس دونوں کو ایک درجہ میں رکھا شافعیہ کے مسلک کے پیش نظر وہ عند الجمہور دونوں کے حکم میں فرق ہے، اس لئے کہ شحم میتہ سے انتفاع عند الجمہور ناجائز، اور قسم ثانی یعنی دہن متنجس سے انتفاع فی غیر الاکل مثل الاستصباح جائز ہے۔ خلافاً لـ امام احمد وابن الماجشون کما تقدم قریباً فی کلام الحافظ، "عرف الشذی" میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حدیث النبا میں اشارہ ہے اس طرف کہ نجس العین کی بیع باطل ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شحم میتہ نجس ہے، اس سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں، اور وہ بھی یا تیل جو کسی عارض کی وجہ سے ناپاک ہو جائے مثلاً سقوط فارہ جو گر کر اس میں مر جائے تو یہ تیل تو ناپاک ضرور ہے لیکن نجس العین نہیں، اس کی بیع بھی جائز ہے اور انتفاع یعنی استصباح بھی جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک شحم میتہ سے بھی انتفاع و استصباح جائز ہے اھ پس خلاصہ یہ کہ شحم میتہ کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے اور انتفاع فی غیر الاکل والشرب میں اختلاف ہے عند الجمہور وہ بھی ناجائز ہے، امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور دہن متنجس سے انتفاع عند الجمہور جائز ہے امام احمد کے نزدیک وہ بھی ناجائز ہے اب یہ کہ اس کی بیع کا کیا حکم ہے سو ظاہر یہ ہے کہ جب انتفاع جائز ہے تو بیع و شرا بھی جائز ہوگی چنانچہ عرف الشذی میں عند الحنفیہ اس کی بیع کو جائز لکھا ہے دوسرے ائمہ کے مسلک کی تحقیق کر لیجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن المغيرة بن شعبه رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من

باع الخمر فليس شقيق الخنازير

**شرح الحدیث** تشقیص کے معنی الذبح بالمشقص، مشقص کہتے تیر کے اگلے حصہ کو جو دھار دار ہوتا ہے اس صورت میں یہ ماخوذ ہوگا مشقص سے، اور یا اس کے معنی جعل الشئ شققاً شققاً یعنی کسی چیز کے الگ الگ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کی اصلاح کے لئے اس کے الگ الگ ٹکڑے کئے جاتے ہیں، اس سے پہلے احادیث میں بیع خمر و بیع خنزیر دونوں کا حکم یعنی تحریم میں مساوی ہونا گزر چکا لیکن بہت سے لوگوں کا حال یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ خنزیر کو تو عملاً واکلاً حرام قرار دیتے ہیں لیکن شراب نوشی اور اس کی تجارت سے نہیں بچتے اور نہ اس کو کوئی خاص عیب سمجھتے ہیں، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تحریم خمر کی

تاکید میں یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص عملاً شراب کی بیع اور اس کی تجارت سے نہیں بچتا تو اس کو چاہیے کہ خنزیر کے گوشت کی بھی تجارت کرنے لگے اور اس کے کھانے کو بھی جائز سمجھنے لگے کیونکہ شرعاً دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما نزلت الآيات الاواخر من سورة البقرة خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقراهن عليهن وقال حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں (جن میں تحریم ربا مذکور ہے) تو آپ یا ہر تشریف لائے اور ہم کو وہ آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا کہ تجارت فی الخمر حرام ہے۔

**ظاہر حدیث پر ایک اشکال اور جواب** | اس حدیث کی شرح میں شرح نے یہ لکھا ہے کہ تحریم خمر کا ذکر سورہ مائدہ میں ہے اور وہ آیت ربا سے جو سورہ بقرہ کے اواخر میں ہے

بہت پہلے نازل ہو چکی تھی، اس لئے کہ مشہور ہے کہ آیت ربا آخر ما نزل یا من آخر ما نزل من القرآن ہے، اور اس حدیث کا سیاق اس ترتیب کے منافی ہے، اس سے تحریم خمر کا متاخر ہونا ظاہر ہو رہا ہے، تو اس کی توجیہ ان حضرات نے یہ کہتے ہیں کہ گویا صحیح ہے کہ تحریم الخمر تحریم ربا سے پہلے ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ تجارت خمر کی تحریم جو اس حدیث میں مذکور ہے مؤخر ہو، تو تحریم الخمر سے فلا اشکال حینئذ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تحریم خمر کے وقت بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو اور پھر دوبارہ مکرر نزول آیت ربا کے بعد بھی تحریم تجارت کی خبر دی ہو تاکہ ایذا و مبالغہ امام بخاری نے ابواب المساجد میں باب قائم کیا، باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد، یعنی مسجد میں لوگوں کے سامنے تجارت خمر کی حرمت بیان کرنا کہ تجارت خمر حرام ہے، جس طرح اور دوسری چیزوں کی نصیحت مسجد میں کی جاتی ہے لہذا فی المسجد یہ ظرف تحریم سے متعلق ہے نہ کہ تجارت سے، ورنہ مطلب فاسد ہو جائے گا یعنی مسجد میں خمر کی تجارت کا حرام ہونا، تو کیا غیر مسجد میں تجارت خمر حرام نہیں ہے، چنانچہ بخاری کی حدیث الباب میں ہے کہ نزول آیات کے بعد آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور پھر تجارت خمر کی حرمت کا اعلان فرمایا۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یتوفیہ۔ اور اس کے بعد ابن عمر ہی کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے، کنا فی زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم یتباع الطعام فیبعث علینا من یا مرنا بان نقالہ من المكان الذی ابتعنا فیہ الی مکان سواہ قبل ان یتبعہ یعنی جزافاً۔

اس ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث میں بیع الطعام قبل الاستيفاء کی ممانعت ہے، استيفاء بمعنی قبض اور وصول کرنا۔ یعنی اگر کوئی شخص غلہ کی قسم کی کوئی چیز خریدے اور خریدنے کے بعد اس کو فروخت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اس پر قبضہ کرے اس کے بعد اس کو فروخت کرے، لیکن ہر چیز کا قبضہ اور استيفاء اسکے حال کے مناسب ہوتا ہے، بعض چیزوں کا قبضہ یہ ہے کہ اس شئی کو دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیا جائے اور بعض چیزوں کا قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے، یعنی بائع چیز کو فروخت کرنے کے بعد مشتری سے کہے کہ تیری چیز یہ رکھی ہے تو اس کو جب چاہے یہاں سے اٹھا، اور بعض صورتوں میں قبضہ نقل شئی سے ہوتا ہے یعنی مشتری نے اس بیع کو جس جگہ سے خریدا ہے وہاں سے اس کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے، اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں پر غلہ کی بیع جزا فاقا ہو یعنی غلہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بیع جزا فاقا کی صورت میں یہی اس کا قبضہ ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثانی میں ہے اور اگر کوئی شئی کیلایا وزن یا فروخت کی جائے تو وہاں پر اس کو کیل کر لینا یا وزن کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے۔

**بیع قبل القبض سے نہیں**  
**کن کن اشیار میں ہے**

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ حکم طعام میں تو متفق علیہ ہے کہ اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں متفق احادیث میں اس کی تصریح ہے، طعام کے علاوہ باقی کن کن اشیار میں یہ حکم جاری ہوگا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس میں چار قول مشہور ہیں (۱)

امام شافعی و محمد کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے سوا کان من المکیلات او الموزونات، ومن الماکول او المشروب والمنقول و غیر المنقول (۲) اور یحییٰ بن امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک عقار (زمین) کے علاوہ تمام منقولات کا یہی حکم ہے، اس مذہب میں صرف عقار کا استثناء ہے، بخلاف پہلے مذہب کے کہ اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں (۳) امام احمد کے نزدیک جملہ مکیلات و موزونات کا یہی حکم ہے، اس کے علاوہ باقی دوسری چیزوں کا یہ حکم نہیں ہے (۴) امام مالک کے نزدیک یہ حکم صرف ماکول اور مشروب کا ہے۔

**امام مالک اور جہمور کا ایک اور اختلاف**  
 اس کے بعد یہاں ایک اختلاف اور ہے وہ بھی سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ جہمور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک بیع طعام مطلقاً قبل القبض جائز نہیں، یعنی چاہے اس کو جزا فاقا خریدا ہو یا کیلا، اور امام مالک کے قول مشہور میں جزاف اور غیر جزاف میں فرق ہے وہ یہ کہ جو غلہ جزا فاقا خریدا گیا ہو اس کی بیع قبل القبض جائز ہے اور جو کیلا خریدا گیا ہو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں اور مشتری کا اس کو کیل کر لینا یہی اس کا قبضہ ہے، امام مالک کا

استدلال باب کی چوتھی حدیث سے ہے جس کے لفظ یہ ہیں نہی ان یبیع احد طعاما اشتراہ بکیل حتی یتوفیہ، یعنی آپ نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شخص اس طعام کو جس کو اس نے کیلا خریدا ہو وہ اس کی بیع قبل الاستيفاء کرے اس حدیث میں اشتراہ بکیل کی قید مذکور ہے، جہمور یہ کہتے ہیں

اشتراء بکيل کی قید احترازی نہیں جس کا قرینہ باب کی حدیث اول ہے جو مطلق ہے، اسی طرح باب کی حدیث ثانی و ثالث میں باوجود بیع جزاف کی تصریح کے اس کو منتقل کرنے کا حکم کیا گیا ہے، اور یہ اقل ہی تو استيفاء ہے کما تقدم قریبا ان قبض کل شیء بحسبہ۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، والثانی اخرجہ مسلم والنسائی، والثالث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، والرابع اخرجہ النسائی، قال المنذرى.

قلت لابن عباس رضي الله تعالى عنهما لم؟ قال: الاترى انهم يبتاعون بالذهب والطعام مَرَجًا حضرت ابن عباس نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی کہ جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اس کو کیل نہ کرے کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت نہ کرے تو شاگرد یعنی طاؤس نے ان سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے تو انہوں نے اس منع کی وجہ کو ایک خاص مثال سے سمجھایا کہ دیکھتا نہیں ہے کہ بہت سے لوگ درہم و دینار سے خریدتے ہیں غلہ کو حالانکہ وہ غلہ مؤخر و مؤجل ہو تا ہے، انہوں نے یہ مثال بیع سلم کی دی جس میں بیع مؤجل ہوا کرتی ہے، ابن عباس کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قبل القبض بیع کرنے میں رہا پایا جاتا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ بیع سلم کی یعنی ایک دینار کے بدلہ میں قیصر حنظلہ خرید دینار تو فی الحال ادا کر دیا جیسا کہ بیع سلم میں ہوا کرتا ہے اور اجل پورا ہونے پر مثلاً مہینہ گزر جانے کے بعد جب بائع نے مشتری سے کہا کہ اپنا قیصر حنظلہ لے لے تو مشتری نے قبل القبض اس کو دو دینار میں کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور کہہ دیا کہ فلاں جگہ سے اٹھالے تو اب صورت حال یہ بن گئی کہ یہ بیع الدینار بالدینار بن ہو گئی جو سراسر رہا ہے اسلئے کہ مشتری نے تو اس غلہ کی شکل بھی نہیں دیکھی بلکہ مال کا یہ ہوا کہ ایک دینار گیا اور اس کے بدلہ میں دو آگئے، اور اس معاملہ کی حرمت ظاہر اور بدیہی ہے، والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ، قال المنذرى.

قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، واحسب كل شيء مثل الطعام۔ اس سے حضرت ابن عباس کا مذہب معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ حکم بالکل عام ہے، آگے اس کے بعد اس باب میں دو روایتیں اور ہیں جن کا مفہوم ظاہر ہے۔

والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، وابن ماجہ بخوہ قال المنذرى.

لہ اس لفظ کے ضبط میں نسخے مختلف ہیں، بعض میں تو اسی طرح ہے جس کو ہم نے اختیار کیا یعنی بتخفيف الجیم وبعدها همزة، و فی بعض النسخ بدون همزة مَرَجًا، و فی بعض النسخ مَرَجًى، بتثقیل الجیم وبعدها همزة، و فی بعض النسخ مَرَجًى، و فی النہایۃ ای مؤجلاً و مؤخرًا و یہمز ولا یہمز، و فی کتاب الخطابی علی اختلاف نسخہ مَرَجًى، بالتشدید للمبالغة (کذا فی تعلیق شیخ محمد عوامہ)۔



## باب فی الرجل یقول عند البیع: لا خلاۃ

خلاۃ بمعنی خدلیعہ اور دھوکہ، یعنی کوئی شخص کسی چیز کی بیع کے وقت یا اشارے کے وقت یوں کہے کہ دیکھو دھوکہ اور نقصان کی بات نہ ہونی چاہیے، یعنی قیمت میں زیادہ فرق نہ ہونا چاہیے (کیونکہ میں خرید و فروخت کا زیادہ تجربہ نہیں کرتا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً ذکر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسئلہ یخذع فی البیع فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اذا بایعت فقل: لا خلاۃ۔

**شرح الحدیث** | اس رجل سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا نام حبان بن منقذ ہے، انہوں نے آپ سے اپنا حال عرض کیا کہ میں بیع کے اندر دھوکہ کھا جاتا ہوں۔ اس روایت میں اختصار ہے، بعد والی روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں اس طرح ہے کہ ایک شخص جو ضعیف العقل تھے وہ خرید و فروخت کیا کرتے تھے، یعنی خرید و فروخت کا تو انہیں شوق تھا، دکانوں پر جا کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے لیکن تھے اس معاملہ میں اناڑی تو ان کے گھر والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان پر حجر واقع کر دیجئے تاکہ یہ پھر کسی سے خرید و فروخت نہ کر سکیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں کی شکایت پر ان کو بلایا اور ان کو بیع و شراء سے منع کیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے بغیر بیع کے صبر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو بیع نہیں چھوڑ سکتا تو نقل ہاء و ہاء ولا خلاۃ تو پھر تو بیع و شراء کے وقت بائع سے یا مشتری سے چیز لیتے وقت یاد دیتے وقت یہ کہہ دیا کر کہ لے بھائی (ثمن یا بیع) اور دیکھ دھوکہ کی بات نہ ہونی چاہیے۔

**الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ** | اس حدیث سے امام احمد اور بعض علماء نے یہ استنباط کیا کہ اگر کوئی شخص بیع و شراء کے وقت یہ لفظ کہے یعنی لا خلاۃ، تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس بیع کے اندر غبن پایا گیا تو خیاریہ حاصل ہوگا

**وبیان مذاہب الأئمۃ فی خیاریہ المغبون** | جمہور علماء و مہتمم الحنفیۃ و الشافعیۃ، مغبون کے لئے خیاریہ غبن حاصل ہونے کے قائل نہیں، اور اس حدیث کا جواب انہوں نے یہ دیا تانہ واقعۃ حال لا عموم لہا، قال ابن العربی انہ کلمہ مخصوص بصاحبہ لا یتعدی الی غیرہ، اور امام مالک کا قول اصح بھی یہی ہے، اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ الخیار بشرط ان یملغ الغبن ثلث القیمۃ، کہ مغبون کے لئے خیاریہ غبن ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بیع کو فسخ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس غبن کی مقدار ثلث قیمت تک پہنچی ہو، اس سے کم ہو تو نہیں، کذا فی ہامش الترمذی، اور تہذیب میں نقلاً عن الخطابی امام مالک کا قول یہ لکھا ہے کہ جس صورت میں مشتری صاحب بصیرت نہ ہو اور اس کی بیع میں غبن پایا جائے تو اس کو خیاریہ حاصل ہوتا ہے اور



بذل ہی میں خطاب سے امام احمد کا قول وہ نقل کیا ہے جو اوپر ہم نے ذکر کیا ان الامام احمد قال اذا بايعه فقال لا خلافة فله الرداه، پس حاصل کلام یہ نکلا کہ اکثر علماء اور حنفیہ شافعیہ کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے وہ اس حدیث کو حسب واقعہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں، اور امام احمد اور امام مالک فی احد القولین۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، ہم نے اپنے بعض اساتذہ سنا ہے اس حدیث کی توجیہ میں کہ اس حدیث میں کہاں تصریح ہے اس بات کی کہ لا خلافت کہنے کے بعد خیار غبن حاصل ہوتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خیر کا زمانہ تھا لوگوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی تھی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم بیع سے نہیں رک سکتے تو کم از کم بیع کے وقت اتنا ہی کہہ دیا کرو تا کہ تمہارے ساتھ معاملہ کرنے والا تمہارا لحاظ و خیال رکھے اور بس، اور اگر یہ ہی کہا جائے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ ایسا کہنے سے تمہیں خیار غبن حاصل ہو جائے گا تو پھر وہی جواب ہو گا جو اوپر شرح سے نقل کیا گیا کہ انہ مخصوص بهذا الصیابی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک مسئلہ اور اختلافاں ہیں یعنی حجر علی الکبیر السفیہ، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اسباب حجر کا انحصار تین چیزوں میں ہے، جنون، صبا اور رقی، فلا حجر عنده علی الکبیر السفیہ، یعنی جو شخص باوجود عاقل بالغ ہونے کے معاملات میں انارٹی ہو اور نادانی کی وجہ سے اپنا مال خراب اور ضائع کر دیتا ہو اس پر حجر واقع کرنا ائمہ ثلاث اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس حدیث سے فی الجملہ دونوں مسلکوں کی تائید ملتی ہے فہذا عن البیوع سے قائلین کی تائید ہوتی ہے، اور انکنت غیر تارک سے امام صاحب کی تائید ہوتی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی العربان

عربان ضم عین اور سکون راء کے ساتھ اور اس کو عربون بھی کہتے ہیں، اس کی تفسیر خود کتاب میں امام مالک سے منقول ہے، حدیث الباب میں ہے۔ نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن بیع العربان قال مالک وذلك فيما نرى والله اعلم الخ۔

بیع عربان کی تعریف و بیان مذاہب | بیع عربان جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے حضرت امام مالک اس کی تفسیر فرما رہے ہیں کہ عربان یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے غلام (مثلاً) خریدے یا اس سے دابہ کرایہ پر لے اور اس بیع یا اجارہ کے وقت مشتری یا مستاجر یوں کہے کہ میں تجھ کو یہ دینا دے رہا ہوں اس طور پر کہ اگر میں نے یہ چیز چھوڑی اور نہ خریدی یا کرایہ پر نہ لی تو پھر جو کچھ میں

نے تجھ کو دیا ہے وہ تیرے لئے ہے اور اگر خرید لی یا کرایہ پر لے لی تو پھر یہ دینار ثمن اور اجرت میں شمار ہوگا، بیع عربان جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک ناجائز ہے، ائمہ میں امام احمد اور صحابہ میں عمرو ابن عمر سے اس کی اباحت منقول ہے، بذل میں یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اخیر میں یہ ہے: قلت ویرد العربان اذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق، یعنی وہ دینار جو مشتری یا مستاجر نے پیشگی دیا تھا اس کو واپس بہر حال کیا جائے گا بالاتفاق، یعنی ان کے نزدیک بھی جو بیع عربان کے جواز کے قائل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، قال الخطابی وقد اختلف الناس فی جواز هذا البیع مالک والشافعی للبخاری ولما فیہ من الشرط الفاسد والغرر، ویدخل ذلک فی اکل المال بالباطل، وابطلہ اصحاب الرأی ایضاً، وقد روی عن ابن عمر وعمرانہ اجازة هذا البیع، واما احمد بن حنبل الی القول باجازة۔ الی آخری فی البذل۔ امام احمد نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے کہ یہ منقطع ہے، لیکن علامہ زرقانی نے اس تضعیف کو رد کیا ہے۔

یہ باب کتب ستہ میں سے ابو داؤد کے علاوہ صرف ابن ماجہ میں ہے اور انہوں نے یہی حدیث ابو داؤد والی اس میں ذکر کی ہے یعنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور امام ابن ماجہ نے عربان کی تفسیر بھی ذکر کی ہے قال ابو عبد اللہ العربان ان یشتري الرجل دابة بمئة دينار فیعطیه دینارین عربوناً فیقول ان لم اشتر الدابة فالديناران لک اھ اور امام مالک نے مؤطا میں کتاب البیوع کی ابتداء ہی اس باب سے کی ہے، ماجار فی بیع العربان، وفي الاخر العربان بضم العين وسكون الراء يقال عربون وعربون بالفتح والضم، وبالهجرة (یعنی عربون) بدل العين فی الثلاث والراء ساکن فی الكل۔ الی آخری ذکر من اختلاف اللغات وغیرہ۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ وهذا منقطع، واسندہ ابن ماجہ وفيه ضعیف کاتب الامام مالک وعبد اللہ بن عامر الاسلمی ولا یحجج بہما، قال المنذری۔

## باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ

عن حکیم بن الحزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یارسول اللہ! یتین الرجل فیرید منی البیع، لیس عندی افا بتاعہ لہ من السوق فقال لا تبع مالیس عندک۔

اس حدیث کے مفہوم میں بیع العبد الایق اور بیع اشی قبل القبض اور بیع مال غیر بغیر اذنہ سب داخل ہیں لیکن اس آخری صورت میں جن بیع فضولی میں علماء کا اختلاف ہے جو پہلے گذر چکا، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں میں ان کیساتھ بیع کر سکتا ہوں، یعنی پہلے

اس چیز کی بیع کردوں اور پھر بعد میں اس کو بازار سے خرید کر اس شخص کو دوں، آپ نے اس سے منع فرمایا۔  
والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالم یضمن عندک۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث میں چار اجزاء مذکور ہیں جس کی شرح یہ ہے (۱) ہمیں حلال ہے قرض اور بیع، یعنی بیع بشرط القرض جائز نہیں، اور یا مطلب یہ کہ بیع بید المقروض جائز نہیں، کیونکہ جب مقروض کے ساتھ بیع کی جائے گی تو وہ مشتری قرض کی رعایت میں شمن میں کمی نہیں کرائے گا بلکہ ہو سکتا ہے اس کو گراں قیمت پر خریدے، حالانکہ ضابطہ یہ ہے، کل قرض جرنفعاً فوراً (۲) ولا شرطان فی بیع اس کا مفہوم عند المجہور تو یہ ہے لا بیعان فی بیع جیسا کہ حدیث ہے، "ہنی عن بیعتین فی بیعة" اور امام احمد نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھا یعنی یہ کہ کسی بیع میں دو شرطیں لگانا تو جائز نہیں، اور صرف ایک شرط اگر ہو تو جائز ہے، چنانچہ ترمذی میں ہے قال احمد اذا قال ابيعک هذا الثوب و علی خیاطہ و قصارتہ فهذا من نحو شرطین فی بیع، و اذا قال ابيعک و علی خیاطہ فلا بأس به، او قال ابيعک و علی قصارتہ فلا بأس به انما هو شرط واحد، قال اسحاق کما قال، یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کوئی کپڑا بیچے اور بائع بوقت بیع اپنے ذمہ دو شرطیں لگالے کہ میرے ہی ذمہ اس کا سینا ہوگا اور دھونا بھی تو یہ صورت تو ناجائز ہے اور اگر بیع ثوب کے وقت صرف خیاطت یا صرف قصارت کی شرط لگائی تو اس میں کچھ حرج نہیں یہ شرط واحد ہے اور حدیث میں ممانعت شرطین کی ہے، اور مجہور اسکے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اس کا لگانا جائز نہیں، مفسد بیع ہے کیونکہ ایک دوسری حدیث میں ہے ہنی عن بیع و شرط (۳) اور اس حدیث کا تیسرا جزو یہ ہے کہ جو چیز آدمی کے ضمان میں داخل نہ ہو اس سے ربح حاصل کرنا جائز نہیں، جیسے بیع قبل القبض (۴) جو تھا جزو دہی ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے جس کی مثال گذر چکی۔ والحدیث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی شرط فی بیع

مصنف کی غرض بیع میں شرط واحد کے جواز کو بیان کرنا ہے جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے اور مصنف صنبلی ہیں، اس باب میں مصنف نے حضرت جابر کی شرار جمل والی روایت ذکر کی ہے جیسے واشتروطت حملانہ الی اہلی۔  
**حضرت جابر کی شرار جمل والی حدیث** | حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا اور میں نے آپ سے فروخت کرتے وقت گھر تک اس پر سوار ہونے کی شرط لگائی، یہ شرط جیسا کہ ابھی اوپر گذرا امام احمد کے نزدیک مطلقاً

جائز ہے اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے و عند مالک الفرق بین المكان القریب والبعید یعنی مختصر سی مسافت کی شرط لگانا تو جائز ہے ان کے نزدیک، مسافت طویلہ کی شرط لگانا جائز نہیں، حنفیہ شافعیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس قصہ کی روایات کے الفاظ مختلف وارد ہیں ایک روایت میں ہے افقرنی ظہرہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اونٹ بطور عاریت کے مدینہ تک پہنچنے کے لئے مجھے دیدیا تھا، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں صلب عقد میں کوئی شرط نہیں تھی بلکہ سب سے شرط ہی نہ تھی آپ نے اونٹ عاریتہ دیدیا تھا، قال فی آخرہ ثرائی انہما ما کسلف لا ذہب بجماک خذ جماک و ثمنہ فہما مالک، مصنف کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا کہ کیا تیرا خیال میرے بارے میں یہ ہے کہ میں نے تجھ سے اونٹ خریدتے وقت ثمن میں کئی اس لئے کرائی تھی تاکہ کم قیمت میں تیرا اونٹ لیلوں (میں، ایسا نہیں تھا بلکہ) بے اپنا اونٹ بھی لیا، اور اس کا ثمن بھی، دونوں ہی ہم نے تجھ کو دیئے، مصنف نے اس حدیث کو یہاں حسب عادت مختصر بیان کیا، صحیح بخاری میں یہ حدیث دسیوں نہیں بلکہ بیسیوں جگہ ہے کہیں مختصر کہیں مطول، کتاب الشروط ص ۲ میں اس حدیث پر انہوں نے باب اذا اشترط البائع ظہر الدابة الی مکان سبی جازہ ترجمہ قائم کیا ہے اور وہاں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ میں غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ ایسے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہا تھا جو تھک گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب میرے قریب کو گذرے تو آپ نے اس اونٹ کے ایک ضرب لگائی اور دعا بھی فرمائی جس سے وہ بہت تیز چلنے لگا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس کے خریدنے کی بات شروع کی (تفریحا) اور فرمایا کہ میرے ہاتھ یہ ایک اوقیہ میں فروخت کر دے میں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے مکرر فرمایا، پھر آگے یہ ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچ گئے تو میں نے یہ اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے لے لیا اور اس کا ثمن مجھے دلوادیا، پھر جب میں جانے لگا تو آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا، ہمیں تیرا اونٹ لینا مقصود نہیں تھا اور پکڑا اپنا اونٹ بھی جو کہ تیرا ہی مال ہے الحدیث والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، مختصر او مطولاً، قال المنذری۔

## باب فی عہدۃ الرقیق

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال عہدۃ الرقیق ثلاثۃ ایام  
مسئلہ مترجم بہا کی تشریح  
مع بیان المذاہب الدلیل  
غلام کو واپس لینے کی ذمہ داری تین دن تک رہتی ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ اپنا غلام فروخت کرے اور پھر مشتری کے پاس اس غلام میں کوئی عیب ظاہر ہو تو تین دن کے اندر اندر بائع کے لئے اس کا واپس لینا ضروری

یعنی واپس لینے کی اس کی ذمہ داری ہے یعنی بغیر بینہ کے۔ اور اگر تین دن کے بعد کوئی عیب اس میں ظاہر ہو تو پھر بغیر بینہ قائم کئے مشتری کو واپس کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس حدیث کا تعلق خیال عیب سے ہے، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مشتری کو عیب کی وجہ سے جو خیال عیب حاصل ہوتا ہے اس کا عام قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں اس کا مشتری کے یہاں پیدا ہونا ممکن نہیں تب تو بغیر بینہ کے مشتری اس مبيع کو واپس کر سکتا ہے، اور اگر وہ عیب ایسا ہے کہ اس مدت میں مشتری کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے یعنی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پہلے سے ہو، اس صورت میں مشتری کو بذریعہ بینہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ عیب میرے یہاں آکر پیدا نہیں ہوا بلکہ پہلے ہی سے ہے، پس اگر مشتری یہ بینہ پیش کر دے گا تب تو اس کو اس مبيع کے واپس کر دینے کا حق ہوگا ورنہ نہیں، جمہور کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کوئی مسئلہ اور جزئیہ ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ نہیں، امام مالک کے نزدیک اس میں ایک استثناء ہے جو کہ حدیث الباب میں مذکور ہے جس کا تعلق غلام اور باندی کی شرا سے ہے کہ اگر وہ مبيع غلام یا باندی ہے اور مشتری نے اس کے اندر کوئی عیب پایا تو مشتری تین دن کے اندر اندر اس غلام یا باندی کو بہر حال بغیر بینہ کے واپس کر سکتا ہے چاہے وہ عیب کیسا ہی ہو مگر یہ ان کے یہاں اس صورت میں ہے جبکہ بائع نے برات من کل عیب کی شرط نہ لگائی ہو، اور اگر لگائی ہو تو ان کے یہاں بھی یہ مسئلہ نہیں ہے، بہر حال یہ حدیث امام مالک کی دلیل اور جمہور کے خلاف ہے جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں، بذل میں ہے وضعف احمد بن حنبل عہدۃ الثلاث، وقال لا یثبت فی العہدۃ حدیث وقالوا لم یسمع بحسن من عقبۃ بن عامر شیئاً، خطاباً فرماتے ہیں کافی البذل وعہدۃ السنۃ من الجذام والبرص، ولا عہدۃ الا فی الرقیق خاصۃ وهذا قول اهل المدینۃ وابن المسیب والنہری، یعنی بڑی بڑی بیماریاں جیسے جنون جذام اور برص ان میں عہدۃ الرقیق کی مدت بڑھ جاتی ہے تین دن کے بجائے ایک سال ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی اس میں نہ تین دن کا اعتبار کرتے تھے نہ ایک سال کا۔ الی آخر ما ذکرہ (بذل) میں کہتا ہوں اور مؤطا محمد میں ہے: سنا عرف عہدۃ الثلاث ولا عہدۃ السنۃ الخ کہ ہم نہیں جانتے کہ عہدۃ الثلاث اور عہدۃ السنۃ کیا ہوتا ہے، مگر یہ کہ آدمی تین دن کی یا ایک سال کی شرط لگائے تو پھر وہ شرط معتبر ہوگی یعنی عہدۃ الرقیق کوئی مستقل چیز نہیں ہے اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے حدیث مرفوع سے ہاں خیال شرط معتبر اور ثابت ہے لہذا اگر مشتری غلام یا باندی — خریدتے وقت شرط لگائے رد بالعیب کی مطلقاً خواہ وہ تین دن کی ہو یا ایک سال کی ہو تو اس حیثیت سے وہ معتبر ہوگی کیونکہ خیال شرط شرعاً ثابت اور متفق علیہ ہے یہ

۱۔ امام مالک نے مؤطا میں ترجمہ قائم کیا: العہدۃ فی الرقیق، اور پھر اس کے ذیل میں وہ حدیث مرفوع ذکر نہیں کی جو یہاں —



## باب فمیں اشتري عبدا فاستعملہ ثم وجدہ عيباً

**مسئلہ مترجم بہا کی تشریح** ہمارے اس نسخہ میں اسی طرح ہے "فاستعملہ" اور نسخہ خطابی میں بجائے اس کے "فاستغله" ہے استغلال غلہ سے ماخوذ ہے غلہ بمعنی نفع و آمدنی، لہذا ترجمہ الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے غلام خریدا اور پھر اس سے کمائی کرائی اور پھر مشتری نے اس غلام میں کوئی عیب پایا اس کے بارے میں مصنف یہ مسئلہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ جب اس غلام میں عیب نکل آیا تو اب ظاہر بات ہے مشتری کو اختیار عیب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے وہ اس غلام کو واپس کر سکتا ہے لیکن وہ آمدنی جو مشتری کو غلام کے ذریعہ سے اس مدت میں حاصل ہوئی ہے اس کا کیا ہوگا وہ بھی غلام کے ساتھ واپس جائے گی یا اس کا مستحق خود مشتری ہوگا، اس بارے میں مصنف نے جو حدیث ذکر کی وہ یہ ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخراج بالضمآن - خراج بمعنی نفع اور پیداوار، بالضمآن ای مستحق بسبب الضمان۔ یعنی آدمی آمدنی اور نفع کا مستحق ہوتا ہے ضمان کی وجہ سے، پس جو شئی جس شخص کے ضمان میں ہوگی اس کی آمدنی اور نفع کا مستحق بھی وہی ہوگا، لہذا اس حدیث سے ترجمہ الباب والے مسئلہ کا حکم معلوم ہو گیا وہ یہ کہ یہ آمدنی مشتری کے لئے ہوگی، غلام کے ساتھ واپس نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ اگر اس دوران وہ غلام مشتری کے یہاں ہلاک ہو جاتا تو اس کا ضمان مشتری ہی ہوتا یہ الخراج بالضمآن والا مسئلہ تقریباً اجماعی ہے چنانچہ احناف نے مسئلہ مصراۃ میں بھی اس کو پیش نظر رکھا لیکن جبور نے اس مسئلہ میں اس حدیث کی موافقت نہیں کی۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذرى۔

→ ابو داؤد میں ہے بلکہ بعض امرئے مدینہ ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل کا طرز عمل بیان کیا انہما کا نایہ کران فی خطبہما عمدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ من حین یشتري العبد والولیدۃ، و عمدۃ السنۃ یعنی یہ امرئے مدینہ اپنے غلاموں میں عمدۃ الرقیق اور اسی طرح عمدۃ الولیدۃ فی الایام الثلاثہ اور فی السنۃ ذکر کیا کرتے تھے، علامہ یاجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا مقصد یہ ہے کہ یہ عمدۃ الرقیق فی الایام الثلاثہ او فی السنۃ ان امور میں سے ہے جو مشہور اور محمول بہا تھے اور جن کا امراء اہتمام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ خطبوں میں اس کو بیان کیا کرتے تھے اھ اور امام محمد نے موطا میں ترجمہ قائم کیا۔ باب عمدۃ الثلاثہ والسنۃ۔ اور پھر وہی روایت ذکر کی جو موطا مالک میں ہے پھر اس پر امام محمد نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا قال محمد سنا تعرف عمدۃ الثلاثہ ولا عمدۃ السنۃ الا ان یشتري الرجل خيار ثلاثہ ایام او خيار سنۃ فیکون ذلک علی ما اشترط وامانی قول ابی حنیفۃ فلا یجوز الخیار الا ثلاثہ ایام اھ امام محمد فرماتے ہیں کہ خیار شرط کا اعتبار ہے عمدۃ الرقیق کوئی چیز نہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ خیار شرط میں جتنے دن کی بھی شرط لگائی جائیگی وہ درست ہے ہمارے نزدیک لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک خیار عیب تین دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔



عن مخلد بن خفاف الغفاری قال کان بینی وبين اناس شركة فی عبد فاقوتوبته وبعضنا غائب فأغل

علی غلة فخاصمتی فی نصیبہ الی بعض القضاة الخ۔

مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میرے اور بعض لوگوں کے درمیان ایک غلام مشترک تھا تو ایسا ہوا کہ ہمارے بعض شریک موجود نہیں تھے، میں نے اس غلام کو کمائی پر لگا کر اس کے ذریعہ سے کچھ کمایا، جب شریک غائب آیا تو اس نے اس غلام والی آمدنی میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا اور اس مسئلہ کو قاضی وقت کے پاس لے گیا، قاضی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اس آمدنی میں اس کا بھی حصہ لگاؤں میں قاضی کے اس فیصلہ کے بعد حضرت عروہ بن الزبیر کے پاس گیا اور ان سے یہ سارا قصہ اور قاضی کا فیصلہ بیان کیا، غروہ یہ سن کر قاضی کے پاس گئے اور اس قاضی سے یہ حدیث مرفوع جو حضرت عائشہ سے مروی ہے الخراج بالضمان بیان کی، یعنی آپ کا یہ فیصلہ صحیح نہیں خلاف حدیث ہے

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رجلا ابتاع غلاما الخ۔

اس کا مضمون اوپر والی حدیث کے مضمون ہی کی طرح ہے۔

قال ابو داود: هذا السناد ليس بذاك۔

الخارج بالضمان حدیث کس درجہ کی ہے؟ اس کا جواب کیسی ہو لیکن مسئلہ اسی طرح ہے، اس سند کے ضعف کی وجہ جس کو مصنف فرما رہے ہیں یہ ہے کہ ابوالمنذری

کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو کہ ضعیف ہیں، منذری کہتے ہیں لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں اس سند سے روایت کیا ہے عمر بن علی المقدی عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ ان البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان الخراج بالضمان قال وذا حدیث حسن صحیح من حدیث ہشام بن عروہ ان اس سند میں مسلم ابن خالد الزنجی نہیں ہے، نیز ترمذی میں ہے قال ابو عیسیٰ استغرب محمد بن اسماعیل ہذا الحدیث من حدیث عمر بن علی قلت تراہ تدلیسا؟ قال: لا اہ تہذیب السنن میں منذری فرماتے ہیں: وحکی البیہقی عن الترمذی ان ذکرہ محمد بن اسمعیل البخاری زکاۃ العجبہ یعنی امام بخاری نے جب یہ حدیث اس سند سے سنی تو اس کو پسند فرمایا اہ اس کے بعد حافظ منذری نے عمر بن علی کے بارے میں لکھا: وقد اتفق البخاری ومسلم علی الاحتجاج بحديثه ورواه عن عمر بن علی ابوسلمة یحییٰ بن خلف الجویباری وهو ممن یروی عنہ مسلم فی صحیحہ، وھذا اسناد جید وھذا صحیح الترمذی، وهو غریب کما اشار الیہ البخاری والترمذی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حافظ منذری نے ترمذی والی روایت کے تمام رواۃ کی ثقاہت کو اپنے اس کلام میں ذکر کر دیا ہے اور پھر اخیر میں فرما رہے ہیں کہ یہ سند جید ہے اسی لئے اس حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے، اور گو غریب بھی ہے لیکن غرابت صحت کے منافی نہیں جیسا کہ مشہور اصولی مسئلہ ہے اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذلی میں ہے ذکر تخریج الحدیث الحافظ فی التلخیص والمسئلة اجماعیۃ لہذا الحدیث کما فی الاوجز، امام ابوداؤد نے اس حدیث

الخارج بالضمان کو بروایت عائشہ تین مختلف سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان تین میں سے ایک سند پر کلام کیا ہے

## باب اذا اختلف البيعان والمبيع قائم

اخبرني عبد الرحمن بن قيس بن محمد بن الاشعث عن ابيه عن جده قال اشترى الاشعث رقيقاً من رقيق الخمس من عبد الله بمشربين الفانحة. عبد الرحمن بن قيس روایت کرتے ہیں اپنے باپ قیس سے اور قیس روایت کرتے ہیں عبد الرحمن کے دادا محمد بن الاشعث سے، محمد بن الاشعث اپنے والد یعنی اشعث کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اشعث نے بیت المال کے غلاموں میں سے چند غلام عبد اللہ بن مسعود سے خریدے بیس ہزار درہم میں، عبد اللہ بن مسعود نے ثمن لینے کے لئے اشعث کے پاس آدمی بھیجا، اشعث نے کہا کہ میں نے وہ غلام دس ہزار درہم میں خریدے ہیں (اور عبد اللہ فرماتے تھے کہ بیس ہزار میں خریدے ہیں) جب ان دونوں میں اختلاف ہوا تو عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ کسی شخص کو اپنے اور میرے درمیان حکم بنالغیجے، اشعث نے کہا میرے اور آپ کے درمیان خود آپ ہی حکم ہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، اذا اختلف البيعان وليس بينهما بينة فهو ما يقول رب السلعة او يتاركان۔

شرح الحدیث و بیان مذاہب لائمۃ | یعنی جب بائع اور مشتری کا مقدار ثمن میں یا مبیع میں اختلاف ہو اور بینۃ کسی کے پاس نہ ہو تو پھر رب السلعة یعنی بائع کا قول معتبر ہوگا (یعنی مع یمینہ) اور یا پھر دونوں اس معاملہ کو چھوڑ دیں اور فسخ کر دیں، یعنی یا تو مشتری بائع کے قول کو مع یمینہ تسلیم کر لے اور اس پر راضی ہو جائے، اگر ایسا ہے تو فیہا اور اگر مشتری راضی نہ ہو تو پھر وہ بھی اپنی بات پر قسم کھالے اور پھر قاضی دونوں کے درمیان معاملہ کو فسخ کر دے یعنی ثمن مشتری، مشتری کو واپس کر دیے جائے اور مبیع مشتری سے لیکر بائع کو دیدی جائے۔

جاننا چاہیے کہ یہ مسئلہ مشہور اختلافی ہے بین الخفیۃ والشافعیۃ، اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اوپر حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً ہے خواہ سلعة یعنی مبیع موجود ہو یا ہلاک ہو گئی ہو، اور اس دوسری صورت میں تراد کا مطلب یہ ہوگا کہ مشتری مبیع کی قیمت واپس کرے اور امام محمد بھی ان ہی کے ساتھ ہیں اور شیخین امام ابو حنیفہ و ابو یوسف اور امام مالک کے نزدیک یہ حکم مذکور فی الحدیث اس صورت میں ہے جبکہ مبیع قائم ہو اور اگر مبیع ہلاک ہو گئی ہو تو پھر ان دونوں کے نزدیک القول قول مشتری مع یمینہ، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اذا اختلف البيعان والسلعة قائمۃ جس کی طرف مصنف نے بھی خود اشارہ کیا ہے ترجمۃ الباب میں اسلئے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں، والمبيع قائم کی قید لگائی ہے۔

ہذا ترجمہ الباب میں حنفیہ کی تائید ہوئی۔

**تفصیل المسئلة** یہ جو کچھ اب تک ذکر کیا گیا حدیث الباب کی شرح میں اور اس کے بعد فقہاء کا اختلاف یہ سب اس صورت میں تھا جبکہ بائع اور مشتری میں سے کسی کے پاس بیع نہ ہو، اور اگر کسی

ایک کے پاس بیع نہ ہو اپنے دعویٰ پر تو صاحب بیع کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر ہر ایک نے بیع قائم کر دیا تو اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ جو بیع مثبتہ للزیادۃ ہوگا وہ اولیٰ ہوگا، اس حدیث کے ذیل میں مولانا محمد علی بن محمد و بہذا ناخذ، اذا اختلفا فی الثمن تحالفوا و ترادا البیع و هو قول ابی حنیفہ و العامة من فقہائنا اذا کان المبیع قائما ببعیته، فان کان المشتري قد استہلک ما قال المشتري فی الثمن فی قول ابی حنیفہ (روای یوسف) دامانی قولنا فیتحالفان و یتردان القیمۃ اھ اس میں امام محمد نے تصریح کر دی ہے کہ ان کی رائے اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ نہیں بلکہ وہ اس میں امام شافعی کے ساتھ ہیں لکہا قد سلف منافی بیان المذاهب۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

### باب فی الشفعة

**شفعة کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تحقیق و تنقیح** شفعة کے لغوی معنی ضم کے ہیں، قال القسطلانی وصی فی اللغة الضم علی الاثر من شفعت الشئ ضمته فی ضم نصیب الی نصیب، وفی الشرع حق تملک قبری یشب للشریک القیم علی الحادث فیما لک بعوض اور فتح الباری میں ہے:

وفی الشرع انتقال حصۃ شریک الی شریک کانت انتقلت الی اجنبی بمثل العوض المسمی ولم یختلف العلماء بمشروعیۃہا الا بالتقل عن ابی بکر الا ضم من انکار ہا اھ ان تعریفات میں جمہور کے مسلک کی رعایت کی گئی ہے جن کے نزدیک شفعة کا ثبوت صرف شریک کے لئے ہوتا ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک شفعة کا انحصار شریک میں نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک شفعة بحق جوار بھی ہوتا ہے جیسا کہ آگے مفصلاً آ رہا ہے حافظ نے جو تعریف کی ہے اس کا مطلب ہے کہ احد الشریکین کا حصہ جو بیع کی وجہ سے کسی اجنبی شخص کی طرف منتقل ہو گیا ہے (یعنی مشتری) اس کا منتقل ہونا اس اجنبی سے شریک آخر کی طرف عوض مسمی کے بدلہ میں، اس سے مراد وہ ثمن ہے جو مشتری نے ادا کیا ہے بائع کو، یہ احد الشریکین کے حصہ کا انتقال شریک آخر کی طرف جس کو شفعة کہا جاتا ہے اس کا حصول چونکہ شریک آخر کے لئے غیر اختیاری ہے یعنی شرعی طور پر اس کو یہ حق پہنچتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے اس حق کو لے یا نہ لے

علم کسی زمین یا مکان کی بیع کے وقت شرکت یا جوار کی وجہ سے احد الشریکین یا پڑوسی کیلئے حق تملک حاصل ہونا ثمن مشتری،

اسی لئے قسطلانی نے شفعہ کی تعریف میں حق تملک قہری ای غیر اختیاری کہا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے وراثت کہ ایک وارث کو دوسرے وارث کے مال کا استحقاق غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے، اسی طرح شفعہ بھی ہے کہ شریعت نے احد الشریکین اور پڑوسی کے لئے شریک آخر اور جار کے حصہ میں حصہ رکھا ہے اگر وہ شریک چاہے تو شریک آخر کا وہ حصہ جو شخص آخر اجنبی یعنی مشتری کے پاس پہنچ گیا ہے اس کو اس سے لے سکتا ہے جتنے میں وہ چیز مشتری کو پڑی ہے، اسی لئے ہمارے فقہار نے شفعہ کی تعریف اس طرح کی ہے تملک البقعة بما قام علی مشتری بسبب الشریکة او الجوار، ہر معنی اصطلاحی میں معنی لغوی بھی ملحوظ ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی شفعہ شرعی میں اس کے — لغوی معنی یعنی ضم حصہ الی حصہ پائے جاتے ہیں یعنی ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ کو اپنے حصہ کی طرف ملاتا ہے (وہذا غایۃ توضیح لهذا المقام)

**اسباب شفعہ عند الائمۃ** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اسباب شفعہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، ہمارے یہاں اسباب شفعہ دو ہیں شرکت اور جوار، پھر شرکت کی دو قسمیں ہیں، شرکت فی نفس المبیع، اور شرکت فی طریق المبیع طریق کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ مقصود شرکت فی حق من حقوق المبیع ہے کا طریق والشرب وکحوہما، اور عند الجمهور وائمہ ثلاثہ مبیعت مخریج شرکت فی نفس المبیع میں، لہذا اسباب شفعہ ہمارے یہاں تین ہیں اور جمهور کے نزدیک صرف ایک، یعنی شرکت فی نفس المبیع، باقی دو کے وہ قائل نہیں ہیں۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الشفعۃ فی کل شریک ربعة او حائط لا یصلح ان یشیع حتی یوذن شریکہ فان باع فهو باع حتی یوذنہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہر مشترک چیز یعنی مکان یا باغ میں شفعہ ثابت ہے، شریکین میں سے کسی ایک کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنا حصہ کسی اجنبی شخص کو فروخت کرے یہاں تک کہ اپنے شریک کو مطلع نہ کر دے پس اگر اس نے اپنا حصہ قبل الاذان فروخت کر دیا تو اس کا شریک آخر اس کے حصہ کا زیادہ حقدار ہوگا بہ نسبت مشتری کے۔

اس حدیث میں دو مسئلے ہیں ایک وہی اوپر والا اختلافی مسئلہ کہ حق شفعہ صرف شریک ہی کے لئے ہوتا ہے شئی مشترک میں یا غیر شریک یعنی پڑوسی کے لئے بھی ہوتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ کہ شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے، صرف مکان اور زمین ہی میں یا اس کے علاوہ میں بھی۔

**شفعہ کن کن چیزوں میں ہوتا ہے** | یہ دوسرا مسئلہ بھی اختلافی ہے، خطابانی فرماتے ہیں حدیث الباب میں دلیل ہے اس بات پر کہ شفعہ صرف مکان اور زمین میں واجب ہوتا ہے

اس کے علاوہ دوسری چیزیں سامان اور حیوان وغیرہ میں نہیں ہوتا، ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث مرفوعہ مروی ہے، "الشریک شیفع والشفعۃ فی کل شئی۔" یہ روایت ترمذی میں مرسلہ و مسند دونوں

طرح مروی ہے، لیکن امام ترمذی نے روایت مرسلہ کو اصح قرار دیا ہے، اور پھر اس کے بعد فرماتے ہیں: وقال اکثر اهل العلم انما تكون الشفعة في الدور والارضين ولم ير والشفعة في كل شئ، وقال بغض اهل العلم الشفعة في كل شئ والاول اصح، تحفة الاحوذی میں، "الشفعة في كل شئ" پر لکھا ہے وہ قال مالک فی روایت، وهو قول عطاء، اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک شفعہ منقولات میں سے صرف حیوانات میں ہے، باقی منقولات میں نہیں، کذا فی الفتح (تحفة) والحديث اخرجه مسلم والنسائي، قاله المنذرى۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال انما جعل رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الشفعة في كل مال لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة۔

یعنی شفعہ ہر اس مال مشترک میں ہے جس کو ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا اور پھر جب ہر شریک کے حصہ کی حدود متعین کر دی جائیں یعنی اس کی شرکت کو ختم کر کے ہر شریک کا حصہ میسر اور جدا کر دیا جائے اور راستے بھی الگ الگ کر دیئے جائیں پھر شفعہ نہیں رہتا۔

حدیث جو کہ دلیل جمہور ہے | جمہور علماء اور ائمہ ثلاث نے اپنے مسلک پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حق شفعہ کے مختلف اسباب ہیں جن میں ایک شرکت بھی ہے، جب یہ بات ہے تو پھر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائیگا کہ مکان مشترک یا ارض مشترک کی تقسیم کے بعد جو حق شفعہ شرکت کی وجہ سے حاصل تھا، تقسیم کے بعد اب وہ نہیں رہا، اب اگر کسی حدیث سے شرکت کے علاوہ کسی اور چیز کا سبب شفعہ ہونا ثابت ہوگا تو پھر یہ حدیث اس کے منافی ہونگی، اور ہم کہتے ہیں دوسری احادیث سے شرکت فی الطريق اور اسی طرح جوار کا سبب شفعہ ہونا ثابت ہے لہذا اس کی اس حدیث میں نفی نہیں ہے (بذل) والحدیث اخرجه البخاري والترمذي وابن ماجه، قاله المنذرى۔

آگے اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آرہی ہے اذا قسمت الارض وحُدَّت فلا شفعة، اخرجه النسائي وابن ماجه مسندا ومرسلا، قاله المنذرى۔

عن ابراهيم بن ميسرة سمع عمرو بن الشريد سمع ابا رافع سمع النبي صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول الجار حق بسقبة۔

سَقَب بمعنی قرب، یعنی آدمی کا پڑوسی اپنے پڑوسی کا اپنے قرب و جوار کی وجہ سے زیادہ مستحق ہے، یعنی بہ نسبت اس شخص اجنبی یعنی مشتری سے، جس نے کسی کا مکان خریدا ہے۔



## دلیل الحنفیہ اور اس پر اشکال و جواب

یہ حدیث شفعہ لاجل الجوار میں حنفیہ کی دلیل ہے، خطاب نے اس پر چند تعقب کئے ہیں اول یہ کہ یہ حدیث تو اپنے مضمون میں مبہم ہے محتاج کشف و بیان ہے کیونکہ اس میں شفعہ کا کوئی ذکر نہیں، لہذا اس میں دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے اس سے مراد شفعہ ہی ہو، اور ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو انہ احق بالبر والمعونۃ، یعنی آدمی کا پڑوسی پڑوسی کی وجہ سے سزا کا اس کا کہ اسکے ساتھ بھلائی اور ہمدردی اور اعانت کی جائے، اور ایک نقد یہ کیا ہے کہ لفظ جار کا اطلاق شریک پر بھی ہوتا ہے جس طرح کہ زوجہ پر بھی جارہ کا اطلاق ہوتا ہے، تیسرا نقد یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے اور وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ شفعہ صرف شریک کیلئے ہوتا ہے اسانیدھا خیار لیس فی شئی مہنا اضطراب۔

خطابی کے پہلے نقد کا جواب یہ ہے کہ الجار احق بسبقہ اس حدیث میں کہا جا سکتا ہے شفعہ کا ذکر نہیں لیکن اس کے بعد والی روایت میں شفعہ کی تصریح ہے۔ جار الدار احق بدار الجارہ دوسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح ہے اس بات کی کہ جار سے مراد جار ہی ہے شریک نہیں، جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ثم قد روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اسباب الشفعۃ بالجوار، وتفسیر ذلک الجوار ما قد حدثنا..... عن عمرو بن الشریک عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ارض لیس لاحد فیہا قسم ولا شرک الا الجوار بیعت قال الجار احق بسبقہ، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے اس بات کی کہ جس زمین کے بارے میں سائل نے آپ سے سوال کیا تھا اس میں کسی قسم کی کوئی شرکت فی المبیع یا شرکت فی الطریق کچھ نہیں تھی سوائے جوار کے اور اس کے باوجود آپ نے حق شفعہ کو ثابت فرمایا۔

اور تیسرے نقد کا جواب یہ ہے کہ اضطراب صرف بعض احادیث کے بعض طرق میں ہے، اور بعض اس میں ایسی بھی ہیں جو ہر قسم کے اضطراب و اختلاف سے محفوظ ہیں جیسا کہ حدیث الحسن عن سمرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جار الدار احق بالدار قال ابو عیسیٰ فی الباب عن الشریک والی رافع والنسائی قال ابو عیسیٰ حدیث سمرة حدیث حسن صحیح، اور پھر بعض رواۃ نے جو اس میں اختلاف کیا ہے اس کو امام ترمذی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں والبیع عند اہل العلم حدیث الحسن عن سمرة۔ الی آخر ما ذکر الترمذی من اختلاف الروایات وترجیح بعضها علی بعض وفی آخرہ سمعت محمد بن یقول کلا الحدیثین عندی صحیحان والحدیث اخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال الترمذی۔

## باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعہ بعینہ

اس ترجمہ الباب اور حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے اصل مسئلہ اور اس میں اختلاف علماء کو سنئے۔



سئل مترجم بہا کی تشریح اگر کوئی شخص مدیون مفلس ہو بہت سوں کا مقروض و مدیون ہو تو اس کے پاس جو مال ہو یا کہیں سے آئے تو وہ تمام ارباب حقوق کو علی حسب الرؤس دیا جاتا ہے اور اس میں اختلاف ائمہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی لیکن اگر کسی شخص کا بعینہ مال اس

مدیون کے پاس ہو تو اس صورت میں ترجیح ہوگی کہ وہ مخصوص شئی صرف اس کے مالک کو دی جائے، اب اسکے بعد سمجھئے کہ اس مخصوص شئی سے کیا مراد ہے، مال و دیعت و مال غصب و عاریتہ یہ تو بالاتفاق ہے، اس مال مخصوص میں مبیع بھی داخل ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی داخل ہے، حنفیہ کے نزدیک مبیع اس میں داخل نہیں، کیونکہ تبدیل ملک سے حکماً تبدیل عین ہو جاتا ہے شرعاً جیسا کہ حدیث بریرہ، لک صدقہ و لنا حدیثہ سے ثابت ہے، لہذا مبیع پر فوجد الرجل مالہ بعینہ صادق نہیں آتا، اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ میں بائع احق بالمبیع نہ ہوگا بلکہ اسوۃ للفرار ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس حدیث کے مصداق میں مبیع بھی داخل ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ بائع احق بالمبیع ہوگا، پھر ان ائمہ میں آپس میں بعض جزئیات میں اختلاف ہے مثلاً یہ کہ شافعیہ کے یہاں بائع کو ترجیح ہر حال میں ہوگی مدیون زندہ ہو یا مرچکا ہو، اور مالکیہ کے یہاں مدیون کی زندگی میں تو بائع کو ترجیح ہوگی یعنی بائع احق بالمبیع ہوگا اور بعد الموت نہیں، اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو کچھ ثمن ادا کر دیا تھا تو شافعیہ کے یہاں اس میں بھی عموم ہے کہ بائع کو دونوں صورتوں میں ترجیح ہوگی اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کو کچھ بھی حصہ ثمن کا ادا نہ کیا ہوگا تب تو بائع کو ترجیح ہوگی، اور اگر اس نے ثمن کا کچھ حصہ ادا کر دیا تھا تب ترجیح نہ ہوگی۔

یہ دونوں اختلافی مسئلے شافعیہ اور مالکیہ کے باب کی آنے والی حدیثوں سے سمجھ میں آرہے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک بائع کو کسی حال میں ترجیح نہ ہوگی۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اس مسئلہ کی جن روایات میں فوجد الرجل مالہ بعینہ کیساتھ بیع کا ذکر نہیں ہے وہاں تو حنفیہ کے مسلک پر کوئی اشکال نہ ہوگا، وہاں پر حنفیہ کھل کر یہ کہیں گے کہ مالہ بعینہ صرف ودائع و عواری وغیرہ پر محمول ہے مبیع اس میں داخل نہیں، لیکن اگر خود حدیث میں بیع کی تصریح ہو جیسا کہ بعض روایات الباب میں ہے تو پھر حنفیہ کی توجیہ کیسے چلے گی؟ اس کا جواب علامہ سندھی نے ماشیۃ نسائی میں یہ دیا ہے کہ انہ محمول علی الماخوذ علی سؤم الشراء او المبیع بشرط الخيار للبائع، یعنی بیع سے مراد مساومت ہے یعنی خریدنے کے لئے بائع کے ساتھ

۱۔ مدیون مفلس یا مفلس وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے دیون ہوں مگر دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے تسدید دین کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، دائنین کے مراد عند القاضی کے بعد قاضی بعد التحقیق اس کے اقل اس کی تصدیق کر دے۔

بھاؤ کرنا، اور جو چیز بھاؤ کے وقت مشتری لیکر اپنے گھر جاتا ہے پسند کرنے کیلئے، یہ شئی مقبوض علی سوم الشرار ہے جس کو بیع بھی کہہ سکتے ہیں مجازاً، اور ایسے ہی وہ بیع جس کے اندر خیار شرط بائع کے لئے ہو، اس قسم کی بیع بھی ہمارے نزدیک خالص بائع کا حق ہوتی ہے، جیسا کہ تم نے قدوری میں پڑھا ہے۔ و خیار البائع يمنع خروج المبيع عن ملكه بخلاف خيار المشتري، اس تفصیل مسئلہ کے بیان سے ترجمۃ الباب اور حدیث الباب دونوں کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ حدیث میں کیا مسئلہ ہے اور اس میں کیا اختلاف ہے، اور یہ بھی کہ حدیث اگر حنفیہ کے خلاف ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے، فلتہ الحمد والمنة۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ایما رجل افلس فادرك الرجل متاعه بعينه فهو احق به من غيره، اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذر ایما رجل باع متاعا فافلس الذي ابتاعه ولم يقبض الذي باعه من ثمنه شيئا فوجد متاعه بعينه فهو احق به وان مات المشتري فصاحب المتاع اسوة الغرماء۔

بائع کے احق بالمبيع ہونے میں شافعیہ و مالکیہ کے جو دو جزئی اختلافی مسئلے ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان دونوں مسئلوں میں یہ حدیث مالکیہ کی دلیل ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے، اور پھر آگے دو حدیثوں کے بعد جو تیسری حدیث آرہی ہے۔ عن عمر بن خالد قال اتينا ابا هريرة في صاحب لنا افلس، فقال لا قضين فيكم بقضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، من افلس ارمات فوجد رجل متاعه بعينه فهو احق به۔ یہ حدیث مالکیہ کے خلاف اور امام شافعی کے موافق ہے، حدیث عمر بن خالد اخرجه ابن ماجہ، قال المنذر۔

### باب فی من احیی حسیرا

مسئلہ مترجم بہا کی تشریح و اختلافائمہ | حسیرا خوذہ جسور سے بمعنی ماندہ شدن (تھک جانا) وہ جانور جو سفر میں راستہ میں چلتا ہوا تھک کر شئی سے عاجز

ہو کر رک جائے، یہ بات زیادہ تر اونٹوں میں پائی جاتی ہے کہ بعض مرتبہ وہ تھک کر ایسا بیٹھتا ہے کہ کھڑا ہونے کا نام نہیں لیتا، اور پھر اس کا مالک مجبوراً اس کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے چلے جاتا ہے، مصنف کی غرض اس قسم کے

اونٹ کا حکم بیان کرنا ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے من وجد دابة قد عجز عنها اهلها ان يعلفوها فسيبوها فاخذها فاحياها فقه له، اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص اس قسم کے جانور کو جس کو اس کا مالک چھوڑ کر چلا گیا ہوا اٹھائے اور پھر اس کا احیا کرے جس طرح ارض موات کا احیا ہوتا ہے یعنی اس کو کھلائے پلائے خدمت کرے جس سے وہ دوبارہ کار آمد ہو جائے فہی لہ تو یہ جانور اسی کا ہو جاتا ہے، امام احمد اور اسحاق

ابن راہویہ کا اس حدیث پر عمل ہے، اور مصنف بھی چونکہ غالباً حنبلی ہیں اسی لئے انہوں نے یہ باب قائم کر کے حنبلیہ کا مذہب ثابت کیا ہے، اور جمہوریہ کہتے ہیں کہ یہ جانور یعنی حسیر ظاہر ہے کہ لفظ ہے اور لفظ کا حکم احادیث لفظ میں اس کے خلاف مذکور ہے، اور وہ احادیث اس حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور مشہور ہیں لہذا ان ہی پر عمل ہوگا۔ من تراء دابة بمهلك، مہلک موضع ہلاکت، یعنی ایسی ویران جگہ جہاں گھاس پانی نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔

**شرح السند** باب کی حدیث اول کی سند میں اس طرح ہے وقال عن ابان ان عامرا الشعبي قال کی ضمیمہ مصنف کے استاذ موسیٰ بن اسماعیل کی طرف راجع ہے اور موسیٰ کے اس حدیث کی سند میں دو استاذ ہیں جاتے تحویل سے پہلے جو سند ہے اس میں ان کے استاد حماد ہیں اور بعد والی سند میں استاد ابان ہیں، تو مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ نے جب یہ حدیث حماد سے بیان کی تب تو انہوں نے سند میں عن الشعبي کہا، اور ان کی سند جو ابان سے ہے اس میں انہوں نے بجائے عن الشعبي کے ان عامر الشعبي کہا گویا دو فرق ہوئے ایک عن اور ان کا دوسرا یہ کہ پہلی روایت میں شعبی کا نام مذکور نہیں، اور دوسری میں شعبی کا نام عامر مذکور ہے۔

**باب فی الرهن** عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لبن الذي يرحل بنفقة إذا كان مرهونا والظاهر يركب بنفقته إذا كان مرهونا، وعلى الذي يرحل ويركب النفقة۔

**شرح الحدیث من حیث الفقہ و بیان المذاهب** حدیث الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے یعنی انتفاع المرتهن بالمرهون پہلے اس کو سمجھ لیجئے، وہ یہ کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ شئی مرهون اگر کوئی حیوان ہے سواری کے لائق یا دودھ کے قابل تو مرتهن کے لئے اس سے منتفع ہونا جائز ہے، یعنی اس کا دودھ وہ خود رو ہے اور اگر سواری کا جائز ہے تو اس پر سوار ہو، اور اس صورت میں گھاس دانہ اور خرچہ مرتهن ہی کے ذمہ ہوگا، وہی اس کو کھلائے پلائے گا اور وہی اس سے منتفع ہوگا، ورنہ مالک تو منتفع ہو ہی گا مالک ہونے کی حیثیت سے، اور اسی کے ذمہ اس کا نفقہ ہوگا ائمہ ثلاث کے نزدیک مرتهن کا شئی مرهون سے منتفع ہونا جائز نہیں، حنبلیہ کا استدلال حدیث الباب ہی سے ہے اور مصنف چونکہ حنبلی ہیں تو بظاہر ان کا مقصد بھی یہی ہے، حنبلیہ نے بنفقته میں بار کو سببیہ قرار دیا ہے یعنی مرتهن نفقہ کے سبب اس کا دودھ روہ سکتا ہے اور اس پر سوار ہو سکتا ہے، جمہور کی طرف سے اس حدیث کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ربا کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، پھر جب ربا



میں حدیث مذکور میں عند الاستیاج کی قید کا اضافہ ہے، ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ فقہار بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عند الاستیاج ہے، مگر مصنف نے حدیث میں اس زیادتی کا انکار کیا ہے وہ اس کو ثابت نہیں مان رہے ہیں منکر قرار دے رہے ہیں، مصنف کی اس رائے پر حضرت نے بذل میں کلام فرمایا ہے اور یہ کہ یہ منکر نہیں بلکہ زیادۃ ثقہ ہے، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الرجل یجد عین مالہ عند رجل

ترجمۃ الباب الی مسئلہ کی تشریح | اس سے پہلے قریب ہی میں جو باب گذرا ہے، باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعہ بعینہ، اس میں اور اس باب میں فرق دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس باب کی حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہو گیا ہے وہ یہ کہ باب اول کا تعلق مشتری مفلس سے تھا (علی مسلک الجہور) یا غاصب اور سارق و مودع سے تھا (علی مسلک الخفیۃ) اور اس باب کا تعلق غاصب یا سارق سے نہیں اور نہ مدیون سے ہے بلکہ مشتری من الغاصب اور مشتری من السارق سے ہے، یعنی کسی شخص نے کسی کا مال چوری کر لیا اور پھر اس سارق نے وہ مال کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اس اپنی چیز کو اس مشتری کے پاس دیکھا، علی هذا القیاس غصب، کہ کسی نے کسی کا مال غصب کیا اور پھر اس غاصب نے اس مال کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اصل مالک نے اپنی اس چیز کو مشتری من الغاصب کے پاس دیکھا، تو اس کے بارے میں حدیث الباب میں یہ ہے، من وجد عین مالہ عند رجل فهو حق بہ ویستحب البیع من باعہ، بیع بمعنی مشتری، یعنی جس شخص نے اپنا مال کسی شخص کے پاس دیکھا تو وہ مالک ہی اس کا زیادہ مستحق ہے اور مشتری کو چاہیے کہ وہ بیچا کرے اپنے بائع کا، یعنی صورت مذکورہ میں وہ مالک اپنی شئی اس مشتری سے لے لے اور پھر اس مشتری کو چاہئے کہ اپنے ٹمن کا مطالبہ بائع سے کرے، بائع سے مراد غاصب اور سارق ہے جو حکم اس حدیث میں مذکور ہے، فقہار بھی اس کے بارے میں یہی فرماتے ہیں مگر اس طور پر کہ وہ مالک مشتری کے سامنے بیع سے ثابت کر دے کہ یہ چیز میری ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہندا ام معاویۃ جاءت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فقالت ان اباسفیان رجل شحیح الخ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت معاویہ کی والدہ ہندا رضی اللہ تعالیٰ عنہما



حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور آکر اپنے شوہر ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ بخیل آدمی ہے اور وہ میرے خرچ کے لئے اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو جائے تو کیا میں اس کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے کچھ لے سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں بقدر کفایت کے لے سکتی ہو، یعنی عرف و عادت میں عام طور سے جتنا کافی ہو جاتا ہے اتنا لے سکتی ہو۔

**مسئلۃ الظفر کی تشریح اور مذاہب ائمہ** | اس حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا نام ہے مسئلۃ الظفر یعنی ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کوئی حق ہے جس کو وہ ادا نہیں کرتا تو کیا ایسی صورت میں وہ صاحب حق اپنا حق اس شخص کے مال میں سے بغیر اس کی اجازت کے خفیہ طور پر لے سکتا ہے یا نہیں اس حدیث سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ لے سکتا ہے فقہار میں سے امام احمد کا مسلک اس کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مطلقاً لینا جائز نہیں وہ اس کو خیانت قرار دیتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو اسی باب میں اس کے بعد آرہی ہے، باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے مگر تفصیل میں قدرے اختلاف ہے فعند الشافعی یا حذ من جنس حقه الا اذا تعذر الجنس فمطلقاً، یعنی امام شافعی کے نزدیک صاحب حق اپنا حق لے سکتا ہے لیکن جس چیز کو لے رہا ہے وہ من جنس حقه ہونی چاہیے، خلاف جنس سے لینا جائز نہیں، مثلاً کپڑے کے بدلہ میں کپڑے لے سکتا ہے، دراہم یا دنانیر وغیرہ نہیں لے سکتا مگر یہ کہ من جنس حقه لینا مستعذر ہو تو پھر ان کے نزدیک خلاف جنس سے بھی لے سکتا ہے اور حنفیہ کے یہاں اس میں دو روایتیں ہیں، فی روایۃ لا مطلقاً، یعنی ایک روایت یہ ہے کہ مطلقاً جائز نہیں جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ صرف من جنس حقه لے سکتا ہے (والنقدان ای الدرہم والدنانیر من جنس واحد) اور امام مالک سے اس میں تین روایتیں ہیں مذاہب ثلاثہ مذکورہ کے مانند، والحدیث اخرجه البخاری ومسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن یوسف بن ماہک المکی قال کنت اکتب لفلان نفقة ایام کان ولیہم فخالطوا بالف درهم

فادھا الیہم فادرکت الہم من مالہم مثلھا الخ۔

یوسف بن ماہک کہتے ہیں کہ فلاں شخص جو کہ بعض یتیم بچوں کے متولی تھے میں ان کے خرچ کا حساب کتاب کیا کرتا تھا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان یتیم بچوں نے (یعنی جب وہ ہوشیار ہو گئے) اپنے متولی کو ایک ہزار درہم کے ساتھ مغالطہ میں ڈال دیا، متولی نے ان کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے ایک ہزار درہم ان کو ادا کر دیا تو وہ یوسف جو ان کے محاسب تھے وہ کہتے ہیں کہ کچھ روز بعد حساب کتاب کے میں ایک ایسے موڑ پر پہنچا جس میں میرے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ میں وہ ہزار درہم ان کے ان ایام کے مال میں سے لے لوں، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں اس شخص سے یعنی متولی سے معلوم کیا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں وہ تمہارے ہزار درہم حساب



میں سے نکال لوں تو انہوں نے مجھے منع کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی جو ان کو ان کے باپ کے واسطے سے پہنچی تھی اِذِ الْاِمَانَةِ اِلَى مِنْ اَثْمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مِنْ خَانِكَ، کہ جس شخص نے تجھ کو اپنا امین بنایا ہے اس کی امانت اس کو پوری پوری حوالہ کر، اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت مت کر اس مسئلہ الظفر میں امام احمد کی یہی حدیث دلیل ہے، لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تو خیانت سے منع کیا گیا ہے اور کسی سے اپنا حق وصول کرنا وہ جس طرح بھی ہو بغیر اس کی اجازت ہی کے سہی یہ خیانت کہاں ہے یوسف بن ماہک جو راوی حکایت ہیں وہ جن صاحب کے کاتب تھے یعنی متولی ایام ان کا نام تو یہاں روایت میں مذکور نہیں، اور انہوں نے یہ حدیث اپنے باپ کے حوالہ سے نقل کی ہے لہذا ان کے باپ بھی مجہول ہوئے اس لئے اس اوپر ولے متن کا راوی کون صحابی ہیں یہ تو معلوم نہ ہو سکا، اس کے بعد مصنف نے یہی متن بروایت ابو ہریرہ مرفوعاً ذکر کیا ہے، قال المنذری و حدیث ابی ہریرۃ أخرجه الترمذی وقال حسن غریب اھ (غون)

### باب فی قبول الهدایا

اس سے پہلے کتاب الخراج میں "هدایا العمال" کے عنوان سے باب گذر چکا جس میں مصنف نے ابن التیمیہ کی حدیث ذکر کی تھی، اور یہ باب جو ہے مطلق ہدیہ سے متعلق ہے، عمال سے اس کا تعلق نہیں ہے لیکن ہدایا العمال ہی کے عنوان سے ایک مستقل باب کتاب القضاء میں بھی آ رہا ہے یعنی کتاب القضاء کی مناسبت سے، اور اس سے پہلے جو گذرا ہے وہ کتاب الخراج کی مناسبت سے تھا اور چونکہ مال کا مسئلہ بہت زیادہ احتیاط طلب ہے اسلئے اس کی اہمیت کے پیش نظر مصنف نے دو جگہ اس کا باب قائم کیا ہے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقبل الهدیۃ ویثیب علیہا یعنی آپ کی عام عادت شریفہ ہدیہ قبول کرنے کی تھی اور یہ بھی کہ آپ اپنے چہدئی کو بھی ہدیہ دیا کرتے تھے، خطابی فرماتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہدیہ قبول فرمانا یہ محاسن اخلاق کے باب سے ہے جس کے ذریعہ آپ لوگوں کی تالیف قلوب فرماتے تھے، اور ہدیہ قبول کر کے اس کو کھانا یہ آپ کی ایک خاص شان اور علامت تھی جس کا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے، یعنی یہ کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے اور صدقہ قبول نہ کریں گے، اور ہدیہ قبول کرنے کے بعد آپ کا خود اس کو ہدیہ دینا اس کی مصلحت ظاہر ہے تاکہ آپ دوسرے کے احسان مند ہو کر اس سے نہ دیں (بذل) والحدیث أخرجه البخاری والترمذی، قال المنذری۔

وَأَيْمُ اللّٰهِ لَا أَقْبِلُ بَعْدَ يَوْمِي هَدَايَا مَنْ أَحَدُهُدِيَّةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِهَاجِرًا فَوْشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا  
اور دوسیا او ثقفیا، یہ حدیث یہاں مختصر ہے جس کو امام ترمذی نے کتاب المناقب کے اخیر میں مفصلاً ذکر کیا ہے

وہ یہ کہ ایک اعرابی نے آپ کی خدمت میں ایک ناقہ بطور ہدیہ کے پیش کی جس کو آپ نے قبول فرمایا اور پھر بعد میں اس اعرابی کو اس ناقہ کے عوض میں چھ اونٹنیاں عطا کیں مگر وہ اس پر بھی خوش نہ ہوا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر خاندان کا فرد اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے، اور پھر حنفیہ قبائل کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے علاوہ آئندہ میں کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں گا ایسم اللہ الفاظ قسم میں سے ہے فنی الجمع وایم اللہ لفظ قسم ذولغات، و ہمز تہا وصل، وقد تقطع، تفتح وتکسر اھ۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب الرجوع فی الہبۃ

مذاہب ائمہ کی تحقیق مع الدلیل | مسئلہ اختلافی ہے، امام مالک وشافعی و احمد کے نزدیک و اہلب کیلئے رجوع فی الہبۃ ناجائز ہے الا یہ کہ وہ ہبہ باپ کی طرف سے بیٹے کے لئے ہو تو باپ کے لئے رجوع فی الہبۃ جائز ہے، ان حضرات کا استدلال باب کی حدیث ثانی سے ہے جس میں اس طرح ہے "الا والدیما یعطی ولده" اور امام شافعی کی باپ کے علاوہ دیگر اصول میں دور وائشیں ہیں، اصح قول میں باقی اصول کا بھی وہی حکم ہے جو والد کا، اور حنفیہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے ان کے نزدیک و اہلب کے لئے ہدیہ اجانب میں رجوع کرنا جائز ہے بشرطیکہ مہرب لہ کی جانب سے اس کو عوض نہ ملا ہو ورنہ جائز نہیں حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً الواہب الحق بھبتہ مالم یشب منہا، اور جو ہدیہ ذی رحم محرم کو ہو اس میں رجوع جائز نہیں، نیز حنفیہ کے نزدیک زوجین اس مسئلہ میں ذی رحم محرم کے حکم میں ہیں۔ امام مالک کے مسلک کے بارے میں علامہ عینی لکھتے ہیں: ولیس لغير الاب الرجوع عند مالک الا ان عنده ان الام لهما الرجوع ایضا اذا کان ابوہ حیا، وھذا ہوالاشہر عند مالک وروی عنہ المنع اھ (تراجم) اور قاضی عیاض فرماتے ہیں: وجوز مالک الرجوع مطلقاً الا فی ھتۃ احد الزوجین من الآخر اھ (تحفہ) حنفیہ کی دلیل اصل مسئلہ میں یہ ہے "اذا كانت الہبۃ لذی رحم محرم لم یرجع رواہ الحاکم من حدیث الحسن عن سمرۃ مرفوعاً، اور ایک روایت اس سے پہلے گذر چکی الواہب الحق بھبتہ مالم یشب منہا، اخرجه ابن ماجہ والدارقطنی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً (تحفہ)

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کی توجیہ | اور حنفیہ نے جمہور کی دلیل یعنی باب کی حدیث ثانی، لایحل لرجل ان یعطی عطیۃ او ہب ہبتۃ فیرجع فیہا الا والدیما یعطى ولده، اس استثناء کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، یعنی اس سے مقصود رجوع فی الہبۃ کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس تصرف فی مال الابن کو بیان کرنا ہے یعنی عند الحاجة جو کہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ باپ کے لئے

بیٹے کے مال میں تصرف عند الحاجة مطلقاً جائز ہے (کذا فی الکوکب ص ۲۹۹) اور یہ جو حدیث میں ہے لایکل لاحد ان یعطی عطیۃ الا اس کا مطلب عدم جواز نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں جیسے کہا جاتا ہے لایکل للواجد رد السائل، اور اس معنی پر اس حدیث کو محمول کرنے کی حاجت اس لئے ہے تاکہ دوسری احادیث سے تعارض نہ ہو جن سے رجوع فی الہبہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے، اسی طرح العائد فی ہبۃ کالعائد فی قینہ۔ اس سے بھی عدم جواز پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ دوسری روایت میں ہے کالکلب یعود فی قینہ، اس لئے کہ فعل کلب کو حرام نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس سے مقصود تشنیع و تنقیح ہے۔

الحديث الاول عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه والحدیث الثانی اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه قال المنذری۔

مثل الذی یسترد ما وهب کمثل الکلب یقتی الخ۔ یعنی اس شخص کا حال جو ہبہ کرنے کے بعد اپنی چیز کو واپس لے کئے کی طرح ہے جو قتی کر کے اس کو کھائے۔ اگے روایت میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ہدیہ کو واپس لینا چاہے تو اس کو صوب لہ کو چاہئے کہ اپنے واپس کو سب کے سامنے کھڑا کرے اور جو ہدیہ وہ دیکر واپس لے رہا ہے لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر کرے اور اس کے بعد پھر واپس کرے۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ واپس کے لئے حق رجوع ثابت ہے جواز کے درجہ میں لیکن نہایت بے مروتی اور کمینہ پن کی بات ہے، والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه بنحوه، قال المنذری۔

### باب فی الہدیۃ لقضاء الحاجة

من شفع لاشیه شفاعۃ فاھدی لہ ہدیۃ علیہا فقبلہا فقد اتی بابا عظیما من ابواب الربا۔ اس حدیث میں شفاعت پر ہدیہ قبول کرنے پر وعید ہے اور اس کو رشوت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ شفاعۃ حسنہ شرعاً مندوب الیہ ہے اور بعض صورتوں میں واجب بھی ہو جاتی ہے تو پھر بعد میں اس پر ہدیہ لینا شفاعت کے اجر کو ضائع کرنا ہے جیسا کہ بیع کے اندر ربایینے سے اصل بیع جو کہ حلال تھی ضائع اور برباد ہو جاتی ہے۔

### باب فی الرجل یفصل بعض ولدہ فی النحل

نحل بمعنی عطیہ کسی شخص کا اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا عطیہ میں یہ شرعاً مذموم ہے، حدیث میں اس کی مذمت آئی ہے، اب یہ کہ صرف مذموم ہے یا ناجائز و حرام؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء و مہتمم الائمۃ الثلاثہ کے نزدیک یہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے، بعض علماء جیسے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ ان کے

ترجمۃ الباب والے مسئلہ کی تفصیل و مذاہب ائمہ

نزدیک تسویہ فی النخل واجب، اور تفصیل حرام ہے، اب یہ کہ تسویہ سے کیا مراد ہے؟ بعض شافعیہ و مالکیہ اور امام احمد اور ہمارے امام محمد کے نزدیک اس سے مراد میراث کے قاعدہ کی طرح للذکر مثل حظ الانثیین مراد ہے، اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ زندگی میں جو دیا جائے اس میں ذکر و انثی کا فرق معتبر نہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے سو و ابین اولاد کفر فی العطیۃ فلو کنت مفضلًا احد الفضل النساء۔ اخرجه سعید بن منصور و البیہقی (تحفہ) امام ترمذی حدیث الباہ کے تحت فرماتے ہیں: والعمل علی ہذا عند بعض اهل العلم يستحبون التسویۃ بین الولد حتی قال بعضهم یسوی بین ولدہ حتی فی القبلة، وقال بعضهم یسوی بین ولدہ فی النخل والعطیۃ، الذکر والانثی سوار، وهو قول سفیان الثوری، وقال بعضهم التسویۃ بین الولد ان یعطى الذکر مثل حظ الانثیین مثل قسمۃ المیراث وهو قول احمد اسحاق۔ حدثنا احمد بن حنبل ناہشیم ناہشیار وانا مغیرۃ وانا داؤد، عن الشعبي وانا مجالد و اسماعیل

بن سالم عن الشعبي عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

**شرح السند** | اس حدیث میں مصنف کے استاد امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد، بشیم ہیں، پھر بشیم اس حدیث کو اپنے پانچ اساتذہ سے روایت کرتے ہیں ستیاری، مغیرہ، داؤد، مجالد، اسماعیل اور یہ پانچوں شعبی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الاطراف میں ابو داؤد کی اس سند کو اس طرح نقل کیا ہے عن ابن حنبل عن بشیم عن سیار و مغیرۃ و داؤد بن ابی ہند و مجالد و اسماعیل بن سالم، خمسہم عن الشعبي (ہذل) لیکن اس سند کی تعبیر کچھ الجھی ہوئی سی ہے، غور کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

عن النعمان بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انحلنی ابی نخل، قال اسماعیل بن ابی سالم من

بین القوم انحله غلاما له الخ۔

**مضمون حدیث** | نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد نے ایک چیز ہدیہ کی۔ بشیم کے استادوں میں چار نے تو اسی طرح کہا، اور پانچویں استاد یعنی اسماعیل نے اس عطیہ کی تعیین کی غلام کے ساتھ کہ میرے والد نے مجھے ایک غلام مہیا کیا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میری والدہ عمرہ نے میرے والد یعنی بشیر سے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیے اور اپنے اس بہہ پر حضور کو گواہ بنا لیجئے، وہ حضور کی خدمت میں گئے اور آپ سے صورت حال بیان کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بھی بیٹے ہیں نعمان کے علاوہ؟ انہوں نے کہا کہ جی اور بھی ہیں، آپ نے پوچھا کہ ان سب کو بھی تم نے غلام دیا ہے جس طرح نعمان کو دیا، انہوں نے عرض کیا کہ ان کو تو نہیں دیا، اس پر آپ نے فرمایا اس میں بشیم کے یہ اساتذہ خمسہ مختلف ہیں، بعض کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہذا جور، اور بعض نے فرمایا ہذا تلجئۃ یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ظلم ہے، اور بعض کی روایت میں جو دوسرا





سے اس سبب کی باصرار فرمائش کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتب رجال سے اس کی تحقیق کی حاجت ہے۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، وأخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ،  
من حدیث حمید بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن النعمان بن بشیر عن النعمان بن بشیر قالہ المنذری۔

## باب فی عطیۃ المرأة بغير اذن زوجها

کتاب الزکاۃ میں۔ باب المرأة تصدق من بیت زوجها۔ گذر چکا ہے، اس باب کی احادیث پر کلام وہاں گذر گیا، الم بخاری نے باب باندھا ہے۔ صبیۃ المرأة بغير زوجها۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء عورت کے سبب کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک بیت زوج سے یعنی توجیز شوہر نے اس کو گھر میں خرچ کرنے کیلئے دے رکھی ہے، عورت کا اس میں سے صدقہ کرنا دوسری یہ کہ عورت خود اپنے مال میں سے صدقہ کرے، اس دوسری صورت میں جمہور کے نزدیک عورت کیلئے صدقہ وغیرہ کرنا جیسے وہ چاہے جائز ہے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، اس میں امام مالک کا اختلاف وہاں کتاب الزکاۃ میں گذر چکا ہے ان کے نزدیک عورت کے لئے اپنے مال میں زائد سے زائد صرف ثلاث میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی بغير اذن الزوج اس سے زائد میں نہیں، قال الحافظ وخالف طاووس فمنع مطلقا، وعن الليث: لا يجوز مطلقا الا فی الشئ التافہ وادلتہ الجمہور من الکتاب والسنة کثیرۃ اھ (من الترمذی ۴۵)

## باب فی العمری

اور اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے۔ باب فی الرقبی۔

عمری کی تعریف اور اس کا حکم شرعی | عمری اور رقبی سبب کی دو خاص صورتیں ہیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں، ان دونوں ہی کے بارے میں روایات متضاد جوازاً مختلف وارد ہیں جیسا کہ دونوں بابوں کی روایات دیکھنے سے ظاہر ہو رہا ہے، لہذا ان دونوں کے بارے میں فقہاء کی رائے معلوم ہونی چاہیے، نیز ہر ایک کا طریقہ و تعریف بھی عمری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے داری لك عمری، یا یوں کہتا ہے اعمرتك داری جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ مکان تجھ کو سبب کرتا ہوں، تیری عمر بھر کے لئے جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے اس طرح کہہ دے تو پھر یہ جائز ہے لیکن وہ مکان صرف عمر بھر تک کے لئے نہیں بلکہ عمر بھر کی حیات میں اس کے لئے اور اس کے انتقال کے بعد اسی کے ورثہ کے لئے ہوگا، گویا عمر بھر تک کی قید کا اعتبار نہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے وہ



فرماتے ہیں کہ عمری کی دو صورتیں ہیں اگر مُعمر نے صرف وہ الفاظ کہے جو اوپر گزرے یعنی "داری لک عمری" اس صورت میں تو وہ مکان معمر لہ کیلئے صرف اس کی زندگی تک کیلئے ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد مُعمر کی طرف لوٹ آئے گا، اور اگر سبہ کرنے والے نے "داری لک" کے ساتھ "ولعقبک بعدک" بھی کہا ہے تب تو یہ سبہ ہمیشہ کے لئے نافذ ہو جائیگا اور موت مُعمر لہ کے بعد اس کے ورثاء کے لئے ہوگا، اور اگر سبہ کے وقت یہ زیادتی نہیں کہی تھی تو پھر موت معمر لہ کے بعد وہ مکان واہب کی طرف لوٹ آئے گا۔

در اصل یہ اختلاف حقیقتِ عمری پر متفرع ہے عند مجہور عمری کی حقیقت تملیک الرقبہ ہے یعنی عین دار کا مالک بنادینا، اور امام مالک کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک المنفعۃ ہے اسی لئے ان کے نزدیک معمر لہ اصل مکان کا مالک نہیں ہوتا، اور نہ ان کے نزدیک اس میں میراث جاری ہوتی ہے یعنی من حیث الملك، اور اگر سبہ کے وقت میں اس نے "لک ولعقبک بعدک" کہا ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک اس کے اندر میراث جاری ہوگی یعنی وہی منفعت کے لحاظ سے، لا من حیث الملك۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث جابر بن طریق ابی سلمۃ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، ومن طریق عروۃ عنہ اخرجہ النسائی، قال المنذری، والحدیث الرابع من حدیث جابر بلفظ "ایما رجل اعمر عمری لہ ولعقبہ الحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

### باب فی الرقبۃ

رقبۃ کی تعریف اور اسمیں | رقبۃ یہ بھی ایک سبہ کا طریقہ ہے عمری کی طرح، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے "داری لک رقبۃ" یا "ارقبۃک داری" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں اپنا یہ مکان تجھ کو اس طور پر دیتا ہوں کہ اگر پہلے میری موت واقع ہوئی تب تو یہ مکان تیرا ہوگا اور اگر تیری موت پہلے واقع ہوئی تب یہ مکان لوٹ کر میری طرف آجائے گا۔ یہ لفظ مر اقبہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتظار ہیں کیونکہ سبہ کی اس نوع میں واہب اور مویوب لہ میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے اسی لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

رقبۃ کے حکم میں اختلاف ہے امام شافعی و احمد کے نزدیک جائز ہے مثل عمری کے، اور امام ابو حنیفہ و مالک کے نزدیک ناجائز ہے، صاحبین میں سے امام ابو یوسف امام شافعی کے ساتھ ہیں، اور امام محمد امام صاحب کے ساتھ اور منشأ اختلاف یہ ہے کہ ان حضرات ائمہ اربعہ کا حقیقت رقبۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کیا ہے، قائلین جواز کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک بشرط فاسد ہے، شرط فاسد سے مراد اس کا یہ کہنا کہ اگر تو پہلے مرے تب میرا، اور

اگر میں پہلے مروں تب یہ تیرا ان حضرات کے نزدیک تملیک باقی رہ جاتی ہے اور یہ شرط فاسد کا عدم، لہذا یہ تملیک صحیح ہو گئی اور بہر صورت مکان اسی کے لئے ہوگا، اور جو فقہار قائل بالجواز نہیں ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت تملیک نہیں بلکہ تعلیق التملیک علی خطر ہے جس میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ ناجائز ہے۔  
حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخبرنا الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وصحیث زید بن ثابت اخبرنا النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی تضمین العاریۃ

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | عاریۃ سے مراد شئی مستعار، یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی چیز عاریۃ دے تو اس صورت میں مستعیر پر اس کا ضمان واجب ہے یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعی و احمد ضمان کے قائل ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک تفصیل ہے، مافہرہ ہلاکہ لا ضمان فیہ، و ما خفی ہلاکہ فہو مضمون، یعنی اگر وہ شئی مستعار ایسی چیز ہے جس کا ہلاک ہونا ظاہر ہو یعنی قرین قیاس ہو جیسے حیوان ایسے ضمان نہیں ہے، اور جس چیز کا ہلاک ہونا مخفی اور پوشیدہ ہو جیسے کپڑا اس میں ضمان واجب ہوگا (بذل عن الخطائی) عن قتادۃ عن الحسن عن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال علی الید ما اخذت حتی تؤدی۔

بشرح الحدیث | ید سے مراد صاحب ید، یعنی جس شخص نے کسی کی جو چیز لے رکھی ہے (عاریۃ) تو وہ اس کے ذمہ میں ہے جب تک اس کو ادا نہ کرے۔

اداکا تعلق عین ما واجب سے ہوتا ہے اور قضا و ضمان کا تعلق مثل ما واجب سے تو اس حدیث میں ادا کا ذکر ہے نہ کہ ضمان اور قضا کا جس کا تقاضا یہ ہے کہ عاریۃ میں ضمان نہیں ہے شئی مستعار اگر موجود و محفوظ ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر ضائع ہو جائے تو پھر اس کا مثل یعنی ضمان واجب نہیں۔

پس اس روایت کا حاصل یہ ہوا العاریۃ مؤداة۔ اور اگر عاریۃ میں ضمان ہوا کرتا تو اس کے لئے اس طرح ہوتا۔ العاریۃ مضمونۃ۔ حالانکہ باب کی آخری حدیث میں تصریح آرہی ہے کہ عاریۃ مضمونۃ نہیں بلکہ مؤداة ہے، پھر آگے روایت میں یہ ہے، ثوان الحسن نسی فقال ہوا مینک لا ضمان علیہ، یہ قتادہ کا کلام ہے کہ ہمارے استاد حسن یہ کہتے تھے کہ مستعیر امین ہوتا ہے اس پر ضمان واجب نہیں، قتادہ یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید ہمارے استاد اپنی بیان کردہ حدیث بھول گئے یعنی علی الید ما اخذت الا یہ قتادہ کا اپنا گمان ہے

جو صحیح نہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حسن نے جو حدیث مرفوع نقل کی ہے وہ مقتضی ہے ضمان عاریۃ کو، حالانکہ ایسا نہیں،  
الفاظ حدیث کا تو تقاضا خود یہی ہے کہ ضمان نہ ہونا چاہیئے (بذل یا بیضاح)  
والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن امیۃ بن صفوان بن امیۃ عن امیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعار منہ

ادریعاً یوم حنین فقال اغضب یا محمد؟ قال: بل عاریۃ مضمونۃ۔

**شرح الحدیث** امیۃ بن صفوان اپنے باپ صفوان بن امیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے چند زرہیں عاریۃ لیں، تو دیتے وقت صفوان نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ یہ زرہیں بطور غصب کے لے رہے ہیں یا عاریۃ (اس وقت تک صفوان اسلام نہیں لائے تھے) آپ نے فرمایا غصبا نہیں بلکہ عاریۃ، اور عاریۃ بھی ایسی جو ضمان والی ہوگی۔

**توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ** اس حدیث سے قائلین ضمان کی تائید ہو رہی ہے لیکن یہی حدیث باب کے آخر میں بھی آرہی ہے اس میں اس طرح ہے: قلت یا رسول اللہ! عاریۃ مضمونۃ

او عاریۃ مؤدۃ قال: بل مؤدۃ، لہذا ایسی صورت میں ضمان پر استدلال صحیح نہیں، اور حضرت نے بذل میں بدل عاریۃ مضمونۃ کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور بطور بیان حکم شرعی کے نہیں ہے بلکہ چونکہ صفوان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو اسلحہ کی حاجت تھی اسلئے خاص اس موقع کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ نہیں بلکہ یہ عاریۃ ضمان والی ہوگی تاکہ صفوان عاریۃ دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جائے اور یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام غزاری کا حکم یہی ہے اھ جس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ایک روایت میں یہ آ رہا ہے کہ آپ نے جو زرہیں صفوان سے عاریۃ لی تھیں تو جب ان کے واپس کرنے کا وقت آیا تو ان میں چند زرہیں تعداد میں کم تھیں اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان سے فرمایا کہ تمہاری چند زرہیں مفقود ہو گئیں فہل نخرم لک، قال لایا رسول اللہ الخ یعنی آپ نے فرمایا کہ کیا ہم ان کا ضمان تمہیں دیں؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ، اسلئے کہ میرے قلب میں آج وہ بات ہے جو اس وقت نہیں تھی۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

العاریۃ مؤدۃ، والمنحۃ مردودۃ، والدین مقضی، والزعیم غارم۔ یعنی عاریۃ کی شئی کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے اسی طرح منیخہ کا مالک — تک لوٹانا ضروری ہے، منیخہ کا ذکر بارہا آچکا ہے یعنی کوئی دودھ والا جانور، یا کوئی پھل دار درخت جو کسی کو چند روز کیلئے برائے انتفاع دیا جائے، اور دین کا ادا کرنا واجب ہے اور کفیل ضامن ہوتا ہے، زعامۃ بمعنی کفالت، اور غارم ماخوذ ہے غرم سے جس کے معنی شئی لازم کا ادا کرنا۔

والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ محققاً، قالہ المنذری۔

عن عطاء بن ابی رباح عن صفوان بن یعلی عن ابیہ۔ اس روایت میں اسی طرح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ اور عاریہ پر دینے والے یعلی تھے، حالانکہ گذشتہ روایت میں یہ ہے کہ وہ صفوان بن یعلی تھے، ولم یعرض لہ فی شئی من الشروح الہی بایدینا فلیفتش۔ والحیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

### باب فیہن افسد شیئا یغرم مثله

یعنی جو شخص کسی کی چیز خراب اور ضائع کر دے تو اس کو اس کا ضمان دینا ہوگا۔  
**وجوب ضمان کا ضابطہ** | اس ترجمہ الباب کے مصنف کی غرض ضمان المتکافات کو بیان کرنا ہے، اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں ذوات الامثال اور ذوات الیقیم، قسم اول کے ضمان میں مثل واجب ہوتا ہے یعنی مثل حسی، اور قسم ثانی میں مثل معنوی واجب ہوتا ہے یعنی قیمت، کمالات اور موزونات یہ سب ذوات الامثال میں سے ہیں، اور حیوانات ذوات الیقیم میں سے ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان عند بعض نساء فارسلت احدی امہات المؤمنین

**آپ کے کمال حسن معاشرت کی حکایت** | بعض نساء سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، یعنی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کی باری میں ان کے پاس تھے تو آپ کی ازواج میں کسی ایک زوجہ محترمہ نے (قیل ہی صفیہ او حفصہ او ام سلمہ، ویکمل تعدد الواقعة) اپنے خادم کے ساتھ ایک پلیٹ بھیجی جس میں کھانا تھا، جب خادم وہ کھانا لیکر اندر داخل ہوا تو حضرت عائشہ نے اس پر اپنا ہاتھ مارا جس سے وہ پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی اور دو ٹکڑے ہو گئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں ٹکڑوں کو اٹھا کر اور ان دونوں کو آپس میں جوڑ کر وہ گرا ہوا کھانا اس میں جمع کرنے لگے اور بغیر کسی اظہار ناراضگی اور غصہ کے حضرت عائشہ کی طرف سے بطور معذرت کے آپ یہ فرما رہے تھے غارت امکم کہ تم لوگوں کی اماں جی کو دوسرے کے یہاں کا کھانا دیکھ کر غیرت آئی (اور سونکوں کی آپس میں غیرت اور تنافس معروف ہے ہی جو ایک فطری چیز ہے جس میں انسان مجبور ہوتا ہے، آپ نے بھی حضرت عائشہ کے اس فعل کو غیرت، ضرائر پر محمول فرماتے ہوئے کچھ نہ فرمایا اور بڑی حکمت عملی سے کام لیا، چنانچہ اس کا اثر علی الفور یہ ہوا کہ حضرت عائشہ شرمندہ

لہ دراصل آدمی کے جوش و اشتعال کے وقت اس کیلئے نصیحت مفید اور مؤثر نہیں ہوتی اسلئے آپ نے اس وقت کوئی نصیحت اور تنبیہ نہیں فرمائی، بعد میں جب ان کا غصہ اور بھڑاس نکل گیا تو وہ خود ہی معذرت فرمانے لگیں بلکہ تلافی کی صورت دریافت کرنے لگیں۔

ہو گئیں اور ایک دم کہنے لگیں یا رسول اللہ! ما کفادۃ ما صنعت یعنی یہ جو کچھ میں نے کیا اسکی تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا انا مثل اناء و طعام مثل طعام۔ چنانچہ حضرت عائشہ اس پلیٹ کے بدلہ میں ایک دوسری پلیٹ اندر سے لیکر آئیں، چنانچہ اس قصعہ مکسورہ کے بدلہ میں وہ قصعہ صحیحہ اس قاصد کے بدست جو کھانا لیکر آیا تھا بھیجی گئی۔ اگے دوسری روایت میں یہ بھی ہے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے صفیہ جیسا کھانا بنانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی، وہ فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے کھانا بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھیجا فاحذنی افسک تو میں غصہ سے تھرا گئی۔

ہم نے ترجمہ الباب کی تشریح میں کہا تھا کہ مصنف کی غرض اس باب سے ضمان المتلفات کو بیان کرنا ہے لیکن قصعہ اور طعام ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں۔ لہذا ان میں ضمان بالمثل نہیں بلکہ بالقیمت ہے، مگر چونکہ یہ حقیقۃً ضمان تھا ہی نہیں اسلئے کہ دونوں پلیٹیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ملک تھیں، گھروں کا اکثر سامان زوج ہی کی ملکیت ہوتا ہے، بلکہ اس سے مقصود تطیب خاطر صفیہ تھا فلا اشکال۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخرجه البخاری والترندی والنسائی وابن ماجہ، و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أخرجه النسائی، قال المنذرى۔

## باب المواشی تفسد زرع قوم

ان ناقة للبراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت حائط رجل فافسدتہ علیہم فقتل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی اهل الاموال حفظها بالانهار علی اهل المواشی حفظها باللیل۔ حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کسی شخص کے باغ میں گھس گئی اور اس کو خراب کر ڈالا، تو اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ باغ اور کھیت والوں کے ذمہ ہے اپنے باغات اور کھیتوں کی حفاظت کرنا دن میں، اور ارباب مواشی کے حق میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے ذمہ ہے اپنے جانوروں کی حفاظت اور نگرانی رات کے وقت میں یعنی جانوروں کو رات میں تو باندھ کر رکھا جائے تاکہ کسی کا باغ اور کھیتی خراب نہ کریں، اور دن میں کھیت والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی چیز کی حفاظت خود کریں۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ | اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر رات میں کسی کا ماشیہ کسی دوسرے شخص

→ اس حدیث میں بہت بڑا سبق ہے حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کا اور سورت کے جذبات کی رعایت کا، باوجود ان کی فہمائش اور تنبیہ کرنے کے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! اللهم وفقنا لمکارم الاطلاق التي بعث لائماہا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کا کھیت خراب کرے گا تو اس پر اس کا ضمان واجب ہوگا، اور اگر نقصان دن میں ہو تو پھر اہل مواشی پر کوئی ضمان نہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے، حنفیہ کے نزدیک دن اور رات کا اسمیں کوئی فرق نہیں، حدیث العمار جرہا جبار، یہ حدیث حدیث الباب سے زیادہ صحیح ہے اور متفق علیہ یعنی صحیحین کی روایت ہے، اور حدیث الباب سنن کی روایت ہے البتہ ایک شرط ضمان کی اور ہے جو متفق علیہ ہے وہ یہ کہ اس ماشیہ کیساتھ اس کا سائق نہ ہو، اگر سائق ہوگا تو اس صورت میں ضمان ہوگا اسلئے کہ اس صورت میں وہ فعل دابہ (افساد وغیرہ) سائق کی طرف منسوب ہوگا، اور جس صورت میں ماشیہ کے ساتھ سائق نہیں ہوگا اس وقت فعل دابہ کی نسبت دابہ کی طرف ہوگی، اور حدیث میں فعل دابہ ہی کو جبار اور عفو قرار دیا گیا ہے، لہذا ضمان و عدم ضمان کے لئے یہ قید تو بالاتفاق معتبر ہے لیکن یہ دن اور رات والے فرق کی بات یہ مختلف فیہ ہے، والحدیث أخرجه النسائي، قال المنذرى۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانت له ناقة ضارية. ناقة ضارية وہ اونٹنی جو کھلی پھر نے کی وجہ سے لوگوں کے کھیت چرنے کی عادی ہو، حضرت برار بن عازب نے اپنا یہ واقعہ خود بیان کیا کہ ان کی ایک اونٹنی ایسی تھی اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ والحدیث أخرجه النسائي، قال المنذرى۔

أخر كتاب البيوع

بسم الله الرحمن الرحيم

## أَوَّلُ كِتَابِ الْقَضَاءِ

اور بعض نسخوں میں ہے، کتاب الاقضية، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب البيوع کے بعد کتاب الاحکام عنوان قائم کیا ہے، اور مصنف نے کتاب القضاء دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے، اسلئے کہ احکام سے مراد ترمذی میں احکام قاضی ہیں، لہذا دونوں کا حاصل ایک ہی ہوا، کتاب البيوع اور قضا میں مناسبت ظاہر ہے وہ یہ کہ بیوع اور معاملات میں بسا اوقات اختلاف و نزاع رونما ہو جاتا ہے جس کے فیصلہ کیلئے قاضی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، کتاب الاحکام کا عنوان صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو انہوں نے تقریباً کتاب کے اخیر میں کتاب الفتن کے بعد ذکر کیا ہے۔

### باب في طلب القضاء

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من ولی

القضاء فقد ذبح بخیر سکین۔



## شرح الحدیث

الکوکب الدرۃ میں۔ فقد ذبح بغیر سکین کے معنی یہ لکھے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا، بغیر سکین سے اسی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ جو ذبح سکین سے ہوتا ہے وہ تو تھوڑی دیر کی مصیبت اور تکلیف ہوتی ہے، اور جب بغیر سکین کے ذبح کیا جائے گا تو اس کی شقت بڑی طول و طویل ہوگی، پھر اس مشقت دیرینہ و طولیلہ کے بعد دو صورتیں ہیں یا تو اپنی دینداری اور انصاف کی وجہ سے جزیل ثواب کا مستحق ہوگا یا فیصلوں میں ظلم کر کے دنیا کیساتھ آخرت کو بھی ڈبو دے گا، اہہ اور امام خطابی نے بغیر سکین کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے کلام میں ذبح اور ہلاکت سے ہلاکت حسی مراد نہیں بلکہ ہلاکت معنوی یعنی دینی نقصان، اور علامہ سندھی نے فتح الودود حاشیہ ابی داؤد میں لکھا ہے کہ یہ جملہ صورتہ خبرینہ ہے لیکن معنی الشارح ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بنا دیا جائے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر سے خواہشات نفسانیہ کو ذبح کر ڈالے اور اپنے نفس کو کچل دے اس لئے کہ تب ہی وہ صحیح معنی میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکتا ہے، اور یہاں یہ عہدہ قضا کی مذمت ہے کہ اس میں رغبت نہ کرنی چاہیئے اس لئے کہ اس میں بڑا خطرہ ہے ہلاکت ہے، والحدیث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

## باب فی القاضی یخطئ

عن ابن بربیدۃ عن ابيه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قال القضاۃ ثلاثۃ، واحد فی الجنة واثنان فی النار الخ۔

اس حدیث کا حوالہ ہمارے یہاں کتاب الخراج میں باب فی العراۃ میں گذر چکا ہے۔  
یعنی قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک قسم تو جنت میں جائیگی اور دو جہنم میں جو جنت میں جائے گا وہ وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے حق کو پہچانتے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کیا، اور تیسری قسم وہ ہے جس نے سرے سے حق ہی کو نہیں پہچانا یہ دونوں قسمیں جہنمی ہیں۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران الخ۔

یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اپنے اجتہاد سے (یعنی فروع محکمہ غیر منصوصہ میں) اور اس کا اجتہاد درست رہا یعنی اصل حکم شرعی کے موافق رہا تو اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک اجر الاجتہاد اور ایک اجر الاصابہ، اور اگر حاکم نے اجتہاد کے بعد فیصلہ کیا ایسا اجتہاد جس میں اس سے خطا واقع ہوئی ہے اور اصل حکم شرعی کو نہ پہنچ سکا تب بھی اس کیلئے اجر ہے مگر ایک، یعنی اجر الاجتہاد، اس لئے کہ قاضی اور مفتی کا اجتہاد یہ اس کی عبادت ہے، اور جو خطا اس سے سرزد

ہوئی وہ معاف کر دی جاتی ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مطولا ومختصرا۔ قال المنذری۔

من طلب قضاء المسلمين حتى يناله شتم غلب عدله جورا فله الجنة، ومن غلب جورا عدله فله النار  
**شرح الحدیث** | بذل میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ عہدہ قضا کی طلب مکروہ و مذموم ہے لیکن  
 اگر کسی شخص نے اس عہدہ کو حاصل کر ہی لیا اور پھر اس کا عدل و انصاف اس کے جور و ظلم پر غالب  
 رہا تو اس کے لئے جنت ہے اور وہ کامیاب ہے اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب رہے گا اس کے لئے نار ہے اور  
 شتم غلب عدله جورا کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس قاضی کی صفت عدل صفت جور پر غالب رہی یعنی ہر فیصلہ میں  
 اس کا عدل اس کی نا انصافی پر غالب رہا اور یہ مطلب نہیں کہ جس قاضی کے زیادہ تر فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوں  
 اور بعض غیر انصاف پر اس کے لئے بھی جنت کی بشارت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

## باب فی طلب القضاء والتسرع الیه

قال ابو موسی قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لن نستعمل علی عملنا من ارادة۔  
 یہ حدیث یہاں مختصر ہے، کتاب الحدود کے شروع میں مفصلاً آرہی ہے، اور ہمارے یہاں اس سے پہلے بھی  
 اس کا ذکر کتاب الطہارۃ میں، باب کیف یستاک، میں آچکا ہے، اور نسائی شریف کے شروع میں ابواب الوضو میں  
 روایت مفصلہ مذکور ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی بطوله واخرجه ابو داؤد فی کتاب الحدود بطوله، قال المنذری۔

## باب فی کراہیۃ الرشوة

لن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الراشی والمرشی۔

راشی رشوت دینے والا، اور مرشی لینے والا، والرشوة۔ مثلثة الرار ما یغلی لا یطال حق او یعطى لاحقاق باطل  
 رشوة کا ذکر اور اس کی یہ تعریف کتاب الخراج میں باب فی کراہیۃ الافراض فی آخر الزمان، میں گذر چکی، والحدیث اخرجه  
 ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی ہدایا العمال

ابھی چند باب پہلے ایک باب گذرا۔ باب فی قبول الہدایا، اس باب میں اس موجودہ ترجمہ الباب کا حوالہ اور

اس سے پہلے کتاب الخراج میں "ہدایا العمال" کا ایک باب گزرا ہے، سب کا حوالہ گذشتہ باب میں آچکا ہے  
 حدثنی عدی بن عمیرۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال یا ایہا الناس  
 من عمل منکم لنا عمل۔

**مضمون حدیث** | آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو شخص ہمارے کسی عمل پر عامل بنایا جائے اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز چھپائے (بغیر اجازت کے لے) مخفیاً بکسریم یعنی سوئی تو اس کا یہ چھپانا غلول ہوگا (اور غلول کا حکم یہ ہے ومن یغلل یت بیا علی یوم القیامۃ یعنی غلول کی چیز کو وہ غالب بروز قیامت اپنی ساتھ لے کر آئے گا) راوی کہتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد پر ایک انصاری صحابی جو سیاہ رنگ کے تھے کھڑے ہوئے (اور یہ واقعہ مجھے اس طرح مستحضر ہے کہ) گویا میں اس کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! لیجئے اپنا یہ عمل (آپ نے اس کو کسی جگہ کا عامل بنایا ہوگا جس پر اس نے یہ کہا) آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے، ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے ابھی یہ مضمون سنا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہ بات تو میں اب بھی کہتا ہوں اور پھر آپ نے اپنی وہی بات دہرا دی۔ پھر آگے روایت میں کچھ ذکر نہیں کہ وہ اپنے اس عمل پر گئے یا نہیں۔

**قاضی یا عامل کیلئے قبول ہدیہ کب جائز ہے؟** | مصنف نے اس حدیث پر "ہدایا العمال" کا ترجمہ قائم کیا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ عامل اگر کسی شخص کا ہدیہ قبول کرے تو وہ بھی غلول ہی کے حکم میں ہے، لہذا یا تو اس کو ہدیہ قبول ہی نہ کرنا چاہیے اور اگر مصلحت لے تو اس کو مال صدقہ ہی میں رکھ دینا چاہیے، اس سے پہلے بھی اس سلسلہ کی حدیث ابن السبیبہ کی اپنے محل پر گزر چکی ہے۔۔۔ ہلا جلس فی بیت ابیہ اوامہ الحدیث اس پر شراح نے لکھا ہے کہ جو ہدیہ قاضی یا عامل کو کسی نئے آدمی کی طرف سے محض اسکے عہدہ قضا یا عامل ہونے کی حیثیت سے دیا جائے ممانعت ایسے ہدیہ قبول کرنے کی ہے کیونکہ اس میں نیت فاسدہ کا قوی احتمال ہے کہ وہ عامل زکوٰۃ وصول کرنے میں مُزگی کی رعایت کرے گا اور ایسے ہی قاضی اور اگر اس عامل یا قاضی کو ہدیہ دینے والا اپنے قدیم ذاتی تعلق کی بنا پر ہدیہ دے رہا ہے جس میں فساد نیت وغیرہ کا احتمال نہ ہو تو پھر اس صورت میں قبول کرنا جائز ہے۔

## باب کیف القضاء

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی الیمن قاضیا  
 فقلت یا رسول اللہ! ترسلنی وانحدیث السنن، ولا علم لی بالقضاء الخ  
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یمن قاضی بنا کر بھیجا، وہ کہتے ہیں

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اس کام کیلئے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم بھی نہیں۔ شرح نے لکھا ہے کہ اس سے مطلق علم کی نفی مراد نہیں بلکہ اس سے عادت اور تجربہ کی نفی مراد ہے۔ آپ نے ان سے بطور دعا کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اور تمہاری زبان کو حق پر جمادے گا یعنی اس کے ذریعہ صحیح فیصلہ کرائے گا، پھر آپ نے ان کو فیصلہ کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف رہنمائی فرمائی وہ یہ کہ جب مجلس قضاء میں تمہارے پاس خصمین مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوں تو ایک شخص کا بیان سنکر ہرگز فیصلہ نہ کرنا جب تک اسکے خصم کی بات نہ سن لو، جس طرح تفصیل سے پہلے کی بات سنی ہے فانہ احرى ان يتبين لك القضاء، اسلئے کہ اس صورت میں یعنی فریقین کی بات سننے کے بعد صحیح فیصلہ کا تم پر ظاہر ہونا بہت قریب ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (آپ کی اس دعا کی برکت اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر عمل کرنے کی بدولت) کبھی مجھے اپنے کسی فیصلہ میں شک اور تردد نہیں ہوا۔

**قضاء علی الغائب کے جواز میں اختلاف علماء**  
 حتی تسمع من الآخر پر شرح نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حاکم کے لئے قضاء علی الغائب جائز نہیں اس لئے کہ جب خصمین کے موجود ہونے کے باوجود دوسرے کی بات سننے سے پہلے فیصلہ کرنا جائز نہیں تو خصم کے غائب ہونے کی صورت میں عدم جواز بطریق ادلی ہوگا، خطاب فرماتے ہیں: ومن ذهب الى ذلك شريح وعمر بن عبد العزيز وهو قول ابی حنیفہ وابن ابی لیلی، وقال مالک والشافعی القضاء علی الغائب جائز وکان ابو عبیدیری القضاء علی الغائب اذا تیقن الحاکم ان فراره واستخفاره انما هو فرار من الحق ومعاندة للخصم، یعنی ابو عبیدہ کے نزدیک قضاء علی الغائب اس صورت میں جائز ہے جبکہ حاکم کو اس بات کا یقین ہو کہ فریق آخر کا عدالت میں حاضری نہ ہونا اور روپوش ہو جانا وہ ادائے حق سے بچنے کے لئے اور اپنے مقابل کی دشمنی کی وجہ سے ہے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فیصلے بڑے مشہور ہیں قضاء و احکام میں ان کی ہمارت مشہور اور ضرب المثل ہے تم نے پڑھا ہوگا نحو کی کتاب میں، قضیۃ ولا اباحسن لھا، اور حدیث بھی مشہور ہے جو بہت سے خطبوں میں بھی پڑھی جاتی ہے، واقضاهم علی، اس قسم کی روایات مناقب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ والحدیث اخرجه الترمذی مختفراً، وقال حدیث حسن، قال المنذری۔

### باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انما انا بشر وانكم تختصمون الي ولعل بعصمكم ان يكون الحق بحجته من بعض فاقضى له على نحو مما اسمع منه لئلا  
 آپ فرما رہے ہیں بیشک میں انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے مختصات اور منازعات میں فیصلہ کے لئے میرے

پاس آتے ہو (اس بارے میں مجھ سے ایک بات غور سے سنو) وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض بڑا فصیح اور قادر الکلام ہو اپنی بات اور دلیل کو خوب اچھی طرح بیان کرنے والا ہو دوسرے کے مقابلہ میں، پس ایسی صورت میں امکان ہے ایسی بات کا کہ میں اس الحن اور الفصح کی تقریر کے موافق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (اور بالقرض ہو وہ فیصلہ خلاف واقع فریق آخر کے اپنی بات کو اچھی طرح نہ سمجھانے کی وجہ سے) تو اس کے بارے میں یہ سن لو کہ ایسی صورت میں، میں جس شخص کے لئے دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو اس کو اس کا لینا جائز نہ ہوگا بلکہ وہ یوں سمجھے کہ میں نے اس کے لئے آگ کا فیصلہ کیا ہے۔

**قضار القاضی کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یا ظاہر و باطناً** | اس حدیث میں ایک مشہور اختلافی مسئلہ مذکور ہے وہ یہ کہ قضار قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً ہوتا ہے یا صرف ظاہر ہوتا ہے یا صرف ظاہر ہوتا ہے دنیوی احکام کے اعتبار سے، اس مسئلہ میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قضار قاضی کا نفاذ ظاہر و باطناً دونوں

طرح ہوتا ہے، اور جمہور کے نزدیک اس کا نفاذ صرف ظاہر ہوتا ہے یعنی دنیوی احکام کے اعتبار سے، باطناً عند اللہ نہیں یعنی قاضی کے ہر فیصلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسا ہو، بلکہ اس میں غلطی کا امکان ہونے کی وجہ سے خلاف حق ہونے کا احتمال ہے، اس اختلاف کے جاننے کے بعد اب آپ یہ سمجھئے کہ یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے اس مسلک کے خلاف ہے کیونکہ آپ فرما رہے ہیں کہ میرے فیصلہ کرنے سے وہ شئی عند اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا جو یہ مسلک ہے جو اوپر مذکور ہوا اس کا تعلق عقود و فسوخ سے ہے خواہ اس عقد کا تعلق طلاق و نکاح سے ہو یا اموال سے، املاک و مرسلہ میں ہمارا مسلک یہ نہیں ہے، عقود و فسوخ کی مثال جیسے ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ہاتھ اپنی فلاں چیز کی بیع کی ہے اور وہ دوسرا شخص بیع کا منکر ہے، مدعی نے دو شاہد زور اپنے دعویٰ پر قائم کر دیئے حاکم نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں قضائے قاضی کی وجہ سے اگرچہ بیع پہلے سے منعقد نہ تھی اب یعنی فیصلہ کے بعد ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ ثمن کی ادائیگی اور پھر اس شئی میں تصرف کرنا جائز ہوگا، ایسے ہی اگر کسی شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا کہ میں تجھ سے نکاح کر چکا تھا، عورت انکار کرتی تھی لیکن مرد نے قاضی کی مجلس میں دو شاہد زور پیش کر دیئے جس کی وجہ سے قاضی نے مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ثبوت نکاح کا تو اس مثال میں باوجود پہلے سے نکاح نہ ہونے کے قضائے قاضی کی وجہ سے شرعاً عند اللہ نکاح منعقد ہو جائیگا جب حنفیہ کے مسلک کی تحقیق ہوگئی تو اب سمجھئے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عقود و فسوخ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہم اس کا تعلق املاک و مرسلہ سے مانتے ہیں یعنی جہاں پر دعویٰ اور خصمین میں اختلاف نفس ملک میں ہو مثلاً ایک شخص کہے کہ فلاں شخص کے پاس جو زمین ہے وہ اس کی ملک نہیں بلکہ میری ہے اس کا اس پر غاصبانہ قبضہ ہے، اس مسئلہ کا تعلق نفس ملک سے ہے عقد بیع و شراء سے نہیں تو اس مسئلہ میں مدعی نے جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی

نے اسکے حق میں فیصلہ کر دیا یا واقع میں وہ زمین مدعی ہی کی تھی، لیکن اسکے پاس بیٹہ نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے مدعی علیہ کی بیمن پر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا، اس مثال میں قاضی کے فیصلہ سے وہ چیز مقضیٰ کہ کیلئے جائز و حلال نہ ہوگی، اور قاضی کا یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا نہ کہ باطناً حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی و حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عقد و فسخ کا حق شرعاً حاصل ہے لہذا جب وہ دو شخصوں کے درمیان اصول اور قواعد کے مطابق عقد یا فسخ کا فیصلہ کرے گا تو اس کا یہ فیصلہ شرعاً معتبر و نافذ ہوگا لیکن قاضی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ کسی چیز میں غیر مالک کے لئے ملکیت کو اپنے فیصلہ سے ثابت کر دے لہذا حدیث الباب کا تعلق اسی دوسری صورت سے ہے، نیز حنفیہ کی تائید میں وہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر "العرف الشذی" میں بھی مذکور ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر ایک عورت سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو شاہد زور بھی پیش کر دیئے جس پر انہوں نے نکاح کا فیصلہ فرمادیا، اس پر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اے امیر المؤمنین! جب یہ بات ہے تو پھر میرا اس سے نکاح ہی کر دیجئے تاکہ دونوں گنہگار نہ ہوں، اس پر حضرت علی نے فرمایا: شاہداک زور جاگ، یعنی ابھی اس مجلس میں دو گواہوں کی گواہی پر میں نے نکاح کا فیصلہ کیا ہے اسی سے عقد نکاح کا تحقق ہو گیا، اس کے بعد عرف الشذی میں یہ ہے کہ ذکرہ محمد بنی الاصل دلائل کرون سندھذہ الواقعة ولم اجد السند وظنی انہا لا تكون بلا اصل ومرا الحافظ علی هذا الاثر ولم يرده زيادة الرد، ولم يقبله ايضا، فدل علی انه ليس بلا اصل، یعنی حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کر کے انہوں نے اس کو کچھ زیادہ رد نہیں کیا گو قبول بھی نہیں کیا، پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے اصل نہیں ہے (عرف الشذی ص ۱۳۷)

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذری۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت اتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجلا من بني مخزوم في ماريث لهما لم تكن لهما بينة الادعواهما فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: فذكر مشله۔  
یہ حدیث بھی وہی ہے جو اوپر آئی مگر پہلی حدیث مختصر تھی اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ دو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میراث کے مسئلہ میں جھگڑتے ہوئے آئے، اور بیٹہ کسی کے پاس نہیں تھا اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو پہلے گزر چکی۔ اس کے بعد یہاں روایت میں یہ ہے کہ آپ کی یہ وعید سن کر دونوں شخص روتے لگے اور ہر ایک ان میں سے اپنا حق دوسرے کو دینے لگا، اس پر آپ نے ان دونوں سے فرمایا: اما اذا فعلتما

له ولا يخالفنا هذا الحديث فان الحديث يقتضي من قضيت له من حق اخيه شيئا وفي العقود والقسوخ لا يقتضي القاضي بحق اخيه شيئا بل يحكم بالعقد والفسخ الذي هو حق الحاكم۔ الى آخره في البذل۔



ما فعلتما فاقسمما وتوخيا الحق ثم استهما ثم تحالا، یہ اوپر اچکا کہ ان دونوں کا اختلاف کسی میراث اور ترکہ کے بارے میں تھا، ترکہ میں تو متفرق چیزیں ہوا ہی کرتی ہیں اسلئے آپ نے ان سے فرمایا کہ ان سب چیزوں کو برابر برابر دو جگہ کر لو، اور ہر ایک اس تقسیم سے اپنے ہی حق کو لینے کا ارادہ کرے، یعنی اس سے زائد کا نہیں۔ پھر جب وہ کل مال دو جگہ رکھا جائے تو فرقہ اندازی کرو تعین حصہ کے بارے میں، پھر جس کے نام جو نسا حصہ نکلے اس کو وہ لے لے اور اس کے باوجود بھی آپس میں ایک دوسرے کو اپنا حق معاف کر دے، یعنی احتیاطاً۔

یختصمان فی موارثتہما و اشیاء قد درست، یعنی جھگڑا مال میراث اور ایسی چیزوں میں تھا جو پرانی ہو گئی تھیں فقال انی انما اقضی بینکم برأیی فیما لم یُنزل علیّ فیہ یعنی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس مسئلہ کے بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی اس میں میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں۔

آپ کے لئے اجتہاد کا جائز ہونا یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کے لئے احکام میں اجتہاد جائز تھا، مسئلہ اختلافی ہے جمہور علماء کی رائے یہی ہے یعنی جواز کی، اس مسئلہ میں چار قول ہیں جو ہمارے یہاں ابواب الوضوہ لولاء ان اشق علی امتی لاسرہم بالسواک الحدیث کے ذیل میں گزر چکے۔

عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وهو علی المنبر یا ایہا الناس ان الراۃ انما کان من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مصیبا لان اللہ تعالیٰ کان یرثہ، وانما هو من الظن والتکلف۔

یعنی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں منبر پر یہ بات فرمائی کہ اے لوگو! بیشک اصل رائے جو درست اور صواب ہو وہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق بات سمجھاتے تھے، اور ہماری رائے تو بس ایک گمان اور تکلف کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ روایت مرسل ہے یعنی منقطع، کیونکہ ابن شہاب کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں دیکھتے! حضرت عمر اپنی رائے کے بارے میں کیا فرما رہے ہیں اور اس کو کتنا کم حیثیت بتا رہے ہیں حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں اصابتہ رائے اور حق گوئی کی شہادت دی ہے فی الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلیہ

حد ثنا احمد بن عبد القاضی الخ۔ یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے کافی تعلیق شیخ محمد عوامہ اور اس کے یہاں ہونے کی کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی (کافی البذل)

### باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی

عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الخصمین

يقعدان بين يدي الحاكم۔

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی کو چاہیے کہ خصمین میں سے کسی ایک کیساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے بلکہ دونوں کو اپنے سامنے بٹھائے۔

بذل میں ایک اشکال لکھا ہے کہ اس حدیث میں کیفیت جلوس مذکور نہیں لہذا ترجمۃ الباب میں لفظ کیف نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خصمین میں سے ہر ایک کا حاکم کے سامنے بیٹھنا ہی کیفیت جلوس ہے۔

### باب القاضي يقضى وهو غضبان

لا يقضى الحكم بين اثنين وهو غضبان، یعنی قاضی صاحب کو اگر پہلے سے کسی بات پر غصہ آ رہا ہے تو اس وقت میں دعویٰ کی سماعت اور اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، ہو سکتا ہے اس حالت میں وہ معاملہ کو کما حقہ نہ سمجھ سکے، اسی طرح بذل میں لکھا ہے کہ جوع اور عطش وغیرہ احوال میں بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔  
والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

### باب الحكم بين اهل الذمة

مسئله الباب میں مذاہب ائمہ | یعنی مسلمان قاضی کو دارالاسلام میں زمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیے یا نہیں، امام مالک کی رائے اس میں تخییر کی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مرافعہ کی صورت میں فیصلہ کا حکم ہے ویسے نہیں، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہی یعنی وجوب عند المرافعة، دوسرا یہ کہ مطلقاً واجب ہے۔

قال كان بنو النضير اذا قتلوا من بني قريظة ادوا نصف الديّة الخ۔

یہ روایت مفصلاً کتاب الحدود میں آرہی ہے، بنو قریظہ اور بنو نضیر یہود کے دو مشہور قبیلے ہیں جو مدینہ میں آباد تھے جن میں بنو قریظہ کم درجہ سمجھے جاتے تھے اور بنو نضیر اونچے درجے کے، اس لئے ان کے یہاں یہ بے انصافی شروع میں پائی جاتی تھی کہ بنو نضیر اگر کسی قرظی شخص کو قتل کر دیتے تو اس کی نصف دیت ادا کرتے، اور اگر بنو قریظہ بنو نضیر میں سے کسی کو قتل کر دیتے تو ان کو کامل دیت دینی پڑتی تھی، راوی کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تفریق کو ختم کر کے دونوں کے درمیان مساوات کا فیصلہ فرمایا۔

اس آیت کریمہ کے مطابق جو روایت میں مذکور ہے، وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط (بذل)

والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذرى۔

## باب اجتہاد الرأی فی القضاء

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما اراد ان یبعث معاذاً الی الیمن قال: من تقضی اذا عرض لک قضاء، قال اقضی بکتاب اللہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتہد رأی ولا آلو، فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدره فقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما یرضی رسول اللہ۔

اس حدیث کا مضمون تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ میں پہنچ کر تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق اور اگر اس میں نہ ملا تو سنت رسول اللہ کے مطابق۔ آپ نے دریافت کیا کہ اگر دونوں میں نہ پاؤ تو کیسے فیصلہ کرو گے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ولا آلو یعنی اس اجتہاد کرنے میں کوئی کوتاہی اور کسر نہیں چھوڑوں گا یعنی حسبِ سمعت و طاعت صحیح فیصلہ کی کوشش کروں گا، آپ نے ان کا یہ جواب سنکر ان کے سینے پر دست مبارک رکھا اور فرمایا تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو توفیق دی اس چیز کی جس کو رسول اللہ پسند کرتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اجتہاد رائی سے اپنی ذاتی رائے مراد نہیں جو انکے ذہن میں آئے بغیر استناد الی الکتاب والسنة کے، بلکہ رائے سے مراد رائے بطریق قیاس ہے جس کا ماخذ کتاب وسنت ہو، اور پھر اسکے بعد فرماتے ہیں: وفي هذا اثبات القیاس وایجاب الحکم بہ اھ چنانچہ تمام ہی فقہاء قاطبہ نے اس حدیث سے حجیۃ قیاس پر استدلال کیا ہے۔

حدیث الباب کی سند پر کلام اور اس کے بعد پھر جاننا چاہیے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس کے اندر ایک راوی ہے حارث بن عمرو جو مجہول ہے بالاتفاق نیز وہ روایت کر رہا ہے اس کو اصحاب معاذ من اهل حمص سے جو کہ مجہول ہیں۔ امام ترمذی

نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے وہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں لا نعرف الا من هذا الوجه ولین اسنادہ عنذی بمقتضی اور جوز قانی نے تو اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، علامہ سیوطی، مرقاة المصنوع، میں اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں قلت لکن الحدیث لہ شواہد موقوفہ عن عمر بن الخطاب وابن مسعود وزید بن ثابت وابن عباس، وقد اخرجہا البیہقی فی سننہ عقب تخریجہ لہذا الحدیث تقویۃ لہ اھ (بذل) حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف، اعلام الموقعین عن رب العالمین میں اس حدیث کو حجیت قیاس میں پیش کیا ہے اور اس سند میں جو خامیاں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ان کی طرف سے جواب دیا ہے، اور یہ کہ یہ حدیث حدیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور اصحاب معاذ کی

شہرت علم و دین اور فضل و صدق میں اتنی ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں، اور نیز فرماتے ہیں کہ شعبہ جو اس حدیث کے حامل ہوا، یہ ان کی شان یہ ہے کہ بعض ائمہ حدیث نے ان کے بارے میں فرمایا ہے اذرایت شعبۃ فی اسناد حدیث فاشدد یدیک بہ کہ جب تم کسی حدیث کی سند میں شعبہ راوی کو دیکھ لو کہ وہ اس میں موجود ہیں تو پھر اس حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور خطیب بغدادی نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے جس کی سند متصل اور رجال معروف بالثقاہۃ ہیں، اس سب کے علاوہ یہ بات ہے کہ اہل علم اس حدیث کو نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حجیت قیاس پر اس سے استدلال کرتے رہے ہیں نو قفنا بذلک علی صحتہ عندہم، یعنی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح و ثابت ہے اور پھر انہوں نے اس کے بعد بہت سی ایسی حدیثیں نظیر کے طور پر ذکر کیں جو من حیث الاسناد قوی نہیں، لیکن علماء کا نقل و نقل کرنا ان کی صحت کے لئے کافی اور مستغنی عن طلب الاسناد ہو گیا (مختصر من العون) والحدیث: أخرجه الترمذی، قالہ المنذری۔

تنبیہ :- حافظ ابن قیم تہذیب السنن میں فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے عن عبادة بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم حدثنا معاذ بن جبل قال لما بعثني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى اليمن قال لا تقضين ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشكل عليك امر فقف حتى تبينه او تكتب الي فيه، ابن قیم فرماتے ہیں : وهذا جود اسنادا من الاول ولا ذكر فيه للرأي اهـ۔

## باب فی الصلح

یہ کتاب القضاء چل رہی ہے اس باب سے مصنف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جس طرح قاضی کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ خصمین کے درمیان علی حسب الاصول شرعی فیصلہ کرے اسی طرح قاضی کو اس کا بھی حق ہے کہ خصمین کے درمیان رفعاً للتراع صلح کرادے جیسا کہ کعب بن مالک اور ابن ابی حذرہ کے درمیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کرائی تھی۔

الصلح جائز بین المسلمین الاصلحاً حرم حلاً لا او اھل خراماً الخ۔

امام ترمذی کی حدیث الباب کے باریکیں | مضمون حدیث تو ظاہر ہے، اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح، امام ترمذی کی اس رائے پر علماء نے اشکال کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جو ترمذی میں ہے کثیر

بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی ہے جس کے بارے میں یہ ہے کہ ہو ضعیف جداً وقال النسائی ليس بثقة وقال ابن معين ليس بشئ، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے کثیر بن عبد اللہ کی روایت سے یہ حدیث الصلح جائز بین المسلمین روایت کرنے کے بعد اس کی تصحیح کی ہے فلہذا لا یعتمد العلماء علی تصحیحہ، لیکن حافظ ابن حجر نے امام ترمذی کی طرف سے اعتذار یہ فرمایا ہے وکانہ اعتبر بکثرة طرقہ، یعنی امام ترمذی نے اس حدیث پر صحت کا حکم صرف اپنی بیان کردہ سند کے اعتبار سے

نہیں لگایا بلکہ ان کے پیش نظر اس کے دوسرے طرق بھی ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے (ہذل) چنانچہ ابوداؤد کی اس سند میں یہ راوی نہیں ہے کماتری، اس حدیث پر من حیث الفقہ اور بھی کلام کیا گیا ہے، صلح کی مختلف انواع کے پیش نظر جس کے لئے تفصیل درکار ہے فلیراجع الی الشرح۔

اخبرني عبد الله بن كعب بن مالك ان كعب بن مالك اخبره انه تقاضى ابن ابى حذرجه ديناً كان له عليه مضمون حدیث یہ ہے کہ کعب بن مالک کے بیٹے عبد اللہ اپنے والد کعب بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میرا ابن ابی حذر دیرین تھا جس کا میں نے ان سے تقاضا کیا مسجد میں، جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اپنے حجرہ شریفہ میں تھے ان کی آواز سن کر دروازہ پر تشریف لائے اور اس پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کو ہٹایا اور کعب بن مالک کا نام لیکر ان کو پکارا انہوں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ، آپ نے ان کی طرف اپنی انگلی کے اشارے سے یہ سمجھایا کہ اپنا نصف دین معاف کر دو، انہوں نے عرض کیا جی میں نے ایسا کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی حذر دیر سے فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور نصف اس کو ادا کرے جس پر صلح ہو گئی۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

## باب فی الشہادات

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا اخبرکم بخیر الشہداء الذی یاتی بشہادۃ قبل ان یسألہا یعنی آپ نے فرمایا کہ شہدار میں بہترین شاہد وہ ہے جو شہادت لے قبل اس کے کہ اس سے شہادت کی درخواست کی جائے یہ تو ظاہر ہے کہ شہادت سے سچی شہادت مراد ہے، اور چونکہ شاہدوں کی شہادت مدعی کے حق واجب ثبوت کا ذریعہ ہے اسلئے آپ اس کی مدح اور ترغیب فرما رہے ہیں۔

قال ابوداؤد قال مالک: الذی یخبر بشہادۃ ولا یعلم بہا الذی ہی لہ۔

دفع التعارض بین الحدیثین | امام مالک جن کا قول مصنف نقل کر رہے ہیں ان کی غرض اپنے اس کلام سے دفع التعارض بین الحدیثین ہے اسلئے کہ ایک دوسری حدیث میں مقام مذمت

میں فرمایا گیا ہے الذین یشہدون ولا یشہدون کہ وہ ایسے ہیں کہ بغیر طلب شہادت کے شہادت دیتے پھر ہیں، امام مالک اس کی توجیہ یہ فرما رہے ہیں کہ شہادت قبل الاستشہاد کی مدح اس مقام پر ہے جہاں پر مدعی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا کوئی شاہد ہے یا نہیں، لہذا ایسے موقع پر جس شخص کو مدعی کے صدق دعویٰ کا علم ہے اس کو چاہیئے کہ وہ کھڑا ہو کر گواہی دے اس کے حق کو ضیاع سے بچانے کیلئے، اور جس حدیث میں شہادت قبل الاستشہاد کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہ صورتیں

جہاں مدعی کو اپنے شہود کا علم ہو لہذا وہاں کیا ضرورت ہے بدو ان استشہاد کے شہادت دینے کی، یہ توجیہ تو امام مالک سے منقول ہے، اور اس تعارض کی اور توجیہات بھی کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ جہاں پر مذمت وارد ہے اس سے مراد شہادۃ الزور ہے اور جہاں پر مدح آئی ہے اس سے سچی شہادت مراد ہے، امام ترمذی نے جامع ترمذی میں بھی اس تعارض پر کلام فرمایا، اور خود انہوں نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مقام مدح میں الذی یأتی بشہادۃ قبل ان یسألہا، اس سے مراد شہادت قبل الطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد استعجال فی اداء الشہادۃ ہے یعنی وہ گواہ بہت بہترین گواہ ہے کہ جب اس سے شہادت طلب کی جائے تو وہ فوراً بلا تاخیر اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اس استعجال اور عدم تاخیر کو مبالغۃ قبل الطلب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرها

من حالت شفاعتہ دون حد من حدود اللہ فقد ضاد اللہ۔

یعنی جو شخص کسی شخص پر ثبوت حد کے بعد تنفیذ حد سے پہلے اس کی سفارش کے لئے کھڑا ہو اور عدم تنفیذ حد کی کوشش کرے تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بڑی سخت مخالفت کی، قاضی صاحب تک مسئلہ اور معاملہ پہنچنے سے پہلے اس بات میں کوشاں رہنا کہ کسی طرح حد کا ثبوت نہ ہو یہ امر آخر ہے، حدیث میں اس پر وعید نہیں بلکہ یہ تو محمود اور پسندیدہ ہے لیکن قاضی تک پہنچنے کے بعد پھر سفارش کرنا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ ناجائز اور مذموم ہے، حدود شرعیہ کا نفاذ بہت اہم اور موجب خیر و برکت ہے کما ورد فی الکتاب والسنة۔

ومن خاصم فی باطل وهو یعلمہ لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔ حدیث کا یہ جز ثانی ترجمۃ الباب سے متعلق ہے، دو شخصوں میں کسی معاملہ میں نزاع ہو رہا ہے جن میں سے ایک باطل پر ہے اور دوسرا حق پر تو ایسی صورت میں کوئی شخص اس خصم کی تائید اور اعانت کرے جس کا اس کو باطل پر ہونا معلوم ہے اس کے بارے میں یہ وعید ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور ناراضگی میں مبتلا رہے گا جب تک کہ اس سے رجوع اور توبہ نہ کرے۔

ومن قال فی مومن ما لیس فیہ اسکنہ اللہ ردغۃ الخیال حتی یخرج مما قال، یہ حدیث کا تیسرا جز ہے کہ جو شخص کسی مومن میں ایسی صفت بیان کرے یعنی کسی ایسے عیب کا اس پر الزام لگائے جو اس میں نہیں ہے، اور وہ اس سے بری ہے تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جہنم کے اس طبقہ میں رکھیں گے جہاں جہنمیوں کے زخموں کی لہو پیپ ہوگی، ردغۃ الخیال ای التراب المخلوط بعصارة اہل النار، جہنمیوں کی لہو پیپ کا کچھڑا آپ فرما رہے ہیں کہ اس کا اس ٹھکانہ میں رہنا اس وقت تک ہوگا



جب تک وہ اپنے قول سے باہر نہ آجائے، لیکن ظاہر بات ہے کہ جو شخص جو بات کہہ چکا وہ اس سے آخرت میں کیسے باہر آئے گا دنیا میں تو باہر آسکتا تھا تو بہ و تلافی کے ذریعہ، نہایت سخت وعید ہے اللہ تعالیٰ شانہ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

## باب فی شہادۃ الزور

نقال عدلت شہادۃ الزور بالاشراک باللہ۔ ثلاث مرات۔ ثم قرأ: فاجتنبوا الرجس من الاوثان

واجتنبوا قول الزور۔ الایۃ۔

**شرح الحدیث** | آپ فرما رہے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ اور اسکی تائید میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، تائید یا تو اس طور پر ہے کہ اس آیت کریمہ میں اجتناب من الزور اور اجتناب من عبادة الاوثان دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اقران فی الذکر اقران فی الحکم کو مستلزم نہیں لیکن کم از کم مناسبت اور قربت کو تو مستلزم ہے، اور یا پھر استدلال آیت کے مابعد کے حصہ سے ہے حنفیہ و للشر غیر مشرکین پر، حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ قول زور کے بہت سے مراتب ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ اشراک باللہ بھی اسی کی ایک نوع ہے اس لئے کہ اس پر بھی قول زور ہونا صادق آتا ہے جس کی تائید حنفیہ و للشر غیر مشرکین پر سے ہو رہی ہے، والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قالہ المستذری۔

## باب من ترد شہادۃ

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رد شہادۃ

الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخیه۔

**شرح الحدیث من حیث الفقه** | خیانت سے مراد عام ہے خواہ وہ خیانت فی اموال الناس ہو یا فی احکام اللہ تعالیٰ و فرائضہ، دونوں صورتوں میں آدمی فاسق ہوتا ہے، اور غمر کے معنی ہیں عقد و عداوت، یعنی دشمن اور کینہ پرور کی شہادت اپنے بھائی کے خلاف، یعنی شہادۃ العدو علی العدو، آپ نے ان دونوں (شہادۃ الخائن و شہادۃ العدو) کو رد فرمایا ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے لا تجوز شہادۃ العدو علی العدو، حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے لیکن بعض شارح نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ شہادۃ العدو علی العدو کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن یہ نقل صحیح نہیں، ہمارے نزدیک شہادۃ العدو علی العدو اس صورت میں معتبر ہے جبکہ وہ عداوت عداوت دینیہ ہو اور اگر عداوت دنیویہ ہے تو پھر ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں، ثم اختلفوا (ای الحنفیہ) فقیل مطلقا، و قیل بل اذا كانت موجبة للفسق۔ و رد شہادۃ القانع لاهل البيت و اجازہا لغيرہم، قانع لاهل البيت سے مراد خادم ہے

جو کسی کے گھر پر اس کی روزی پر قناعت کئے پڑا ہو، ظاہر بات ہے کہ ایسے شخص کی شہادت اس گھر والوں کے حق میں محدث اور متہم ہے، ناجازھا غیر ہم یعنی اس قانع کی شہادت کو آپ نے مطلقاً رد نہیں فرمایا بلکہ خاص اس گھر والوں کے حق میں ان کے علاوہ دوسروں کے حق میں معتبر مانا، کیونکہ وہ تہمت کا مقام نہیں ہے۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قال المنذری، یہ حدیث بروایۃ عائشہؓ ترمذی شریف میں بھی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث پر من حیث الفقہ بھی کلام فرمایا ہے لہذا اس کو بھی دیکھا جائے نیز اس مقام کی انکو کب الدری بھی دیکھی جائے۔ مفید ثابت ہوگی۔

## باب شہادۃ البدوی علی اہل الامصار

لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ، یعنی جنگلی اور دیہاتی کی شہادت بستی اور شہر میں رہنے والے کے خلاف جائز اور معتبر نہیں۔

شرح نے لکھا ہے کہ امام مالک کا اس حدیث پر عمل ہے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایسا اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عموماً اہل بادیہ جاہل اور بے علم ہوتے ہیں شہادت کی صلاحیت و اہلیت ان میں نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میں ان میں سے اس کی اہلیت ہو تو پھر اس کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب الشہادۃ علی الرضاع

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ ایسے مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام احمد کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لئے ایک عورت کی شہادت کافی ہے، وعند مالک شہادۃ امرأتین، اور حنفیہ کے نزدیک عام قاعدہ کے مطابق شہادۃ عدلین او عدل و عدلتین یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں، اور امام شافعی کے نزدیک بھی اسی طرح ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک، لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف عورتیں ہی ہوں تو اگر وہ چار ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی، حنفیہ کے یہاں یہ نہیں ہے۔

حدثنی عقبۃ بن الحارث قال تزوجت ام یحییٰ و دخلت علینا امرأة سوداء فرعمت انتھا و وضعتنا جميعا۔ عقبہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت ام یحییٰ بنت ابی اصاب سے شادی کی، شادی کے کچھ روز بعد یہ ہوا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہمارے گھر آئی اور اس نے اگر یہ کہا کہ میں نے تو تم دونوں کو بچپن میں دودھ پلایا تھا یعنی پھر تم نے شادی کیسے کر لی، عقبہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے سامنے مسئلہ رکھا (انہوں نے مسئلہ اس انداز سے رکھا تھا کہ گویا وہ عورت جھوٹی ہے)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میری بات سن کر اعراض فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے صاف طور پر یہ عرض کر دیا کہ وہ جھوٹی ہے، آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ جھوٹی ہے دعھا عنک چھوڑ دے اس عورت کو اپنے سے۔  
حضرت امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے مرضعہ واحدہ کی شہادت کو کافی قرار دیا، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ورع اور تقویٰ پر محمول ہے، فی الدر المختار: الرضاع حجة حجة المال وصی شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین، ولا تقع الفرقة الا بتفریق القاضی۔ الی آخر فی حاشیۃ الکوکب ط ۲۲۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک رضاعت کے مسئلہ میں وہی دلیل معتبر ہے جو عام حقوق مالیہ میں معتبر ہوتی ہے۔ اور حقوق مالیہ میں اسی طرح ہے (شہادۃ عدلین او عدل وعدلتین) بخلاف حدود کے کہ وہاں چار شخصوں کی گواہی درکار ہے، اور بخلاف خالص امور دینیہ کے کہ وہاں عدل واحد کی شہادت بھی معتبر ہے کما فی روئے ہلال رمضان، لکن اذا کان بالنسار علیہ۔ والحدیث اخرجہ البخاری والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب شہادۃ اہل الذمۃ والوصیۃ فی السفر

اہل ذمہ کی شہادت مسلم پر امام احمد کے نزدیک اس خاص صورت میں جو ترجمہ الباب میں مذکور ہے یعنی وصیۃ فی السفر میں معتبر ہے، ابراہیم نخعی اور ادزاعی کی رائے بھی یہی ہے، مصنف حنبلی میں کما تقدم مرارا اسی لئے حنبلیہ کے مسلک کے مطابق ترجمہ قائم کیا۔

فقال الاشعری هذا امر لم یکن بعد الذی کان فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الا  
اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے یہ تو وہ ہے جو ابو موسیٰ اشعری کے زمانہ میں پیش آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیش آنے والے جس واقعہ کا انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، لہذا اسی میں غور کیا جائے اور وہ یہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال خرج رجل من بنی سہم مع تمیم الداری وعدی بن بضاء  
فمات السہمی بارض لیس فیہا مسلم فلما قد مات ترکۃ فقد واجام فضۃ مخصوۃ بالذہب الخ۔  
عدی بن بضاء اور تمیم داری کا قصہ | اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ترجمہ الباب کے مطابق ہے اور یہ وہی واقعہ ہے جس کا حوالہ اوپر والی روایت میں گذرا، اور یہی واقعہ سورہ  
مائدہ کی یہ آیات یا ایہا الذین امنوا شہادۃ بینکم اذا حضی احدکم الموت الا یہ کے نزول کا سبب ہے، واقعہ  
یہ ہے کہ قبیلہ بنو سہم کا ایک مسلمان شخص جس کا نام بدیل تھا مال تجارت لے کر اپنے گھر سے چلا اس سفر میں اس کے دو  
ساتھی تھے اہل کتاب میں سے یعنی نصرانی تمیم داری اور عدی بن بضاء، تو راستہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ وہ رجل سہمی

قریب المرگ ہو گیا تو اس نے ان دونوں کو اپنا وصی بنایا اور پھر اپنا سارا سامان اور مال تجارت ان دونوں کے حوالہ کر دیا اپنے گھر پہنچانے کیلئے، ان لوگوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اس سہمی کا وہ سامان اس کے گھر والوں کو پہنچا دیا، اس سامان میں ایک چاندی کا پیالہ جس میں سونے کے پترے لگے ہوئے تھے اور یہی اسکے سامان کا قیمتی جزو تھا اس کے ساتھ انہوں نے خیانت کی اور اس کو سامان کے ساتھ نہیں دیا، جب اولیاء سہمی نے اس پیالہ کے بارے میں دعویٰ کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا کہ ہمارے پاس اس سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے قسم لیکر۔ کیونکہ وہ منکر تھے۔ ان کو چھوڑ دیا پھر کچھ روز بعد بعض اولیاء سہمی نے اس پیالہ کو کسی دوکاندار کے پاس دیکھا، دوکاندار نے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تمہیں داری اور عدی بن بداء سے خریدا ہے، دوبارہ یہ مقدمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں پیش ہوا تو ان دونوں نے یہ چال چلی کہ یہ تو ہم نے اس مرنے والے رجل سہمی سے خریدا تھا، اولیاء سہمی نے اس کا انکار کیا، اس مرتبہ معاملہ برعکس ہو گیا، شروع میں ورثہ سہمی مدعی تھے اور یہ دونوں نصرانی مدعی علیہ، اسی لئے اس وقت ان دونوں سے قسم لی گئی تھی اب اس دوبارہ کے قضیہ میں یہ دونوں نصرانی مدعی بن گئے، یعنی مدعی شراہ اور اولیاء سہمی اس کے منکر، مدعیین کے پاس کوئی گواہ تھا نہیں، لہذا اولیاء سہمی جو منکر تھے ان کے حلف پر ان کے موافق فیصلہ کر دیا گیا، اس واقعہ کا یہ پورا مضمون حدیث الباب میں مذکور نہیں ہے مختلف روایات کو جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، فہذا شرح ہذا الباب وحدیثہ۔ والحدیث اخبرہ الترمذی، واخرجه البخاری تعلیقاً، قالہ المستذری۔

### باب اذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد يجوز له ان يقضي به؛

قضاء القاضی بعلمہ میں مذاہب ائمہ | اس ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ ہے قضاء القاضی بعلمہ کا مسئلہ، ترجمہ الباب کا مضمون یہ ہے کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی صرف ایک شاہد پیش کر سکا دوسرا شاہد اس کے پاس نہیں تھا لیکن حاکم اور قاضی کو ذاتی طور پر اس شاہد کی شہادت کا صدق معلوم تھا، لیکن نصاب شہادت پورا نہیں تو ایسی صورت میں قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں، یعنی علم قاضی قائم مقام شاہد واحد کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کے بارے میں یہ ہے کہ حدود میں تو قضاء القاضی بعلمہ بالاجماع جائز نہیں، اور غیر حدود میں امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اور امام احمد و مالک کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تفصیل ہے وہ یہ کہ علم قاضی اگر قاضی بننے کے بعد قاضی کو حاصل ہوا ہے تو اس علم کا تو اعتبار ہوگا اور اس کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہوگا اور اگر وہ علم قاضی قبل القضاء ہے یعنی قاضی بننے سے پہلے کا تو وہ معتبر نہیں۔

عن عمارۃ بن خزیمة انعمہ حدثہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابتاع فرسا من اعرابی فاستبعہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ليقضیہ ثمن فرسہ الخ۔

آپ کے شرار فرس کا ایک غیر تناک واقعہ

عم عمارہ جن کا نام عمارۃ بن ثابت ہے ان سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (کسی جگہ راستہ میں) ایک اعرابی سے اس کا گھوڑا خریدا، آپ نے اعرابی کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا تاکہ گھر پہنچ کر اس کو گھوڑے کا ثمن ادا کر دیں، چنانچہ آپ تیزی کے ساتھ چل دیئے، اعرابی آہستہ آہستہ چلا، راستہ میں جو لوگ اس کو ملے وہ اس سے اسکے گھوڑے کی خریداری کی بات کرنے لگے، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں (اب دیکھئے اعرابی کی نیت میں فساد آیا) اور اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دیکر کہا کہ اگر آپ کو یہ گھوڑا خریدا نہیں ہے تو خرید لیجئے ورنہ میں اس کو فروخت کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی کی یہ بات سن کر ٹھہرے اور اس کی طرف پیچھے دیکھ کر فرمایا اویس قد ابتعتہ منك کہ کیا میں یہ گھوڑا تجھ سے خرید نہیں چکا ہوں، اعرابی نے انکار کر دیا اور اس پر قسم بھی کھالی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ میں تجھ سے اس کو خرید چکا ہوں، اعرابی کہنے لگا گواہ لائے (اس موقع پر اتفاقاً حضرت خزیمہ بن ثابت پہنچ گئے) وہ فرماتے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بیع کی ہے، ان کی شہادت پر آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بحوثشہد کہ تم شہادت کیسے دے رہے ہو تم تو بیع کے وقت موجود نہ تھے فقال بتصدیقک یا رسول اللہ تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ محض آپ کے قول کی تصدیق کے لئے، یعنی چونکہ آپ فرما رہے ہیں خریدنے کی بات یہی میری شہادت کا مبنی ہے کیونکہ آپ کی بات حق کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی، لہذا آپ کی تصدیق کے طور پر میں یہ گواہی دے رہا ہوں، آپ نے ان کی یہ نہایت وزنی اور قیمتی بات سن کر آپ کو یہ تمغہ عطا فرمایا کہ ہمیشہ کیلئے تنہا ان کی شہادت کو شاہدین کی شہادت کے برابر قرار دیدیا۔ اس اعرابی کا نام بعض روایات میں سوار بن الحارث آیا ہے اور بعض میں سوار بن قیس، لیکن اس کو حافظ نے — وہم قرار دیا ہے، اس قصہ کا تکملہ یہ ہے کہ پھر جب سب لوگوں کو معلوم ہو گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرار کا قصہ تو پھر اس کے بعد کسی نے بھی اس گھوڑے کو اس اعرابی سے نہیں خریدا، حالانکہ اس کا مقصد اس کو فروخت کرنا ہی تھا لیکن جب کسی نے اس کو نہ خریدا تو پھر مجبوراً شام کو اس کو اپنے گھر لے کر باندھ دیا، صبح کو یہ شخص جب اٹھا تو اس نے اپنے گھوڑے کا عجیب حال دیکھا کہ وہ مرچکا تھا زمین پر پڑا ہوا تھا اور ایک ٹانگ اس کی اذپر کی طرف اٹھ رہی تھی، فاصبحت رافعة رجلها، کذا فی الشفاء للفاہی عیاض۔

لہ بتصدیقک، دوسرا مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے، آپ کی تصدیق کی وجہ سے، یعنی چونکہ پہلے ایمان لاتے وقت میں نے آپ کی تصدیق کی ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا میں اور جو کچھ فرمایا گے سب سچ ہوگا اسلئے یہ بھی سچ ہی ہے۔

اس حدیث میں کہہ سکتے ہیں کہ قضاء القاضی بعلمہ پایا گیا یعنی بما علمہ بعد القضاء وہی صورت جو امام صاحب کے نزدیک معتبر ہے اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں قد ابتعہ لیکن یہ امر آخر ہے کہ آپ نے اپنے حق میں فیصلہ فرمانے کے بعد اسکو اختیار نہیں کیا بلکہ گھوڑے کو واپس کر دیا لیکن اگر رکھنا چاہتے تو آپ کو اس کا حق تھا، والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذرى۔

### باب القضاء باليمين والشاهد

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی بيمين وشاهد اور اس کے بعد والے طریق میں یہ زیادتی ہے، قال عمرد: فی الحقوق۔

**مسئلہ الباب کی تشریح اور مذاہب ائمہ** اگر کسی قضیہ میں مدعی کے پاس صرف ایک شاہد ہو تو کیا ایسی صورت میں یمین مدعی شاہد آخر کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ اور پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں، ائمہ ثلاث کے نزدیک جائز ہے مگر صرف ان دعاوی میں جن کا تعلق حقوق اور مال سے ہو نہ کہ حدود میں اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث الباب سے جمہوری کا مذہب ثابت ہوتا ہے حنفیہ کی دلیل وہ حدیث مشہور ہے جو کہ قریب بہ حد تو اتر ہے، البینۃ علی المدعی واليمين غلی من انکر۔ اور حدیث الباب اس مسئلہ میں محتمل ہے کیونکہ اس کے معنی میں دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے باوجود ایک شاہد کی موجودگی کے یمین مدعی علیہ پر فیصلہ کیا، یعنی جس طرح مطلقاً شاہد نہ ہونے کی صورت میں یمین مدعی علیہ پر فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح شاہد واحد کے موجود ہونے کی صورت میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا، اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، چنانچہ انہوں نے ترجمہ قائم کیا، باب اليمين علی المدعی علیہ، حضرت شیخ نے تراجم بخاری میں مسئلہ قضا بيمين وشاہد میں ائمہ کا اختلاف لکھنے کے بعد لکھا ہے: قلت ویل البخاری الی مسلک الحنفیۃ واستدل علیہ بالحکم فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاہداک او بيمين، وبقصة ابن شبرمة، وبعید ابن عباس اھ میں کہتا ہوں کہ حدیث الباب یعنی قضی بيمين وشاہد جو جمہور کا مستدل ہے، اس مسئلہ میں یہ روایت افراد مسلم سے ہے اور حنفیہ کی دلیل متفق علیہ ہے جیسا کہ ابھی تراجم سے گذرا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد شاہداک او بيمين، اسی طرح امام بخاری نے کتاب الرهن میں باب قائم کیا، اذا اختلف الراہن والمرہن وخوہ فاليمين المدعی واليمين المدعی علیہ اور پھر اسکے تحت انہوں نے یہ حدیث ابن عباس ذکر کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی ان اليمين علی المدعی علیہ، اس حدیث ابن عباس کو امام بخاری نے کتاب الشهادات میں، باب اليمين علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود کے ذیل میں بھی ذکر کیا ہے۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذرى۔

حدثنا الدراوردي عن ربيعة بن عبد الرحمن عن سهيل بن أبي صالح - اور اس کے بعد آ رہا ہے،

اخبرنا الشافعي عن عبد العزيز قال قد ذكرنا ذلك لسهيل فقال اخبرني ربيعة وهو عندى ثقة - انی



حدثه اياه ولا احفظه۔

**شرح السند** پہلی سند سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ حدیث عبدالعزیز (در اور دی کا نام عبدالعزیز ہے) کو سہیل سے بواسطہ ربیعہ کے پہنچی تھی، اس دوسری سند میں عبدالعزیز یہ کہہ رہے ہیں کہ بعد میں میں براہ راست سہیل سے ملا اور ان سے اس روایت کا ذکر کیا اور یہ کہ مجھ کو آپ کی یہ حدیث بواسطہ ربیعہ کے پہنچی ہے (بظاہر مطلب یہ ہے کہ اب میں اس کو براہ راست آپ سے سنا چاہتا ہوں تاکہ علو سند حاصل ہو) تو انہوں نے اس پر یہ کہا کہ مجھ سے ربیعہ نے یہ بات کہی ہے کہ میں نے یہ حدیث ان سے بیان کی تھی لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان سے بیان کی تھی یا نہیں، اور سہیل نے یہ بات بھی کہی کہ ربیعہ میرے نزدیک ثقہ ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث میں نے ان سے بیان کی ہو گو مجھے یاد نہیں، یہ امر آخر ہے۔

فكان سہیل بعد یحدثہ عن ربیعۃ عنہ عن ابیہ۔ یعنی عبدالعزیز کی اس گفتگو کے بعد سہیل بن ابی صالح کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ میں نے یہ حدیث سنی ربیعہ سے اور ربیعہ نے خود مجھ سے، اور پھر آگے تو سند ہے وہ بیان کرتے تھے، یعنی سہیل جو کہ فی الواقع استاد ہیں ربیعہ کے، اور ربیعہ ان کے شاگرد، مگر چونکہ سہیل اس حدیث کو بھول گئے تھے، اس لئے انہوں نے اس حدیث کو روایت کر نیکی یہ صورت اختیار کی جو اوپر مذکور ہوئی، سہیل بن ابی صالح عن ربیعۃ عن سہیل، لہذا اب یہ حدیث اہل اصول کے نزدیک من حدیث و نہی کے قبیل سے ہو گئی، اس سند کی نظیر ترمذی شریف باب المنذیل بعد الوضوء میں گزری ہے۔ حدیث ناچریہ قال حدیثہ علی بن مجاہد عنی وہو عندی ثقہ، جریر بھی اس حدیث کو علی بن مجاہد سے بیان کر کے بھول گئے تھے۔

یہاں کتاب میں یہ بھی ہے: عبدالعزیز کہتے ہیں کہ در اصل سہیل کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی تھی ایسی کہ جس سے ان کا ذہن اور حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

والحدیث اخرہ الترمذی وابن ماجہ قالہ المتذری۔

حدثنی ابی قال سمعت جدی الزبیری یقول بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جیشا

الی بنی العنبر فاخذوہم برکیۃ۔ من ناحیۃ الطائف۔ الخ۔

**ایک طویل حدیث اور اسکی شرح** عمار بن شعیث کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ شعیث نے بیان کیا کہ میں نے اپنے دادا زبیب عنبری سے سنا وہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر برائے جہاد و قتال قبیلہ بنو العنبر کی طرف بھیجا (جو خود راوی حدیث یعنی زبیب کا قبیلہ تھا) اس لشکر نے بنو العنبر کو قید کر لیا مقام رکبہ کے اس حصہ میں جو طائف کی جانب ہے، اور ان سب کو قید رک کے مدینہ منورہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلے۔ زبیب عنبری کہتے ہیں: فرکبت فسبقتمہم الی النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم یعنی میں اس شکر سے بچ نکلا اور سوار ہو کر ان سب لوگوں سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا، اور آپ کو سلام عرض کیا۔ التسلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کا بھیجا ہوا شکر ہمارے پاس پہنچا انہوں نے ہم سب کو پکڑ لیا یعنی ہمارے سارے قبیلہ کو، حالانکہ ہم اسلام لاچکے تھے، اور بطور علامت کے اپنے مویشیوں کے تھوڑے تھوڑے کان کاٹ دیئے تھے، یعنی اسلام لانے کے وقت (یعنی یہ قبیلہ اگرچہ اسلام لے آیا تھا لیکن نہ تو انہوں نے ہجرت الی المدینہ کی اور نہ ہی اپنے اسلام کی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی) آپ زبیب غنیری کی یہ بات سن کر خاموش رہے پھر جب کچھ دیر بعد یہ قبیلہ جو مسلمانوں کے ہاتھ میں قید تھا مدینہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اب حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس بیہ اور گواہ ہیں اس بات پر کہ تم اسلام لاچکے تھے قید ہونے سے پہلے، ان ایام میں، زبیب کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی، گواہ ہیں آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک تو سمرہ نامی شخص ہے اسی قبیلہ کا اور ایک اور شخص کا نام لیا جس کو راوی بھول گیا، چنانچہ ان دونوں شاہدوں کو بلایا گیا، ان دو میں سے سمرہ نے تو شہادت دینے سے انکار کر دیا البتہ دوسرے شخص نے گواہی دی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زبیب سے فرمایا کہ دیکھو سمرہ نے تو شہادت سے انکار کر دیا، صرف ایک نے گواہی دی، تو کیا تو ایک شاہد کیساتھ خود قسم کھا سکتا ہے؟ زبیب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کھا سکتا ہوں، چنانچہ میں نے قسم کھائی اس طرح — لقد اسلمنا باللہ یوم کذا وکذا وخصونا اذان المنع، جب اس ایک شخص کی گواہی اور ایک شخص کی قسم پائی گئی تو اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صحابہ سے فرمایا: اچھا جاؤ جو مال بغیر غنیمت بنو العنبر کا تمہارے پاس ہے اس کو نصف نصف تقسیم کر لو، یعنی نصف بنو العنبر کو واپس کر دو اور نصف تم خود رکھ لو، اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی عورتوں بچوں کو ہاتھ مت لگانا نیز فرمایا، لولا ان اللہ تعالیٰ لایحب ضلالة العمل مارزینا کھر عقالا، کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے تو ہم تمہارے مال میں سے ایک رسی کو بھی کم نہ کرتے، یعنی بجائے نصف کرنے کے سارا مال تم کو واپس کر دیتے۔

عمل سے مراد عمل صحابہ یعنی جہاد، مطلب یہ ہے کہ چونکہ شرعاً مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے تو اب میں سارا ان سے لیکر تم کو واپس کر دوں یہ تو مناسب نہیں، اس صورت میں تو گویا ان کا عمل جہاد ایک لحاظ سے رائیگاں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کے رائیگاں ہونے کو پسند نہیں فرماتے اسلئے میں سارا تم کو واپس نہیں کر رہا ہوں (ورنہ جی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سارا ہی واپس ہو جائے)

مصنف کی غرض اس واقعہ کے اسی حصہ سے حاصل ہو جاتی ہے ویسے آگے مصنف نے اس قصہ کا بقیہ حصہ بھی ذکر کیا ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔

مصنف گویا یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اس واقعہ میں قضاہ بمین و شاہد پایا گیا، لیکن حنفیہ تو اس کے قائل نہیں، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ قضاہ بمین و شاہد تو اس وقت ہوتا جب پورا مال واپس کیا جاتا، لہذا یہ استدلال کیسا، بلکہ ہم یہ کہیں گے یہ جو کچھ فیصلہ ہوا یہ بطور اصلاح ذات البین کے ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بقیہ قصہ یہ ہے: قال الزبیب فحدثني ابي فقال: هذا الرجل اخذ زُرْبِيَّتِي الْوَحْدَةَ۔ زبیب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کے بعد میری والدہ نے مجھ کو بلایا اور۔ ایک لشکری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے میری چادر لے رکھی ہے، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جس شخص کے پاس وہ چادر ہے تو اس کو روک لے، میں نے اس کا گریبان پکڑ کے اس کو روک لیا، حضور نے ہماری طرف دیکھا دونوں کو ایک جگہ اس طرح کھڑا ہوا اور آپ نے دور ہی سے مجھ سے فرمایا کہ تو اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے میں نے یہ سن کر فوراً اس کو چھوڑ دیا پھر آپ نے اس شخص سے (یعنی لشکری سے) فرمایا کہ اس کی ماں کی چادر اس کو واپس کر، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ چادر تو میرے ہاتھ سے نکل گئی، جب اس نے یہ کہا تو آپ نے یہ کیا کہ اس شخص کے ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ اس سے لیکر مجھ دی (والدہ تک پہنچانے کیلئے چادر کے بدلہ میں) اور آپ نے اس لشکری سے یہ بھی فرمایا کہ اس کو یعنی زبیب کو مزید چند صاع غلہ کے بھی دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

### باب الرجلین یدعیان شیئاً ولیست بینہما بینه

یعنی دو شخص کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں، ہر ایک کہتا ہے کہ یہ میری ہے ایسی صورت میں کہ بینہ کسی کے پاس نہیں۔ اس ترجمہ میں ایک اور قید بھی ملحوظ ہے جو مذکور نہیں وہ یہ کہ وہ شئی ان دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو بلکہ کسی تیسرے کے قبضہ میں ہو یا اگر ہو تو پھر دونوں کے ہاتھ میں ہو، اس صورت کا حکم عند الفقہاریہ ہے: حنفیہ و شافعیہ کہتے ہیں کہ برابر برابر وہ شئی دونوں کو دی جائے، اس کی تنصیف کر دی جائے اور امام احمد اس صورت میں قرعہ کے قائل ہیں، قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے تو اس سے قسم لیکر وہ ساری شئی اس کو دیدی جائے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ہذا الشئی للاعدل من الرجلین، کہ ان دو شخصوں میں سے جو زیادہ عادل ہو اس کو دی جائے۔ (ہکذا المذہب فی حاشیۃ الشیخ)

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلین ادعیایا بعبراً او دابة الخ۔

لہ من حیث ان زبیب العنزی کان مدعیاً شہدہ واحد۔ وانکر الآخر عن الشہادة فاخذ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخلف عن المدعی بدل شہادة شاہد آخر وقضی لہ۔

یعنی کسی جانور کے بارے میں دو شخصوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر دعویٰ کیا ہر ایک کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور بینہ کسی کے پاس تھا نہیں تو آپ نے اس کو دونوں کے درمیان مشترک کر دیا، حدیث سے حنفیہ اور شافعیہ کی تائید ہوتی ہے جو کہ صورت مذکورہ میں تنصیف کے قائل ہیں، والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلین اختصما فی متاع . . . . . استهما علی الیمین ما کان احباً ذلک او کبرھا۔

یہ حدیث مسئلہ مترجم بہا میں امام احمد کے مذہب کی دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ اس صورت میں استہام یعنی قرعہ اندازی کی جائے، اور قرعہ میں جس شخص کا نام نکلے اس سے حلف لیکر اسکے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

### باب الیمین علی المدعی علیہ

یہ مسئلہ اجماعی ہے ائمہ ثلاث کے نزدیک مطلقاً ہے اور امام مالک کے نزدیک ایک قید کیساتھ مقید ہے، وہ یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان آپس میں کچھ جوڑ اور یگانگت ہو تب ایسا ہے، اور اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا جوڑ اور مناسبت نہ ہو مثلاً ایک شخص بڑا پرہیزگار اور یکسو اور دوسرا شخص بڑا عیاش اور جھگڑا تو قسم کا جن کا آپس میں لین دین وغیرہ کا کوئی تعلق نہ ہو ایسا شخص عدالت میں جا کر ایسے شخص پر دعویٰ کرنے لگے تو یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور اس کے دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائیگی، یہ قید انہوں نے اسلئے لگائی تاکہ ادبائش قسم کے لوگ علماء اور فضلاء کو بلاوجہ پریشان نہ کریں لیکن اس قید کی کوئی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے (کذا فی الہذل وکذا فی حاشیۃ السنن عن الطیبی)

### باب کیف الیمین

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال۔ یعنی لرجل حلفہ۔ اِخْفِ بِاللّٰهِ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، مَا لَدُنْكَ شَیْءٌ یَعْنِیَ لِلْمَدْعٰی۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس سے آپ کو قسم لینی تھی یعنی مدعی علیہ کہ ان لفظوں کے ساتھ قسم کھائے جو حدیث میں مذکور ہیں۔

بظاہر مصنف کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ قاضی اگر الفاظ قسم میں تغلیظ کی ضرورت سمجھے تو جس قسم کے الفاظ سے وہ چاہے قسم لے سکتا ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

## باب اذا كان المدعى عليه ذميا يحلف

یعنی مدعی علیہ اگر ذمی ہو تو کیا اس سے قسم لی جائیگی۔ جواب یہ ہے لی جائیگی جیسا کہ حدیث الباب میں ہے یہ حدیث کتاب الایمان والسنن میں گزر چکی۔

## باب الرجل يحلف على علمه فيما غاب عنه

ترجمہ الباب کی تشریح | یعنی جس معاملہ کا تعلق براہ راست اپنے سے نہ ہو وہاں پر مدعی علیہ سے حلف اس کے علم پر لینا چاہیئے یعنی نفس الامر پر حلف نہ لیا جائے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، یہ حدیث بھی کتاب الایمان والسنن میں گزر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ مدعی نے یہ کہا کہ مدعی علیہ کے پاس جو زمین ہے وہ میری ہے، مدعی علیہ کے باپ نے مجھ سے غصب کی تھی، دیکھئے یہاں غصب کا تعلق چونکہ براہ راست مدعی علیہ سے نہ تھا بلکہ اس کے باپ سے تھا اس لئے یہاں پر قسم علم پر لی گئی، چنانچہ مدعی علیہ نے قسم میں کہا کہ واللہ میرے علم میں نہیں یہ بات کہ میرے باپ نے مدعی کی یہ زمین غصب کی تھی۔

## باب الذی کیف یستحلف

ترجمہ الباب اور حدیث ظاہر ہے کہ ذمی سے جو کہ یہود تھا اس کے عقیدہ کے مطابق قسم لی گئی، باللہ الذی انزل التوراة علی موسیٰ الحدیث یہ حدیث کتاب الحدود میں اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

## باب الرجل يحلف على حقه

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضی بین الرجلین فقال المقضی علیہ لما ادبر حسبی اللہ ونعم الوکیل | یعنی آپ نے دو شخصوں کے درمیان کسی قضیہ میں ایک فیصلہ فرمایا جس شخص کے خلاف وہ فیصلہ تھا جب وہ جانے لگا تو کہنے لگا حسبی اللہ ونعم الوکیل کہ اچھا ہمارا بھی اللہ مالک ہے بظاہر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا حق فی الواقع میرا تھا تو اس پر آپ نے اس شخص کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا ارے بھائی اللہ تعالیٰ عجز اور بے بس ہو جانے کو پسند نہیں کرتا، آدمی کو چاہیئے کہ اپنی سمجھ سے کام لے اور حصول مقصد کے لئے کوشش کرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے، ہاں سب تدبیریں جب اختیار کر چکے اور کوئی شکل سمجھ میں نہ آئے تب یہ دعا پڑھے حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اس ترجمہ الباب سے مصنف کی کیا غرض ہے ایک عرصہ تک اس میں بندہ غور کرتا رہا، ایک غرض یہ سمجھ میں آئی کہ اگر مدعی بینہ پیش نہ کر سکے تو قاضی کو چاہیئے کہ بلا تاخیر مدعی علیہ سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دے اگرچہ بعض قرآن و آثار سے صدق مدعی ظاہر ہوتا ہو، مگر اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، اس حدیث کے مضمون میں غور کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الدین هل یحبس به

یعنی مدیون اگر دین کی ادائیگی میں تاخیر کرے یا وجود غنی اور قدرت علی قضاء الدین کے تو اس مال مٹول پر اسکو قید کیا جاسکتا ہے، حدیث الباب اس میں ظاہر ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حبس رجلاً فی تہمة  
**شرح الحدیث** | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو محض شبہ کی وجہ سے اور اس کے متہم ہونے کے،  
 اس کو قید کیا چند روز کیلئے، اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ قاضی کے لئے شخص متہم کو قید کرنا  
 تحقیق حال اور تفتیش حال کے طور پر جائز ہے، اس حبس کا نام حبس استظهار ہے نہ کہ حبس عقوبت، مثلاً کسی محلہ میں  
 چوری ہو گئی اس محلہ میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں چوری کا شک و شبہ ان کے ظاہری حال کے پیش نظر ہے  
 تو یہاں پر قاضی اگر مناسب اور ضرورت سمجھے اتنے۔ اصل چوری کرنے والوں کی تحقیق اور تفتیش ہو ان لوگوں کو  
 چند روز کے لئے نظر بند اگر کر لے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین مصلحت ہے۔

عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ انہ قام الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو یخطب  
 فقال جیرانی بما اخذوا فاعرض عنہ مرتین ثم ذکر شیئاً فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
 وسلم خلواہ عن جیرانہ۔

**شرح الحدیث** | جد ہز کا نام معاویہ بن خیدم ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضور  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو میں نے آپ کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا کہ  
 میرے پڑوسیوں کو کیوں پکڑا گیا ہے آپ نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، دو مرتبہ اس کی توبت آئی۔ راوی کہتا ہے  
 پھر معاویہ نے کچھ اور بھی عرض کیا کچھ دیر بعد حضور نے فرمادیا کہ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دیا جائے۔  
 بظاہر معاویہ کے پڑوسیوں کو کسی واقعہ کے پیش آنے پر محض شک و شبہ اور متہم ہونے کی بنا پر قید کیا گیا ہوگا،  
 جن کو قید کیا گیا وہ معاویہ کے پڑوسی تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی طرف سے صفائی پیش  
 کی اس پر آپ نے ان کو چھڑوا دیا۔

یہ جو حدیث کی ہم نے شرح کی ہے اس صورت میں بما اخذوا فعل مجہول ہوگا اور اگر اس کو معروف کا صیغہ پڑھا  
 جائے بما اخذوا تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے خلّ جیرانی بما اخذوا ای علی ان اودی عنہم ما اخذوا میرے  
 پڑوسیوں کو چھوڑ دیجئے اس طور پر کہ میں ادا کروں گا ان کی طرف سے جو دین اور قرض انہوں نے لے رکھا ہے، یعنی یہ لوگ  
 عدم قضاے دین کی وجہ سے مجبور سن تھے ان صحابی نے ان کی طرف سے ادائے دین کی کفالت قبول کر لی اس پر انکو چھوڑ دیا گیا



## باب فی الوكالة

کتاب القضاء چل رہی ہے قضاۃ کے لئے دکلا بھی ہوا کرتے ہیں۔

**مضمون حدیث** حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا ارادہ خیر جانے کا ہوا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام عرض کیا اور اپنے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو اس پر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جب خیر میں ہمارے فلاں وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق غلہ یا کھجوریں میرا نام لیکر لے لینا، اگر وہ اس پر کوئی دلیل اور علامت طلب کرے تو اسکے ترقوہ پر اپنا ہاتھ رکھ دینا، یعنی حلق کے نیچے کا حصہ، آپ نے اپنے وکیل سے غالباً فرما رکھا ہوگا کہ اگر تجھ سے کوئی شخص میرے نام پر کوئی چیز مانگے تو اگر وہ تیرے طلب دلیل پر اس جگہ ہاتھ رکھ دے تو سمجھنا کہ وہ میری ہی طرف سے ہے۔

## باب فی القضاء

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا تدارت علی طریق فاجعلوا سبعة اذرع۔  
**شرح الحدیث** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زمین ترکہ وغیرہ میں ملی ہوئی چند بھائیوں کے درمیان یا چند شخصوں کے درمیان مشترک پڑی ہوئی ہو اور اب وہ اس کی بنا اور تعمیر کا ارادہ کر رہے ہیں جس میں دو طرفہ مکان بنانے کا خیال ہے تو اب درمیان میں جو راستہ چھوڑا جائے مکانات کے درمیان آنے جانیکا وہ کتنا ہونا چاہئے پس اگر وہ سب کسی خاص مقدار پر متفق ہو جائیں تو فہما اور اگر اختلاف ہو رہا ہے تو پھر اس صورت میں وہ کیا جائے گا جو حدیث الباب میں ہے یعنی سات ذراع کے بقدر چوڑی بیچ میں گلی چھوڑ دی جائے۔  
والحدیث اثر جہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

اذا استأذن احدکم اخاه ان یغرض خشبة فی جدارہ فلا یمنعه۔

**شرح الحدیث** یعنی جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے اس بات کی اجازت چاہے کہ وہ اس کی دیوار میں کوئی لکڑی گاڑے مثلاً اس کی دیوار پر اپنی چھت کی کڑی رکھے یا ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کی دیوار میں کوئی کیل ٹھو کے تو اس کو چاہیے کہ انکار نہ کرے، امام احمد کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے ہے اور جمہور کے نزدیک تنزیہ کیلئے ان کے نزدیک یہ حدیث حسن معاشرت پر محمول ہے، آگے روایت میں ہے فنکسوا فقال مالی اراکم الخ۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ یہ حدیث لوگوں کے سامنے بیان فرما رہے تھے تو انہوں نے ذرا سر نیچے کو جھکا لیا۔ بجائے اسکے کہ سر اوپر کو اٹھا کر حدیث کا سماع اچھی طرح کرتے، حضرت ابو ہریرہ نے ان کو تار لیا اور ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا بات ہے اس حدیث کے سننے سے اعراض کیوں کر رہے ہو تم چاہے کچھ ہی کرو میں اس حدیث کو تمہارے سامنے بیان کر کے

ہی رہوں گا، اور یہ مطلب ہے کہ اس کیل کو میں تمہارے سینوں میں گاڑ کر ہونگا اور وہ کڑی تمہارے کندھوں پر رکھ کر ہونگا، حضرت ابو ہریرہ کی طرف سے حاضرین کو مضمون حدیث پر عمل کرنے کی سختی کے ساتھ تاکید و تنبیہ ہے۔

من ضاراً اضراً للہ نبلہ ومن شاق شاقاً للہ علیہ۔ جو شخص دوسروں کو ضرر پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جو شخص دوسروں کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالتے ہیں۔  
والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

اس حدیث کو باب کے ساتھ کیا مناسبت ہے، بظاہر یہ ہے کہ قضاۃ کے پاس قسم قسم کے لوگوں کے مقدمات اور قضایا آتے ہیں ان میں بعض ظالم اور بعض مظلوم ہوتے ہیں تو شاید مصنف اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایسے مواقع میں قاضی کو چاہیے کہ موقع محل کے مناسب وعد اور وعید کی حدیثیں خصمین کو سنایا کرے، ہو سکتا ہے ان میں سے جو باطل پر ہے اسکے حق میں یہ وعید مؤثر ہو جائے اور وہ خود ہی اپنی ناحق خصومت سے باز آجائے جیسا کہ احادیث میں اسکی مثالیں ملتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لئن کانت لہ عضد من منخل فی حائط رجل من الانصار  
**مضمون حدیث** | حضرت سمرہ اپنا واقعہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے کچھ پودے ایک انصاری کے باغ میں لگا دیئے تھے، حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ اس انصاری کیساتھ باغ میں اس کے اہل و عیال بھی ہوتے تھے سمرہ فرماتے ہیں میں اپنے پودوں کی دیکھ بھال کے لئے اس باغ میں جاتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس باغ والے کو اذیت اور مشقت ہوتی تھی، سمرہ کہتے ہیں کہ اس باغ والے نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے پودے اس کے ہاتھ فروخت کر دوں میں نے بیع سے انکار کر دیا، پھر اس نے مجھ سے اس بات کی درخواست کی کہ میں اپنے پودوں کو اس کے باغ سے منتقل کریں، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا، اس انصاری نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر میری شکایت کر دی، وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بلا کر یکے بعد دیگرے دو باغیں میرے سامنے رکھیں جو اس انصاری نے رکھی تھیں میں نے آپ سے بھی انکار ہی کر دیا آپ نے تیسری چیز میرے سامنے رکھی کہ اچھا اپنی چیز اس کو ہبہ ہی کر دو تجھے اس پر اتنا اتنا ثواب ملے گا، میں نے اس سے بھی انکار کر دیا وہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا انت مضر کہ تو بڑا ضرر رساں ہے اور آپ نے اس انصاری سے فرمایا کہ اس کے پودے اکھاڑ کر باہر پھینک دے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ واقعہ جس میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی پائی جا رہی ہے اس کو وہ خود ہی بیان فرما رہے ہیں گویا اپنا عیب اور کمی خود ہی بیان کر رہے ہیں یہ ان حضرات کے غایت اخلاص اور دیانت داری کی بات ہے تاکہ جو حدیث جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اس کو بعینہ اسی طرح نقل کیا جائے چاہے وہ

اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو، سکتا المنذری عن تخریج الحدیث واقصر علی قوله فی سماع الباق من سمرۃ بن جندب نظر فقد نقل من مولده ووفاته سمرۃ ما یحذر معہ سماعہ منہ وقیل فیہ ما یمکن معہ السماع منہ (والشرع وجہ اعلم) اھ (عون)

عن عروۃ ان عبد اللہ بن الزبیر حدثہ ان رجلاً خاصہم الزبیری فی شراح الحرقۃ التي یسقون بہا الخ۔

### مضمون حدیث

یہ مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا میرے والد زبیر کے ساتھ شراج حرہ یعنی مقام حرہ کے پانی کی نالیوں کے بارے میں جن کے ذریعہ سے لوگ کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں جھگڑا ہوا وہ انصاری شخص میرے والد سے کہتا تھا کہ تم پانی کو چھوڑ دو تاکہ وہ گزر کر میرے کھیت کی طرف چلا آئے، حضرت زبیر نے ایسا کرنے سے انکار کیا اسلئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کا کھیت اور زمین اوپر کی جانب ہو یعنی نہر کے متصل، اول حق اس کو سیراب کرنے کا ہے اس کے بعد اس سے نیچے والے کھیت کا اور یہ انصاری شخص حضرت زبیر سے اسکے خلاف کرانا چاہتا تھا جب مسئلہ حضور تک پہنچا تو آپ نے حسب قاعدہ زبیر سے یہی فرمایا کہ پہلے تم اپنا کھیت سیراب کر لو اس کے بعد نیچے کی طرف اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑنا اس پر اس انصاری کو ناگواری ہوئی اور کہنے لگا اَنْ کَلَّیْ اَبْنَ عَمْبِیْکَ (کہ آپ کا یہ فیصلہ اسی بنا پر تو ہے) کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے، حضرت زبیر بن العوام آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔ لَمْ تَسْلَمْ مِنْ عَمَاتِهِ الْاِھِی عَلَی الصَّحِیْمِ کَذَا فِی التَّجْرِیْدِ لِلذَّهَبِ۔ فَتَلَوْنَ وَجْہَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم الخ۔ انصاری کے اس قول پر حضور کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور آپ نے زبیر سے فرمایا کہ تم ہی اول پانی دو اور جب تک پانی کھیت کی ڈول تک نہ پہنچے مت چھوڑو یعنی اول آپ نے مسامحت اور ایثار کا حکم فرمایا تھا کہ اپنا حق پورا کرنے سے پہلے ہی پانی چھوڑ دینا لیکن آپ نے اس انصاری کا طرز عمل دیکھا تو پھر اپنے اس پر زجر و تنبیہ حضرت زبیر کو استیفاء حق کا حکم فرمایا کہ یہ شخص قابل رعایت نہیں ہے (بذل الجہود میں لکھا ہے کہ اگر یہ انصاری مسلمان تھا تب تو اس کا یہ قول زَلَّتْ شَیْطَانِی تَحَاغَصَہ میں اس کو اس کا احساس ہی نہیں رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اگر منافق تھا پھر تو کوئی اشکال کی بات ہی نہیں اور اس پر انصاری کا اطلاق بنا براتحاد قبیلہ کے ہو گا اھ۔

قال المنذری واخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ واخرجه البخاری ومسلم من حدیث عبد اللہ بن زبیر عن ابيه واخرجه البخاری والنسائی من حدیث عروۃ بن الزبیر عن ابيه اھ (عون)

ان رجلاً من قریش کان لہ سهمہ فی بنی قریظۃ فخاصہم الی رسول اللّٰہ صلو اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فی مہزورۃ مہزور بنی قریظہ کی ایک وادی کا نام ہے اور یہاں پر اس سے مراد سیل مہزور ہے جیسا کہ اسکے بعد والی روایت میں ہے

لے چنانچہ حضرت امام بخاری نے اس حدیث پر تلامذہ قائم کیا ہے۔ باب اذا اشار الامام بالصالح قال حکم علیہ بالحکم البین ۳

یعنی سیل مہرور کے بارے میں ایک قریشی شخص کا جس کی کوئی زمین یا باغ ارض بنو قریظہ میں تھی کسی کے ساتھ آبپاشی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو اس کے بارے میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اوپر کے کھیت والا جب پانی اس کے کھیت میں کہیں تک پہنچ جائے اس کے بعد پانی نہ روکے بلکہ آگے چلتا کرے۔ (الحديث سکت عن المنذري اه (عون)

عن ابی سعید الخدری قال اختصم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم رجلان فی حریم نخلة اؤ۔  
**شرح الحدیث** | حریم سے مراد اس پاس کی جگہ اور ماحول جیسے کہتے ہیں حریم مصلی جس کا ذکر ابواب الستہ میں گذر چکا اس حدیث میں حریم نخلة کا ذکر ہے یعنی درخت کے نیچے کی اس پاس کی وہ جگہ جو اس درخت کا حق سمجھی جاتی ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ دو شخصوں کا حریم نخلة میں اختلاف ہوا اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے لئے ایک ارض موات کا احیاء کیا اور اس میں کھجور کے درخت لگائے اسکے برابر میں جو ارض موات تھی کسی دوسرے شخص نے اس کا احیاء کرنا چاہا اب دونوں زمینوں میں فصل کے لئے جگہ چھوڑنے کی ضرورت تھی اب یہ کہ فصل کے لئے کتنی جگہ چھوڑی جائے اس کی مقدار کے بارے میں ان دونوں شخصوں کا آپس میں اختلاف ہوا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس نخلة کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ سات ذراع نکلا آپ نے جتنا طول نخلة کا تھا اسی کے بقدر حریم کی مقدار متعین فرمادی، پس اب ہمیشہ کے لئے یہی ضابطہ وقاعدہ ہو گیا کہ دو ارض موات کے درمیان اسی کے مطابق فصل کے لئے جگہ چھوڑی جائے۔

قال عبد العزیز فامر بجریدة من جریدہ حافذ رعت، یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ اس نخلة کی ایک شاخ بقدر ذراع لیکر اس کے ذریعہ اس نخلة کو ناپ لیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (الحديث سکت عن المنذري (عون)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## أَوَّلُ كِتَابِ الْعِلْمِ

اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت یہ ذہن میں آتی ہے کہ اس سے پہلے کتاب القضاء کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے: "القضاء ثلاثہ، واحد فی الجنۃ واثنان فی النار الحدیث، جس میں یہ ہے کہ جو قاضی صاحب حق کے حق کو پہچان کر اس کے موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو قاضی جہالت کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، اس حدیث سے علم کی ضرورت و اہمیت کا استفادہ ہونا ظاہر ہے۔

صحیح مسلم میں بھی کتاب العلم اور کتاب میں ہی مذکور ہے، اور ایسے ہی جامع ترمذی میں بھی، ہم نے السبل المفہم میں علم کی حقیقت اور اس کے انواع علوم شرعیہ و غیر شرعیہ، نیز تحصیل علم کا حکم شرعی وہاں ذکر کر دیا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے وہاں ہم نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ بظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب العلم کو شروع میں لایا جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اس میں سب سے پہلے کتاب الایمان، اور اس کے بعد متصلاً کتاب العلم مذکور ہے، اس بارے میں یہ نکتہ وہاں لکھ گیا ہے: "يمكن ان يقال: لعل في إشارته لطيفة إلى ان منتهى علمنا يساوي مبتداه، فان العلم لا ينهية له، الا سيما علم الشريعة فانه بحر لا ينقذ، جیسا کہ بعض اکابر صوفیہ سے منقول ہے کہ جب ان سے تصوف کی انتہاء اور کمال کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے، ما النہایۃ؟ فقال: الغور الی البدایۃ اور یہی مطلب کسی صوفی کے اس مقولہ کا ہے بنور روز اول است کہ ابھی تو ہماری بسم اللہ ہی کا دن ہے (تصوف میں قدم ہی رکھا ہے) حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے تراجم بخاری میں کسی جگہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر شخص کا جہل اس کے علم سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ فی نفسہ معلومات (وہ امور جن سے علم متعلق ہو سکتا ہے) تو غیر متناہی ہیں اور ہر شخص کی اپنی معلومات متناہی ہیں اھ پس ہر شخص کا علم محدود و متناہی ہوا اور اس کا جہل غیر متناہی۔

علم کی حقیقت اور اس کی انواع، اور مختلف نزع سے اس کی تقسیمات اور ایسے ہی علم کے رُوس ثمانیہ اور علم کا شرف اور فضیلت وغیرہ امور تفصیل کے ساتھ ذاب صدیقی حسن خان نے اپنی مشہور تصنیف "ابجد العلوم" میں ذکر کی ہیں اور ایسے ہی "کشف الظنون" میں اور ان سے پہلے طاش کبریٰ زادہ نے، مفتاح السعاده و مصباح السیاده میں کتب منطق میں بھی علم کی تعریف اور تحقیق پر کلام کیا گیا ہے، چنانچہ ایک تعریف یہ کی گئی ہے: الصورة الحاصلة

من الشئ عند العقل، اور شرح عقائد نسفیہ میں علم کی تعریف اس طرح لکھی ہے: هو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به، یعنی کسی چیز کا علم یہ ہے کہ جب اس چیز کا نام لیا جائے تو فوراً اس چیز کی صورت اور نقشہ ذہن میں آجائے مثلاً جو شخص زید کو جانتا ہے اور اس سے واقف ہے تو جب اس کے سامنے زید کا نام لیا جائے گا تو فوراً زید کی شکل و صورت کی طرف سننے والے کا ذہن منتقل ہو جائے گا، اور اگر وہ زید کو نہیں جانتا ہوگا تو اس وقت کچھ بھی ذہن میں نہیں آئے گا۔

## باب فی فضل العلم

عن كثير بن قيس قال كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاءه رجل فقال: يا ابا الدرداء اني  
**مضمون حدیث** | كثير بن قيس کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک حدیث سننے کیلئے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، میری اس آمد کا مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: یقول: من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة، شرح نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سائل کو حضرت ابو الدرداء سے یہی حدیث مطلوب تھی جس کو ان سے سنا چاہتے تھے، دوسرا یہ کہ حدیث مطلوب تو اس کے علاوہ تھی جس کو انہوں نے بعد میں سنایا ہوگا لیکن یہ حدیث اس کے اس عمل کی تحسین اور تمشیر کے لئے ذکر فرمائی، کہ جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے راستہ طے کرتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے راستہ پر چلا رہے ہیں یعنی تحصیل علم کے لئے چلنا یہ انجام کے لحاظ سے جنت کے راستہ پر چلنا ہے۔ اور اسکے بعد والی حدیث کے لفظ یہ ہیں: الاستہل اللہ به طریقاً الى الجنة، کہ طالب علم کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ سہل اور آسان فرمادیتے ہیں، اسلئے کہ علم ذریعہ ہے عمل کا اور عمل سبب ہے دخول جنت کا۔

**شرح الحدیث** | وان الملائكة لتضع اجنحتهم رضاء الطالب العلم حدیث کے اس جملہ کی تشریح میں "بذل" میں امام خطاب سے تین مطلب لکھے ہیں (۱) وضع اجنحہ سے مراد تواضع ہے یعنی طالب علم کے سامنے ملائکہ تواضع اور نیاز مندی سے پیش آتے ہیں، کقولہ تعالیٰ واخضعن لہما جناح الذل، (۲) الامساك عن الطیر ان التردل عندہ، یعنی اگر زمین پر طالب علم ہو اور اوپر فرشتہ اڑ رہا ہو تو وہ فرشتہ اس طالب علم کی وجہ سے اپنا اڑنا متوقف کر کے نیچے اس کے پاس اتر آتا ہے کقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما من قوم یذکرون اللہ تعالیٰ الا حفت بہم الملائکة وغشیہم الرحمة، (۳) اس سے مراد فرشتہ کا طالب علم کے لئے اپنے پروں کو پھیلا دینا ہے اس کو اپنے اوپر سوار کرنے کے لئے تاکہ اس کو منزل مقصود تک پہنچا دے، مراد اعانت ہے اور تیسرے مطلب علم میں اہ



آگے حدیث میں یہ ہے کہ عالم کے لئے آسمان اور زمین والے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں (گویا یہ استغفار بر سے متجاوز ہو کر بھر تک پہنچ جاتا ہے)

اور یہ کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء کرام کی میراث اور ترکہ درہم اور دینار نہیں ہوتا بلکہ ان کی میراث علم ہوتا ہے (لہذا طلباء و علماء ہی وارثین انبیاء ہوئے)

ومن اخذہ اخذ بحظ واقربہ جملہ یا تو خبر یہ ہے کہ جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑی دولت حاصل کر لی، اور یا النشانیہ ہے کہ جو شخص علم حاصل کرے اور اس کے درپے ہو تو اس کو خوب اچھی طرح حاصل کرنا چاہئے اس حدیث کے بعد والے طریق میں یہ جملہ بھی مذکور ہے: ومن ابطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ یعنی جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے گا تو اس کو اس کا عالی نسب ہونا آگے نہیں بڑھا سکتا۔

**علم کی فضیلت اور برتری** | احادیث الباب سے فضیلت علم ظاہر ہے فرشتوں کا طالب علم کے ساتھ تواضع سے پیش آنا، اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار ہونا انبیاء کا وارث ہونا یقیناً غایت درجہ کا شرف ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ بذل میں علامہ شامی سے ۲۸۹/۵۱ نقل کیا ہے: مذاکرۃ العلم ساعۃ خیر من احوار لیلۃ، والخرج لطلبہ بدون اذن والدین لولمتحیا، اما الامر دفلا، یعنی تھوڑی دیر کا علمی مذاکرہ رات بھر کی عبادت سے افضل ہے، نیز طلب علم کے لئے گھر سے نکلنا بغیر اذن والدین کے بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ نکلنے والا ذولحیہ ہو، بے ریش لڑکے کیلئے جائز نہیں۔

والحدیث الاول اخرجه الترمذی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجه مسلم اتم منه واخرجه الترمذی مختصراً قال المنذری۔

## باب روایۃ حدیث اہل الکتاب

یعنی اہل کتاب جو مضمون بیان کریں تو کیا اہل اسلام کے لئے اس کو نقل کرنے اور روایت کرنے کی اجازت ہے

فقال: یا محمد اهل تتکلم هذه الجنان؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اللہ اعلم الخ اس حدیث کے راوی ابو نملہ صحابی ہیں جن کا نام عمار بن معاذ ہے اور ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ابن ابی نملہ ہیں جن کا نام نملہ ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کو ایک جنازہ گذرا، ایک یہودی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ اعلم، اس یہودی نے کہا کہ ہاں بات کرتا ہے ممکن ہے اس نے یہ بات اپنی کتاب توراہ میں دیکھی ہو جس بنا پر اس نے یہ کہا۔ آپ نے یہودی کی اس بات پر سکوت فرمایا اور صحابہ کرام سے آپ نے فرمایا کہ یہ اہل کتاب جو بات تم سے بیان کریں نہ اس میں ان کی تصدیق کرو اور نہ

تکذیب، بلکہ یوں کہو آمنت باللہ ورسولہ، تاکہ نہ باطل کی تصدیق ہو سکے اور نہ حق کی تکذیب، اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی حدیث روایت نہیں کرنی چاہیے۔

آپ نے کلام جنازہ کے بارے میں فرمایا، اللہ اعلم، حالانکہ دوسری احادیث سے قبر میں فرشتوں کے سوال کے جواب میں میت کا کلام کرنا بکثرت وارد ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث شروع کی ہے جس وقت آپ کو قبر میں ملکیں اور میت کے سوال و جواب کا علم نہیں تھا، اور یا یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں آپ نے کلام میت کے بارے میں توقف فرمایا اس بنا پر کہ اس حدیث کا تعلق مخصوص اس میت سے تھا نہ کہ مطلق کلام میت سے، افادہ العلامة البندی۔

**دو مختلف بابوں میں تطبیق** | اس کے بعد جانتا چاہئے کہ آگے کتاب میں چند ابواب کے بعد اسی سلسلہ کا ایک دوسرا باب آرہا ہے۔ باب الحدیث عن بنی اسرائیل، جس میں مصنف نے دو حدیثیں

ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث یہ ہے "حدثنا عن بنی اسرائیل ولا حرج" اس پر بعض شرح خطابی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہود سے روایت حدیث کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی، احکام اسلامیہ اور قواعد دینیہ کے استقرار سے پہلے، پھر جب احکام اسلامیہ کا استقرار ہو گیا اور صحابہ کرام یہود کی تحریفات و تخریصات سے واقف ہو گئے تو پھر آپ نے صحابہ کو حدیث اہل کتاب کی روایت کی اجازت مرحمت فرمادی کہ اس صورت میں کذب و صدق اور حق و باطل کے درمیان خلط ہونے کا خطرہ نہیں تھا، گویا یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے ابتداء میں کتابت حدیث سے صحابہ کرام کو منع فرمادیا تھا حدیث کے قرآن کے ساتھ التباس اور خلط کے اندیشہ کی وجہ سے، اور پھر بعد میں آپ نے اس نہی کو منسوخ فرما کر کتابت حدیث کی اجازت دیدی تھی جب خلط کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔

اور حضرت امام مالک "حدثنا عن بنی اسرائیل" کے بارے میں فرماتے ہیں: المراد جواز الحدیث عنہم بما کان من امر حسن اما علم کذبہ فلا، یعنی مراد یہ ہے کہ اہل کتاب جو اچھی اچھی باتیں تم سے بیان کریں اس کے نقل کی اجازت ہے لیکن جس بات کا غلط ہونا معلوم ہو ظاہر ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں (کذا فی العون عن الفتح) اور حاشیہ بذل میں ہے قال القاری فی المرقاة: لا حرج فی نقل الا ما جیب عنہم وہ فی الدر المختار عن ابن حجر: هذا الحدیث یقید مل سماع الا ما جیب والغرائب من کل مال لا یتیقن کذبہ لقصد الفرقة لا الحجة۔ اہ خطابی کے نزدیک باب اول کی حدیث منسوخ اور باب دوم کی اس کے لئے ناسخ ہوئی اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک اول حدیث کا تعلق مسائل و احکام سے ہے اور ثانی کا تعلق عام مفید باتوں سے یا غرائب سے احکام سے نہیں، دونوں حدیثوں کا محمل الگ الگ ہے لہذا ناسخ منسوخ ماننے کی حاجت نہیں۔

**اسرائیلیات کا حکم** | تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں اسرائیلیات کا حکم کے عنوان کے تحت لکھا ہے: اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے

ہم تک پہنچی ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ روایات جن کی سچائی قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوہ طور پر تشریف لیجانا وغیرہ (۲) وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے ارشاد ہے: **وَمَا كُفِّرُ سُلَيْمَانَ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا** اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایت میں مذکور ہے (معاذ اللہ) حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سپہ سالار اور یا کی بیوی سے زنا کیا یا اسے مختلف تدبیروں سے مرد اگر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا یہ بھی کھلا جھوٹ ہے، اور اس قسم کی روایات کو غلط سمجھنا لازم ہے (۳) وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ ان کی تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کا نقل کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیر نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انہیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں (مقدمہ تفسیر ابن کثیر)

دوسری حدیث اس باب میں جو مصنف نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے: **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَدُ شَا عَن بَنِي إِسْرَائِيلَ حَتَّى يَصْبَحَ** یعنی بعض مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں صبا بہ کرام سے بنی اسرائیل کے حالات بہت دیر تک بیان فرماتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پہلے باب سے غرض مصنف کی اخذ الروایۃ عن اہل الکتاب سے منع کرنا ہے یعنی ان سے روایت نہ لی جائے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، اور دوسرے باب کی غرض حدیث عن بنی اسرائیل یعنی حکایت عن بنی اسرائیل اور ان کے قصص اور واقعات کا نقل کرنا ہے کہ یہ جائز ہے اور ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے، اور اس باب کی حدیث اول یعنی حدیث عن بنی اسرائیل ولا حرج، کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے یعنی ذکر قصصہم واحوالہم، اس صورت میں ان دونوں میں آپس میں کوئی تخالف ہی نہ ہوگا جس کے لئے کسی توجیہ کی ضرورت پیش آئے، **هَذَا مَا عِنْدِي اِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَاِنْ كَانَ خَطَا فَمَنِي**.

قال زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: **اَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَعَلِمْتُ لَهُ**

کتاب یہود، وقال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فَعَلِمْتُ، فلم یمر بی الا نصف شہر حتی حذقتہ الخ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا کہ میں یہود کی زبان لکھنا پڑھنا سیکھوں، اور فرمایا کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں کہ کوئی یہودی میرا مضمون لکھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں میں نے یہود کی زبان نصف ماہ سے بھی کم کے اندر سیکھ لی، اور اس میں مجھ کو خوب بھی طرح

مہارت ہو گئی، چنانچہ اس کے بعد پھر میں ہی آپ کی طرف سے یہود کو لکھا کرتا تھا اور جب ان کا کوئی خط آپ کی طرف سے آتا تو اس کو میں ہی پڑھ کر سناتا۔

فائدہ: مشہور یہ ہے کہ انجیل سریانی زبان میں ہے لہذا انصاری کی زبان بھی وہی ہوئی اور تورات عبرانی ہے لہذا بظاہر یہود کی زبان بھی عبرانی ہوئی، صحیح بخاری کے پہلے باب میں ورقہ بن نوفل کے بارے میں مذکور ہے، وہاں یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ، و فی ہامش اللامع عن القسطلانی: قیل: ان التوراة عبرانیۃ والانجیل سریانی، وعن سفیان: ما نزل من السامری الا بالعربیۃ وكانت الانبیاء علیہم السلام مترجمۃ لقومہا ہذہ وقیہ عن الکرمانی: یفہم منہ ان الانجیل لیس عبرانیۃ ہذا مشہور راہ۔

**کاتبین وحی صحابہ کی تعیین و اسما** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے ہیں، مشہور کاتبین وحی چھ حضرات ہیں، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعین، بہت سے علماء کی آپ کے کاتبین پر مستقل تصانیف ہیں جن کی فہرست کافی طویل ہے، جن کی دو قسمیں ہیں کاتبین وحی یعنی قرآن وغیرہ، اس کے بارے میں تو اس ہی لکھا ہے کہ وہ چھ ہیں، اور قسم ثانی مطلق کاتبین وحی قرآن کریم کے علاوہ، ان کی تعداد بعض مصنفین نے اکتیس لکھی ہے (واحد وثلاثون) بعضوں نے اس سے کم زیادہ بھی لکھی ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن صحیح، واخرجہ البخاری تعلیقاً فی کتاب العلم، قال المنذری۔

## کتابۃ العلم

اور بعض نسخوں میں ہے، باب فی کتابۃ العلم، اور بعض میں، باب فی کتاب العلم، اس سلسلہ پر اور اس سے متعلق احادیث پر کلام، الدر المنصور کے مقدمہ میں گزر چکا۔

## باب التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر، عن امیہ قال قلت للزبیر: ما یمنعک ان تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم؟ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد حضرت زبیر سے دریافت کیا کہ آپ کے لئے احادیث بیان کرنے سے جس طرح آپ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کیا چیز مانع ہے؟ تو انہوں نے

لہ قریباً بھی حدیثاً بھی مثلاً قدیم میں المصباح المعنی فی کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور جدید میں کتاب الوحی لاحمد عبد الرحمن عیسیٰ کتاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمد مصطفیٰ الاعظمی،

فرمایا کہ واللہ مجھ کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت اور منزلت حاصل ہے وہ ظاہر ہے (جس کی بنا پر مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت احادیث سننے کا موقع ملا، اس کے باوجود ترک روایت کا منشاء یہ ہے کہ) میں نے آپ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اس کو جہنم میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جانا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر دونوں جگہ ٹھکانہ بنا ہوا ہے جہنم میں بھی اور جنت میں بھی، تاکہ ایمان لانے کی صورت میں جنت والے ٹھکانہ میں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں جہنم والے ٹھکانہ میں اس کو رکھا جائے، وہی الفتح: قولہ: فلیتبیوا ای فلیتخذ لنفسہ منزلاً، فہو امر بمعنی الخیر او بمعنی التہدید او بمعنی التحکم، او دعار علی فاعل ذلک ای ہواہ اللہ ذلک اھ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث اور اسی مضمون کی بعض دوسری روایات "باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" کے ذیل میں ذکر فرمائی ہیں، بخاری کی حدیث میں "متمذہب" کا لفظ نہیں ہے، اور حافظ نے اس پر کلام بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حدیث سے استدلال کرنے میں اس بات کی دلیل ہے کہ کذب کا اطلاق مطلقاً خلاف واقع خبر دینے پر ہے خواہ عمداً ہو یا خطاً اور یہی صحیح قول ہے، اور خطا کی صورت میں اگرچہ گناہ نہیں لیکن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثر فی الحدیث میں خطرہ ہوا اس بات کا کہ میں وہ خطا میں واقع نہ ہو جائیں جس کا ان کو شعور بھی نہ ہو، اور مختصر مندری میں ہے: واخرجه البخاری والنسائی وابن ماجہ، ولس فی حدیث البخاری والنسائی "متمذہب" والمحفوظ فی حدیث الزبیر انہ لیس فیہ متمذہب، وقد روی عن الزبیر انہ قال: وانشر ما قال متمذہب، وانتم تقولون متمذہب، اھ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ابتداء کتاب ہی میں اس طرح کے مضامین اور ابواب قائم کئے ہیں، باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باب التغلیظ فی تعدد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

## باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم

عن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطأ۔

شرح الحدیث | جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر اپنی رائے سے کرے تو اگر اس نے وہ تفسیر صحیح بھی کی ہو تب بھی اس نے خطا کی برأیہ کے مطلب میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ اپنی رائے سے کرے بغیر دلیل کے ہوائے نفس

اھ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، ان ہی کے بارے میں کہا گیا تھا شراج حرہ والی حدیث میں "ان کان ابن عمک" کما تقدم عن قتیبہ و فیہ انہ اذا اثم فیکف الوعد ۱۲



کے ماتحت ہو کر اپنی غرض کی موافقت کے لئے، دوسرا مطلب یہ کہ محض ظاہر عربیت پر نظر کرتے ہوئے قواعد صرف و نحو اور لغت کو سامنے رکھ کر بغیر اس کے کہ قرآن کریم کے غرائب اور مبہمات وغیرہ میں سماع اور منقول کی طرف رجوع کرے، مجمع البحار میں لکھا ہے کہ اس دوسرے معنی لینے کی صورت میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے اہلذا پہلے ہی معنی مراد ہوئے، اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، کوکب اور فیض الباری وغیرہ سے کہ جو تفسیر قواعد عربیہ و اصول شرعیہ کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد سے کی جائے وہ درست اور معتبر ہے بلکہ کتب تفسیر اس نوع کی تفاسیر سے مشون اور لبریز ہیں اس لئے کہ وہ تفسیریں جو صراحت براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں، لہذا تفسیر بالرأی یا بمعنی ممنوع نہیں، اور اگر ہر آیت کی تفسیر کا منصوص من الشارع ہونا ضروری ہوتا تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ۱۱۔ اللهم فقه فی الدین و علمہ لتاویل بظاہر غیر مفید ہو جائے گی، اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے غور کرنے سے ایک بات ذہن میں آ رہی تھی پھر اسی طرح کی بات معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں اچھا اسلوب میں دیکھنے کو ملی اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے اختصار کیساتھ

ماخذ تفسیر کے بارے میں اس میں تحریر ہے کہ علم تفسیر کی کتابوں کے مراجع اور سرچشمے چھ ہیں، (۱) قرآن کریم، علم تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے (پھر اس کو اس مقدمہ میں مثال سے واضح کیا ہے) (۲) حدیث، اسکی وضاحت اس مقدمہ میں کی گئی ہے، لیکن الدر المنصور کے مقدمہ میں علم حدیث کی جو تعریف اور غرض بیان کی گئی ہے وہ اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے تیسرا چوتھا ماخذ صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے اقوال کو قرار دیا ہے، اور پانچواں ماخذ لغت عرب، وہ لکھتے ہیں: قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے تفسیر قرآن کے لئے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چونکہ کوئی شان نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا اس لئے ان کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ و تابعین کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اسکے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لئے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے، چھٹا ماخذ تدبر اور استنباط، یہ اس کا آخری ماخذ ہے، قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہیں جس کی کوئی حد و نہایت نہیں چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے رہے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں۔ الی آخرہ۔

من قال فی کتاب اللہ برایہ فاصاب فقد اخطا، جس نے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی پس اگر صحیح بھی کی







شاگردوں سے اس طرح کے سوالات کرے ان میں بیداری اور سمجھ پیدا کرنے کیلئے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مستقل ترجمہ البایکے باب طرح الامام المسئلۃ علی اصحابہ لیخبروا عنہم من العلم اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ان من الشجر شجرة لا یسقط ورقها وانہما مثل المسلم حدیثی ماہی الحدیث ذکر فرمائی ہے، اس پر حافظ لکھتے ہیں: والہنی الوارد فی ابی داؤد ومحمول علی ما لا یفیع فیہ او خرج علی سبیل التعتت۔ اس حدیث کو بائیسے مناسبت جس کا مضمون احتیاط فی الفتویٰ ہے اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے سوالات میں مظنہ ہے عدم احتیاط کا مجیب کی جانب سے۔

سمعت ابا ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: من اُفتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ یعنی جس شخص کو اس کے استفسار کا جواب بدون تحقیق دیا گیا ہو اور پھر اس مستفتی عامی نے اسی فتویٰ کے مطابق عمل کیا ہو تو اس کا گناہ مستفتی کو نہ ہوگا بلکہ مفتی کو ہوگا، لیکن اس مفتی سے مراد وہ مفتی جاہل ہے جو علماء کی ہیئت اور صورت میں ہو، اور اگر کوئی عامی اپنے جیسے کسی عامی ہی سے سوال کر کے اس پر عمل کرے تو اس صورت میں وبال سائل پر ہی ہوگا۔

مفتی کے غلط فتویٰ دینے پر کیا حکم ہے؟ اس پر کسی قدر کلام ابواب الیتیم باب فی المجرور یتیم میں گذر چکا ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ مقتصر علی الفصل الاول بخو، قال المنذری۔

## باب کراہیۃ منع العلم

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجہۃ اللہ بلجام من نار یوم القیامۃ۔

**شرح الحدیث** | یعنی جس شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ اس کو چھپائے تو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالیں گے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

منہ کے اندر لگام کا ہونا کلام کرنے سے مانع ہوتا ہے، تو چونکہ یہ شخص بھی مسئلہ بتانے سے رکا تھا اور گویا اس نے اپنے منہ میں لگام لگالی تھی تو اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اس گناہ کے مشابہ ہی سزا دیں گے، قال الخطابی: وخرج هذا علی معنی مشکوٰۃ العقوبۃ الذنب، کقولہ تعالیٰ: الذین یا کفون الربا لا یقومون الآیۃ۔ اس حدیث میں جس علم کے کتمان سے منع کیا گیا ہے اس سے وہ علم مراد ہے جس کی تعلیم لازم اور ضروری ہے، جیسے کوئی کافر اسلام لانے کا ارادہ کرے اور وہ کسی سے دریافت کرے کہ مجھے بتاؤ کہ دین اسلام کیا چیز ہے، اس کی کیا حقیقت ہے یا جیسے کوئی جاہل شخص جس کو نماز کا طریقہ نہیں آتا اور حال یہ کہ نماز کا وقت آگیا اور وہ کسی سے نماز کی کیفیت اور اس کا طریقہ معلوم کرے، ونحو ذلک من المسائل، اور جو علم

مستحبات کے قبیلہ سے ہو جس کے جاننے کی لوگوں کو کوئی خاص ضرورت نہ ہو وہ علم اس میں داخل نہیں (بذل عن الخطابی) اور حاشیہ بذل میں ہے وقیل المراد یعلم الشہادۃ کذا فی المرقاة اھ یعنی ایک شخص کو مدعی کے صادق ہونے کا علم ہے اور اس سے اس کے بارے میں شہادت طلب کی جائے تو وہ انکار کر دے، و فیہا ایضا وقیدہ فی الکوکب بان لا تکن فی الاظہار مفسدۃ

**کیا حدیث الباب موضوع ہے؟** | اس حدیث کے بارے میں حاشیہ بذل میں لکھا ہے: تکلم بعضهم علی الحدیث بانہ ضعیف بل موضوع، و فی المقاصد المحسنۃ: حسنہ الترمذی، وصحیحہ الحاکم اھ۔

اس کتاب کے مقدمہ میں بھی اس حدیث کے بارے میں، اور اس کے علاوہ بھی جن احادیث پر ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وضع کا حکم لگایا ہے، ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ اس قسم کی ابوداؤد میں نو حدیثیں ہیں، حافظ متذری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: واخرجه الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حدیث حسن، هذا آخر کلامہ، وقد روی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من طریق فیہا مقال، والطریق الی اخرجه بہا ابوداؤد طریق حسن، فانه رواہ عن التیوذا وقد احتج بہ البخاری ومسلم، عن حماد بن سلمۃ وقد احتج بہ مسلم واستشهد بہ البخاری، عن علی بن الحکم وهو ابو الحکم البنائی، قال الامام احمد لیس بہ بأس، وقال ابو حاتم الرازی لا بأس بصراح الحدیث، عن عطاء بن ابی رباح وقد اتفق الامامان علی الاحتجاج بہ، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کے اسماء ذکر کئے ہیں و فی کل منہا مقال، اور حافظ ابن القیم نے تہذیب السنن میں اس پر مزید تفصیلی کلام فرمایا ہے فارجع الیہ لوشئت۔

## باب فضل نشر العلم

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: **تَسْمَعُونَ وَتُسْمَعُ مِنْكُمْ وَتُسْمَعُ مِنْكُمْ**، آپ فرما رہے ہیں صحابہ کرام سے کہ تم علم کو مجھ سے سنتے ہو اور پھر میرے بعد تم سے سنا جائیگا اور اس کے بعد پھر اس سے سنا جائیگا جو تم سے سنے گا، یعنی صحابہ کرام علم دین کو سنیں گے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور تابعین سنیں گے صحابہ سے اور تبع تابعین سنیں گے تابعین سے، جہلم جرا گویا اس میں تحریض ہے نشر علم پر کہ تم اس علم کو مجھ سے اچھی طرح محفوظ کر لو اور اس کو اپنے بعد والوں تک پہنچاؤ اور وہ اپنے بعد والوں کو پہنچائیں عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: **نُصِرَ اللہُ امراً سَمِعَ مذا حدیثاً فحفظہ** الحدیث، اس حدیث کی شرح وغیرہ اس کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حدیث حسن، واخرجه ابن ماجہ من حدیث عباد والد یحییٰ عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالہ المنذری۔

عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: **واللہ لانت**

یہدی اللہ بہد الک رجلاً واحداً خیر لک من حمر النعم۔  
مضمون حدیث واضح ہے کہ اگر کسی شخص کی کوشش سے ایک شخص بھی ہدایت پر آجائے تو وہ اس کے لئے سرخ اونٹوں  
سے افضل ہے جو کہ عربوں کے نزدیک محبوب چیز تھی، اس سے بھی نشر علم کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔  
و الحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی مطولاً فی غزوة خیبر، وقوله هذا العلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قالہ المتذری۔

## باب الحدیث عن بنی اسرائیل

اس باب پر کلام چند ابواب قبل "باب روایت حدیث اہل الکتاب" میں گذر چکا۔

## باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالیٰ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: من تعلم علماً ما  
یبتغی بہ وجہ اللہ لای تعلمہ الا لیصیب عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحہا۔  
یعنی جو شخص ایسا علم جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کیجاتی ہو، یعنی علم دین و شریعت، اسکو کسی  
متاع دنیوی کے حصول کے لئے دیکھے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو نہ پاسکے گا۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے علی وجہ المبالغہ دخول جنت کی نفی ہے کہ جنت تو کیا اسکی خوشبو  
بھی اس کو حاصل نہوگی، لیکن اہل سنت کے نزدیک اس قسم کی حدیثیں مؤول ہیں، اور تاویل یہ ہے  
کہ اس سے دخول اول کی نفی مراد ہے، یعنی بغیر مزاجھگتے جنت میں نہ جاسکے گا، ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسا شخص گو جنت  
میں داخل ہو لیکن وہاں کی خوشبو اس کو حاصل نہوگی، اور ایک تاویل سموع من بعض المشایخ یہ ہے کہ نیک لوگوں کو جو  
جنتی ہوں گے قیامت کے روز محشر میں جنت کی لطیف خوشبو اور مہک محسوس ہوگی، تو اس حدیث میں اس کی نفی ہے،  
نما یتغی بہ وجہ اللہ کی قید سے مستفاد ہو رہا ہے کہ یہ دعید علم دین کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص دنیوی علوم کو دنیا کمانے کیلئے  
حاصل کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، دراصل یہ دنیوی علوم جو ہیں حقیقہ علم ہی نہیں ہیں بلکہ صنعت و حرفت کے  
قبیل سے ہیں، علم حقیقی تو وہی ہے جس سے معرفت حق حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت اور انکی خوشنودی  
حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: انما یخشى اللہ من عبادہ العلماء والحدیث اخرجه ابن ماجہ، والترمذی وقال:  
هذا حدیث حسن، قالہ المتذری۔

## باب فی القصص

عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

يقول: لا يقص الامير او مامور او مختال۔

**شرح الحديث على احسن وجه** | قصص یعنی وعظ اور تذکیر اسی سے ہے قاص یعنی واعظ اور مبلغ، اس حدیث میں یہ ہے کہ یہ عمل قصص یا تو امیر کرتا ہے، یا اس کا ماتحت مامور، اور اگر ان دو کے علاوہ

کوئی اور کرے تو وہ تیسرا شخص مختال اور متکبر ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت تو ہر عالم اور مؤمن کر سکتا ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کام صرف امیر یا مامور ہی کا ہے، اور کسی کے لئے مناسب نہیں یا جائز نہیں، اس لئے بعض شارح نے تو اس کی یہ تائید کی ہے کہ یہ خطبہ پر محمول ہے مطلق وعظ و نصیحت مراد نہیں ہے اس لئے کہ خطبہ دینا وہ امیر یا اس کے مامور ہی کا منصب ہے، ایک تائید یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ممکن ہے یہ مراد ہو ان فی حفرة الأمير أو المامور لا يقص الا مختال، یعنی جو شخص امیر یا اسکے مامور کی موجودگی میں وعظ و نصیحت کرے وہ متکبر ہے لہذا امام یا جو شخص امام کی طرف سے مامور ہو اسکی موجودگی میں دوسرے شخص قصص کو نہیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو سمجھو وہ متکبر ہے، سبب عمدہ توجیہ وہ ہے جو حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر ابو داؤد میں ہے اس میں اس طرح ہے: القاص المخلص مامور من الله تعالى، قال تعالى: وذکر فان الذکر ی شفع المؤمنین، یعنی اخلاص کے ساتھ وعظ اور تقریر کر کے والا بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے، پس "او المامور کے مضموم میں شخص مذکور بھی داخل ہو جائے گا۔ نللہ و الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرین، وان بعضهم

لیستتر ببعض من العری وقاری یقرأ علینا۔

مضمون حدیث واضح ہے، "وان بعضهم لیستتر ببعض" یعنی ان حضرات کے پاس پہننے کے لئے کپڑے بھی پورے نہیں تھے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی آڑ میں ہو کر اپنے بدن کو چھپاتے تھے فجلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فینا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے ہمارے ساتھ اپنی برابری ظاہر فرمانے کے لئے، یعنی بطور تواضع کے آپ نے ایسا کیا، ثم قال بیدہ ہکذا فتخلقوا وبرزت وجوہہم لہ، یعنی پھر اپنے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے یہ سمجھایا کہ تم سب حلقہ باندھ کر بیٹھ جاؤ، چنانچہ وہ سب حلقہ کی شکل میں ہو گئے اور سب کے چہرے اور صورتیں آپ کے سامنے ہو گئیں، ابشروا یا معشر صالیک انہا جریں بالتوراة التام یوم القیامة الخ آپ نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت خوش ہو جاؤ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کامل نور کی قیامت کے دن اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ یعنی فقراء مہاجرین جنت میں اغنیاء الناس سے پانچ سو سال پہلے داخل ہو گے۔

یہ حدیث ترمذی شریف میں مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے، ففی روایۃ منہ یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنیاء



بمخمس مئة عام نصف يوم، قال الترمذی حسن صحیح، ذنی روایۃ۔ یدخل فقرار المسلمین۔ ذنی روایۃ۔ ان فقرار المهاجرین یدخلون الجنة قبل اغنیائهم بمخمس مئة عام۔ ذنی روایۃ۔ یدخل فقرار المسلمین الجنة قبل اغنیائهم بأربعین خریفاً۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لان اتعد

مع قوم یدکرون اللہ تعالیٰ من صلاة الغداة حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعة من ذلک اسماعیل الخ۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک میں بیٹھوں یہ بات مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں اولاد اسمعیل سے، یعنی خالص عرب، اور حدیث کے دوسرے جز میں بعینہ یہی مضمون عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کے بارے میں ہے۔

**ذکر اجتماعی کا ثبوت اور اسکی فضیلت** | اس حدیث سے ادلاً تو ذکر اجتماعی کا ثبوت ہو رہا ہے، اور دوسرے خاص ان دو وقتوں کی فضیلت۔

اس حدیث سے استراق العرب کا جواز سمجھ میں آتا ہے، مسئلہ اختلافی ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں حنفیہ کی طرف سے اس کی توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ انہ محمول علی المبالغة۔

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اقرا علی سورۃ

النساء، قال: قلت: اقرا علیک وعلیک انزل؟ قال: انی احب ان اسمعہ من غیری،

یہ حدیث مصنف نے ”باب فی القصص“ کے اندر ذکر فرمائی ہے، ترجمہ الباب اور حدیث میں ظاہراً تو کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ قرآن پاک تو وعظ و نصیحت کی سب سے جامع کتاب ہے، پھر اس کی تلاوت اس طور پر کرنا کہ ایک پڑھ کر دوسرے کو سنائے معانی پر غور و خوض کے ساتھ یہ قصص اور تذکیر نہیں تو اور کیا ہے۔  
والحدیث اخبرہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

## اخیر کتاب العلم

## اول کتاب الاشریۃ

مصنف نے اولاً بیوع اور تجارت و اجارات کو ذکر فرمایا جو کہ اسباب کسب میں سے ہیں فالآن یدکر مالاجلہ الکسب ای الاکل والشرب، چنانچہ کتاب الاشریۃ کے بعد کتاب الاطعمہ کو لائے ہیں، اطعمہ اور اشریۃ ان دونوں میں مصنف نے جو

ترتیب اختیار کی ہے یعنی تقدیم الاشریہ علی الاطعمہ، جبکہ شرب طعام کے بعد ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و سنن ترمذی میں ابواب الاشریہ ابواب الاطعمہ کے بعد ہے۔ اس میں یہ کہا جائے گا کہ ابتداء قرینش میں یعنی بچہ کی غذا کی ابتداء مشروب ہی سے ہوتی ہے پس مصنف نے بھی اس میں اسی کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کیا۔

## باب تحریم الخمر

شراب کی حرمت موافقات عمری میں سے ہے جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے، خمر کی تحریم آیات قرآنیہ کے ذریعہ بتدریج ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً آیۃ البقرۃ۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر نازل ہوئی، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ خمر بڑے گناہ کی چیز ہے لیکن اس میں منافع بھی ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہم بین لنا فی الخمر بیا نافعاً کہ اے اللہ شراب کے بارے میں تشریف بخش حکم نازل فرما دیجئے اس پر کچھ روز بعد سورۃ النہار کی آیت نازل ہوئی۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقر بوا الصلاۃ وانتم مسکرون جس میں صرف نماز کے وقت کے قریب شراب کی حرمت بیان کر گئی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں منادی اعلان کرتا تھا الا لا یقر بن الصلاۃ مسکران، اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی دعا کی جو پہلے کی تھی، اس پر آیۃ المائدہ نازل ہوئی یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانساب والازلام رجس من عمل الشیطان جس کے آخر میں ہے۔ فہل انتم منہتون۔ اس آیت میں صاف طور سے خمر کی تحریم کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم اس سے باز آنے والے ہو یا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آیت سنی تو بہت خوش ہو کر فرمائی لگے۔ انتہینا۔ کہ ہاں اے رب ہم اس سے ضرور بچیں گے، یہ سارا مضمون باب کی دوسری حدیث میں مذکور ہے، تحریم خمر تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ اس کا نزول ۳۷ھ میں ہوا اور تعلق ابن الجوزی میں اس کے بجائے ۳۷ھ لکھا ہے بعد ازاں کذا فی

بامش البذل) عن ابن عمر عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نزل تحریم الخمر یوم نزل وہی من خمسۃ اشیاء من العنب والتمر والعسل والحنطۃ والشعیر، والخمر ما خامر العقل وثلاث ووددت ان السبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم یفارقنا حتی یعہد علینا فیہن عہدا فنتہی الیہ الجد والکلالة وابواب من ابواب الریاء۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں دو جزر ہیں ایک کا تعلق کتاب الاشریہ سے ہے جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے اور دوسرے جزر کا تعلق کتاب الفرائض اور رباسے ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمائیے ہیں کہ میں مسئلے ایسے ہیں جن کے بارے میں میری تمنا یہ تھی کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان مسائل کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وذاہت فرمادیتے اپنی زندگی میں تاکہ ہم ان پر اچھی طرح عمل پیرا ہو جاتے اور پھر ان تین مسائل کی تعیین فرمائی ان

تین چیزوں سے (۱) میراث جد کا مسئلہ (۲) کلالہ کا (۳) ربار کا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ جد سے مراد اس کی مقدار میراث ہے جس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف رہ چکا ہے، چنانچہ کتاب الفرائض (بخاری میں) آرہا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہ خود ان سے اس میں مختلف فیصلے منقول ہیں، اور دوسری چیز کلالہ یعنی اس کا مصداق جس میں علماء کا اختلاف ہے من لا ولد له ولا والد، او بنو العلم الا باعد، او غیر ذلک کما فی العون، اور ابواب الربار سے مراد بظاہر ربا الفضل ہے اسلئے کہ ربا کی قسم ثانی یعنی ربا النسبیۃ اس کی حرمت تو صحابہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور ربا الفضل میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف کتاب البیوع میں گذر چکا، حافظ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بعض ابواب ربا کے بارے میں نص موجود تھا اور بعض کے بارے میں نہ تھا اسی لئے اس کے معلوم ہونے کی تمنا فرما رہے ہیں۔

**خمر کن کن چیزوں سے بنائی جاتی تھی** اور حدیث کا جز اول یہ ہے کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو اس وقت خمر عام طور سے پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی، عنب، تمر، عسل، خنطہ، شعیر، اس سلسلہ میں روایات حدیث مختلف ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: لقد انزل اللہ الایۃ الی تحریم فیہا الخمر و ما بالمدينة شراب یشرب الا من تمر۔ اور حضرت انس ہی سے صحیح بخاری میں ہے: قال: حرمت علینا الخمر حین حرمت و ما نجد خمر الا عنب الا قلیلا، و عامۃ خمرنا البسر و التمر، اور صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: نزل تحریم الخمر و ان بالمدينة یومئذ خمسة اشربة ما فیہا شراب العنب، اور صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے: قال: کنت اسقی ابا عبیدۃ و ابا طلحہ و ابی بن کعب فضیخ زہود و تمر فجاہ صم آت فقال ان الخمر قد حرمت، فقال ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم یا انس فاهرقها۔ وفي لفظ۔ قال عبد العزیز بن صہیب قلت لانس ما هو؟ قال بسر و رطب (کذا فی تہذیب السنن لابن الیثم)

**اشربہ کے بارے میں حنفیہ اور جمہور علماء اس کے بعد جانتا ہے کہ اشربہ مسکرہ کی بہت سی قسمیں ہیں** خمر، سکر، فضیخ، نقیح الذبیب، طلاء، بادق، المنصف، المثلث، الخلیطان، بزر، وغیرہ وغیرہ، شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک ان کے احکام مختلف ہیں جیسا کہ آگے بالتفصیل آرہا ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک ان سب کا ایک ہی حکم ہے، ان حضرات کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور سے خواہ شہد سے خواہ غلوں سے مسکر ہونے کے بعد سب پر خمر ہی کا اطلاق ہوتا ہے، اور سب کا حکم یکساں ہے کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، خواہ بوجہ قلت مقدار سکر پیدا نہ ہو حدیث ما سکر کثیرہ فقلیلہ حرام سے استدلال کرتے ہوئے نیز کل مسکر خمر، و الخمر ما خمر العقل، وغیرہ وغیرہ روایات، اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشربہ محرمہ کی تین قسمیں

اور تین درجات ہیں۔

قسم اول: خمر ہے جو ایک خاص قسم کی شراب کا نام ہے یعنی النبی من مار العنب اذا اشتد وغلا وقذف بالزبد یعنی انگور کا شیرہ خام یعنی غیر مطبوخ جبکہ وہ زمانہ گزرنے کی وجہ سے گاڑھا اور ضلیظ ہو جائے اور جھاگ مارنے لگے۔

قسم ثانی اور درجہ ثانیہ: اس کا مصداق تین قسم کی شرابیں ہیں (۱) عصیر العنب المطبوخ دون المثلث، یعنی انگور کا شیرہ جس کو اتنا پکایا جائے کہ دوثلث سے کم جل جائے، جس کو طلاء بھی کہتے ہیں (۲) اور نقیع التمر، اور تیسرے نقیع الزبيب یعنی تمر اور زبيب کی نمیز غیر مطبوخ بشرط الاشتداد وقذف الزبد، یعنی جب یہ سڑ کر خراب ہو جائیں اور سکر پیدا ہو جائے۔

قسم ثالث: اس سے مراد وہ بقیہ اشربہ وانبذہ ہیں جو مختلف غلوں وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں من الحنطة والشعیر والذرة ومن العسل، خواہ وہ مطبوخ ہوں یا غیر مطبوخ ایسے ہی مثلث یعنی انگور کا وہ شیرہ جس کا طبخ کی وجہ سے دوثلث حصہ جل جائے اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں شراب کے اندر اصل دو چیزیں ہیں اول عنب اس سے تو خمر حقیقی بنتی ہے دوسرے تمر و زبيب، زبيب اگرچہ حقیقہ عنب ہی ہے لیکن اس کا حکم عنب سے الگ ہے، حکم کے لحاظ سے وہ تمر کے برابر ہے، اس کے علاوہ دوسرے غلہ جات سے جو شرابیں بنتی ہیں وہ تیسرے درجہ کی ہیں ان کا حکم الگ ہے، نیز عنب جس سے خمر اصل بنتی ہے اس میں بھی اصل یہ ہے کہ وہ مطبوخ نہ ہو آگ پر اس کو نہ رکھا گیا ہو ورنہ طبخ کے بعد وہ خمر درجہ اولیٰ سے درجہ ثانیہ میں آجاتی ہے اور اس کا حکم بدل جاتا ہے، اب آپ ان مذکورہ بالا اقسام ثلاثہ کا حکم سمجھئے۔ قسم اول یعنی خمر کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے، اور اگر پیا تو حد بھی جاری ہوگی خواہ بوجہ قلت کے سکر پیدا نہ ہو اور قسم ثانی یعنی طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبيب اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا

ملہ پس اگر ادنیٰ درجہ کا طبخ ہے تو اس کو باذن کہتے ہیں اور اگر طبخ سے نصف جل جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر نصف سے نامداور دوثلث سے کم جلا ہے تو اس کو طلاء کہتے ہیں، کانی الہدایۃ عن الجامع الصغیر یہ تینوں قسم کے عصیر مطبوخ یا ذق منصف اور طلاء کا حکم حرمت میں برابر ہے، لیکن طلاء کا اطلاق مثلث پر بھی ہوتا ہے یعنی وہ عصیر العنب جس کو اتنا پکایا جائے کہ دوثلث جل جائے یہ طلاء حلال ہے جس کو مثلث غشی بھی کہتے ہیں، فنی موطا الامم محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لایأس بشری الطلاء الذی قد ذهب ثلثاہ ولقی ثلثہ وهو لایسکراہ و فی ہامشہ قولہ الذی قد ذهب ثلثاہ۔ تید بہ لان الطلاء الذی ذهب اقل من ثلثیہ لایحل کما قال فی الجامع الصغیر محمد بن یعقوب عن ابی حنیفہ قال الخمر حرام قلیلہا و کثیرا و اسکر و ہو النبی من مار التمر و نقیع الزبيب اذا اشتد حرام، والطلاء وهو الذی ذهب اقل من ثلثیہ من مار العنب و ما سوا ذلک من الاشربہ فلا یأس بہ انتہی، و بہ نظر ان لا تداخل بین کلمات الفقہاء حیث حکم بعضهم علی الطلاء بالحرمة و بعضهم بالحکۃ فان الطلاء یطلق علی امرین احدهما حلال والاخر حرام کما حققتہ الفقیہ حسن الشرنبلالی فی رسالۃ، نزہۃ ذوی النظر لحامین الطلاء و التمر، اہ طلاء کا ذکر متن میں یاب فی الداذی میں بھی آرہا ہے۔

پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے سکر پیدا ہو گیا ہو، اور قسم ثالث کا حکم یہ ہے کہ اسکی اتنی مقدار جو مفسی الی اسکر نہ ہو نیک نیتی یعنی تقویٰ کی نیت سے پینا جائز ہے، اور تہی اورستی کی نیت سے پینا حرام ہے، لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب پینے والے پر نشہ چڑھ جائے، اور ائمہ ثلاثہ و امام محمد کے نزدیک تمام اشربہ و انبذہ کا حکم وہی ہے جو ہمارے یہاں قسم اول کا حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عند الجمہور اشربہ کے حکم میں تشدد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کے اندر بعض قسموں کے لحاظ سے گنجائش ہے۔

**حنفیہ جملہ اشربہ کی تحریم کے کیوں قائل نہیں ہیں؟** اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حنفیہ نے اس میں احتیاط کا پہلو کیوں نہیں اختیار کیا جیسا کہ جمہور کے مسلک میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا مسلک اس سلسلہ میں وقت نظر پر مبنی ہے، اس لئے کہ خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول ہیں ایک یہ

کہ وہ عنب کے ساتھ خاص ہے صرف انگور کی شراب کو خمر کہتے ہیں، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ خمر عام ہے انگوری ہو یا غیر انگوری اگرچہ صاحب ہدایہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ خمر کے انگور کے ساتھ خاص ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں: ولنا انہ اسم خاص باطابق اهل اللغة فيما ذكرناه، ولہذا اشتہر استعمالہ فیہ، دلی غیرہ غیرہ اھ مگر اس پر شیخ ابن الہمام نے نقد کیا ہے، اور خمر کے بارے میں اہل لغت کے دو قول لکھے ہیں، نیز اگے کتاب میں باب آ رہا ہے، باب الخمر ماصی، جس میں مختلف روایتیں مصنف لئے ہیں، ایک روایت میں ہے، الخمر من ہاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ، اس روایت سے خمر کا جمہور اور عنب کے ساتھ خاص ہونا مستفاد ہوتا ہے ایک لحاظ سے اس حدیث سے شیخین کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک خمر کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم ثانی یہی ہے جو جمہور اور انگور سے بنائی جلتے جو حنفیہ کے نزدیک بھی مطلقاً حرام ہے اور عام طور سے احادیث میں مختلف قسموں پر جو خمر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مقصود بیان لغت اور اطلاق کو بیان کرنا نہیں، بلکہ مقصود بالذات بیان حکم ہے کہ جتنی شرابیں بھی مسکر ہیں وہ بھی خمر کی طرح حرام ہیں، آپ کا مقصد بیان حقائق نہیں بلکہ بیان شرائع ہے، اور دوسرا منشأ حنفیہ کا اس تفصیل اور تجزیہ

لہ دلی ہامش البذل، و خلاصۃ مذہب الحنفیۃ ان الاشرۃ ثلاثۃ اقسام، الخمر حرام مطلقاً و عشرۃ احکام، الثانی الاشرۃ الثلاثۃ العنبۃ وھو نوعان الہاذق والمنصف، و نفع التمر وھو السکر، و نفع الزبيب ہذہ حرام قلیلاً و کثیراً لکن حرمتہا ظنیۃ، والثالث باقی الاشرۃ (المتخذۃ من المحبوب وغیرھا) حلال عند الشیخین بالمسکر و حرام عند محمد و الائمۃ الثلاث قلیلاً و کثیراً و بریفی، و یحیی علی السکر من کلھا علی الصحیح بخلاف الخمر فید علی قطرة منها وان لم یسکر و ہذا خلاصۃ ما فی الکوکب الدری اھ بتصرف لیسو

تھ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہور کا قول اسی کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اتفق اصحابنا علی تسمیۃ جمیع ہذہ الانبذۃ خمر لکن قال اکثرہم ہو مجاز و انما حقیقۃ الخمر عنب العنب و قال جماعۃ ہنم حقیقۃ اھ من ہامش الکوکب چلا

سے یہ بھی ہے کہ اگر شراب کی تمام قسموں کا بصورت میں حکم مطلقاً حرمیت قرار دیا جائیگا تو اس میں بڑا اشکال پیدا ہو جائے گا، جن صحابہ کرام سے تحریم خمر کے بعد بھی شرب نبیذ ثابت ہے جن کی روایات "بذل المجہود میں مذکور ہیں، چنانچہ اس میں ہے قال فی البدائع: "والوصیفة والیوسف احتجای سیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و آثار الصحابة الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اما الحدیث فما ذکرہ الطحاوی فی شرح الآثار عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی بنیذ فشمہ فقطب وجہہ شدتہ ثم دعا بما رقصیہ علیہ و شرب منه و اما الآثار فمنہا ما روى عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یشریب النبیذ الشدید ویقول انا لنخرا الجذور وان العقیق منہا لال عمر ولا یقطیہ الا النبیذ الشدید ومنہا ما روى عن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اضاف قوما فسقاہم فسكر بعضهم فحده، فقال الرجل تسقینی ثم تحدی، فقال علی انما احک للسر، وغیر ذلک من الروایات المذكورة فی البذل و فی آخرہ: فاذا ثبت الاحلال من ہولاء الصحابة الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فالقول بالتحریم یرجع الی تفسیقہم، ولہذا عد ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ احلال المثلث من شرائط مذهب السنۃ والجماعۃ، فقال فی بیانہا: ان یفضل شیخین ویحب الختین وان یری المسح علی الخفین وان لا یحرم نبیذ التمر، لما ان فی القول بتحریمہ تفسیق کبار الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم، والکف عن تفسیقہم والامساک عن الطعن فیہم من شرائط السنۃ والجماعۃ، واما ما ورد من الاخبار ففیہا طعن ثم بہت اذیل ثم قول بموجبہا، الی ان قال: اما التاویل فہو انہا محمول علی الشرب للتبلی توفیقاً بین الدلائل صیانۃ لہا عن التعارض، واما القول بالموجب فہو ان المسکر عندنا حرام و هو القدر الاخیر لان المسکر ما یحصل بہ الاسکار و انہ یحصل بالقدر الاخیر و هو حرام قلیلہ و کثیرہ، و ہذا قول بموجب الاحادیث ان ثبتت بحمد اللہ تعالیٰ اھ، و فی ہامش البذل: قال ابن عابدین قال الامام ابو حنیفہ لا افی بحرۃ النبیذ و لو اعطیت الدنیا لان فیہ تفسیق بعض الصحابة و لا اشر بہا و لو اعطیت الدنیا لانه لا حاجۃ الیہ، فللشرد فتواہ و لقواہ اھ صاحب بدائع کی طرح بعض روایات اباحت حاشیہ نصب الراية میں بھی مذکور ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ روایات منع جیسے کل خمر مسکر، و اما سکر الفرق منہ فلما الکف منہ حرام، "ہذا کلمہ منسوخ نسخۃ شرہ الصلیب یوم حجۃ الوداع، قالوا: ومن الدلیل علی ذلک انہ کان یبہی، وقد عبد القیس عن شرب المسکر فوفدوا الیہ بعد فراغهم مصفرة الواہنہم، سبۃ حالہم فسألہم عن قصبتہم فاعلموہ انہ کان لہم شراب فیہ قوام ابدانہم فمنعہم من ذلک فاذا ن لہم فی شربہ، وان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: شہدنا التحریم و شہدنا التحلیل و غبتہم، و انہ کان یشریب الصلیب من نبیذ التمر حتی کثرت الروایات عنہ بہ و شہرت و اذ لعت، و اتبعہ عامۃ التابعین من الکوفیین۔ الی آخر ما ذکر۔

مع سنن ابی یوسف

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ مند حرام، اس کو ہمارے علمائے مؤول قرار دیا ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ اس سے وہ شرب مراد ہے جو للتبلی ہو لا للتقوی، اور یا اس سے وہ آخری جرعہ مراد ہے جس سے سکر پیدا ہوا ہے کہ اس کا قلیل و کثیر سب حرام ہے، اور یا پھر اس کو شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے قسم اول اور ثانی پر محمول کیا جائے، ان دونوں قسموں کے بارے میں



ہماری رائے بھی یہی ہے، اور ایک جواب اس میں نسخ کا ہے جو ابھی مذکور ہوا، اور ایک جواب یہ ہے کہ حرمت سے مراد یہ ہے کہ ملا الکف حرام ہے یعنی مفسی الی الحرام ہے کیونکہ جو پینا بغیر نیت تقویٰ کے یعنی تلہی کے لئے ہوگا وہاں پر قلیل کا پینا باعث ہوگا شرب کثیر کا، پس یہ شرب قلیل سبب ہوگا حرام کا اور جو چیز سبب ہو حرام کا وہ خود بھی حرام ہوتی ہے، اور اگر یہ پینا بہ نیت تقویٰ علی الطاعة ہوگا تو اس صورت میں منجر الی الکثیر نہ ہوگا، کذا فی الکوکب و فیہ: انما یحتاج الی امثال ہذہ التاویلات لما ثبت من بعض الصحابة شرب امثالہا فلعلم بفعلہ ان النبی لیس مطلقاً عاماً اھ اور ایک توجیہ اوپر عربی عبارت میں القول بالموجب گذری جس کا مطلب یہ ہے فریق ثانی جو دلیل پیش کر رہا ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہمارے ہی حق میں مفید ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو مقدار نبیذ کی آدمی کے حق میں مسکر ہو وہ مطلقاً حرام ہے اس کا قلیل بھی کثیر بھی اور جو مقدار مسکر ہی نہیں اس پر حرمت کا حکم بھی لاگو نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سلسلہ میں امام نسائی بھی حنفیہ سے ناراض ہیں چنانچہ وہ حدیث سعد بن ابی وقاص ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن قلیل ما اسکر کثیرہ کے تحت فرماتے ہیں: وفي هذا الحديث دليل على تحريم المسكر قلیله وكثیرہ، وليس كما يقول المجادعون بتحريمهم آخر الشرية دون ما تقدمها، اذ لا خلاف بين اهل العلم ان السكر بكلية لا يحدث عن الشرية الاخرة فقط دون ما تقدمها اھ (نصب الراية ص ۳۳) والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزل تحريم الخمر قال عمر اللہ ربین لنا فی الخمر بیاناً شفاء الخمر۔ اس حدیث کا مضمون شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وذكر الترمذی انه مرسل اصح، قال المنذری۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً من الانصار رد عاکلاً وعبد الرحمن بن شوف الخ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے ان کی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کی اور ان کو شراب بھی پلائی یعنی تحریم خمر سے پہلے، مغرب کی نماز کا وقت آیا حضرت علی نے امامت کی جس میں سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھی جس میں غلط کر دیا، یعنی اس طرح پڑھا، قل یا ایہا الکافرون! اعسبہ ماتعدون ونحن نعبد ماتعدون، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے اس پر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی جس سے صرف نمازوں کے اوقات میں تحریم خمر ہوئی۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنت ساقی القوم حيث حرمت الخمر في منزل ابی طلحة وما شربنا يوماً الا الفضيخ الخ۔

یہ حدیث باب کی پہلی حدیث کی شرح میں مع حوالہ کے گذر چکی، اس حدیث میں یہ ہے کہ جس زمانہ میں تحریم خمر کا

حکم نازل ہوا اس وقت ہم لوگوں کی عام طور سے جو شراب ہوتی تھی وہ نفع تھی یعنی نبیذ البسر یعنی غیر مطبوخ جو قسم ثانی میں نفع التمر کے نام سے گزر چکی جو ہمارے یہاں بھی حرام ہے الا یہ کہ مطبوخ ہو اس صورت میں جائز ہوگی لا عند الجہور۔

## باب العصیر للخمیر

یعنی انگور کا شیرہ نکالنا خمیر بنانے کے لئے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتقها وحاملها والمحمولة اليه۔

**شرح الحدیث** یہ حدیث بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترمذی شریف میں بھی ہے کتاب البیوع میں جس میں اس طرح ہے: لعن رسول الله تعالى عليه وآله وسلم في الخمر عشرة، عاصرها، ومعتقها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه، وساقيها وبائعها وأكل ثمنها والمشتري لها والمشتراة له، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ہے، عامر یعنی انگوروں کو شراب بنانے کے لئے پھوڑنے والا، اور معتق جس کے لئے پھوڑا جا رہا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ عامر سے مراد وہ شخص ہے جو دوسرے کیلئے پھوڑے اور معتق سے مراد وہ جو اپنے لئے پھوڑے (من الکوکب) اور اس کے پیسے والے پر اور اسکے اٹھانے والے پر اور جس کی طرف اٹھا کر لیجائی جا رہی ہے اس پر، اس کے پلانے والے پر اور اس کے فروخت کرنے والے پر، اور اس کا ثمن کھانے والے پر اور اسکے خریداری پر اور جس کیلئے خریدی جا رہی ہو اس پر، یہ ترجمہ ترمذی کی روایت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں صرف نو مذکور ہیں جس میں ایک خود خمیر ہے لعن الله الخمر علامہ سندھی فرماتے ہیں ہر چیز کی لعنت اسکے اعتبار سے ہوتی ہے لہذا خمیر پر لعنت کا مطلب اسکے پیسے کی تحریم اور اس پر نجاست کا حکم لگانا ہے اھ۔ والحدیث اخر جابر بن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب ما جاء في الخمر تحلل

تحلیل خمیر (یعنی شراب کو سرکہ بنانے) کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد کے نزدیک جائز نہیں، انکے نزدیک تحلیل سے حلال نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اگر شراب رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تب تو حلال ہے ورنہ نہیں، اور امام مالک کے نزدیک تحلیل یعنی یہ فعل تو ناجائز ہے لیکن تحلیل کے بعد اس کا پینا حلال ہے۔ (عون عن النیل)

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان اباطلحة سأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن ايتام وورثوا خمرًا۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بعض یتیم بچوں کے حصہ میں میراث میں شراب آئی ہے تو آپ نے

اس کو بہادینے کا حکم فرمایا اور سرکہ بنانے کی بھی اجازت نہیں دی، یہ حدیث حنبلہ کے نزدیک تو اپنے ظاہر پر ہے تاویل کی حاجت نہیں اور حنفیہ کے نزدیک ابتداء زمان پر محمول ہے اس لئے کہ وہ لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے اور جس چیز کی عادت ہو جاتی ہے اس سے بچنا چونکہ مشکل ہوتا ہے اسلئے آپ نے احتیاطاً اور تنزیہاً تحلیل خمر سے بھی منع فرمایا تاکہ اس کی نفرت دل میں بیٹھ جائے اور دلیل اباحت دوسری روایات ہیں جیسے نعم الامام النحل اور ایک روایت میں ہے خیر حکم خل خمر کم کافی حاشیۃ الترمذی۔ والحدیث اخرجه سلم والترمذی، قالہ المنذری۔

## باب الخمر وماہی

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ان

من العنب خمر وان من التمر خمر وان

اس حدیث میں ان ہی پانچ اشیاء کا ذکر ہے جن کا کتاب الاشریہ کی پہلی حدیث میں ذکر ہے کہ ان سب چیزوں سے خمر بنتی ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ذکر ہے یعنی جوار کا بھی ذکر ہے اور اسی طرح ذبیح کا۔

توجیہ الحدیث علی مسلک الحنفیۃ | حاشیہ بذل میں الارشاد الرضی نے منقول ہے کہ یہ حدیث گو بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے لیکن فی الحقیقت اس سے ان کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ لفظ خمر اگر ان تمام اشیاء

کو شامل ہوتا لفظ استعمالاً تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس تفسیر کی بایں عنوان احتیاج نہ پیش آتی، اس لئے کہ جب قرآن کریم میں تحریم کا ذکر آچکا تو اس کا غنوم ان اشیاء کو بھی شامل ہوتا اور اہل لسان اس کو خود بخود سمجھ جاتے، لہذا معلوم ہوا کہ آپ کی غرض اس تفسیر سے بیان حکم ہے اہ اور باب کی تیسری حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہے وہ یہ ہے: الخمر من هاتين الشجرتين: النخلة والعنب۔ اس کے بارے میں بذل اور کوکب دونوں میں

یہ تحریر ہے کہ اس سے مقصود حصر نہیں اور ہمارے یہاں شروع میں گذر چکا کہ یہ حدیث ایک لحاظ سے حنفیہ کی تائید

کرتی ہے، چنانچہ حضرت شیخ حاشیہ کوکب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر شراح حدیث تو یہی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حصر

مقصود نہیں لیکن صاحب نتائج الافکار کامیلان جھکی طرف ہے فقال بعد البحث: "والحق ان المراد بالحکم الذی ارید بیانہ

بالحدیث هو حرمة قلیلہ وکثیرہ، وهذا المعنی لا يتحقق فی المتخذ من غیر تینک الشجرتین فصیح الحصر المستفاد من ذلک الحدیث بلا غیار

میں کہتا ہوں اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک شراب کے اقسام ثلاثہ میں سے جو قسم ثانی ہے اس کا تعلق صرف ان ہی دو سے ہے

اور اس کا حکم ہمارے یہاں یہی ہے کہ اس کا قلیل وکثیر حرمت میں برابر ہے، لہذا کہہ سکتے ہیں کہ خود ان احادیث میں

لہ۔ الارشاد الرضی۔ الکوکب الدر کی طرح حضرت نگوی کی وہ تقریر ترمذی ہے جو ہمارے حضرت شیخ کے چھوٹا مولانا رضی اللہ عنہ نے جمع فرمائی تھی۔

تنوع اشربہ اور اس کے اختلاف اقسام کی طرف اشارہ موجود ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ و حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی السکر

سکر بمعنی مسکر وفي بعض النسخ باب النهی عن المسکر

کل مسکر خمر یعنی فی حکم الخمر جس خمر کا بیان آپ اگلے جملہ میں ارشاد فرما رہے ہیں "وکل مسکر حرام، ومن مات وهو یشرب الخمر یشرب منہا لم یشربہا فی الآخرۃ، یشرب من ادمان سے ہے یعنی کوئی کام علی الدوام کرنا، یعنی جو شخص شراب ہمیشہ پیتا رہے گا یعنی پینے سے توبہ نہیں کرے گا تو اس کو آخرت میں جنت میں شراب ظہور جو سب جنتیوں کو ملے گی نہیں ملے گی۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، و حدیث النسائی محقق قالہ المنذری۔

کل مخمر خمر تخمیر کے معنی تغطیکے ہیں، نشہ چونکہ آدمی کی عقل کو چھپا دیتا ہے اس لئے خمر کو مخمر کہتے ہیں۔ ومن شرب مسکرا بیخست صلاتہ اربعین صباحا الخ یعنی جو شخص ایک مرتبہ شراب پیتا ہے تو اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص اور بے برکت ہو جاتی ہیں، پس اگر وہ بندہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اور جو شخص چوتھی بار شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور طینۃ الخبال سے پلائیں گے، طینۃ الخبال کی تفسیر حدیث میں صدید اهل النار سے فرمائی ہے، اہل نار کا لبو پیپ، آگے حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی نابالغ بچہ کو شراب پلانے کا تو اس پلانے والے کو بھی اللہ تعالیٰ بالضرور طینۃ الخبال پلائیں گے۔

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، یہ حدیث امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اپنے ظاہر اور عموم پر ہے، اور شہین کے نزدیک بیساکہ پہلے بالتفصیل گذر چکا مؤول ہے۔

والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ قالہ المتذری۔

قال ابو داود، ثابت علی یزید بن عید وہ الجرجسی حدیثکم محمد بن حرب۔

اوپر والی حدیث مذکور جس میں البتہ مذکور ہے یہ مصنف کو دو طریق سے پہنچی ہے بطریق تحدیث یعنی سماع من لفظ الشیخ اور دوسرے بطریق قرأت علی الشیخ، قرأت علی الشیخ بعض مرتبہ بطریق استفہام کے ہوتی ہے جس طرح یہاں پر ہے: حدیثکم محمد بن حرب، پہلے طریق میں مصنف کے استاذ تعینی ہیں، اور دوسرے میں علی بن یزید، اس دوسرے طریق میں بتع کی تفسیر کی زیادتی ہے، بتع نام ہے نمید العسل کا، نیز یہ کہ اس کو اہل یمن پیتے ہیں۔

قال ابو داود: سمعت احمد بن حنبل یقول: لا اله الا الله! ما کان اثبتہ، امام احمد جرجسی کی توثیق فرما رہے ہیں

بطریق تعجب کے کہ دیکھئے وہ کتنے ثقہ اور ثبوت میں، اہل حمص میں ان کے برابر کوئی اور نہیں، اظہار تعجب کے موقع پر عام طور سے لفظ سبحان اللہ لوگ استعمال کرتے ہیں، کبھی کلمہ توحید بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ یہاں پر ہے۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ديلم الحميري قال سألت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ارجو

**شرح الحدیث** اديلم حمیری جیشانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسی سرزمین کے رہنے والے ہیں جو سرد ہے، بظاہر مراد یمن ہے اسلئے کہ جیشان یمن ہی کا ایک قبیلہ ہے وہاں ہم محنت مشقت کے کام کرتے ہیں اور ہم وہاں پر گیہوں سے شراب بناتے ہیں جس کو پیتے ہیں تقویت کے لئے اور سردی سے بچنے کے لئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس سے سکر پیدا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو، میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ تو اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان کا قاتل کرو

من ابی موسى رضي الله تعالى عنه قال سألت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن شراب من العسل ارجو ابو موسى اشعري رضي الله تعالى عنه فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شراب عسل کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس کو متع کہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ جو اور جواری کی بھی بنید بناتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اسی کا نام مزر ہے اور پھر ان سب کے بارے میں آپ نے فرمایا۔ کل مسکر حرام۔

”ذره“ ضم ذال اور راء مخففة کے فتح کے ساتھ ہے یعنی جوار، جو ایک مشہور غلہ ہے باجرہ کی شکل میں لیکن سفید۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم بنحوه من حدیث سعید بن ابی بردة عن ابیہ، قال المنذری۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما ان نبي الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء وقال: كل مسكر حرام۔ ميسر یعنی تمار (جوا) اور کوبہ یعنی طبل (ڈھول) اور غبیراء شراب الذره جس کو سکر کہتے ہیں، کوبہ کی تفسیر طبل سے خود کتاب میں چند روایات کے بعد آرہی ہے، اور بذل میں لکھا ہے: الکوبة بالضم هي الزرد او الطبل او البربط اه بربط یعنی سارنگی۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن كل مسكر ومفتقر۔

مذہ ہمارے یہاں سہارنپور میں محلہ شاہ ولایت میں ایک پرانے حکیم صاحب تھے (حکیم مختار صاحب مرحوم) جو عالم بھی تھے ان کی عادت بھی یہ تھی کہ جب کوئی بات بطور تعجب کے بیان کرتے تو اس کو لا الہ الا اللہ کہہ کر بیان کرتے یغفر اللہ لہ۔

یہ کہ کافی ابزدن و ما مشہور، دنی ہائش لیزل عن المحيط الاظم۔ بضم المعجم و تشدید المعجم المفتوح و سکون المشاء الفوقیہ و قال اسمہ فی البندیۃ، جوار۔ اہ و ضبہ فی البندیۃ، تم جزمہ و خفہ راء و قال عا و ہ عوض عن واو کذا فی الاد و جزا ہ۔

مفتّر یعنی فتور پیدا کرنے والی چیز، فتور مقدمہ سکر ہوتا ہے، اعضاء کے اندر سستی، ڈھیلا پن اور غنودگی سی، حاشیہ ابوداؤد میں ہے: حافظ عراقی نے اس حدیث سے حشیہ (بھنگ) کی حرمت پر استدلال کیا ہے اھ بھنگ ہی جیسی ایک اور چیز ہوتی ہے جس کو دھتورہ کہتے ہیں اس کو بھی بعض لوگ پیتے ہیں یہ بھی مفضی الی السکر ہونے کا وجہ سے ناجائز ہے۔

کل مسکر حرام وما اسکر منه الفرق فملا الکف منه حرام۔ اس حدیث کا ذکر ہمارے یہاں فریق ثانی کی دلیل میں شروع میں گذر چکا، والحدیث اخرجه الترمذی وقال هذا حدیث حسن، قال المنذری۔

## باب فی الداذی

داذی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کسی چیز کے بیج ہوتے ہیں جو بنیذ میں ڈال دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے بنیذ میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جاتا ہے کذاتی الجمع، اور قانوس میں دماذی کے بارے میں لکھا ہے شراب الفساق ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جسکو تازی کہتے ہیں، تاز اور کھجور کے درخت سے پانی نکلتا ہے جس کو پیتے ہیں، تازی بھی اگر تازی پی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر رکھنے کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس میں جھاگ اور اشتداد ہو جاتا ہے پھر یہ ناجائز ہو جاتا ہے

دخل علينا عبد الرحمن بن عمر فتذاكرنا الطلاء فقال حدثني ابو مالك الاشعري رضي الله تعالى عنه

انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ليس بين ناس من امتي الخمر يسموننها بغير اسمها، مطلب یہ ہے کہ تبدیل اسم سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر حقیقتہً کوئی شراب مسکر ہو تو وہ خمر ہی کے حکم میں ہوگی خواہ اس کا نام کچھ ہی تجویز کر دیا جائے، حقیقت اور اسمی کا اعتبار ہوگا نہ کہ اسم کا۔

اس روایت میں طلاء کا ذکر ہے، یہاں پر شرح بذل المجہود اور عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفسیر ما طنج طلاء کی تفسیر من عصیر العنب حتی ذهب ثلثاه کیساتھ کی گئی ہے لیکن جس عصیر کا دوشلت جل گیا، وہ حرام نہیں ہے البتہ جس عصیر کا دوشلت سے کم جلا ہو وہ اشربہ محرمہ میں سے ہے فقہ فی المقام ان یفسر حتی ذهب اقل من ثلثیه ویسے اطلاق طلاء کا ان دونوں ہی قسموں پر ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الاشربہ کے شروع میں حاشیہ میں گذر چکا۔ فقہ۔ والحدیث اخرجه ابن ماجه اتم من هذا قال المنذری۔

عے بعض جاہل صوفی اور مجاور قسم کے لوگ بھی اس کو پیتے ہیں جیسے رسول شاہی وغیرہ، صاحب عون المعبود نے اس کی حرمت پر تفصیل کلام کیا ہے، کئی اوراق میں بما لا مزید علیہ۔



## باب فی الادعیۃ

عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالان شہدا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
وسلحہ نہی عن الدباء والحنتم والمزفت والنقین

ابتداء میں تحریم خمر سے قبل جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی اس باب میں ان کا بیان ہے، ان برتنوں میں شراب  
جلدی تیار ہو جاتی تھی۔

**مشکیزہ میں نبیذ بنانیکی مصلحت** | شروع میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی  
منع فرمادیا تھا اور ہدایت کی گئی کہ نبیذ اسقیہ یعنی مشکیزوں میں بنائی جائے

مشکیزہ بھی ایسا جس کا منہ اوپر سے بندھن سے باندھ دیا جائے، چنانچہ آئندہ روایت میں آرہا ہے علیکم باسقیۃ الادمی  
یلا ث علی افواہہا، اس کی مصلحت یہ تھی کہ جو نبیذ مشکیزوں میں بنائی جائے گی خصوصاً جبکہ اوپر سے اس کا منہ بند  
کر دیا جائے گا تو اس قسم کے مشکیزہ میں نبیذ میں اگر اشتداد اور سکر کے آثار پیدا ہونے شروع ہوں گے تو اس کا فوراً  
پتہ چل جائے گا، گیس کی وجہ سے وہ مشکیزہ پھولنا شروع ہو جائے گا، اور اس صورت میں آدمی دھوکہ میں پڑنے سے اور  
شراب سکر سے بچ جائے گا، بخلاف ان ادعیہ کے جن میں نبیذ بنانے سے آپ نے منع فرمایا تھا ان برتنوں میں اگر نبیذ  
بنائی جائے گی تو کوئی ظاہری علامت اشتداد اور سکر کی ان میں ظاہر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے خطرہ ہوتا ہے اس کا کہ  
مبادا اس نبیذ میں سکر پیدا ہو گیا ہو جس کا احساس بنانے والے کو نہ ہو اور وہ اس کو غیر سکر سمجھ کر پینا شروع کر دے  
اصل وجہ اس منع کی یہ ہے جس کا حاصل احتیاط اور عدم اغترار ہے ورنہ اصل مدار حرمت کا برتنوں وغیرہ پر نہیں  
ہے بلکہ سکر پر ہے نبیذ چاہے برتن میں بنائی جائے یا مشکیزہ میں اگر اس میں سکر پیدا نہیں ہوا تو حلال ہے اور اگر  
پیدا ہو گیا تو حرام ہے جیسا کہ بعض روایات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے غرضیکہ ابتداء  
زمان تحریم خمر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ادعیہ کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا لیکن پھر جب بعض صحابہ نے یہ  
عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس ان کے علاوہ اور برتن نہیں ہیں تو اس پر آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت  
دیدئی، چنانچہ جمہور کے نزدیک ان ادعیہ کے بارے میں جو منع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، پھر بھی کسی اختلاف باقی ہے  
ادعیہ اربعہ کی تشریح | اب آگے آپ ان ادعیہ مذکورہ فی الحدیث کی تفسیر سنئے: "الدباء" خشک کدو جس کے اندر  
سے گودا نکال لیتے ہیں اور پیالہ کی شکل میں ہو جاتا ہے، "الحنتم" الحجر الخضر، مٹی کی سبز  
روغنی گھڑیا، "المزفت" وہ مٹی کا برتن جس پر زفت ملا ہوا ہو، زفت تار کول جیسی ایک چیز سیاہ رنگ کی جس کو کشتی  
وغیرہ پر بھی ملتے ہیں تاکہ اس کے اندر پانی نہ داخل ہو، بعض روایات میں "مقیہ" آتا ہے اور یہ دونوں ہم معنی ہیں،

مقیّر جس پر قیّر ملا گیا ہو جس کو قار بھی کہتے ہیں، زفت اور قار دونوں ایک ہی چیز ہیں، النقیّر فعل بمعنی مفعول یعنی منقور کھنجر کے تنہ کا ایک ٹکڑا جس کے اندر کا گودا نکال کر اس کو کھوکھلا کر لیا جاتا ہے، جیسے ہمارے یہاں لکڑی کا اوکھل ہوتا ہے دھان کو ٹٹنے کے لئے، بعض روایات میں مزفت کے بعد بجائے نقیر کے مقیر آیا ہے، یہ صحیح نہیں، تکرار ہو جائیگا اس لئے کہ مقیر اور مزفت تو ایک ہی چیز ہے، ان ادعیہ میں نبی کی علت کیا ہے؟ مزفت میں تیل ملا ہوا ہونے کی وجہ سے چونکہ اس برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اشتداد جلدی پیدا ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ان برتنوں کا منہ کھلا ہوا اور چوڑا ہوتا ہے بخلاف مشکیزہ کے جس کا منہ بہت تنگ ہوتا ہے جس میں اشتداد کے وقت متفاز ہونے لگتا ہے جس سے آدی کو پتہ چل جاتا ہے بخلاف ان ادعیہ کے، لیکن یہ بھی شروع میں تھی بعد میں آپ کی طرف سے اجازت ہو گئی تھی جیسا کہ اسی باب میں چند روایات کے بعد آرہا ہے، "كنت تهتكم عن ثلاث وانا آمرکم بہن" الحدیث، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے، "لما نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الادعیۃ قالت الانصار انہ لا بد لنا قال: فلا اذا" یعنی انصار نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ان برتنوں کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر کچھ حرج نہیں، چنانچہ ائمہ میں سے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی منسوخ ہے اور ایسے ہی حنابلہ کے راجح قول میں، اور امام شافعی کے نزدیک کراہت باقی ہے گو تحریم نہیں ہے، اور امام مالک کے نزدیک ان چار میں سے دو میں کراہت ہے، دیار اور مزفت میں، ویسے عام طور سے شراح جمہور کا مسلک نسخ ہی نقل کرتے ہیں، والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبیذ الجرجہ قال: کل شئی یصنع من مدد یعنی مٹی کی گھڑیا، مگر بذل میں ہے: ای ما ینبذ فی الجرار (الجرار جمع الجرجہ) ولعل المراد من الجرار المدصونۃ یعنی روغنی گھڑیا اھ۔ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

قدم وفد عبد القیس علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ اناھذا الحی من ربیعۃ انا۔

**وفد عبد القیس والی حدیث کی شرح** | ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا جو قبیلہ ہے قبیلہ ربیعہ اس کے درمیان اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں، کیونکہ اشہر حرم میں کفار کے نزدیک بھی قتال ممنوع تھا۔ پس آپ ہم کو ایسی چیز کا حکم اور ہدایت فرمائیے جس کو ہم خود بھی مضبوطی سے پکڑیں اور اس کی طرف اپنی قوم کو بھی دعوت دیں جس کو ہم اپنے پیچھے

لہ الجرجۃ الجیم تشدید الراء جمع جرجۃ کتمر جمع تمرۃ وهو بمعنی الجرار الایۃ جرجۃ۔ ویدخل فیہ جمیع الذرۃ الجرار من الختم وغیرہ، وقولہ من مدد بفتح المیم والذال الطین المجمع الصلب، کذا فی النہایۃ، وھذا تصریح ان الجرجۃ فی جمیع النواہی الجرار المتخذۃ من المدر الذی ھو التراب والطين اھ من العون۔

چھوڑ کر آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو چار چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور چار ہی چیزوں سے منع کرتا ہوں، آگے ان چار کا بیان ہے ایمان باللہ یعنی شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ، اور دوسرا ما مورقۃ الصلاۃ، اور تیسرا ایتار الزکوۃ، اور چوتھا ادار الخمس یہ چار پورے ہو گئے، اس حدیث میں حج اور صوم کا ذکر نہیں، لیکن دوسری روایات میں صوم کا ذکر ہے، کافی البخاری وغیرہ، لیکن حج کا ذکر صحاح کی کسی روایت میں نہیں، یا تو اس لئے کہ وہ اس وقت تک فرض ہی نہ ہوا تھا اس لئے کہ حج کی فرضیت ایک قول کے مطابق سہ میں ہوئی اور وفد عبد القیس کی وفادہ سہ میں ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ حج کی فرضیت سہ میں ہوئی، تو ہو سکتا ہے کہ ترک ذکر حج کی وجہ کچھ اور ہو مثلاً یہ کہ ان کو کفار مضر کی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو یا یہ کہ اس کی فرضیت علی التراخی ہے، یا یہ کہ آپ کا مقصد تمام احکام سے مطلع کرنا نہیں بلکہ بعض احکام سے وغیرہ وغیرہ، لیکن صوم کا ذکر ابو داؤد کے علاوہ دوسری روایات میں ہے تو پھر یہ امور بجائے چار کے پانچ ہو جائیں گے، اس کا ایک جواب جو بیضاوی سے منقول ہے وہ یہ کہ یہاں جتنی چیزیں منقول ہیں وہ سب ایمان باللہ کی تفسیر ہیں لہذا مذکور امر واحد ہوا باقی کو راوی نے اختصاراً یا نسیاناً حذف کر دیا، لیکن حافظ نے اس توجیہ پر یہ اشکال کیا کہ بعض روایات میں شہادۃ ان لا الہ الا اللہ کے بعد ”و عقیدہ واحدہ“ مذکور ہے جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسکے بعد جو امور مذکور ہیں وہ شہادت کی تفسیر نہیں بلکہ مستقل ہیں، اسلئے بیضاوی کی توجیہ درست نہیں، لہذا اس کے علاوہ کوئی اور جواب سوچنا چاہیے، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرات چونکہ کفار مضر کے پڑوس میں رہتے تھے اور اہل جہاد و غنائم میں سے تھے تو ان کے حال کی مناسبت کی وجہ سے امر خاص کی آپ نے زیادتی فرمادی، یا یہ کہا جائے کہ ادار خمس ایتار زکوۃ کے عموم میں داخل ہے دونوں کا تعلق مال معین سے ہے، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وان تو کووا الخمس کا عطف الایمان پر نہیں بلکہ اس کا عطف اربع پر ہے اے امر ہم باربع و باعطاء الخمس یعنی آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم کیا اور ادار خمس کا اھ من القسط لانی لہما۔

وانھا کھر عن الدباء والحنتم والمزفت والمقین وقال ابن عبیدہ: النقییر مکان المقین  
ابن عبیدہ کی روایت درست ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا اسلئے کہ مزفت اور مقیر دونوں ایک ہیں کا تقدم۔  
قال ابو داؤد: ابو جمرۃ، نصر بن عمران الضبی، یہ ابو جمرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں میں ہیں اور ایک دوسرے راوی ابو جمرہ ہیں باسما المہملۃ والزای العجمۃ وہ بھی ابن عباس کے شاگردوں میں ہیں ان کا نام (عمران بن ابی عطاء) ہے ذکرہ الامام الترمذی فی عدۃ مواضع من جامعہ۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

والمزادة المجبوبة، وہ بڑا مشکیزہ جس کا منہ اوپر کی طرف سے کاٹ کر چوڑا کر دیا گیا ہو تاکہ اوپر ہی سے پانی نکالا جائے اور اس کے لئے عزلا نہ ہو یعنی مشکیزہ کے نیچے کی طرف کا منہ، ایسے مشکیزہ میں آپ نے نبیذ بنانے سے منع فرمایا اس لئے کہ اس کا منہ بند نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس میں اشتداد پیدا ہوگا تو اس کا ارتفاع نہیں ہوگا جس سے سکر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اب یہ کہ کیسے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جائے؟ اس کے بارے میں آئمہ روایت میں آ رہا ہے: علیکم باسقیۃ الادم التي یلاش علی افواہہا، یعنی ایسے چرمی مشکیزے جن کے منہ اوپر سے باندھ دیئے جائیں اور اسی کے ہم معنی ہے وہ لفظ جو اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے: واشربوا فی الجلد الموی علیہ یعنی جس مشکیزہ کے منہ پر وکار یعنی بندہ تن باندھا گیا ہو۔ منہ بند ہونے کی صورت میں ارتفاع کی وجہ سے اشتداد کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

فان اشتد فاکسروہ بالماء فان اعیاکم فافریقوہ، یعنی اس قسم کے مشکیزہ میں بھی اگر نبیذ بنانے سے اشتداد پیدا ہو جائے تو اس میں پانی ملا کر اس کی تیزی کو توڑ دیا جائے، اور اگر اس میں اتنا زیادہ اشتداد پیدا ہو گیا کہ پانی ملانے سے کم نہ ہو اور تم کو عاجز کر دے تو پھر اس کو پھینک دو۔

**حدیث سے مسلک حنفیہ کی تائید** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خمر اور بقیہ اشربہ مسکرہ کے حکم میں فرق ہے، اس لئے کہ حقیقی خمر پانی ملانے سے نپاک ہوتی ہے نہ اس کا پینا جائز ہو سکتا ہے اس لئے کہ نپاک چیز پانی ملانے سے پاک نہیں ہوتی بخلاف دیگر انبذہ مسکرہ کے کہ اگر ان میں اشتداد اور سکر پیدا ہو جائے تو ان کو اصلاح کے بعد پینا جائز ہے معلوم ہوا ان کی حرمت لعینہا نہیں ہے۔ اسی وقت ہے جب وہ حد اسکار کو پہنچے، بخلاف خمر کے کہ اس کی حرمت لعینہا ہے (کذا فی البذل)

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ مسلم والنسائی، وحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی مسنداً ومسلماً، وقد اخرج مسلم فی الصحیح حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی وفد عبد القیس وفیہ... قال المنذری۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ... والجعة، جمعہ وہ نبیذ جو شعیر سے بنائی جائے۔ اخرجہ النسائی، قال المنذری۔ عن ابن بريدة عن ابنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ... فہیتکم عن ثلاث وانا امرکم بہن الخ، اس حدیث کا ذکر ابھی قریب میں گذر چکا۔ اخرجہ مسلم والنسائی بمعناہ، قال المنذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینتبدل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سقاء الخ۔ یعنی آپ کے لئے چمڑے کے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی، اگر اتفاق سے مشکیزہ نہ ہوا تو پھر پتھر کے پیالہ میں بنائی جاتی تھی، اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی عن الادعیۃ منسوخ ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الخلیطین

یعنی دو چیزوں کو ملا کر جو نبیہ زہائی جائے جیسے زہیب اور تمر یا بسر اور رطب۔

کھجور کی مختلف انواع اور ان کے اقسام | بسر یعنی گدڑی کھجور جس کا کچھ حصہ پک گیا ہو اور کچھ باقی ہو اور رطب وہ جو پوری پک جائے اور تمر وہ جو رطب بن جانے کے بعد خشک ہو جائے

اور ایک ہوتی ہے زہو جس کا ذکر اگلی حدیث میں آ رہا ہے یعنی بسر ملون، وہ بسر جس پر رنگ آنا شروع ہو جائے، اور جو بالکل کچی ہو اس کو بلع کہتے ہیں، شرب خلیطین عنہما مجہور ناجائز ہے خواہ مسکر ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پس اگر وہ غیر مسکر ہے تو اس کی حرمت صرف من وجہ ہے اور اگر مسکر ہو تو اس کی حرمت من وجہین ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر مسکر نہیں تو جائز ہے ورنہ حرام، مصنف نے اس باب میں فریقین کی دلیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ باب کے شروع کی روایات مجہور کی دلیل ہیں اور اخیر کی دو حدیثیں حنفیہ کی مستدل ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

وحدیث ابی قتادہ۔ ثانی حدیث الباب۔ اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ سننہ، قالہ المنذری۔

سألت ام سلمة رضي الله تعالى عنهما ما كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ينفذ عنه؟ قالت

كان ينهانا ان نتجحر النوى طبخا او نخلط الزبيب والتمر۔

شرح الحدیث | اس حدیث میں دو چیز ہیں، جز ثانی تو خلیط سے متعلق ہے جس کا باب ہی چل رہا ہے، اور جز اول کے مطلب میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ کھجور کی نبید کو زیادہ نہ پکایا جائے اگر پکانا

مقصود ہو، اس لئے کہ زیادہ پکانے سے نبید کے ذائقہ میں تغیر آجائے گا، گٹھلی کامزہ اور اس کی تلخی شامل ہو جائے گی، اور دوسرا مطلب یہ کہ کھجور کی گٹھلیوں کو نہ پکایا جائے، اس لئے کہ کھجور کی گٹھلی جالوزوں اونٹ اور بکریوں کی غذا ہوتی ہے تو گٹھلیوں کو پکانے سے ان کی غذائیت ختم ہو جائے گی، گٹھلی کا سارا اس شکل جانے کی وجہ سے، ذکر المعین شیخ جلال اللہ تعالیٰ فی بین مسطور

لہ ان اقسام کی تعیین میں مشروح حدیث سے کچھ اختلاف بھی سمجھ میں آتا ہے، ذیل میں ہم لسان العرب کا ما حاصل لکھتے ہیں وہ یہ کہ کھجور کے پھل کے پیدا ہونے سے آخر تک اس کے تغیرات کے اعتبار سے الگ الگ جو نام ہیں وہ یہ ہیں، بالکل شروع میں اس کے پھول کو طلع کہتے ہیں جیسے آم کی سبب ابتدائی حالت کو ہمارے یہاں کہہ دیتے ہیں اس کے بعد جب پھول جھڑ جاتا ہے اور پھل پیدا ہوتا شروع ہوتا ہے تو اس کو خضال کہتے ہیں، پھر اسکے بعد کھجور کی شکل دھور بن جانے کے بعد گٹھلی سخت ہونے تک اس کو بلع کہتے ہیں، اسکے بعد جیسا کہ پر زہو یعنی رنگت آنے لگے احمرا یا صفرار آتا ہے اور کمر کہتے ہیں، پھر اس کا پکنا شروع ہونے سے تمام ہونے تک رطب کہلاتی ہے پھر خشک ہونے کے بعد اس کو تمر کہتے ہیں ۱۵۔

کتابہ، عجم کے معنی نضج یعنی پکانے کے ہیں۔

عن امرأة من بني اسد عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

كان ينبذ له زبيب فيلقى فيه تمر، او تمر فيلقى فيه زبيب۔

اس حدیث میں زبيب اور تمر کی خلیط کا ذکر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو نوش فرمانا، اور اس کے

بعد والی حدیث میں بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کنت اخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقيه في اناء

فامرته ثم اسقيه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، کہ میں آپ کے لئے اس طرح نبیذ بناتی کہ ایک مٹھی کھجور کی لیتی

اور ایک مٹھی کشمش کی پھر ان کو پانی کے برتن میں ڈال دیتی اور پھر اس کو مل دیتی، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کو پلا دیا کرتی تھی۔

## باب فی نبیذ البسر

عن جابر بن زيد وعكرمة انهما كانا يكرهان البسر وحدها وياخذان ذلك عن ابن عباس رضي الله

تعالى عنهما وقال ابن عباس اخشى ان يكون المزاء الذي نهيت عنه وفد عبد القيس۔

شرح الحدیث اس روایت میں یہ ہے کہ جابر بن زید اور عکرمہ نبیذ البسر کو اگرچہ وہ تنہا ہی بنائی گئی ہو مگر وہ سمجھتے

تھے اور اس چیز کو لیا تھا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابن عباس فرماتے تھے

کہ مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ جس مزار سے وفد عبد القیس کو منع کیا گیا تھا وہ یہی نہ ہو یعنی نبیذ البسر وحده، پھر آگے

روایت میں یہ ہے قتادہ فرماتے ہیں کہ مزار سے مراد وہ نبیذ ہے جو حتم یا مزفت میں بنائی جائے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کے کلام سے یہ مستفاد ہو رہا ہے کہ وفد عبد القیس کو مزار سے روکا گیا تھا اور یہ کہ اس کا مصداق نبیذ البسر وحده ہے

لیکن ہمارے سامنے جو وفد عبد القیس کی روایات ہیں ان میں تو کہیں مزار کا ذکر ہے نہیں فالشر اعلم بالصواب، اور

آگے قتادہ کے کلام میں یہ آ رہا ہے کہ مزار کہتے ہیں اس نبیذ کو جو حتم اور مزفت میں بنائی جائے، ان دونوں روایتوں

کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ بسر وحده جس کا اس روایت میں ذکر ہے اس سے وہ نبیذ بسر مراد ہے جو حتم یا مزفت

میں بنائی جائے ورنہ بغیر اس کے بسر وحده کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## باب فی صفة النبید

یعنی نبیذ بنانے اور اس کو پینے کا طریقہ۔

عن عبد الله بن الديلمي عن ابيه، ان کے والد کا نام فیروز ہے، دیلمی سے مراد وہی ہیں۔

قال اتينا النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقلنا يا رسول الله! قد علمت من نحن، ومن اين نحن



فالی من نحن؟ قال: الى الله والى رسوله۔

### شرح الحدیث

اس کی شرح میں یہ بذل المجہودہ میں لکھا ہے مسند احمد کی روایت کے حوالہ سے کہ فیروز دہلی جو کہ  
یعنی ہیں یہ اور ان کی قوم جب اسلام لے آئی تو ان کی قوم نے ایک جماعت بطور وفد کے حضور  
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جس میں یہ فیروز دہلی بھی شامل تھے جنہوں نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کو اپنی قوم کے اسلام کی خبر دی، جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول فرمایا، اس موقع پر اس  
وفد نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وہ عرض کیا جو یہاں کتاب میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ یا رسول اللہ! آپ  
جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور یہ کہ ہم اسلام لا چکے ہیں، اب ہم آپ سے دریافت  
کرتے ہیں کہ اب ہمارا ولی یعنی دوست و یار و مددگار کون ہے؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: اللہ و رسولہ تو اس پر انہوں  
نے عرض کیا حسبنا و رضینا۔

فقلنا یا رسول اللہ! ان لنا اعناباً ما نضنع بها الخ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے یہاں انگور کے باغات  
ہیں، انگوروں کی وہاں فراوانی ہے تو ہم ان انگوروں سے کس کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کو زربیب بنا لو  
ہم نے پوچھا کہ پھر زربیب کو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ان کی نبیذ بنا کر صبح کی نبیذ شام کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور رات کی  
بنی ہوئی نبیذ صبح کے کھانے کے بعد پی لیا کرو، اور فرمایا آپ نے دیکھو! یہ نبیذ مشکیزوں میں بنانا اور مشکوں کے اندر نہ بنانا  
فانہ اذا توجرت عن عصی کا صار خلا، اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اس کا تعلق ام بالنبیذ فی الشان  
سے ہے یعنی اس کی حکمت، وہ یہ کہ جو نبیذ مشکیزہ میں بنائی جاتی ہے اگر اس کو وقت پر نہ استعمال کیا جائے بلکہ مشکیزہ ہی  
میں رہنے دیا جائے تو وقت گزرنے سے وہ نبیذ خل یعنی سرکہ بن جاتی ہے، اور اس میں کچھ نقصان اور اضرار نہیں ہے  
بخلاف اس کے کہ اگر قلعہ میں بنائی جائے گی اور اس میں دیر تک رہ جائے تو اس صورت میں وہ نبیذ شراب بن جائے گی  
جس میں اضرار مال ہے، اور احتمال ثانی یہ کہ اس کا تعلق نہی عن النبیذ فی القل سے ہے کہ نبیذ قلعہ میں نہ بنانا کیونکہ  
اس صورت میں اگر وہ دیر تک اسی میں پڑی رہی تو وہ سرکہ بن جائے گی جو کہ خلاف مقصود ہے گو حلال ہے، کذا فی البذل  
نقل عن تقریر حضرت الگنگوہی قدس سرہ، والحدیث اخرجه النسائی قال المنذری۔

عن الحسن عن امه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان ینبذ لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم فی سقاء یوکا اعلا لہ ولہ عزلاء الخ

### شرح الحدیث

بعض مشکیزوں میں دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر کی طرف جس سے اس میں پانی بھرتے ہیں، اور ایک  
نیچے کی طرف تلی کی جانب اس کو عزلا کہتے ہیں، جب مشکیزہ ٹنگا ہوا ہوتا ہے تو اس میں سے جب  
نبیذ نکالی جاتی ہے تو اسی منہ میں سے نکالتے ہیں جسکی مصلحت یہ لکھی ہے کہ مشکیزہ میں سکر جو پیدا ہونا شروع ہوتا ہے

تو وہ نیچے کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے نبیز جب پیتے ہیں تو وہ نیچے والے منہ سے نکالتے ہیں تاکہ سکر پیدا ہونے کا علم شروع ہو  
میں ہو جائے پینے سے پہلے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسے مشکیزہ میں نبیز بنائی جاتی  
تھی جس کے اوپر ولے منہ کو بندھن سے باندھ دیا جاتا تھا اور پینے کے لئے نبیز عزرا سے نکالی جاتی تھی جو نبیز صبح کو  
بنائی جاتی تھی اس کو آپ شام میں استعمال فرماتے تھے اور جو نبیز شام کے وقت بنائی جاتی تھی اس کو آپ صبح کے وقت  
نوش فرماتے تھے۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ صبح والی نبیز میں سے شام کے وقت پینے کے بعد اگر کچھ بچ جاتی اس کو پھینک  
دیا جاتا! اسی طرح شام والی نبیز جو صبح کو آپ نوش فرماتے تھے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جاتا، مطلب یہ کہ اس بچی ہوئی نبیز  
کو دوسرے وقت استعمال نہ فرماتے تھے سکر کے خوف سے کہ کہیں سکر نہ پیدا ہو گیا ہو، اور اس مشکیزہ کو دونوں وقت  
فارغ کر کے پانی سے دھو دیا جاتا تھا تاکہ پہلی نبیز کا کوئی اثر باقی نہ رہ جائے، مقاتل بن حیان کہتے ہیں: کہ میرے باپ حیان  
نے اپنی بہن عمرہ سے پوچھا کہ کیا اس مشکیزہ کو ایک دن میں دوبار دھویا جاتا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں دوسرے دن دھویا  
جاتا تھا۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ینبذ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الزبیب  
فی شربہ الیوم والغد ولغد الی مساء الثالثۃ الخ

اس روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو نبیز بنائی جاتی تھی اس کو آپ جس روز بنائی جاتی تھی  
اس دن اور پھر اس سے اگلے دن اور پھر اس سے اگلے دن تیسرے دن کی شام تک نوش فرماتے تھے پھر اس کے بعد اگر بچی تو  
آپ فرمادیتے کہ خدام کو پلا دی جائے یا بہا دیا جائے، یعنی اگر کوئی اور پینے والا نہ ہو۔  
امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ خادموں کو اس لئے پلانے کا حکم فرماتے تاکہ رکینے کی وجہ سے خراب نہ ہو اس لئے اس کو ابھی  
استعمال کر لیا جائے خراب ہونے سے پہلے، خراب ہونے سے مراد نشہ پیدا ہو جانا ہے۔

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے متعدد روایات میں یہ آیا ہے کہ آپ کے لئے جو نبیز بنائی جاتی تھی تو  
آپ صبح کی نبیز شام کو اور شام کی صبح کو نوش فرماتے تھے اور پھر برتن کو دھو کر رکھ دیا جاتا تھا، اور بابہ کی اس آخری روایت  
میں تین روز تک پینا مذکور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف زمان پر محمول ہے، گذشتہ روایات گرمی کے زمانہ پر محمول  
ہیں، اور یہ روایت موسم سرما پر۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی وابن ماجہ، واللمنذری۔

## باب فی شراب العسل

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یہکث عند زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فی شرب عندھا عسلاً الخ۔

## شرح الحدیث

یہ تحریم غسل والی مشہور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گو  
عادت شریفہ عدل بین الزوجات کی تھی، ہر زوجہ محترمہ کے لئے آپ نے باری مقرر فرما رکھی تھی لیکن  
روزانہ کسی ایک وقت میں خواہ باری کسی کی بھی ہو سلام و ملاقات کے لئے آپ جملہ ازواج مطہرات کے پاس کھڑے کھڑے  
تشریف لیجاتے تھے، آپ کی ازواج میں سے حضرت زینب بنت جحش نے یہ کیا کہ جب آپ ان کے یہاں پہنچے تو وہ آپ کو شہد  
کا شربت پلانے لگیں جس کی ایک مصلحت یہ بھی ہوگی تاکہ ان کے پاس کچھ زائد ٹھہرنا ہو جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ خود فرما رہی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم میں  
سے جس کے پاس بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو وہ آپ سے یہ کہے کہ اتی اجد مناک ریح مغایر  
کہ آپ کے منہ سے تو میں مغفور کی بو محسوس کرتی ہوں، چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:  
بل شربت عند زینب بنت جحش ولن اعود لہ کہ میں نے تو شہد پیا ہے نہ کہ مغایر، لیکن اسکے ساتھ  
ہی آپ نے یہ بھی فرمایا (کیونکہ آپ کو رات کو گریہ کا تحمل نہ تھا) کہ اچھا آئندہ میں اس کو ہرگز نہ پیوں گا اور یہ بات آپ  
نے قسم کھا کر فرمائی، اس قصہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ میری اس تحریم کا ذکر کسی سے نہ  
کرنا، لیکن انہوں نے اس کا ذکر دوسری سے کر دیا اس واقعہ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی: "یا ایہا النبی لم تحرم  
ما احل اللہ لک تبغی مرضات ازواجک"، اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ فرمایا  
گیا، ان تتوبا الی اللہ فقد صفت قلوبکما، کہ تم دونوں کو بھی توبہ کرنی چاہیے کہ تم نے ایک نامناسب کام کیا ہے  
اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: "قالت سودہ بنت بل اکلت مغایر اور آپ کا یہ جواب: "سقتنی حفصہ"، جس  
سے معلوم ہوتا ہے کہ پلانے والی خود حفصہ تھیں فقلت جروست نحلہ العرفط، یعنی جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے مغایر  
نہیں پیا بلکہ شہد پیا ہے تو اس پر انہوں نے یہ کہا کہ پھر ایسا ہو سکتا ہے کہ جس مکھی کا وہ شہد تھا جو آپ نے نوش فرمایا  
اس نے شاید درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا اسلئے اس سے پیدا ہونے والے شہد میں اس کا راسخ آگیا، گویا میری بات  
صحیح ہے کہ آپ کے منہ سے ریح مغایر آ رہی ہے۔

شہد کی مکھی جس پھول کا رس چوس کر شہد بناتی ہے تو اس شہد میں اسی کی بو آتی ہے، مغایر مغفور کی جمع ہے،  
مغفور ایک درخت کے چپ اور گوند کا نام ہے، جس درخت سے وہ نکلتا ہے اس کو عرفط کہتے ہیں یہ درخت  
خاردار ہوتا ہے اور اس کے گوند میں مٹھا س ہوتا ہے جس کو پانی میں ملا کر بعض لوگ پیتے ہیں لیکن اس میں راسخ گریہ  
ہوتی ہے، جب آپ نے اسکے پینے کی نفی فرمائی تو ان زوجہ صاحبہ نے اس کی یہ توجیہ کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

لہ اسکے بارے میں امام ابو داؤد فرماتے ہیں: ثبت من ثبت النحل یعنی یہ ایک قسم کا گھاس ہے جس کو شہد کی مکھی کھایا کرتی ہے اور پھر اس سے شہد بنایا کرتی ہے

## شراب غسل والی حدیث میں اختلاف روایات

ابوداؤد کی اس مذکورہ بالا روایت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں  
اول یہ کہ سورہ تحریم کا شان نزول تحریم غسل کا واقعہ ہے، دوسری

بات یہ کہ آپ کو شہد پلانے والی زینب بنت جحش ہیں جیسا کہ ابوداؤد کی پہلی روایت میں ہے، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ شہد پلانے والی حضرت حفصہ تھیں اور اشکال کرنے والی آپ پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، اور پہلی روایت میں یہ ہے کہ اشکال کرنے والی حضرت عائشہ و حفصہ ان دو میں سے کوئی سی ایک تھیں، ابوداؤد کی یہ دونوں مختلف روایتیں اسی طرح صحیح بخاری میں بھی ہیں، ان دونوں حدیثوں کو روایت کرنے والی حضرت عائشہ ہیں، پہلی حدیث بطریق عبید بن عمیر عن عائشہ ہے، اور دوسری بطریق عروہ عن عائشہ ہے۔

اکثر شارح علامہ عینی حافظ ابن حجر علامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا میلان اس طرف ہے کہ پلانے والی حضرت زینب بنت جحش تھیں اس لئے کہ حضرت حفصہ تو خود حزب عائشہ میں سے تھیں بخلاف زینب کے کہ وہ حزب مخالف میں سے ہیں بلکہ اصل مد مقابل وہی ہیں، اور روایت میں اس کی تصریح ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں غیرت لاحق ہوئی لہذا اس کا تقاضا یہی ہے کہ پلانے والی حضرت عائشہ کی حزب مخالف سے ہوں، حضرت سہارنپوریؒ نے بھی بذیل میں اسی کو ترجیح دی ہے بلکہ دوسری روایت کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: وهذا غلط من اصد الرواة، وانما كانت سقۃ زینب كما ذكره المؤلف في الروایۃ المتقدمۃ اھ یہ کلام امر ثانی سے متعلق ہوا۔

## آیت کے شان نزول میں تحریم غسل اور تحریم ماریہ کا اختلاف

اور امر اول جو مستفاد من الحدیث ہے یعنی یہ کہ تحریم کا تعلق غسل سے ہے یہ بات بھی مختلف فیہ ہے اس کا مقابل یہ ہے کہ اس تحریم سے مراد تحریم ماریہ قطبیہ ہے، یہ اختلاف بھی مشہور بین المفسرین والمحدثین ہے، لیکن تحریم غسل

کی روایات صحیحین کی ہیں، اور تحریم ماریہ والی روایات غیر صحیحین کی ان دونوں اختلافات پر کلام مختصر مگر جامع، الابواب والترجم ص ۱۳ میں مذکور ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، اس میں یہ بھی ہے: قال ابن کثیر: الصحیح انہ کان فی تحریمہ العسل وقال الخطابی: اکثر علی ان الآیۃ نزلت فی تحریم ماریہ۔ الی آخرانیہ، تحریم ماریہ کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جبکہ آپ بیت حفصہ میں تھے اور حفصہ آپ سے اجازت لے کر کسی ضرورت سے باہر گئی ہوئی تھیں آپ نے حضرت ماریہ کو وہاں بلا کر ان سے صحبت فرمائی، واپسی میں حضرت حفصہ نے جب دیکھا تو اس پر انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا، اس پر آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار سے دیا جس پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں، جلالین میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے اور حاشیہ جمل میں اس تحریم ماریہ ولے قصہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے فارح الیہ لوشنت، یہاں پر ایک واقعہ اور ہے یعنی آپ کے ایثار اور اعتزال عن النساء کا جس میں یہ ہے کہ آپ نے اپنی ازدواج سے ایک ماہ تک علاحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی اور پھر اس قسم کو آپ نے پورا بھی فرمایا تھا اور یہ ہمینہ تنہائی

میں اپنے غزف میں گذارا تھا، اس کا سبب کیا ہوا تھا حافظ فرماتے ہیں کہ اس میں جیسی طرح اختلاف ہے، جس طرح مذکورہ بالا تحریم میں اختلاف ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتزال کا سبب آپ کی ازواج کا نفقہ میں زیادتی کی طلب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب افشار راز ہے کہ تحریم غسل یا ماریہ کے بعد آپ نے اس تحریم کے اظہار سے منع فرمایا تھا لیکن ان زوجہ نے اس کو بجائے اخفا کے ظاہر کر دیا تھا اس پر آپ نے ناراض ہو کر ایک ماہ کیلئے جدائی اختیار فرمائی تھی لیکن جس تحریم کی وجہ سے آپ پر عتاب ہوا وہ یہ اعتزال عن النساء نہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حقیقۃ فی الکوکب الدرر فی کتاب التفسیر، فارجع الیہ لوشمت۔

حدیث الباب الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، والثانی اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً وطولاً، قال المستذری۔

## باب فی النبذ اذا غلی

فَتَحَيَّنْتُ فِطْرَةَ نَبِيٍّ صَنَعْتَهُ فِي دُبَاءِ شَعَائِيتِهِ بِهِ فَاذْهَبَ يَنْشِ الْخُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کا روزہ تھا تو میں وقت افطار کا انتظار کرتے ہوئے افطار کے وقت آپ کے پاس وہ نبیذ لے گیا جس کو میں نے دبار کے اندر بنایا تھا جب میں اس کو آپ کی خدمت میں لیکر آیا تو وہ اس وقت جوش مار رہی تھی یعنی فساد اور سکر پیدا ہوئی تھی وجہ سے تو آپ نے فرمایا: اضرب بهذا الحائط، کہ اس نبیذ کو دیوار پر پھینک مارو، کیونکہ یہ ان لوگوں کی شراب ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المستذری۔

## باب الشرب قائماً

نهی ان یشرب الرجل قائماً۔

شرب قائماً کے بارے میں اختلاف روایات | شرب قائم کے بارے میں روایات دونوں قسم کی وارد ہیں، منع کی بھی اور جواز کی بھی، امام بخاری نے تو صحیح بخاری میں شرب قائماً کا باب باندھ کر صرف حدیث جواز یعنی حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہاں ابوراد میں اس کے بعد آ رہی ہے۔ ذکر فرمائی ہے، ابن بطال کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کا اشارہ اس طرف ہے کہ ان کے نزدیک احادیث منع ثابت نہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک اور امام بخاری نے احادیث نہی کی تخریج نہیں کی، ہاں امام مسلم نے ان کی تخریج کی ہے چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں مرفوعاً عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح ہے: "لا یشرب احدکم قائماً فمن نسی فلیستقی" حافظ فرماتے ہیں کہ علماء کی اس سلسلہ میں آراء مختلف ہیں، اول ترجیح اور یہ کہ احادیث جواز اثبت اقویٰ

ہیں احادیث نہی سے، دوسرا قول یہ کہ احادیث منع منسوخ ہیں احادیث جواز سے بقریۃ عمل الخلفاء الراشدين و معظم الصحابة والتابعين بالجواز تیسرا قول جمع بین الروایتین ہے، پس بعض نے کہا کہ قیام سے مراد مٹی ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ احادیث نہی عدم تسمیہ عند الشرب پر محمول ہیں یعنی جو شخص جلدی میں کھڑے کھڑے بغیر بسم اللہ کے پیئے، اور اگر باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر پیتا ہے تو اس طرح کھڑے ہو کر پینے میں کچھ حرج نہیں، اور تیسری رائے اس میں یہ ہے کہ احادیث نہی کراہت تنزیہہ پر محمول ہیں اور احادیث ثبوت بیان جواز پر، و هذا حسن المسالك واسلمها، اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث نہی طب پر محمول ہیں اور شفقت پر کہ ایسا نہ ہو کہ کھڑے ہو کر پینے میں جلد بازی میں گلے میں پھنسا لگ جائے، لہذا اطمینان سے بیٹھ کر پینا چاہیئے اھ ملخصاً سن الاوجز ص ۱۲۹ اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث جواز فضل وضو یا زمرم پر محمول ہیں اور احادیث نہی اس کے علاوہ پر۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی وابن ماجه بخوه، و حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثانی حدیثی الباب اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قاله المنذری۔

## باب الشراب من فی السقاء

نهی عن الشرب من فی السقاء وعن ركوب الجلالة والمجتمعة

**شرح الحدیث** یعنی آپ نے منع فرمایا ہے مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پینے سے، جس کی علامت نے مختلف مصلحتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے کہ مشکیزہ میں کوئی موزی جانور وغیرہ ہو، یا یہ کہ ایک دم پانی حلق میں پہنچنے سے پھنسا لگ جائے، یا پانی چھلک کر پینے والے کے کپڑے تر ہو جائیں، نیز ہمیشہ یا بار بار ایسا کرنے سے مشکیزہ کے اندر اس سے بو پیدا ہو جاتی ہے۔

آگے حدیث میں رکوب جلالہ کی ممانعت ہے، جلالہ وہ جانور ہے جو کھلا پھرنے کی وجہ سے کثرت سے پلیدی کھاتا ہو حتیٰ کہ اس کے پسینہ میں سے نجاست کی بو آئے لگے۔

آگے حدیث میں ہے، "والجمجمة مجممة" کو مصبورہ بھی کہتے ہیں یعنی مجممة جانور کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا، مجممة اس جانور (چرند پرند) کو کہتے ہیں جس کو شرمعی ذبح پر قدرت کے باوجود قید کر کے تیر وغیرہ سے نشانہ بنا کر مارا جائے۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه، و لیس فی حدیث البخاری وابن ماجه ذکر الجلالة والجمجمة، قاله المنذری۔

## باب فی اختناث الاسقیة

اسقیة جمع ہے سقار کی یعنی مشکیزہ، اور اختناث سے مراد مشکیزہ کے منہ کو باہر کی طرف موڑ دینا تاکہ اس میں جستی



اور سختی سی آجائے تاکہ پھر اس سے منہ لگا کر پانی پی سکیں، یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں، اس ترجمہ الباب میں اور اوپر والے میں غرض کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا، دونوں باب قریب ہی قریب ہیں۔  
اس باب کی دوسری حدیث میں اختناث اسقیہ کا جواز مذکور ہے جس کی مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں، یہ کہ منع کا تعلق بڑے مشکیزہ سے ہے یا یہ کہ اباحت کا تعلق احیاناً پر ہے کہ کبھی کبھار ایسا کر سکتے ہیں اور منع کا تعلق کثرت اور عادت پر ہے کہ اسی کی عادت ڈال لی جائے، یا یہ کہ یہی محمول ہے شفقت پر اور ثبوت اباحت اور جواز پر (بذل) حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والترمذی وابن ماجہ، والحدیث الثانی اخرجہ الترمذی، قالہ المتذری۔

### باب فی الشرب من ثلثة القدح

یہی الفاظ حدیث کے بھی ہیں، ثلثة القدح پیالہ کی وہ جگہ جہاں سے وہ ٹوٹ رہا ہو، موضع الانکسار اس جگہ منہ لگا کر پینے سے منع کی مختلف مصاحح ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حصہ غیر نظیف ہو تا ہے اس میں میل جم جانکی وجہ سے، یا یہ کہ اس کے ہونٹوں میں چبھ جانے کا اندیشہ ہے۔

وان ینفخ فی الشراب، یعنی پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے آپ نے منع فرمایا، یہ پھونک مارنا چاہے تو کسی تنکہ وغیرہ کو پانی سے دور کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس کو ٹھنڈا کرنے کی نیت سے، کیونکہ یہ ادب اور نظافت کے خلاف ہے پھونک کے ساتھ اس میں تھوک گرنے کا امکان ہے، آگے مستقل ایک باب آرہا ہے، باب فی النفخ فی الشراب، جس میں یہ حدیث مذکور ہے، ہی ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ۔

### باب فی الشرب فی انیة الذهب والفضة

كان حذيفة رضي الله تعالى عنه بالمداثر فاستسقى فأتاه دهقان باناء من فضة فرماه به الخ  
یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مدائن میں رہتے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا امیر بنایا تھا ایک روز انہوں نے پانی طلب کیا تو ان کے پاس ایک دھقان یعنی چودھری چاندی کے پیالہ میں پانی لے کر آیا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو ویسے ہی نہیں پھینکا بلکہ میں نے اس کو اس میں لانے سے منع کیا تھا

لہ علامہ عینی نے اس جملہ کا ترجمہ یہ کیا ہے ولفظہ: فری القدح بالشرب اور فی الشراب بالقدح، اور حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے فرماہ بہ ای رمی حذیفہ الدهقان بذلک الاناء یعنی حضرت حذیفہ نے وہ پیالہ اس دھقان پر دے مارا اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے: ویؤید ما افادہ شیخ مان النفخ من اختلاف الروایات نفی روایۃ فری بہ فی وجہہ، و فی اخری ما یالوان یصیب بہ وجہہ اھ

مگر یہ بات نہ آیا حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے لبس حریر اور دیباچ سے، یعنی مردوں کو، اور منع فرمایا ہے سونے چاندی کے برتن میں پینے سے، یعنی مطلقاً للرجال والنساء، اور فرمایا کہ یہ چیزیں دنیا میں صرف کفار کیلئے ہیں اور تمہارے لئے صرف آخرت میں۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المبتدزی۔

## باب فی الکرم

برتن یا چلو کے واسطہ کے بغیر براہ راست حوض یا نہر سے منہ لگا کر پانی پینا۔

دخل النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ورجل من اصحابه على رجل من الانصار وهو يحول الماء في حائطه..... ان كان عندك ماء بات هذه الليلة في شن والاكرونا۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایک صحابی ایک انصاری کے باغ میں پہنچے جو کہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اس رات کار کھا ہوا یا سی پانی مشکیزہ میں موجود ہو (تو لے آؤ) ورنہ ہم اس گول کو منہ لگا کر پانی پی لیں گے، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ میرے پاس رات کا مشکیزہ میں رکھا ہوا پانی موجود ہے۔

اس واقعہ میں اگرچہ کرم کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ ہے کہ آپ نے اس کا ارادہ فرمایا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مشکیزہ یا مراحی میں رات کار کھا ہوا ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔

کتاب الاشرہ کے آخری باب کی آخری حدیث میں آرہا ہے، کان يستعذب للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الماء من بيوت السقيا، کہ آپ کے لئے بیوت السقيا سے جو کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے شہر میں پانی لایا جاتا تھا۔

اس پر بذل میں لکھا ہے: یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں مدینہ کے اکثر پانی مارج اور کھارا ہوتے تھے۔

**حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک معمول** | سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے بارے میں مشہور ہے جس کو ہم نے حضرت شیخ سے بارہا سنا کہ

حضرت حاجی صاحب خوب ٹھنڈا پانی نوش فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پی کر الحمد للہ دل سے نکلتا ہے اور گرم پانی پینے میں یہ بات نہیں ہے، خود ہمارے حضرت شیخ بھی بہت تیز ٹھنڈا پانی پینے کے عادی تھے اور اپنی تائید کے لئے حضرت حاجی صاحب کا یہ مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے۔

والحدیث أخرجه البخاری وابن ماجہ، قالہ المبتدزی۔

## باب فی الساقی متی یشرب

عن عبد الله بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ساقی القوم اخرهم شرباً، لوگون کو پانی پلانے والا اپنے پینے کے اعتبار سے سب سے اخیر میں ہوا کرتا ہے۔

اس حدیث میں ادب اور استحباب کا بیان ہے کہ ہوتا ایسا چاہیے، بخلاف اس کے کہ پانی پلانے والا اگر اپنے نفس کو مقدم رکھے تو یہ اس کے حرص کی علامت ہوگی کذا فی البذل، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ساقی اپنے حصہ کے بقدر پانی پہلے ہی لے لے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے اھ  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً، قالہ المتذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی بلبن قد شیب بماء وعن یحییٰ بن اعرابی وعن یسارۃ ابوبکر الخ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی ملا، ہوا دودھ (یعنی لسی)، لایا گیا جبکہ آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی اور بائیں جانب صدیق اکبر موجود تھے، آپ نے اولاً خود نوش فرمایا، اس کے بعد بچا ہوا اس اعرابی کو عطا فرمایا، اور فرمایا، الاکمن فالاکمن، یعنی دائیں جانب والا راجح اور مقدم ہے بائیں جانب والے پر، اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے، اور بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل فرمایا ہے کہ مصنف اس حدیث کو اس باب میں بظاہر اس لئے لائے ہیں کہ اوپر والا قاعدہ "ساقی القوم آخرهم شرباً" اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص مشترک چیز کو اپنے ماتحتیوں کے درمیان تقسیم کر رہا ہو، وہاں پر اس کو چاہیے کہ اپنے حصہ کی چیز بعد میں لے، اور جہاں جو چیز خالص اپنا حق ہو یا اپنی ملک ہو پہلے سے، یا اس کو ہدیہ کی گئی ہو اس کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے اوپر مقدم کرے اھ فللشہد الشیخ۔

شمالی ترمذی میں ایک روایت میں یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت خالد بن الولید دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گئے وہ ہمارے پاس ایک پیالہ میں دودھ لے کر آئیں جس کو آپ نے نوش فرمایا، میں آپ کی دائیں جانب تھا اور خالد بائیں جانب، تو آپ نے بچے ہوئے دودھ کو جب تقسیم کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے آپ نے فرمایا کہ حق تو یہ تمہارا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں اس میں خالد کو ترجیح دے دوں، میں نے عرض کیا کہ آپ کا سوا مبارک ایسی معمولی چیز نہیں جس پر کسی دوسرے کو ترجیح دیجائے، لہذا وہ انہوں نے خود ہی نوش فرمایا۔

اس روایت کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ حضرت خالد بن ولید اور ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہم اور اسی طرح یزید بن الاصم ان تینوں کی خالہ تھیں اھ گویا اسی وجہ سے یہ دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہوئے حضرت میمونہ کے محرم ہونے کی وجہ سے۔

تنبیہ :- اس حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو آیا ہے .. وعن یحییٰ بن اعرابی .. یہ حدیث چونکہ بخاری میں بھی ہے اس پر حافظ نے فتح الباری ۳/۲ (کتاب المساقاة) میں لکھا ہے کہ ابن التین نے بعض شرح سے نقل کیا ہے کہ اس اعرابی سے مراد حضرت خالد بن الولید ہیں، اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولید جیسے شخص کو تو اعرابی نہیں کہا جاسکتا حافظ فرماتے ہیں: شاید اس تفسیر کا باعث وہ حدیث ابن عباس ہو جو ترمذی میں ہے قال دخلت انا وخالد بن الولید علی میمونہ الحدیث (المذکور قریباً) شاید اس قائل نے یہ سمجھا کہ قصہ ایک ہی ہے جو کہ صحیح نہیں اسلئے کہ ترمذی والی روایت میں جو قصہ مذکور ہے وہ بیت میمونہ کا ہے اور اس حدیث انس کا قصہ یہ دار انس میں پیش آیا۔ ال آخری باسوط۔ لہذا ایک کو دوسرے پر محمول کرنا غلط ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

كان اذا شرب تنفس ثلاثا وقال: هو انا وامراؤا برأ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول پینے کی چیز میں یہ تھا کہ آپ اس کو تین سانس میں پیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ تین بار میں پینا بہت زیادہ خوش گوار، اور پینے میں ہلکا اور پھندا وغیرہ لگنے کے ضرر سے پاک ہے۔ پینے کا ایک ادب تو اس حدیث میں مذکور ہے کہ پانی کم از کم دو یا تین سانس میں پیا جائے ایک سانس میں پیا جائے، کما تقدم فی کتاب الطہارۃ "واذا شرب فلا يشرب نفسا واحدا، اور دوسرا ادب روایات میں یہ آتا ہے "واذا شرب احدكم فلا يتنفس في النار، کہ پانی پینے کے درمیان جب سانس لے تو برتن کو منہ سے جدا کر لیا جائے، برتن کے اندر سانس نہ لیا جائے۔ اس حدیث کو ترجمہ الباب کے ساتھ کوئی خصوصی مناسبت تو ہے نہیں، بس یہ ہے کہ یہ بھی منجملہ آداب شرب میں سے ایک ادب ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی النفخ فی الشراب

نهی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ۔

نفخ فی الشراب سے نہی کی حدیث قریب میں بھی گزری ہے، یہاں حدیث تو واضح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مستقل ادب علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی ایک تو ایک ہی سانس میں پینے کی ممانعت، دوسرے برتن میں سانس لینے کی ممانعت، لیکن بعض روایات کے الفاظ ذرا مشکل ہیں محتاج تاویل جیسا کہ مثلاً ایک روایت میں ہے جو اکثر کتب صحاح میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یتنفس فی النار ثلاثا، اس حدیث سے بھی راوی کا مقصود تعدد تنفس کو بیان کرنا ہے کہ آپ تین سانس میں پانی پیتے تھے اور پانی پینے کے درمیان سانس لیتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ برتن کے اندر سانس

لیتے تھے ورنہ دوسری حدیث کے خلاف ہو جائے گا، اسلئے حافظ منذری رحمہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: واجمع بينهما ظاهر۔

عن عبد الله بن بسر رضي الله تعالى عنه قال جاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الى ابى

فنزله عليه فقدم اليه طعاما الخ

### شرح الحدیث

عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے والد کے پاس ہمارے گھر تشریف لائے، میرے والد صاحب آپ کے لئے کھانا لے کر آئے جس یعنی مالیدہ جو کھجور اور پنیر اور مکھن سے بنتا ہے اس کے بعد پیٹنے کے لئے پانی لائے جو آپ نے نوش فرمایا اور بقیہ دائیں جانب والے کو دیا، اس کے بعد کھجور نوش فرمائی، آگے روایت میں ہے۔ فجعل يلقى النوى على ظهر اصبعه السبابة والنوبطنی کہ کھجور کھاتے وقت اس کی گھٹلی کو اپنی دو انگلیوں سبابة اور وسطی کی پشت پر رکھتے تھے، یعنی گھٹلی اس برتن میں نہ ڈالتے تھے جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں تاکہ گھٹلیاں کھجوروں کے ساتھ خلط نہ ہوں جو کہ خلاف ادب ہے، اب یہ کہ اس کے بعد ان گھٹلیوں کو کیا کرتے تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ پھینک دیتے تھے، یعنی اولاً ان کو ہاتھ کی پشت پر رکھا اور پھر پھینک دیا، یعنی آپ ان کو کھجور کی پلیٹ میں تو کیا رکھتے ہاتھ کی سیدھی جانب میں بھی ان کو نہیں رکھا جس طرف سے کھاتے ہیں جو کہ غایت نظافت کی بات ہے، کذا فی البذل عن فتح الورد بتوضیح۔

اس روایت کے الفاظ کتب حدیث میں مختلف ہیں، ترمذی کی روایت میں ہے (کتاب الدعوات میں) یلقى النوى باصبعه اور مشکاة میں بروایت مسلم یلقى النوى بین اصبعیه ہے اور ایک روایت میں، فجعل يلقى النوى على ظهر اصبعه جس طرح یہاں ابوداؤد میں ہے، اسی لئے ان روایات مختلفہ کے پیش نظر الکوکب الدرۃ میں اس جملہ کی شرح اس طرح کی ہے: ای کان یجمع الاصبعة فیضع من فیہ النواة علی ظهر ہما فیفتح ما بین الاصبعة حتی یسقط النوى من بینہما علی الارض، یعنی پہلے دو انگلیوں کو ملا کر ان کی پشت پر اس گھٹلی کو رکھ دیتے تھے اور پھر ان دونوں انگلیوں میں فصل کر دیتے تھے جس سے وہ نیچے گر جاتی تھی، اس صورت میں بین الاصبعة اور علی ظهر الاصبعة دونوں باتیں پائی گئیں فللہ در الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حدیث الباب میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی کے یہاں کھانا نوش فرمانے کے بعد جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی: اللهم بارک لهم فیما رزقہم، واغفر لهم وارحمہم جو کہ بہت مختصر اور جامع دعا رہے، ہمیں اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے کہ جب کسی کے یہاں کھانا کھائیں تو اس کے لئے اس طرح دعا کریں۔

اس روایت میں فقدم اليه طعاما کے بعد ہے: شرابا بشراب

کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

فشرّب۔ اس پر حضرت شیخ حاشیہ بزل میں فرماتے ہیں: هذا النص فی شرّب

کھانے کی تشریح ہی پانی نوش فرمانے کا تھا؟



عليه الصلاة والسلام على الطعام ويخالفه ما قال ابن القيم: لم يكن من هذيه ان يشرب على طعامه فيفسده اه يعني اس حدیث سے کھانے کے بعد ساتھ ساتھ پانی پینے کا پتہ چل رہا ہے گویا آپ کھانے کے بعد ساتھ ہی پانی بھی نوش فرماتے تھے، لیکن حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ یہ کہ آپ کا معمول کھانے پر پانی پینے کا نہ تھا اسلئے کہ یہ مضرب ہے، انہوں نے زاد المعاد میں صرف اتنا ہی لکھا ہے لیکن آپ کے اس معمول کے ثبوت اور تائید میں کسی حدیث یا روایت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف اس کی تائید میں ایک شاعر کا قول لکھا ہے، اس میں قدیم اطباء کی رائے بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی رائے اس بارے میں کیا ہے مشہور یہی ہے کہ وہ اس میں تاخیر شرب کے قائل ہیں اور یہ کہ وہ ہضم طعام میں مفید ہے، میرے والد صاحب حکیم محمد الوب مرحوم و مغفور باقاعدہ طبیب حاذق تھے ان کا معمول تو کھانے کے ساتھ ہی پینے کا تھا اسی طرح ہمارے حضرت شیخ بھی۔ اس حدیث کو بظاہر ترجمہ الباب سے کوئی مناسبت نہیں مگر بہت کھینچ تان کر، مثلاً یوں کہا جائے کہ فاناہ بشراب فشرب سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق پانی نوش فرمایا اور آپ کا معمول پینے میں عدم النفع فی الشراب ہی تھا

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قال المتذری۔

## باب ما يقول اذا شرب البن

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال كنت في بيت ميمونة رضي الله تعالى عنها فدخل رسول الله صلى الله تعالى عليه والوسلم ومعهم خالد بن الوليد فجاءوا بضبيين مشومين على شامتين الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت ميمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لائے، آپ کے ساتھ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے پس آپ کے پاس دو ضب یعنی گاو۔ جن کو بھونا گیا تھا دو لکڑیوں پر رکھ کر۔ لائی گئیں، آپ نے ان کو دیکھ کر اظہار نفرت کے طور پر تھوکا، اس پر حضرت خالد نے عرض کیا کہ شاید آپ کو ان سے کراہت آتی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

**ایک اشکال و جواب** بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا گیا ہے کہ جب آدمی کے سامنے کوئی کھانے پینے کی قسم کی ایسی چیز آتی ہے جس سے اس کو نفرت ہوتی ہے تو اس کو متلی سی ہونے لگتی ہے جس کی

لہ یاکم ازکم یہ کہے کہ اس وقت آپ نے ایسا کیا۔ نہ وہ لکھتے ہیں قال الشاعر۔

لا تکل عند اکل سخی و یورد ۛ ودخول الحمام تشرب ماء

فاذا ما اجتنبت ذلك حملاً ۛ لم تخف احیت فی الجوف داء



وجہ سے منہ میں پانی آجاتا ہے، جس کو پھر تھوکنے پر تیار ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہوا کہ غیر اختیاری طور پر آپ کے منہ میں کراہت کی وجہ سے پانی سا آگیا، اب ظاہر ہے اس کو نگلنا تو طبع سلیم کے لئے گوارہ نہیں ہو سکتا اس کو تھوکا ہی جائے گا، یہ بات نہیں کہ آپ نے قصداً اظہار کراہت کے لئے تھوکا، تاکہ اس حدیث کے خلاف ہو جائے، کان لایذم ذواقا ولا یسدہ دکا فی الشیائل کہ آپ کھانے پینے کی چیز میں نہ عیب نکالتے تھے نہ اسکی زیادہ تعریف ہی فرماتے تھے اھ اور آگے کتاب الاطعمہ میں حدیث آرہی ہے، ما عاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طعاما قط، ان اشتہاہ اکلہ وان کرہہ ترکہ۔  
ضبط کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاث کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے کتاب الاطعمہ میں، باب فی اکل الضیف مستوفی باب آرہا ہے۔

آگے حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی کوئی کھانے کی چیز کھائے تو اس کو چاہئے کہ یہ پڑھے۔ اللہم بارک لنا فیہ واطعمنا خیر امنہ، اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے، اللہم بارک لنا فیہ وذننا منہ، واطعمنا خیر امنہ، نہ کہے اسلئے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سب سے بہتر دودھ ہی ہے کہ وہ طعام و شراب دونوں کا کام کرتا ہے۔ بذل میں لکھا ہے کہ گویا دودھ اسی حیثیت سے فوقیت رکھتا ہے لحم پر بھی، اگرچہ لحم کے لئے اور خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے وہ سید الطعام کہلاتا ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن، قالہ المنذری۔

## باب فی ایکاء الانیۃ

یعنی برتن کے منہ کو ڈھانک کر رکھنا اور مشکیزہ ہو تو اس کے منہ کو بندھن سے باندھ دینا کھلانے چھوڑنا خصوصاً رات کے وقت میں۔

حدیث الباب میں ہے کہ رات کو دروازہ بسم اللہ پڑھ کر بند کر دیا کرو، اسلئے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھول سکتا، اور ایسے ہی چراغ کو بسم اللہ پڑھ کر بجھا دیا کرو، اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر برتن کو ڈھانپ دیا کرو اگرچہ کسی لکڑی کے ذریعہ سے ہی ہو جس کو تم اس برتن کے اوپر عرض میں رکھ دو اور ایسے ہی مشکیزہ کا منہ بھی باندھ دیا کرو اسی طرح بعد والی روایت میں آرہا ہے کہ شیطان کو اس بات کی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ بند دروازہ کو کھول سکے یعنی جس کو بسم اللہ پڑھ کر بند کیا گیا ہو، اور اسی طرح نہ وہ بندھن کھول سکتا ہے اور نہ ڈھکا ہوا برتن، اور اطفال و صبا کی حکمت آپ نے بیان فرمائی کہ بعض مرتبہ نو سقہ یعنی چوبی لوگوں کے گھروں میں آگ لگادیتی ہے، یعنی رات میں اگر جلتا ہو چراغ چھوڑ دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ چوبی جلتے چراغ کی بتی کو تیل کے لالچ میں کھینچ کر کسی جگہ لے جائے اور پھر اس سے آگ لگ جائے۔

اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ بند دروازہ کو شیطان نہیں کھول سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ اوپر صحن جو کھلا ہے جسکو

بند نہیں کیا جاسکتا، وہاں سے تو آسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جامع الصغیر میں بروایت احمد یہ زیادتی ہے: انہم لم یؤذن بہم فی التَّسْوِرَہِ کہ شیاطین کو دیوار پھاند کر اوپر سے آنے کی اجازت نہیں ہے، اگر آئیں گے تو دروازہ ہی سے آئیں گے۔  
 حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اثر جہ البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث الثانی اخر جہ مسلم والترندی ابن ماجہ قال المنذری اور اسی حدیث جابر کے تیسرے طریق میں یہ زیادتی آرہی ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو شام کے وقت سنبھال کر رکھو، باہر مت نکلنے دو، اسلئے کہ شام کے وقت میں جنات کا انتشار ہوتا ہے وہ شرارت کرتے ہیں اور اچک لیتے ہیں۔  
 اس بات کا اہتمام ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ گھر کی بوڑھی عورتیں بچوں کو شام کے وقت باہر نکلنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا تو ایک شخص بھاگا ہوا گیا اور ایک پیالہ میں نمیندے کر آیا، یہ شخص یہ پیالہ کھلا ہوا لے کر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا: الاخمر تلہ ولو ان تعرض علیہ عودا کہ تو نے اس کو ڈھک کیوں نہ دیا اگرچہ اس پر ایک لکڑی ہی رکھ لیتا۔  
 والحديث الثالث سکت علیہ المتذری، واخر جہ البخاری فی مواضع، والترندی، ومسلم، وابن ماجہ قالہ الشیخ محمد عوامہ، والحديث الرابع اخر جہ البخاری ومسلم بخوہ من حدیث ابی صراح وابی سفیان طلحہ بن نافع عن جابر، واخر جہ مسلم ایضاً من حدیث ابی صراح وحده، قالہ المتذری۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه والموسلم كان يستعذب له الماء من بيوت السقياء۔ اس حدیث کا حوالہ اور مضمون باب فی الکراع میں گزر چکا۔ آخر کتاب الاشریہ۔

وهذا آخر ما اردت ايرادہ فی هذا الجزر، وهو الجزر الخامس من الدر المنصور، وقد شرعت فيه في العشرة الاخيرہ من شهر رمضان ١٢٣٠ هـ الذي هو شهر الصبر والغفران الذي انزل فيه القرآن، في المدينة المنورة على صاحبها الف الف تحية وسلام، وقد كنت نازلاً في العوالي في بيت حبيب الله قربان علي المظاہري، وهو الذي اعانني في جمع المواد والامار والتحرير حسب اعانتہ في الجزر الرابع فجزاه الله تعالى وسائر من اعانني في هذا التأليف احسن الجزاء وانا ارجو من لطف الله تعالى وكرمه ان يتم هذا الشرح في ستة اجزاء فكانه بقى جزء واحد، واسأل الله سبحانه وتعالى السداد والتوفيق لما يحب ويرضى وان يكمل هذا الشرح ويجعله فالصا الوجهة الكريم ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين۔ آمين

محمد عاقل عفا الله عنه